یا اللہ جل جلالہٗ

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النحل ۴۳)
اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تم علم نہیں رکھتے

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سینکڑوں مسائلِ شرعیہ کے حل کا بیش بہا خزانہ

العطايا السيفية في الفتاوىٰ النقشبندية

المجلد التاسع عشر

تصنیف
فخر المتاخرین العالم العارف باللّٰہ
مفسر کلام اللّٰہ تعالیٰ وخادم حدیث رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
الشیخ السید احمد علی شاہ
الحنفی الترمذی الماتریدی السیفی
النقشبندی الجشتی القادری السهروردی

ناشر
جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ
فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی غربی

نام کتاب: العطایا السیفیۃ فی الفتاوی النقشبندیۃ، المجلد التاسع عشر

تصنیف و تالیف: پیر طریقت رہبر شریعت آفتاب ہدایت حضرت علامہ سید احمد علی شاہ ترمذی سیفی نقشبندی دامت برکاتہم القدسیہ

تعلیق و ترتیب: پیر طریقت رہبر شریعت حضرت علامہ صاحبزادہ سید عبد الحق شاہ ترمذی سیفی نقشبندی دامت برکاتہم القدسیہ

طباعت اول: جولائی ۲۰۲۴ء بمطابق صفر المظفر ۱۴۴۶ھ

طباعت ثانی:

کمپوزر: صوفی سید فرحان الحسن سیفی

ناشر: جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی، فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن، کراچی

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

مسائل متفرقہ کے بیان میں

(۱) مسئلہ نمبر ایک: نبی کریم ﷺ کو رب کریم نے خلقت میں اول النبیین کا خطاب عطا فرمایا

وجعلتک أول النّبیین خلقاً وآخرھم بعثاً۔

"اور میں نے آپ ﷺ کو یا رسول اللہ ﷺ پیدائش میں سب انبیاء علیہم السلام سے اول پیدا فرمایا اور ان کے آخر میں مبعوث فرمایا۔"[1]

حَدَّثنَا أَبُو هَمَّامٍ الوَلِيدُ بْنُ شُجاعِ بْنِ الوَلِيدِ البَغْدَادِيُّ قَالَ: حَدَّثنَا الوَلِيدُ بْنُ مُسلِمٍ، عَنِ الأَوْزَاعِيِّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَتَى وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ؟ قَالَ: وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالجَسَدِ۔

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کیلئے کب نبوت واجب ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس وقت آدم علیہ السلام جسم اور روح کے درمیان تھے۔[2]

(۲) مسئلہ نمبر دو: نوری حوروں سے اولاد کا ہونا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ عَامِرٍ الْأَحْوَلِ، عَنْ أَبِي الصِّدِّيقِ النَّاجِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْمُؤْمِنُ إِذَا اشْتَهَى الْوَلَدَ فِي الْجَنَّةِ، كَانَ حَمْلُهُ وَوَضْعُهُ وَسِنُّهُ فِي سَاعَةٍ وَاحِدَةٍ، كَمَا يَشْتَهِي۔

حضرت سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ مومن جنت میں جب اولاد کی خواہش کرے گا اس کا حمل بھی ہو گا اور وضع حمل بھی ہو گا جیسا کہ خواہش کرے گا اور فوراً اس کی عمر بھی بڑی ہو جائے گی۔[3]

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ، وَالْقَوَارِيرِيُّ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَامِرٍ الْأَحْوَلِ، عَنْ أَبِي الصِّدِّيقِ النَّاجِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا اشْتَهَى الْوَلَدَ فِي الْجَنَّةِ، كَانَ حَمْلُهُ وَوَضْعُهُ وَسِنُّهُ فِي سَاعَةٍ كَمَا اشْتَهَى۔[4]

---

[1] (تفسیر درمنثور ج۵ ص ۲۰۳، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۱۷۵، تفسیر ابن جریر ج۸ ص ۱۵)
[2] (ترمذی ج ۲ ص ۲۰۱ مشکوۃ شریف ص ۵۱۳)
[3] (ابن ماجہ باب صفۃ الجنۃ ص ۳۳۲)
[4] (سنن دارمی ص ۳۸۲)

(۳)مسئلہ نمبر تین: قبلے کی طرف تھوکنے والا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دینا چاہتا ہے اور ایسے آدمی کے پیچھے نماز نہ پڑھنا چاہیئے

حدیث مبارکہ میں ہے کہ:

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، عَنْ بَكْرِ بْنِ سَوَادَةَ الْجُذَامِيِّ، عَنْ صَالِحِ بْنِ خَيْوَانَ، عَنْ أَبِي سَهْلَةَ السَّائِبِ بْنِ خَلَّادٍ - قَالَ أَحْمَدُ: مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَنَّ رَجُلًا أَمَّ قَوْمًا، فَبَصَقَ فِي الْقِبْلَةِ، وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ فَرَغَ: «لَا يُصَلِّي لَكُمْ»، فَأَرَادَ بَعْدَ ذَلِكَ أَنْ يُصَلِّيَ لَهُمْ فَمَنَعُوهُ وَأَخْبَرُوهُ بِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «نَعَمْ»، وَحَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّكَ آذَيْتَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ۔

روایت ہے حضرت سائب ابن خلاد سے وہ حضور انور ﷺ کے صحابہ میں سے ایک ہیں فرمایا ایک شخص نے قوم کی امامت کی، قبلے کی طرف تھوک دیا حضور انور ﷺ دیکھ رہے تھے تب نبی کریم ﷺ نے فراغت پر اس کی قوم سے فرمایا کہ آئندہ یہ تمہیں نماز نہ پڑھائے اس کے بعد اس نے نماز پڑھانی چاہی لوگوں نے روک دیا اور حضور انور ﷺ کے فرمان سے آگاہ کیا، اس نے یہ واقعہ نبی کریم ﷺ سے عرض کیا فرمایا ہاں۔ مجھے خیال ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ تونے اللہ رسول ﷺ کو ستایا۔[1]

اس حدیث مبارکہ کی شرح میں العلامہ المحدث شمس الدین السفیری محمد بن عمر بن احمد السفیری الحلبی الشافعی (متوفیٰ: ۹۵٦ھ) فرماتے ہیں:

ولم یقع هذا البصاق من هذا الامام فی جدار مسجد رسول الله ﷺ، بل فی جدار مسجد آخر فی المدینة علی سوق الجمال، و استمر هذا الامام معزولاً مدة حیاة النبی ﷺ۔

فلما ولی أبو بکر الصدیق، طلب منه أن یعیده إلی الإمامة، فلم یوله، و کذا طلب من عمر فی خلافته، فلم یوله۔

اور یہ تھوک والا واقعہ اس امام سے حضور ﷺ کی مسجد میں سرزد نہیں ہوا بلکہ مدینہ منورہ کی کسی دوسری مسجد میں (جو کہ سوق الجمال میں واقعہ تھی) یہ واقعہ پیش آیا۔ آپ ﷺ کی حیات ظاہری میں یہ امام معزول رہا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں آپ سے امامت کی اجازت مانگی گئی لیکن آپ نے اجازت نہ دی، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں بھی یہ معزول رہا اور اس کو اجازت نہ دی گئی۔[2]

---

[1] (ابوداؤد) (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۳۰ باب کراهیة البزاق فی المسجد)

[2] (شرح صحیح البخاری للعلامة شمس الدین السفیری، ج۴، ص ۳۸۵)

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ أَظُنُّهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَفَلَ تُجَاهَ الْقِبْلَةِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَفْلُهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ و استدل بهذا علی احترام جهة القبلة۔[1]

وَمَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الْبَقْلَةِ الْخَبِيثَةِ (فیه دلالة علی ان الخبیث قد یطلق ویراد ما لیس بحرام بل المراد به المکروه الطبعی او الکریهة الرائحة وغیره)۔[2]

فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا ثَلَاثًا (ای قاله ثلاث مرات تاکیداً و لیس المراد انه ﷺ نهی عن قربان المسجد ثلاثا)۔[3]

عثمان بن ابی شیبہ، جریر، عدی بن ثابت، زر بن حبیش، حذیفہ سے روایت ہے زر بن حبیش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت حذیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے قبلہ رخ تھوک دیا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا تھوک اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان (پیشانی پر) ہوگا اور جو شخص اس گندی سبزی (لہسن یا پیاز) کو کھائے تو وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے تین مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا۔[4]

(۴) مسئلہ نمبر چار: قبلے اور قرآن شریف کی طرف پاؤں پھیلانا ناجائز ہے

قال أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (المتوفى: 616هـ): ويكره مد الرجلين إلى القبلة في النوم وغيره عمداً، وكذلك يكره مد الرجلين إلى المصحف، وإلى كتب الفقه لما فيه من ترك تعظيم جهة القبلة، وكلام الله تعالى، ومعاني كلام الله تعالى۔[5]

قال أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى (المتوفى: ۸۵۵هـ): ويكره مد الرجلين إلى القبلة في النوم وغيره، وكذا إلى المصحف وكتب الفقه۔[6]

قال صدر الدين عليّ بن عليّ ابن أبي العز الحنفي (المتوفى 792هـ): أن مد الرجلين إلى الشيء فيه إهانة له، ولهذا يكره أن يمد رجليه إلى الكعبة في غير الصلاة حالة العذر والى المصحف، ومد الرجلين إلى الرجل الكبير المعظم يعد من قلة الأدب۔[7]

---

[1] بذل المجهود فی حل ابی داود ج ۵ ص ۳۶۳

[2] بذل المجهود فی حل ابی داود ج ۵ ص ۳۶۴

[3] بذل المجهود فی حل ابی داود ج ۵ ص ۳۶۴

[4] (سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۳۸۰۷)

[5] المحيط البرهاني في الفقه النعماني فقه الإمام أبي حنيفة رضي الله عنه ج ۵ ص ۳۲۱ دار الکتب العلمية، بيروت - لبنان

[6] (البناية شرح الهداية ج ۲ ص ۴۶۸ دار الکتب العلمية - بيروت، لبنان)

[7] (التنبيه على مشكلات الهداية ج ۲ ص ۷۱۷ مكتبة الرشد)

وقال العلامة الشامی رحمة اللّٰہ تعالیٰ علیه

(وكذامدرجله)هی كراهة تنزيهيةلكن قال الرحمتی سيأتی فی كتاب الشهادات (مطلب إدامة مدالرجل جهةالقبلة تردبه الشهادة) (وهذايقتضی التحريم فليحرر) ماسيأتی محمول علی ماإذااعتادمدالرجل إليهافلاتقبل شهادته لأن الصغيرة تكون كبيرة بالمداومة۔[1]

وفی الفتاویٰ الهندية

ويكره مد الرجلين إلى الكعبة في النوم وغيره عمدا وكذلک إلى كتب الشريعة وكذلک في حال مواقعة الأهل كذافي محيط السرخسي۔[2]

وقال الشيخ فريدالدين العطار قدس سره

نقل أنه سمع رجلاقداشتهربالولاية، وكان رجلاًيقصده الناس، مشهوراً بالزهد، فمضى إليه أبويزيد، فخرج الرجل من بيته، وقصدالمسجد، ورمى بزاقةتجاه القبلة، فانصرف أبويزيد، ولم يسلم عليه، وقال هذاغيرمأمون على أدب من آداب رسول اللّٰہ ﷺ، فكيف يكون مأموناًعلى مايدعيه؟[3]

وقال الإمام الشيخ عبدالوهاب الشعراني قدس سرهٗ

ومما استندوا إليه في مؤاخذتهم المريد بمد رجله بغير حاجة في ليل أو نهار: كون العبد دائمًا بين يدي اللّٰہ عزّ وجلّ إيمانًا وشهودًا، شعر بذلک أم لا يشعر، فطلبوا من المريد أن يواظب على عدم مدّ رجليه بغير حاجة بحكم الإيمان بأنه بين يدي اللّٰہ عز وجل حتى ينكشف عنه الحجاب بعد انتهاء السلوک، ويصير حجابه من شدة رقته كأنه ليس بحجاب، وهناک يكون دخول النار أهون عليه من مدّ رجليه بغير حاجة (يذكر الشعراني رحمه اللّٰہ تعالى في غير هذا الكتاب: أن من أدب القوم إذاأرادأحدهم أن يمدّ رجله أن يستأذن من اللّٰہ تعالیٰ ولو بقلبه، أو يقول بلسانه: دستوريا اللّٰہ، وهو أدب رفيع)، وهذاأمر لا يكاديعرفه إلا من ذاقه۔

وبلغنا عن السيد إبراهيم بن أدهم رضي اللّٰہ تعالیٰ عنه أنه قال: مددت رجلي في ليلة بغير ضرورة فسمعت هاتفًا يقول في الحال: يا إبراهيم تأدب؛ فإنک بين يدي ربک، وما هكذا يجالس العبد الملوک۔ قالوا: فما مدّ إبراهيم رجليه بعدذلک حتى مات بعدعشرين سنة۔[4]

---

[1] (ردالمحتارعلی درالمختار ص ۲۵۱ ج ۱، تقريرات الرافعی حاشيةابن عابدين المعروف بالشامی ج۷ ص ۴۲ مكتبة حقانية)

[2] (الفتاویٰ الهندية، ج۵، ص ۳۱۹، المكتبةالماجدية، دارالفكر، بيروت)

[3] (تذكرةالاولياءص ۱۲۹ دارالكتب العلمية)

[4] (الأجوبةالمرضيةعن ائمةالفقهاءوالصوفية، ص ۱۹۹، دارالبيروتی)

(۵)مسئلہ نمبر پانچ: پانچ قبلے اور پانچ امام کے بیان میں

مفتاح السلوک میں ہے:

"القبلة خمسة الامام خمسة امام الجسد المحراب۔ امام الروح القرآن۔ امام القلب محمدنا لمصطفیٰ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَآلہ وَسلَّم۔ و امام الفهم جبرئیل علیه السلام و امام العقل میکائیل علیه السلام۔ و قبلة الجسد المحراب و قبلة الروح بیت المعمور و قبلة القلب العرش و قبلة الفهم الکرسی و قبلة العقل الکعبة و من حفظ هٰذه المسائل بلا شبهة یجوز امامته، من الرجال و النساء و من لم یحفظ هٰذه المسائل لا یجوز امامته عالما کان او جاهلا فقیها کان او غیر فقیه سواء کان حفظ القرآن او لم یحفظ بالاتفاق من جامع الفقه و کذٰلک فی الفردوس الفتوی الهدی و کذٰلک فی الفتاوی الدلائل فی بحث الامام فی فصل العاشر"۔

جان لو کہ قبلے بھی پانچ اور امام بھی پانچ ہیں۔ بدن کا امام محراب، روح کا امام قرآن، دل کا امام محمد مصطفی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہ وَسلَّم، فہم کا امام جبرائیل علیہ السلام، عقل کا امام میکائیل علیہ السلام ہیں۔ اسی طرح بدن کا قبلہ محراب، روح کا قبلہ بیت المعمور، دل کا قبلہ عرش، فہم کا قبلہ کرسی، عقل کا قبلہ کعبہ شریف ہے۔ جس نے ان مسائل کو سمجھ لیا تو اس کے پیچھے نماز بالکل صحیح ہے۔ یعنی اس کی امامت کے قوی ہونے میں کوئی شک نہیں اس کی امامت مرد وزن دونوں کیلئے صحیح ہے اور جس نے ان مسائل کو یاد نہ کیا تو اس کی امامت صحیح نہیں۔ خواہ عالم ہو یا جاہل، فقیہہ عالم یا غیر فقیہہ لیکن ان کی امامت جائز نہیں۔ خواہ حافظ قرآن ہو یا غیر حافظ قرآن۔ یہ مسئلہ محققین علماء کا اجماعی ہے۔ اسی طرح اس مسئلہ کو فردوس الفتویٰ الھدیٰ، دلائل الفتویٰ میں بھی نقل کیا گیا ہے۔[1]

فائدہ: (۱): ظاہر بدن کا امام محراب ہے۔ جس طرح مقتدی امام کے پیچھے کھڑا ہوتا ہے لیکن امام جس طرح ارکانِ نماز، قیام، رکوع، سجدہ وغیرہ ادا کرتا ہے تو مقتدی بھی اس کے قول و فعل کے مطابق تابعداری کرتے ہیں اور امام کی نماز مقتدی کی نماز ہے۔ یہاں جو محراب کو امام کہا گیا ہے یہ صرف یکسوئی اور حضوری ملتی ہے تو نماز ادا کرتا رہے لیکن اگر محراب نہ ہو یا کسی تکلیف، گرمی، سردی کی وجہ سے نمازی کو نماز میں یکسوئی و حضوری نہ ملے یا کمی محسوس ہو رہی ہو تو اس نمازی کو وہاں نماز ادا کرنی چاہیئے کہ جہاں یکسوئی اور حضوری ہو کیونکہ اگر صرف ظاہری محراب کو حقیقتًا امام اور قبلہ مان لیا جائے تو پھر کسی کی بھی نماز بغیر محراب کے نہ ہوگی چاہے گھر ہو یا بیابان لیکن اصل حقیقت اس کی وہ حضوری اور یکسوئی ہے۔ اس لئے فرمایا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہ وَسلَّم نے "لا صلوٰۃ الا بحضور القلب" بغیر حضور دل کے نماز نہیں۔

---

[1] (فتاویٰ احل المشکلات، ص ۱۵۶)

(۲) روح کا امام قرآن مجید ہے۔ یعنی قرآن مجید کلام اللہ ہے اور روح کلام اللہ کی تابع ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح انسان سے فرمایا تھا۔ "أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" (الاعراف ۱۷۲) کیا میں تمہارا رب نہیں؟ تو تمام ارواح نے کہا "بَلَى" کیوں نہیں بے شک تو ہمارا رب ہے اور جان لو کہ روح بھی اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے۔ "قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي" (الاسراء ۸۵) غور کیجئے کہ اپنے کلام کو اپنی روح کا امام بنا دیا کیونکہ کلام اللہ مخلوق نہیں اور روح جو خدا کا امر ہے اس کو بوجہ پیدا کرنے کے مخلوق کہا جاتا ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ روح امرِ خداوندی سے اور کلام اللہ تعالیٰ سے ہے تو یہ روح بھی پہلے کلام اللہ کے تابع تھی اور قبولیت کا اقرار کیا تھا اور اب بھی کلام اللہ کے تابع ہو گی اور اسی کلام اللہ کی تابعداری سے ترقی پائے گی اور پھر اپنے پاک مقام تک رسائی ہو گی بلکہ روح کی اس تابعداری سے بدن بھی اس اعلیٰ مقام، اللہ کی دوستی کو حاصل کر لے گا۔ اس لئے جب بھی دنیا میں کلام اللہ سنتا ہے تو روح کو وہی جذبات حاصل ہو جاتے ہیں کہ اس جذبے کے نور سے بھی اسی مقام تک پہنچتا ہے اور حضور کا صحیح مقام حاصل ہو جاتا ہے جس طرح روح نے اللہ تعالیٰ کا روبرو مشاہدہ کیا تھا اور اس درمیان میں کوئی اور چیز نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ امر فرماتا اور یہ قبول کرتی اور بہت خوشی اور جذبات سے اللہ تعالیٰ کے نور میں مستغرق اور فنا ہو جاتی بوجہ انتہائی محبت قبولیت کے۔ اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے۔ "أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ"[1] مطلب یہ ہوا کہ امام کو بھی قرآن کی تلاوت سے وہی عشق و محبت، لذت اور حضوری حاصل ہو گی۔ جیسے کہ پہلے حال روح بیان ہوا تو یہی امام کی روح کا معنی ہے۔ اس لئے فرمایا: "کل شئ یرجع الی اصلہ" ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے تو روح جس طرح امرِ خداوندی سے تھی تو اطاعت و محبت کلامِ خداوندی سے اسی طرف رجوع کیا۔

روح نہ امر سے جدا ہے اور نہ کلام اللہ سے۔ کلام بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور روح بھی امرِ خداوندی کی صفت ہے۔ پھر اپنے کلام سے اپنے امر کی صفت کو اپنا عابد بنایا تو حقیقت میں عابد اور کلام امر سے ہے اور کلام رب سے ہے تو عابد اور کلام دونوں اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ اللہ تو اللہ ہے جو ذات ہے اور عابد اور کلام ایک ہوا جیسے کہ امر یا کلام اللہ اور اللہ کی روح حقیقت میں امر سے ایک بات ہوئی تو جس طرح امر اور کلام اللہ تعالیٰ سے ہے اور اللہ کی صفت ہے تو اسی طرح روح اللہ کے امر کی صفت ہے تو عابد اور اسکی تمام صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں تو اللہ تعالیٰ معبود ہے اور صفت اس کی عابد ہے یعنی اللہ عابد بھی اور معبود بھی ہے۔ خود معبود اور خود عابد ہے۔

کقولہ: "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا تو تحقیق اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ یہی امام اور روح کے معنی ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ میں تو اور تو میں ہوں۔ "انا انت و انت انا" تو پیارے دوست! جس طرح صفاتِ

---

[1] صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۰۔

خداوندی ذاتِ خداوندی میں فنا ہیں اور عابد صفتِ خداوندی ہے یعنی جب یہ صفت یعنی عابد پھر اس میں فنا ہو جائے تو اس کے بعد واصل ہو گا۔ یعنی عابد ایسی عبادت کرے یہاں تک واصل ہو جائے اور جب واصل ہوا یعنی ذات کی صفات ذات میں فنا ہو گئیں تو پھر عابد نہ رہا جو صفت ہے بلکہ صرف ایک ذات رہ گئی اور ذات تو عبادت نہیں کرتی بلکہ عبادت تو صفات کا کام ہے اور صفات باقی نہ رہیں تو یہ مقام فنا ہے۔ جب تک عابد کی ایسی حالت ہوتی ہے تو کوئی عبادت نہیں ہوتی کیونکہ حقیقت میں عابد نہیں ہوتا تو عبادت کیا کرے گا اور نہ اس بدن پر کوئی حق عبادت ہوتا ہے لیکن جب فارغ ہو جاتا ہے اس حال سے تو پھر عابد معبود میں فنا ہو جاتا ہے اور یہی حقیقت ہے کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہٖ وَسلَّم نے فرمایا تھا۔ ''کہ حقیقت میرا حال ہے'' یہ حال طریقت کے بعد ہوتا ہے جو طریقت کی خبر ہے تو عابد اور معبود کا یہ حال ہے کہ بظاہر عابد اور باطن معبود ہے۔ ظاہر میں انسان اور باطن میں حق ہے۔ صرف اس کے ظاہر کو انسان عابد اور مخلوق کہا جاتا ہے اور اس کا باطن حق اور معبود اللہ ہے۔ اس لئے فرمایا: ''الانسان مرأۃ اللہ'' انسان اللہ تعالیٰ کا آئینہ ہے۔ اگر مجھے دیکھنا ہو تو مؤمن کے دل میں دیکھو۔ یعنی مؤمن کے حقیقی آئینہ میں مجھے دیکھو جو مؤمن کا باطن اور حقیقت ہے۔

وقولہ: ''قلب المؤمن عرش اللہ''

مؤمن کا دل اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔

جان لو کہ ظاہر بدن ایک آلہ اور آئینہ خداوندی ہے اور باطن اور حقیقت اللہ تعالیٰ ہے۔ دوسری شے نہیں۔

جیسے کہ ایک عاشق صادق حضرت باباجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں (ترجمہ):

یہ سننا، بولنا، مانگنا رب سے جملہ تو ہے   تیرے بغیر کوئی نہیں بس تو ہی مولیٰ جملہ تو ہے

مولانا روم قدس سرہ فرماتے ہیں:

ہر کہ آواز ہم زبانی شد جدا   بے نوا شد گرچہ دارد صد نوا

معنی یہ ہوا کہ جو کوئی زبان کی آواز سے جدا اور الگ ہوا تو وہ بے نوا ہوا اگرچہ سو جگہ نوا کی اور رکھتا ہو یعنی انسان کا تصور جب اپنے کہنے کے ساتھ نہ ہو تو اس کے بعد اگرچہ وہ سو مرتبہ اپنے وجود میں تصور لائے تو وہ فضول بے نوا ہے یعنی جب تو ذکرِ خداوندی کرے یا نماز میں کلام اللہ کی تلاوت کرے تو تمہاری روح زبان کے کلام کی طرف متوجہ ہو گی اور اس کلام کے تصور میں تیری روح کو اس طرح مستغرق ہونا چاہئے کہ یہ تو کلام اللہ ہے یعنی میری زبان پر تو اللہ کا فرمان ہے تو تم اللہ تعالیٰ کے تصور میں مستغرق ہو گے دوسری طرف تمہاری فکر نہ ہو گی اور جب تمہاری روح تمہاری زبان سے جو کچھ بھی سنے چاہے کلام اللہ ہو یا ذکرِ خداوندی تو تمہاری روح خاص اسی طرف متوجہ ہو گی اور مستغرق ہو گی۔ جس طرح پہلے کلام أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ

(الاعراف ۱۷۲) میں اس کی طرف متوجہ اور قبول کرنے والی ہو گئی تھی اور خاص کر امر کی تابعداری اور اطاعت قبول کی تھی تو اسی طرح اب بھی کلام اللہ کی قبولیت اور اطاعت کی طرف متوجہ اور خاص قبول کرنے والی ہو گی اور اس سے بڑھ کر کوئی اور مقصد نہ ہو گا اور اپنی زبان سے آواز سنتا اللہ تعالیٰ کی آواز سمجھے گا اور روح اس کی تابعداری اور اقتداء کامل حضور کے ساتھ کامل طور پر کرے گی کہ اس ذکرِ خداوندی اور تلاوت کلام کی طرف متوجہ ہونا عین رب کی طرف متوجہ ہونا ہے کیونکہ یہ سننا رب کی ذات کی صفت ہے تو جب ذاتِ خداوندی کی صفت کی طرف متوجہ ہو جائے تو عین ذات کی طرف متوجہ ہونا ہے کیونکہ یہ صفت بھی ذات کی ہے اور یہ صفت روح بھی ذات کی صفت ہے۔ اس لئے حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ ایسی عبادت کرو کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو تو جب روح کی صفت ذات کی اس سننے کی صفت کی طرف متوجہ ہو جائے تو گویا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔ ''ان تعبد اللہ کانک تراہ''[1] یہ روح اور امام کے درمیان تفصیل ہو گئی۔ باقی صفاتِ خداوندی نہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے عین ہیں اور نہ غیر۔ اس کی مثال یوں ہے کہ گیس کی روشنی جو نہ عین گیس ہے اور نہ غیر گیس۔ مطلب یہ کہ عابد ذاکر اپنے باطنی آئینے میں اللہ تعالیٰ کے نور کی وہ صفت تجلی جو دیکھنے اور سننے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح دیکھے گا جیسے کہ شیشے میں اپنا چہرہ کہ نہ تو عین چہرہ ہے اور نہ چہرے کا غیر بلکہ اس کا عکس ہے تو اسی طرح عکس صفتی تجلی نورِ خداوندی عابد ذاکر اپنے باطنی آئینے میں ایسا ہی دیکھے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے تو وہ نہ عین خدا ہے اور نہ غیر بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ کا عکس عارف مؤمن کے آئینۂ قلب میں دیکھا جاتا ہے۔

جیسا کہ فرمایا ہے:

نورِ حق ظاہر بود اندر ولی	نیک بین باشی اگر اہلِ دلی
مولای صل وسلم دائما ابدا	علی حبیبک خیر الخلق کلھم

اللّٰھم ارزقنا بوجہ النبی الکریم صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم۔ وما توفیقی الا باللّٰہ۔

الحمد للّٰہ منشی الخلق من عدم	ثم الصلوٰۃ علی المختار فی القدم

(۳) قلب کے امام محمد مصطفیٰ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم ہیں یعنی قلب کا نور محمد صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: ''انا من نور اللہ والمؤمنون من نوری'' تو دل کی اقتداء اسی نورِ محمد صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے پیچھے ہے جو اس کے امام ہیں۔ جب نمازی عابد اس نور کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے جو نور اس میں محمد صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے نور سے ہے تو یہ نورِ محمدی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی عشق و محبت میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ اس کو فنا فی الرسول کہتے ہیں۔ پھر اس کا ظاہر

[1](صحیح البخاری، ج ۱، ص ۲۷)

وجود تو بدن دیکھا اور سمجھا جاتا ہے لیکن اس کے باطن میں نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے نور مبارک کی جو تجلّی نور ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے ہے جو اس کو باطنی حقیقی نظر سے دیکھے تو اس کا باطن ایسا منور کر دے گا کہ جس طرح وہ خلق عظیم، اخلاق کی شرافت، آداب، عاجزی، اطاعت حضوری کے ساتھ حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے تھے وہ تمام فضائل، فوائد وکمالات اس نور کے اس کے باطن میں پیدا ہو جائیں گے اور ظاہر میں بھی تمام افعال واقوال، حرکات وسکنات اسی باطن کی طرح صحیح، پاک اور درست ہو جائیں گے تو ظاہر میں بھی اطاعتِ رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی صفت آجائے گی تو ایسے بزرگ کے ظاہر وباطن کی اقتداء حقیقت میں حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے پیچھے ہو گئی اور جب اسے یہ شرافت نصیب ہوئی کہ اسے اپنے ظاہری وباطنی وجود کے بجائے اپنے باطن میں حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کا نور نظر آگیا تو وہ اس کا حقیقی طور پر امام ہو گیا اور جب آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کا عشق ومحبت اس پر غالب آجائے تو ذاتِ بابرکات حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے ساتھ اس کا ایسا وصل وتقرب آجاتا ہے کہ پھر اسے اپنا وجود نظر نہیں آتا بلکہ فنا ہو جاتا ہے۔ یعنی اپنے آپ سے تعلق ختم ہو جاتا ہے اور بجائے خود اسے عین محمد رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نظر آتے ہیں تو جب نورِ محمدی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم اس کے ظاہر وباطن میں اسے نصیب ہو جاتا ہے تو اسے فنا فی الرسول کہتے ہیں اور اسے نبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کا نائب کہتے ہیں۔

کقولہ۔"الشیخ کالنبی" تو اس کے امام نبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم ہوئے اور اس کی اقتداء حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے پیچھے ہو گئی تو یہ اس بات کے لائق ہو گئے کہ جو بھی ان کی اقتداء کرتے ہیں تو یہ حق اور صحیح ہے۔

ان کی امامت اور اطاعت حقیقت میں حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی اطاعت ہے اور حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور یہ عبادت ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے ہی شخص کے پیچھے مقبول ومحبوب ہے۔ اس کا مطلب یعنی قلب کے امام حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم ہیں۔ یہ ہے کہ عابد، مؤمن کا قلب متوجہ ہو گا حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی طرف اور حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں اور رحمتِ خداوندی حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی طرف متوجہ ہے اور حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم خود بھی رحمتِ خداوندی ہیں تو جو بھی اپنا دل وروح حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی طرف متوجہ کرے اور اپنی روح کی اقتداء حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے پیچھے کرے تو یہ شخص عین رحمتِ خداوندی کی طرف متوجہ ہوا اور رحمتِ خداوندی اس شخص کی طرف خود بخود متوجہ ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کو رحمت فرمایا ہے اور اپنا ذکر اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی اطاعت کو اپنی اطاعت فرمایا ہے۔ ان کی یاد کو اپنی یاد فرمایا ہے تو جب عابد حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ

وَسلَّم کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ اور اس کی رحمت کی طرف متوجہ ہوا تو ایسی اقتداء کرنا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے پیچھے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی اقتداء ہے کہ اس مقام میں عابد و معبود کے درمیان کچھ حجاب نہیں ہوتا بلکہ اگر آئینہ محمدی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی طرف توجہ کی تو اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا اور یہ توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی اور بہت جلد ہی واصل الی اللہ ہوگا اور دوست و محبوب ہو جائے گا۔ باقی تفصیل گزر چکی ہے۔ یہ حقیقت قلب کے امام کی ہے۔

"اللّٰھم ارزقنا بوجہ النبی الکریم"

(۴) فہم کے امام جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ وہ اخبار جو منجانب اللہ رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے پاس آتے تھے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنا راز سمجھانے کیلئے اور اپنی طرف سے اظہار کرنے کیلئے اور مخلوق کو دعوت دینے کیلئے اور ڈرانے کیلئے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے دل مبارک میں اپنے احکام واوامر ڈالتے اور اس کی وحی فرماتے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوحَى (النجم ۴) اللہ تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام کو ارسال فرماتا۔ ان کے آنے سے وہ وحی رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے دل مبارک میں ہو جاتی اور رازِ خداوندی آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے منہ مبارک سے ظاہر ہو جاتا اور یہ فہم اللہ تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے قلب مبارک میں ڈال دیتا۔ اسی طرح جب ایک عابد مقام مذکور یعنی فنافی الرسول کے مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے دل کو یہی فہم اور القائے خیر جبرئیل علیہ السلام سے دیا جاتا ہے اور یہ عابد اس فہم کے مطابق عمل کر کے روحانی منزل طے کرتا ہے۔ اگرچہ یہ اپنے ظاہر و باطن میں یہ نہیں دیکھتا کہ یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں لیکن اس کی سمجھ ایسی صحیح و مقبول ہوتی ہے۔ جس طرح سمجھ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی منجانب اللہ صحیح ہوتی ہے تو اس عابد کی سمجھ کی اقتداء حضرت جبرئیل علیہ السلام کی فہم کے پیچھے ہوتی ہے گویا کہ وہ اس عابد کے امام ہیں تو اس عابد کا فہم ایسا ہوتا ہے کہ وہ اوامرِ خداوندی کا مخالف نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کا فہم حقیقت میں منجانب اللہ ہے اور یہ خود بھی ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے خواہ نماز میں ہو یا دیگر عبادات میں تو یہی امام کے فہم کا معنی ہے۔ دنیا میں سب سے پہلے فہم جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے اور تمام مخلوق یعنی مؤمن و مسلمان اس فہم سے سمجھ گئے ہیں تو تمام کے فہم کے امام وہ ہیں۔

(۵) عقل کے امام میکائیل علیہ السلام ہیں اس لحاظ سے کہ اولین وآخرین تمام مؤمنوں مسلمانوں کی عقل کی اقتداء ابتداء سے ان کے پیچھے ہے۔ اس لئے وہ امام عقل ہیں کیونکہ ان کے واسطے سے عقل دی گئی۔ اس لئے ظاہری بدن کا امام محراب، امام روح قرآن ہوا کہ روح کی اقتداء قرآن کے پیچھے ہے۔ قلب کے امام محمد مصطفی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم اور فہم کے امام حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ اس کی اقتداء ان کے پیچھے ہے اور عقل کے امام میکائیل علیہ السلام ہیں عقل کی اقتداء ان کے

پیچھے ہے مطلب یہ ہوا کہ جب مؤمن کے قلب کی اقتداء یعنی کہ اصل میں روح اور قلب ایک ہیں۔ یعنی اصل میں روح ہے تو جب روحِ مؤمن کی اقتداء حقیقت میں حضرت محمد صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے پیچھے ہو جائے تو کلام اللہ جس کو ہم قرآن کہتے ہیں یہ کلام ازل میں روح کے ساتھ اپنے رب کا ہوا تھا۔ جیسے "أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى" (الاعراف ۱۷۲) تو اسی طرح یہ کلام ربی جو قرآن ہے تو یہ باتیں محمد مصطفی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے ساتھ اللہ کی طرف سے ہوئی ہیں تو جب عابد مؤمن فنا فی الرسول ہو جاتا ہے یعنی آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے عشق و محبت کے جذبے میں فنا ہو جاتا ہے تو اس نورِ محمدی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کا غلبہ اس سے اپنا ظاہر و باطن چھپا دیتا ہے۔ اور نورِ محمدی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے ساتھ ایک نور بن جاتا ہے اور پھر وہ نور اللہ تعالیٰ کا روبرو مشاہدہ یعنی دیدار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بغیر درمیانی حجاب کے کلام فرماتا ہے اور راز و نیاز کرتا ہے۔ اسی کو مشاہدہ کہتے ہیں اور یہی وہ معراج ہے۔ "الصلوٰۃ معراج المؤمنین" نماز مؤمن کی معراج ہے۔

اس مقام میں مولانا روم قدس سرہ فرماتے ہیں:

میانِ عاشق و معشوق رمزیست ۔۔۔ کراماً کاتبین راہم خبر نیست

پیارے دوست! تو پھر اس مقام میں فرشتے بھی نہیں سما سکتے کیونکہ پھر وہاں عقل و سمجھ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جب انوارِ خداوندی کے غلبے کا حال نورِ محمدی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے تصور اور استغراق میں عابد پر غالب آ جاتا ہے تو پھر فنا فی اللہ ہو جاتا ہے۔ پھر اس کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ یہ وہ مقام ہے کہ یہاں عابد کی عقل، سمجھ، علم، دانائی و بینائی اور بشریت کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا لیکن یہ حال ہمیشہ نہیں رہتا۔ یہ بعض اوقات عابد زاہد پر آتا ہے۔

"اللّٰھم ارزقنا بوجہ النبی الکریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم ۔ اللّٰھم آمین یا رب العٰلمین بحرمۃ سید المرسلین صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم"۔

(۱) ظاہر بدن کا قبلہ ظاہر محراب ہے۔ ایک امام ظاہر صورت میں محراب کی طرف ایسا کھڑا ہے جیسے کہ قبلے کی طرف۔ اس کو صرف اس کھڑے ہونے کے لحاظ سے قبلہ کہا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ محراب قیامت کے دن خصوصی طور پر امام کی عبادت کی گواہی دے گا کہ آیا اس نے پنج وقتہ متابعت کی ہے یا نہیں؟ امام کے بارے میں بالکل صحیح گواہی پیش کرے گا اور یہ گواہی امام کی نجات کا سبب ہے۔ اس وجہ سے اس کو بدن کا قبلہ بھی کہتے ہیں۔

(۲) روح کا قبلہ بیت المعمور ہے جو ساتویں آسمان میں فرشتوں کا قبلہ ہے۔ نمبر وار ستر ہزار فرشتے طواف کرتے ہیں وعلیٰ ھٰذا القیاس۔ تا قیامت یہ سلسلہ جاری ہے کہ ستر ہزار فرشتے آ کر جاتے ہیں۔ اسی طرح آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ

وَسلَّم کی زیارت کیلئے بھی ستر ہزار فرشتے آتے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ جن فرشتوں کا نمبر ایک مرتبہ آچکا ہے تو پھر دوبارہ ان کو نمبر نہیں ملتا یعنی مزارِ نبوی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم بھی زیارت گاہِ فرشتگان ہے۔ اسی طرح مزاراتِ اولیاء بھی زیارت گاہِ ملائکہ ہیں اس مسئلے کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ اصل بات اس مقام کے مناسب یہ ہے کہ بیت المعمور ساتویں آسمان میں فرشتوں کا قبلہ ہے۔ جو بیت اللہ شریف (کعبہ شریف) کے برابر ہے کہ روح کی اقتداء اللہ تعالیٰ کی جانب اسی بیت المعمور کی طرف ہے اور وہ روح کا قبلہ ہے اس مقام کو قبلہ عالم ملکوت کہتے ہیں۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ اہلِ طریقت، مخلص، صادق، محب، باحیا اور موؤب اس مقام تک اپنے پیر کی تعلیم وارشاد اور دوسرے سبق نفی واثبات کے ذریعے پہنچتا ہے جو یہ سبق ہے: "لا الہ الا اللہ" یعنی جب بھی طالبِ طریقت یہ سبق پڑھتا ہے تو اس کی روح عالمِ ملکوت میں اللہ تعالیٰ کی جانب بیت المعمور کی طرف منہ کر کے متوجہ ہو جاتی ہے اور اس مقام میں اللہ تعالیٰ کی طرف معراج کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف قیام اور اقتداء کے ذریعے بیت المعمور کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور ظاہری بدن سے روحانی تصور اٹھ جاتا ہے۔ اس مقام میں اپنے آپ پر یعنی عرش معلّٰی سے نور کا برسنا دیکھتا ہے۔ اور انوار عرش معلّٰی کا مشاہدہ کرتا ہے اور عرش معلّٰی کے یہی انوار بھی نورِ محمدی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم سے ہیں تو ان انوار کے ذریعے حقیقت میں روح کو ترقی، لذت، عشق ومحبت اور جذبات حاصل کرنا ہے۔ یہ مختصر سے مطالب روح کے قبلے کے ہیں۔ یہ بیت المعمور وہ مقام ہے کہ شبِ معراج آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم یہاں یعنی اس قبلے کی طرف تمام آسمانی فرشتوں کے امام تھے اور ملائکہ نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی اقتداء کی تھی۔ اس لئے یہ کامل مؤمن امتی کی روح کا قبلہ ہوا۔

(۳) دل (قلب) کا قبلہ عرش ہے۔ یہ قلب وہی روح ہے کہ جس کا قبلہ بیت المعمور تھا لیکن جب ان انوار سے ترقی اور فیض حاصل کیا تو مقامِ عرش تک پہنچا۔ اس مقام کا سبق اسم ذات ہے۔ یعنی اللہ صحیح صادق، مخلص محب طالب طریقت کی روح جب بھی اسم ذات کے ذکر کی زیارت سے منور ہوتی ہے اور بلندی کی طرف ترقی حاصل کرتی ہے تو عرش اس کا قبلہ ہو جاتا ہے یعنی عرشِ معلی میں نورِ عرش کی طرف قلب یعنی روح کی اقتداء ہو جاتی ہے یعنی وہ اس کا قبلہ ہو جاتا ہے کیونکہ اس مقام میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا ہے۔

کقولہ: "قلب المؤمن عرش اللہ" اس وقت روح یعنی جس کو قلب کہا جاتا ہے۔ عین اللہ تعالیٰ کا عرش ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہو جاتا ہے۔ پھر اس مقام قلب (عرش اللہ) میں انوارِ الٰہی کا مشاہدہ کرتا ہے اور اسی طرح ترقی کے حصول کیلئے انوار کا فیض حاصل کرتا ہے تاکہ روح اور بلند ہو کر واصل الی اللہ ہو جائے۔ یہ مختصر حال قلب کے قبلے کا ذکر ہوا۔

(۴) فہم کا قبلہ کرسی ہے۔ کرسی وہ مقام ہے کہ سونے سے بنا ہے اور عرش کے نیچے ہے اور یہ ان ملائکہ کا قبلہ ہے کہ جو ہمیشہ عشق و محبتِ خداوندی میں اس مقام میں حالتِ جذب میں ہیں یعنی عشقِ خداوندی کی وجہ سے اس مقام میں چھلانگیں مارتے ہیں۔ تفسیر معدن الاسرار میں نسیم الارواح کے حوالے سے منقول ہے کہ شبِ معراج آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرشتوں کی ایک جماعت دیکھی کہ عرش و کرسی کے درمیان جذبۂ عشق میں اوپر نیچے جاتے تھے۔ جس طرح ایک مست اور بے خبر پریشان عاشق کا حال ہوتا ہے کہ ادھر ادھر جاتا ہے یہی حال ان فرشتوں کا تھا کہ عشق و محبت کے جذبے سے کبھی کرسی سے عرش تک چھلانگ لگاتے اور کبھی حالتِ مستی میں عرش سے کرسی پر بے اختیار گرتے۔ حضرت محترم محبوب مدنی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ان فرشتوں کا حال پوچھا۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کو ان کا علم تھا مگر پھر بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا۔ "یاسید الانبیاء صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم" مجھے ان کے پورے حالات کا علم نہیں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ یہ فرشتے سرمستان بادۂ جمال یعنی جمالِ خداوندی کے مست عاشق ہیں اور دیدارِ خداوندی کے عشق و شوق اور برتری کی وجہ سے اس حالت میں مستغرق ہیں۔

پیارے دوست یہی کرسی ان ملائکہ کا قبلہ ہے اور ان فرشتوں کو کروبیان کہتے ہیں۔ یہ ان کے نام ہیں اور یہ کرسی بیت المعمور سے اوپر اور عرش کے نیچے ہے اور یہ اس مقام کے فرشتوں کا قبلہ ہے۔

فائدہ: جب مخلص صادق اثبات کے ذکر "الا اللہ" کے جذبۂ عشق میں آتا ہے تو اس کی روح عرش کے نیچے مقامِ کرسی میں اسی طرح مستی کے حال میں آتی ہے کہ جس طرح حال اس مقام کے فرشتوں کا ہے۔ اس سبق کی ابتداء کا مقام وہی بیت المعمور ہوتا ہے لیکن جب عشق و مستی کے جذبے کے حال میں آتی ہے تو کرسی کے انوار کے عشق و جذبے میں اس کی نورانی روح اوپر نیچے عروج اور نزول کرتی ہے یعنی اوپر نیچے جاتی ہے اور جب اسم ذات کا سبق "اللہ" شروع کرتا ہے تو اس کی روح کو اس سبق اسم ذات سے ایسی ترقی حاصل ہو جاتی ہے کہ مقامِ عرش میں اس کا گھر ہو جاتا ہے اور اس مقام میں اس کو ایسا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ جیسا مسافر تھکا ماندہ سفر سے اپنے گھر آ جاتا ہے اور پھر اپنے گھر کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ اس روح کو اس مقام میں قلب اس لئے کہتے ہیں کہ اس مقام میں اس کی مثال گھر کی ہو جاتی ہے اور ایسا گھر کہ جو عرش ہے اور نور سے ہے تو اس کی روح اللہ تعالیٰ کیلئے مانند گھر کی ہے۔

کقولہ: "قلب المؤمن بیت اللہ" مؤمن کا دل اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ جان لو کہ اس مقام میں مؤمن کی روح اللہ تعالیٰ کا مکان ہے اور اللہ تعالیٰ اس گھر کا مکین ہوتا ہے لیکن یہ مکان ایسا ہوتا ہے کہ المؤمنُ مرأۃ یعنی اس وقت اس کی روح اللہ تعالیٰ کا آئینہ ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال جیسے کہ سورج پانی میں نظر آتا ہے لیکن ذاتِ سورج عین پانی میں نہیں ہوتی لیکن پانی بھی ذاتِ

سورج کا غیر نہیں ہوتا یا چہرہ جیسا کہ آئینہ میں نظر آتا ہے تو آئینہ نہ عین چہرہ ہے اور نہ چہرے سے جدا اور غیر ہوتا ہے۔ اس کا ظاہر ذات کا آئینہ کہلاتا ہے لیکن باطن میں ظاہر ذات کا چہرہ نظر آتا ہے اور دیکھا جاتا ہے۔ یہ آئینہ کی صفت ہے کہ اس میں چہرہ نظر آتا ہے اور ایسا کہ جس طرح چہرہ ہوتا ہے لیکن عین چہرہ نہیں ہوتا لیکن چہرے کا غیر بھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح عابد وزاہد کی روح کے آئینہ میں اسے اس مقام میں اللہ تعالیٰ کی نورانی قدرت کا جمال اس طرح نظر آتا ہے کہ وہ ایک لاتعداد، بے ابتداء اور بے انتہاء نظر آتی ہے یعنی نہ اول وآخر اور نہ اس کی کوئی حد اور مقدار و اندازہ ہے۔ اللہ تعالیٰ خود بھی اپنا جمال و جلال مؤمن کی روح کے آئینے میں دیکھتا ہے یعنی اپنے جمال و جلال کا تماشہ کرتا ہے۔ اس وجہ سے روح کو اس مقام میں قلب کہا جاتا ہے اور اصل میں روح ہے کہ اس مقام میں اس کا قبلہ عرش ہے۔ یہ ایک حصہ روح کا جو قلب کے نام سے موسوم ہے اور اس کا قبلہ عرش ہے کہ ساتھ بیان ہوا۔ اس مسئلہ میں کہ فہم کا قبلہ کرسی ہے کہ اس مقام میں عاشق کو صرف اتنی فہم ہوتی ہے کہ یہ عشق کے جذبے کی مستی ہے اور اسی کے مناسب کچھ سمجھ ہے۔ اس مقام میں فہم کے قبلے کے بارے میں یہ مختصر سی تفصیل بیان کی گئی۔

(۵) کعبہ عقل کا قبلہ ہے یعنی بیت اللہ شریف کہ دنیا بھر کے تمام عبادانِ خدا اللہ تعالیٰ کی طرف اس کعبہ کی جہت سے متوجہ ہوتے ہیں اور یہ ان کا کعبہ ہے لیکن اس کو عقل کا کعبہ اس لئے کہا گیا کہ اس کعبہ کی متابعت ان صاحبانِ عقل نے کی ہے کہ تمام عقلوں کی اقتداء انہی کے پیچھے ہے۔ اور یہ صاحبانِ عقل اور آئمہ عقل انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان کی عقل کی بناء پر تمام مسلمانوں کی عقلوں نے ان کی اقتداء کی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اور ان کی عقلوں نے یہ مانا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے انوار ورحمتوں کا ایک خاص مقام ہے۔ اس کو عقل کا کعبہ اس بناء پر بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف نماز پڑھنا یا اس کا ادب وعزت کرنا ان لوگوں کا کام ہے کہ جن میں عقل وشعور ہوتا ہے اور جن لوگوں میں عقل وہوش نہیں ہوتا تو ان کی عبادت کو عبادت نہیں کہا جاسکتا کیونکہ وہ نہ تو آدابِ عبادت جانتے اور سمجھتے ہیں اور نہ ہی خیر وشر کی تمیز کرسکتے ہیں اور قبلہ وغیر قبلہ بھی نہیں جانتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بے عقل لوگوں کے بارے میں فرمایا: لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ (النساء ۴۳) اس لئے کعبہ کو عقل کا قبلہ کہا گیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عقل مند وہ لوگ ہیں جو اس کعبہ کے مؤدب وتابعدار ہوں کیونکہ جو اس کعبہ کی تعظیم وادب نہ کرے تو اس کو کافر کہا جاتا ہے اور کافروں کی عقل نہیں اس لئے ان کا یہ کعبہ نہیں ہے۔ کافر عقل سے محروم ہیں اور یہ کعبہ عقل والوں کا ہے اور ان کا ہے جو صاحبانِ عقل اور اللہ رب العزت کے دوست ہیں۔ یہ پانچ قبلوں کی تفصیل تھی کہ عرش قلب مؤمن کا قبلہ ہے اور جسے یہ مقام نصیب ہو جائے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے اور یہ عرش نور سے ہے اور کرسی فہم مؤمن کا قبلہ ہے جو خاص عاشق ملائکہ کا قبلہ ہے۔ بیت المعمور مؤمن کی روح کا قبلہ ہے جو تمام فرشتوں کا

قبلہ ہے۔ بیت المقدس یہ تمام رسولوں کا قبلہ ہے۔ پانچواں قبلہ کعبہ شریف ہے جو تمام مؤمنوں کے ظاہری بدن کا قبلہ ہے۔ عرش اللہ تعالیٰ کے نور سے ہے۔ کرسی سونے کی ہے۔ بیت المعمور یاقوت سے بنا ہے۔ بیت المقدس مروارید سے بنا ہے۔ کعبہ شریف پتھر سے بنا ہے۔

(۶) مسئلہ نمبر چھ: امام الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام تمام مخلوقات کیلئے رحمت ہیں

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿الانبیاء ۱۰۷﴾

اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روح المعانی میں فرماتے ہیں:

والذي أختاره أنه صلّى الله عليه وسلّم إنما بعث رحمة لكل فرد فرد من العالمين ملائكتهم وإنسهم وجنهم ولا فرق بين المؤمن والكافر من الانس والجن في ذلک۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ رسول اکرم ﷺ سب جہانوں کیلئے (پہلوں، پچھلوں، مومنوں، کافروں، انسانوں، جنوں، فرشتوں) کے ہر ہر فرد کیلئے رحمت بن کر تشریف لائے ہیں۔[1]

(۷) مسئلہ نمبر سات: نوری ملائکہ کا زیارت اور تعظیم قبر مصطفیٰ ﷺ کرنا

قَالَ إِسْمَاعِيلُ الْقَاضِي: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ، حَدَّثَنِي خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ نُبَيْهِ بْنِ وَهْبٍ، أَنَّ كَعْبًا دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، فَذَكَرُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَعْبٌ: مَا مِنْ فَجْرٍ يَطْلُعُ إِلَّا نَزَلَ سَبْعُونَ أَلْفًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ حَتَّى يَحُفُّوا بِالْقَبْرِ يَضْرِبُونَ بِأَجْنِحَتِهِمْ وَيُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، سَبْعُونَ أَلْفًا بِاللَّيْلِ، وَسَبْعُونَ أَلْفًا بِالنَّهَارِ، حَتَّى إِذَا انْشَقَّتْ عَنْهُ الْأَرْضُ خَرَجَ فِي سَبْعِينَ أَلْفًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ يَزُفُّونَهُ۔ (وفی روایۃ یوقرونہ)[2]

---

[1] (ج ۹ ص ۱۰۰ تحت الآیۃ الانبیاء ۱۰۷)

[2] (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۸ تحت ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی مکتبۃ دار الفکر ومکتبۃ عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، الحبائک في أخبار الملائک ج ۱ ص ۱۳۲، مسند الدارمي المعروف بـ(سنن الدارمي) ج ۱ ص ۵۷ قدیمی کتب خانہ کراچی ومکتبۃ عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، العظمۃ ج ۳ ص ۱۰۱۸ دار العاصمة - الرياض، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء ج ۵ ص ۳۹۲ دار الكتب العلمية ومكتبة عبدالله بن عبدالمطلب رضى الله تعالىٰ عنهما، شعب الإيمان ج ۶ ص ۵۵ مکتبۃ الرشد ومکتبۃ عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، فضل الصلاۃ على النبي صلى الله عليه وسلم ج ۱ ص ۸۵ المکتب الإسلامي - بیروت، الرد علی من یقول القرآن مخلوق ج ۱ ص ۶۳ مکتبۃ الصحابۃ الإسلامیۃ - الکویت، الدرۃ الثمینۃ في أخبار المدینۃ ج ۱ ص ۱۵۷ شرکۃ دار الأرقم بن أبي الأرقم، إتحاف الزائر وإطراف المقیم للسائر في زیارۃ النبي صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱ ص ۲۹ شرکۃ دار الأرقم بن أبي الأرقم، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ج ۱۱ ص ۲۳۵ مکتبہ امدادیہ ومکتبۃ عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، شرح الطیبي علی مشکاۃ المصابیح المسمی بـ(الکاشف عن حقائق السنن) ج ۱۲ ص ۳۸۱۳ مکتبۃ نزار مصطفی الباز ومکتبۃ عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزَّوائِد ج ۱ ص ۱۰۴ مکتبۃ ابن کثیر، الکویت - دار ابن حزم، بیروت ومکتبۃ عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، مشكاة المصابيح ج ۳ ص ۱۶۷۸ المكتب الإسلامي - بيروت ومكتبة عبدالله بن عبدالمطلب رضى الله تعالىٰ عنهما، القَولُ البَدِيعُ في الصَّلاةِ عَلَى الحَبِيبِ الشَّفِيعِ ج ۱ ص ۶۰ دار الریان للتراث، فتاوی الشبکۃ الإسلامیۃ ج ۳ ص ۱۴۰۱، جلاء الأفهام في فضل الصلاۃ علی محمد خیر الأنام ج ۱ س ۱۳۵ دار

(۸)مسئلہ نمبر آٹھ: شرعی فتویٰ یا ایک عالم کی کتاب کو زمین پر پھینکنا کفر ہے

فتاوی عالمگیری میں ہے کہ:

رَجُلٌ عَرَضَ عَلَيْهِ خَصْمُهُ فَتْوَى الْأَئِمَّةِ، فَرَدَّهَا، وَقَالَ: جه بَارْ نَامَهْ فَتْوَى آورده قِيلَ يَكْفُرُ، لِأَنَّهُ رَدَّ حُكْمَ الشَّرْعِ، وَكَذَا لَوْ لَمْ يَقُلْ شَيْئًا لَكِنْ أَلْقَى الْفَتْوَى عَلَى الْأَرْضِ، وَقَالَ أَيْنَ جه شرع است كَفَرَ۔[1]

وفی تتمة الفتاویٰ من استخف بالقرآن او بالمسجد او بنحوه مما یعظم فی الشرع کفر۔[2]

شرعی فتویٰ کو نجس کہنا کفر ہے

ولو استعمل نجاسة بقصد الاستخفاف فکذلک۔[3]

(۹)مسئلہ نمبر نو: علمائے حقانی کو گالی دینا کفر ہے

سب العلماء و الاولیاء علی وجہ الاھانة و الاستخفاف کفر انتہیٰ۔ کما قال صاحب التکملة۔[4]

وفی بحر الرائق ومن ابغض عالما من غیر سبب ظاھر خیف علیه الکفر ولو صغر الفقیه او العلوی قاصدا الاستخفاف بالدین کفر۔[5]

وفی عالمگیری وفی النصاب من ابغض عالما من غیر سبب ظاھر خیف علیه الکفر۔

وَيُخَافُ عَلَيْهِ الْكُفْرُ إذَا شَتَمَ عَالِمًا، أَوْ فَقِيهًا مِنْ غَيْرِ سَبَبٍ، وَيَكْفُرُ بِقَوْلِهِ لِعَالِمٍ ذَكَرُ الْحِمَارِ فِي اسْتِ عِلْمِک يُرِيدُ عِلْمَ الدِّينِ كَذَا فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ۔[6]

قال فی الاشباہ اَلِاسْتِهْزَاءُ بِالْعِلْمِ وَالْعُلَمَاءِ كُفْرٌ۔[7]

العروبة - الکویت ومکتبة عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنھما، إحیاء علوم الدین ج۴ ص ۴۹۱ دار المعرفة - بیروت ومکتبة عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنھما، التذکرة بأحوال الموتی وأمور الآخرة ج ۱ ص ۴۹۹ مکتبة دار المنھاج للنشر والتوزیع ومکتبة عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنھما، موسوعة الرقائق والأدب ج ۱ ص ۴۵۵۸، سلوة الکئیب بوفاة الحبیب صلی اللہ علیه وسلم ج ۱ ص ۱۸۲ دار البحوث للدراسات الإسلامیة - الإمارات، بهجة المحافل وبغیة الأماثل في تلخیص المعجزات والسیر والشمائل ج۲ ص ۱۲۸ دار صادر - بیروت، المواھب اللدنیة بالمنح المحمدیة ج۲ ص ۳۹۶ المکتبة التوفیقیة، القاهرة - مصر ومکتبة عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنھما، شرح الشفا ج ۱ ص ۱۵۶ دار الکتب العلمیة - بیروت ومکتبة عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنھما، شرح الزرقاني علی المواھب اللدنیة بالمنح المحمدیة ج۷ ص ۳۷۹ دار الکتب العلمیة ومکتبة عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنھما، شفاء الغرام بأخبار البلد الحرام ج۲ ص ۴۲۱ دار الکتب العلمیة، خلاصة الوفا بأخبار دار المصطفی ج ۲ ص ۱۴۶، مثیر العزم الساکن إلی أشرف الأماکن ج ۲ ص ۲۹۷ دار الرایة، وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفی ج ۲ ص ۱۲۲ دار الکتب العلمیة - بیروت ومکتبة عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنھما)

[1](الفتاوی الھندیة ج ۲ ص ۲۷۲ مکتبہ رشیدیہ، خلاصة الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۶۵، فصولین ص ۲۲۲)

[2] (شرح فقه اکبر ج ۱ ص ۲۰۱)

[3](زاد اللبیب ص ۱۴۳، فتاویٰ نور الھدیٰ ۴۹۸)

[4](ص ۱۱۶ ج ۱)

[5](ص ۱۲۴)

[6](فتاویٰ الھندیة ج ۲ ص ۲۷۰)

[7](الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ عَلَى مَذْهَبِ أَبِي حَنِيفَةَ النُّعْمَانِ ج ۱ ص ۱۶۰ دار الکتب العلمیة، بیروت - لبنان)

وعن مجموع النوازل اهانة علماء الدين كفر وعن المحيط ان شتم عالما فقد كفر وتطلق إمرأته الاستخفاف بالعلماء كفر لكونه استخفافا بالعلم والعلم صفة الله تعالیٰ۔ [1]

ایک شخص نے کسی بڑے عالم وفقیہ کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کیے تو اس فقیہ نے حضرت شیخ الامام ابی بکر محمد بن فضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں پیش ہو کر شکایت کی تو حضرت شیخ صاحب نے اس شخص کو قتل کرنے کا حکم فرمایا۔ یہ واقعہ محیط ،عالمگیری اور فقہ اکبر ص ۲۱۱ میں نقل کیا۔

(۱۰) مسئلہ نمبر دس: انبیاء عظام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو وسیلہ وذریعہ بنانا

ہم انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کو مظہر عون الٰہی یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت کا وسیلہ وذریعہ مانتے ہیں۔

تفسیر روح البیان میں ہے:

وهذا بخلاف التوجه الى روحانية الأنبياء والأولياء وان كانوا مخلوقين فان الاستمداد منهم والتوسل بهم والانتساب إليهم من حيث انهم مظاهر الحق ومجالي أنواره ومرائى كمالاته وشفعاؤه فى الأمور الظاهرة والباطنة له غايات جليلة وليس ذلك بشرك أصلا بل هو عين التوحيد۔

ترجمہ: نبیوں ولیوں کی روحانیت کی طرف متوجہ ہونا اگرچہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی ہی مخلوق ہیں ان سے مدد مانگنا ان کو وسیلہ بنانا ان کی طرف اپنے کو منسوب کرنا یہ جان کر کہ یہ مظہر عون الٰہی ہیں یہ ہر گز شرک نہیں بلکہ یہ عون توحید ہے۔ [2]

(۱۱) مسئلہ نمبر گیارہ: عمل المشائخ يكفي سنداً

جميع ما ابتدع من السنة الحسنة على طريق القربة الى الله تعالى داخل في الشريعة التي جاءت بها الرسل عن امر الله قال تعالى ورهبانية إلخ فأقرهم تعالى عليها ولم يعب عليهم فعلها انما عاب عليهم عدم رعايتهم لها في دوام العمل فقط وخلع عليها اسم البدعة في حقهم بخلاف هذه الامة خلع على ما استحسنوه اسم السنة تشريفا لهم كما قال عليه السلام من سن سنة حسنة وما قال من ابتدع بدعة حسنة فافهم فاجاز لنا ابتداع ما هو حسن وسماه سنة وجعل فيه اجرا لمن ابتدعه ولمن عمل به واخبر أن العابد لله تعالى بما يعطيه نظره إذا لم يكن على شرع من الله معين انه يحشر امة وحده بغير امام يتبعه كما قال تعالى في ابراهيم ان ابراهيم كان امة قانتا لله وذلك لنظره في الأدلة قبل أن يوحى اليه وقال عليه السلام بعثت لاتمم مكارم الأخلاق فمن كان عليها فهو على شرع من ربه وان لم يعلم وقال بعضهم جميع ما ابتدعه

---

[1] (ص ۱۷۸)
[2] (ج۳ ص ۲۹٦)

العلماء والعارفون مما لم تصرح الشريعة بالأمر به لا يكون بدعة الا ان خالف صريح السنة فان لم يخالفها فهو محمود۔[1]

على أن عمل المشايخ يكفى سندا فانهم ذووا الجناحين وقد أفردت لهذا الباب جز أو احدا شافيا۔[2]

ولو لا انه عليه السلام فتح لامته باب الاستنان ما اجترأ أحد منهم على أن يزيد حكما ولا وضعا ففى الصحيح من سن سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها۔[3]

(۱۲) مسئلہ نمبر بارہ: قبور اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے قریب دعائیں قبول ہوتی ہیں

وللدعاء أماكن يظن فيها الاجابة مثلا عند رؤية الكعبة والمساجد الثلاثة وبين الجلالتين من سورة الانعام وفي الطواف وعند الملتزم وفي البيت وعند زمزم وعند شرب مائه وعلى الصفا والمروة وفي السعى وخلف المقام وفي عرفات والمزدلفة ومنى وعند الجمرات الثلاث وعند قبور الأنبياء عليهم السلام وقيل لا يصح قبر نبى بعينه سوى قبر نبينا عليه الصلاة والسلام وقبر ابراهيم عليه السلام داخل السور من غير تعيين وجرب استجابة الدعاء عند قبور الصالحين بشروط معروفة عند أهلها اللهم أفض علينا من بركات الصالحين۔[4]

شہید کی قبر سے نور کا ظہور:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو الرَّازِيُّ، حَدَّثَنَا سَلَمَةُ يَعْنِي ابْنَ الْفَضْلِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ رُومَانَ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: لَمَّا مَاتَ النَّجَاشِيُّ كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّهُ لَا يَزَالُ يُرَى عَلَى قَبْرِهِ نُور۔

ام المؤمنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب نجاشی شہید ہوئے ہم گفتگو کرتے تھے ہمیشہ اس کی قبر سے نور دیکھا جاتا تھا۔[5]

(۱۳) مسئلہ نمبر تیرہ: وصال کے بعد اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کے مزارات کی طرف سفر

شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں :

وقال الحاكم سمعت أبا علي النيسابوري يقول كنت في غم شديد فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم في المنام كأنه يقول لي صر إلى قبر يحيى بن يحيى واستغفر وسل تقض حاجتك فأصبحت ففعلت ذلك فقضيت حاجتي.

---

[1](روح البیان ج ۹ ص ۳۸۴ الحدید ۲۶ الی ۲۹)

[2](روح البیان ج ۹ ص ۱۴۲ ق ۴۵-۴۱)

[3](روح البیان ج ۹ ص ۳۸۵ حدید ۲۸)

[4](روح البیان ج ۱ ص ۲۹۸ البقرۃ ۱۸۶)

[5](سنن ابی داؤد ص ۳۴۹ ج ۱)

امام حاکم نے کہا کہ میں نے ابو علی نیشاپوری سے سنا کہ انہوں نے فرمایا میں ایک مرتبہ سخت غمگین تھا کہ میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کا دیدار کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ یحیی بن یحیی کی قبر پر جاؤ وہاں جا کر استغفار کرو اور سوال کرو تیری حاجت پوری ہو جائے گی وہ فرماتے ہیں کہ جب صبح ہوئی تو میں نے یہ کام کیا یعنی ان کی قبر پر حاضری دی تو میری حاجت پوری ہو گئی۔[1]

اما قول بعض المغرورين باننا نخاف على العوام إذا اعتقدوا وليا من الأولياء وعظموا قبره ولتمسوا البركة والمعونة منه ان يدركهم اعتقاد أن الأولياء تؤثر في الوجود مع الله فيكفرون ويشركون بالله تعالى فتنهاهم عن ذلك ونهدم قبور الأولياء ونرفع البنايات الموضوعة عليها ونزيل الستور عنها ونجعل الاهانة للاولياء ظاهرا حتى تعلم العوام الجاهلون ان هؤلاء الأولياء لو كانوا مؤثرين فى الوجود مع الله تعالى لدفعوا عن أنفسهم هذه الاهانة التي نفعلها معهم فاعلم ان هذا الصنيع كفر صراح مأخوذ من قول فرعون على ما حكاه الله تعالى لنا في كتابه القديم وقال فرعون ذروني اقتل موسى وليدع ربه اني أخاف ان يبدل دينكم او ان يظهر في الأرض الفساد وكيف يجوز هذا الصنيع من أجل الأمر الموهوم وهو خوف الضلال على العامة انتهى۔[2]

وعن ابى العالية قال لمارست سفينة نوح عليه السلام إذا هو بإبليس على كوثل السفينة اى مؤخرها فقال له نوح ويلك قد غرق اهل الأرض من أجلك قد أهلكتهم قال له إبليس فما اصنع قال تتوب قال فسل ربك هل لى من توبة فدعا نوح ربه فاوحى الله تعالى اليه ان توبته ان يسجد لقبر آدم عليه السلام فقال له نوح قد جعلت لك قال وما هى قال تسجد لقبر آدم قال تركته حيا واسجد له ميتا وفيه اشارة الى ان السجدة لآدم وهو مقبور كالسجدة له وهو غير مقبور إذ الأنبياء عليهم السلام احياء عند ربهم وكذا كمل الأولياء قدس الله أسرارهم كما قال الصائب۔

مشو بمرگ ز امداد اہل دل نومید | کہ خواب مردم آگاہ عین بیداریست

والشيطان الرجيم غفل عن هذا فنكل عن قبول الحق الصريح ومثله من ينكر الأولياء او زيارة قبورهم والاستمداد منهم نسأل الله العصمة ونعوذ به من الخذلان۔[3]

وقد ورد فى الحديث (إذا تحيرتم فى الأمور فاستعينوا من اهل القبور) ذكره الكاشفى فى الرسالة العلية وابن الكمال فى الأربعين حديثا والمراد باهل القبور من مات بالاختيار قبل الموت بالاضطرار: قال الحافظ

مدد از خاطر رندان طلب ای دل ورنی | کار صعبست مبادا کہ خطایی بکنیم[4]

وَلِذَاقِيلَ: إِذَاتَحَيَّرْتُمْ فِي الْأُمُورِ فَاسْتَعِينُوا بِأَهْلِ الْقُبُورِ۔[5]

---

[1] (تهذيب التهذيب ص ۱۲۳ ج ۷، تاريخ الاسلام ص ۲۷۶ ج ۱۶)
[2] (روح البيان ج ۹ ص ۳۴ الفتح الآية ۱۸ وايضا فى جلد ثانى روح البيان)
[3] (روح البيان ج ۴ ص ۱۳۷ هود الآية ۴۴)
[4] (روح البيان ج ۵ ص ۳۸۰ طه الآية ۳۳-۱۳۷ الاسراء الآية ۶۰)
[5] (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح باب زيارة القبور ج ۴ ص ۱۲۵۹)

وببرکات الأولیاء یأتی المطر من السماء ویخرج النبات من الأرض وبدعائهم یندفع البلاء عن الخلق وان حیاتهم ومماتهم سواء فانهم ماتوا عن أوصاف وجودهم بالاختیار قبل الموت بالاضطرار فهم احیاء علی کل حال ولذاقیل:

مشو بمـــرگ زامداد اہل دل نومید　　　　که خواب مردم آگاہ عین بیداریست[1]

ولذا قیل: إذا تحیرتم في الأمور فاستعینوا من أصحاب القبور، إلا أنه لیس بحدیث کما توهم ولذا اتفق الناس علی زیارة مشاهد السلف والتوسل بهم إلی الله وإن أنکر. بعض الملاحدة في عصرنا، والمشتکي إلیه هو الله۔[2]

یعنی اس لئے کہا گیا کہ جب تم کاموں میں متحیر ہو تو تم مزارات اولیاء سے مدد مانگو مگر یہ حدیث نہیں ہے جیسا کہ بعضوں کو وہم ہوا اور اس لئے مزارات سلف صالحین کی زیارت اور انہیں اللہ جل جلالہ کی طرف وسیلہ بنانے پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اگرچہ ہمارے زمانے میں بعض ملحد بے دین لوگ اس کے منکر ہوئے ہیں اور خدا ہی کی طرف ان کے فساد کی فریاد ہے۔

فاقول اگر یہ قول صحابی کا ہو جیسا کہ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا تابعی کا ہو جیسا کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، پھر بھی حجت ہے کیونکہ وہ وجوب یا حرمت ثابت نہیں کرتے بلکہ نفس جواز ثابت کرتے ہیں اور کسی مجتہد نے اس سے انکار نہیں کیا ہے پھر حجت ہو گیا۔ بل ماجآء عن النبی ﷺ والصحابة والتابعین ۔ یہ بھی حدیث ہے کیوں کہ حدیث عام ہے نبی کریم ﷺ کا قول ہو یا صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہو یا تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہو۔[3]

اگر حدیث نہ بھی ہو تو علماء کا قول تو ہے پھر بھی دلیل بن سکتا ہے۔

قال حجه الاسلام امام غزالی رحمة الله تعالیٰ علیه من یستمد فی حیاته یستمد بعد مماته۔[4]

(۱۴) مسئلہ نمبر چودہ: عالم شخص کے لئے دیہات میں وعظ پر نذرانہ کا جائز ہونا

صاحب العلم اذا خرج الی قریٰ لیذکرهم فیجمعوا له شیئاً حکی عن ابی اللیث الکبیر رحمة الله تعالیٰ علیه أنه قال کنت افتا أنه لا یخرج الی القریٰ ثم رجعت عن ذلک۔

یعنی عالم شخص جب دیہاتوں میں وعظ کیلئے جائے اور وہ اس کیلئے کچھ نذرانہ جمع کریں تو اسے چاہیئے کہ وہ دیہات میں نہ جائے۔ یہ بات ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں یہ فتویٰ دیا کرتا تھا پھر میں نے اس سے رجوع کر لیا۔[5]

---

[1] (روح البیان ج۸ ص ۲۳۳ فصلت الآیة ۱۰)

[2] (حَاشِیةُ الشِّهَابِ عَلَی تفسیرِ البَیضَاوِي، الْمُسَمَّاة: عِنَایةُ القَاضِی وکِفَایةُ الرَّاضِی عَلَی تفسیرِ البَیضَاوي ج۸ ص ۳۱۲ دار صادر - بیروت)

[3] (مقدمه مشکوة)

[4] (لمعات ج ۱ ص ۲۱۵ شرح بر حاشیة شرح مشکوة باب زیارة القبور ص ۱۵۴ حاشیه نمبر ۲)

[5] (فتاویٰ قاضی خان کتاب الحظر والاباحة باب مایکره من الثیاب والحلی والزینة ومالا یکره هو فصل فی التسبیح ص ۳۸۰ ج۴ مکتبه رشیدیه کوئٹه)

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

قال الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ کنت افتیٰ انہ لاینبغی ان یخرج العالم الی الرستأق فرجعت عن الکل تحرزا عن ضیاع القرآن ولحاجۃ الخلق ولجھل اھل الرستأق۔[1]

(۱۵)مسئلہ نمبر پندرہ: اموات کے لئے بعد از وفات صدقہ کرنا خصوصًا ماہِ رمضان شریف میں

یاأصحابي لاتنسوا امواتکم فی قبورھم خاصۃ فی شھر رمضان فان أرواحھم یأتون بیوتھم فینادی کل أحد منھم الف مرۃ من الرجال والنساء اعطفوا علینا بدرھم او برغیف او بکسرۃ خبز او بدعوۃ او بقراءۃ آیۃ او بکسوۃ کساکم اللہ من لباس الجنۃ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے میرے صحابہ اپنے مردوں کو ان کی قبروں میں بھلانہ دینا خصوصاً رمضان شریف کے مہینے میں کیونکہ ان کی روحیں اپنے اپنے گھروں میں آتی رہتی ہیں ان میں سے ہر ایک روح اپنے گھر والوں مردوں اور عورتوں کو ہزار مرتبہ پکارتی ہے کہ ہم پر مہربانی کرو(ایک درہم کا صدقہ)دے کر یا ایک روٹی صدقہ کر کے یا روٹی کا ایک ٹکڑا صدقہ کر کے یا دعا کر کے ہم پر مہربانی کرو یا ایک آیت پڑھ کر(اس کا ثواب ہمیں پہنچا کر یا ایک کپڑا دے ہم پر مہربانی کرو تمہیں اللہ تعالیٰ جنت کا لباس پہنائے)۔[2]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما اذا کان یوم عید او یوم جمعۃ او یوم عاشوراء و لیلۃ النصف من الشعبان تاتی ارواح الاموات ویقومون علی ابواب بیوتھم فیقولون ھل من احد یذکرنا ھل من احد یترحم علینا ھل من احد یذکر غربتنا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے جب عید یا جمعہ یا عاشورہ کا دن یا شب برات ہوتی ہے اموات کی روحیں آکر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑی ہوتی اور کہتی ہیں: ہے کوئی کہ ہمیں یاد کرے، ہے کوئی کہ ہم پر ترس کھائے، ہے کوئی کہ ہماری غربت کی یاد دلائے۔[3]

(۱٦)مسئلہ نمبر سولہ: مشکل میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کو پکارنا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: "إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً فَضْلًا سِوَى الْحَفَظَةِ يَكْتُبُونَ مَا سَقَطَ مِنْ وَرَقِ الشَّجَرِ، فَإِذَا أَصَابَتْ أَحَدَكُمْ عَرْجَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُنَادِ: أَعِينُوا عِبَادَ اللّٰهِ رَحِمَكُمُ اللّٰهُ"۔

---

[1] (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۳۳۰ ج ۴)

[2] (روح البیان ج ٦ ص ۲۵۵ الرعد الآیۃ ۲۲، الفتاویٰ الحنفیۃ ص ۱۷۳ لشیخ مسعود بن عمر المعروف بہ سعد الدین التفتازانی)

[3] (دستور القضاۃ، فتاویٰ رضویۃ کتاب الجنائز ج ۹ ص ۱۵۹)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ جل شانہ کے بعض فرشتے انسان کے اعمال لکھنے والے فرشتوں کے علاوہ ایسے بھی ہیں جو درختوں کے پتوں کے گرنے کو بھی لکھتے ہیں، پس تم میں سے جب کوئی کسی جگہ کسی مشکل میں آجائے تو اسے چاہیئے کہ وہ پکار کر کہے، اے اللہ کے بندوں اللہ تم پر رحم فرمائے، ہماری مدد کرو۔[1]

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: "إِنَّ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ سِوَى الْحَفَظَةِ [ص: ۱۴۱] يَكْتُبُونَ مَا يَسْقُطُ مِنْ وَرَقِ الشَّجَرِ، فَإِذَا أَصَابَ أَحَدَكُمْ عَرْجَةٌ فِي الْأَرْضِ لَا يَقْدِرُ فِيهَا عَلَى الْأَعْوَانِ فَلْيَصِحْ، فَلْيَقُلْ: عِبَادَ اللهِ أَغِيثُونَا أَوْ أَعِينُونَا رَحِمَكُمُ اللهُ، فَإِنَّهُ سَيُعَانُ" لَفْظُ حَدِيثِ جَعْفَرٍ، وَفِي رِوَايَةِ رَوْحٍ: "إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يُسَمَّوْنَ الْحَفَظَةَ، يَكْتُبُونَ مَا يَقَعُ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَرَقِ الشَّجَرِ، فَمَا أَصَابَ أَحَدًا مِنْكُمْ عَرْجَةٌ أَوِ احْتَاجَ إِلَى عَوْنٍ بِفَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ فَلْيَقُلْ: أَعِينُونَا عِبَادَ اللهِ، رَحِمَكُمُ اللهُ، فَإِنَّهُ يُعَانُ إِنْ شَاءَ اللهُ"۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ جل شانہ کے بعض فرشتے انسان کے اعمال لکھنے والے فرشتوں کے علاوہ ایسے بھی ہیں جو درختوں کے پتوں کے گرنے کو بھی لکھتے ہیں، پس تم میں سے کوئی جب کسی جگہ (کسی بھی مشکل میں) جائے جہاں بظاہر کوئی اس کا مددگار بھی نہ ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ پکار کے کہے اے اللہ تعالیٰ کے بندوں، اللہ تم پر رحم فرمائے، ہماری مدد کرو، تو پس اس کی مدد کی جائے گی۔ اور حضرت رَوح کی روایت میں ہے کہ بے شک زمین میں اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے ایسے ہیں جنہیں حفاظت کرنے والے کا نام دیا جاتا ہے، جو زمین پر گرنے والے پتوں کو بھی لکھتے ہیں پس جب تم میں سے کوئی کسی جگہ محبوس ہو جائے یا کسی ویران جبہ پر اسے کسی مدد کی ضرورت ہو، تو اسے چاہیئے کہ وہ یوں کہے: اے اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے، ہماری مدد کرو پس اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس شخص کی فورا مدد کی جائے گی۔[2]

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّةُ أَحَدِكُمْ بِأَرْضِ فَلَاةٍ فَلْيُنَادِ: يَا عِبَادَ اللهِ، احْبِسُوا عَلَيَّ، يَا عِبَادَ اللهِ احْبِسُوا عَلَيَّ، فَإِنَّ لِلّٰهِ فِي الْأَرْضِ حَاضِرًا سَيَحْبِسُهُ عَلَيْكُمْ"۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کی سواری جنگل بیابان میں گم ہو جائے، تو اس شخص کو یہ پکارنا چاہیئے اے اللہ تعالیٰ کے بندوں میری سواری پکڑا دو۔ اے اللہ

---

[1] (أخرجه ابن ابی شیبة فی المصنف، حدیث ۲۹۷۲۱)

[2] (شعب الایمان، حدیث ۷۲۹۷، والمناوی فی فیض القدیر ج ۱ ص ۳۰۷، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ج ۱۰ ص ۱۳۲)

تعالیٰ کے بندو! میری سواری پکڑا دو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے بہت سارے بندے ایسے ہیں جو اس زمین میں ہوتے ہیں وہ تمھیں تمہاری سواری پکڑا دیں گے۔[1]

عَنْ عُتْبَةَ بْنِ غَزْوَانَ، عَنْ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا أَضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا أَوْ أَرَادَ أَحَدُكُمْ عَوْنًا وَهُوَ بِأَرْضٍ لَيْسَ بِهَا أَنِيسٌ، فَلْيَقُلْ: يَا عِبَادَ اللهِ أَغِيثُونِي، يَا عِبَادَ اللهِ أَغِيثُونِي، فَإِنَّ لِلَّهِ عِبَادًا لَا نَرَاهُمْ" وَقَدْ جُرِّبَ ذَلِكَ۔

ترجمہ: حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کی کوئی شے گم ہو جائے، یا تم میں سے کوئی مدد چاہے اور وہ ایسی جگہ ہو کہ جہاں اس کا کوئی مددگار بھی نہ ہو، تو اسے چاہیئے کہ یوں پکارے "اے اللہ تعالیٰ کے بندوں! میری مدد کرو!" یقیناً اللہ تعالیٰ کے ایسے بھی بندے ہیں جن کو ہم دیکھ نہیں سکتے لیکن وہ لوگوں کی مدد کرنے پر مامور ہیں۔ (اور راوی بیان کرتے ہیں کہ یہ آزمودہ بات ہے)۔[2]

عن علي بن أبي طالب قال لما حضرت أبا بكر الوفاة أقعدني عند رأسه وقال لي يا علي إذا أنا مت فغسلني بالكف الذي غسلت به رسول الله (صلى الله عليه وسلم) وحنطوني واذهبوا بي إلى البيت الذي فيه رسول الله (صلى الله عليه وسلم) فاستأذنوا فإن رأيتم الباب قد يفتح فادخلوا بي وإلا فردوني إلى مقابر المسلمين حتى يحكم الله بين عباده قال فغسل وكفن وكنت أول من يأذن إلى الباب فقلت يا رسول الله هذا أبو بكر مستأذن فرأيت الباب قد تفتح وسمعت قائلا يقول ادخلوا الحبيب إلى حبيبه فإن الحبيب إلى الحبيب مشتاق۔[3]

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: لَمَّا أَذْنَبَ آدَمُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذَّنْبَ الَّذِي أَذْنَبَهُ رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى الْعَرْشِ، فَقَالَ: أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ إِلَّا غَفَرْتَ لِي، فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيْهِ، «وَمَا مُحَمَّدٌ وَمَنْ مُحَمَّدٌ؟» فَقَالَ: تَبَارَكَ اسْمُكَ، لَمَّا خَلَقْتَنِي رَفَعْتُ رَأْسِي إِلَى عَرْشِكَ، فَإِذَا فِيهِ مَكْتُوبٌ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ، فَعَلِمْتُ أَنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ أَعْظَمَ عِنْدَكَ قَدْرًا مِمَّنْ جَعَلْتَ اسْمَهُ مَعَ اسْمِكَ، فَأَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَيْهِ: «يَا آدَمُ، إِنَّهُ آخِرُ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ، وَإِنَّ أُمَّتَهُ آخِرُ الْأُمَمِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ، وَلَوْلَاهُ يَا آدَمُ مَا خَلَقْتُكَ۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام سے (بغیر ارادہ کے) لغزش سرزد ہوئی تو انہوں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور عرض گزار ہوئے۔ یا اللہ! اگر تو نے مجھے معاف نہیں کیا تو میں محمد مصطفیٰ ﷺ کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں "کہ تو مجھے معاف فرمادے" تو اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی۔ "اے آدم! محمد مصطفیٰ کون ہیں؟" حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ! تیرا نام پاک ہے، جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے اپنا سر تیرے عرش کی طرف اٹھایا وہاں میں نے لاالہ الااللہ محمدرسول اللہ

---

[1] (الطبرانی فی المعجم الکبیر، حدیث ۱۰۵۱۸، مجمع الزوائد ۱۷۱۰۵)

[2] (المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث ۲۹۰، ج ۱۷، ص ۱۱۷، والهیثمی فی مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۲، والمناوی فی فیض القدیر ج ۱ ص ۳۰۷)

[3] (أخرجه ابن عساکر فی تاریخ مدینة دمشق ص ۴۳۶ ج ۳۰ والسیوطی فی الخصائص الکبریٰ ص ۴۹۲ ج ۲، الصفافی التوسل والتبرک بالمصطفیٰ ﷺ ص ۳۰۶)

لکھاہوا دیکھالہٰذا میں جان گیا کہ یہ ضرور کوئی بڑی عظیم المرتبت ہستی ہے جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی۔ "اے آدم علیہ السلام! وہ محمد ﷺ تمہاری نسل میں سے آخری نبی ہیں، اوران کی امت بھی تمہاری نسل کی آخری امت ہوگی، اوراگر وہ نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا ابھی نہ کرتا۔"[1]

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ {لَمَّا أَصَابَ آدَمَ الْخَطِيئَةَ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ يَا رَبِّ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ إِلَّا غَفَرْت لِي فَأَوْحَى إلَيْهِ وَمَا مُحَمَّدٌ؟ وَمَنْ مُحَمَّدٌ؟ فَقَالَ: يَا رَبِّ إنَّك لَمَّا أَتْمَمْت خَلْقِي رَفَعْت رَأْسِي إلَى عَرْشِك فَإِذَا عَلَيْهِ مَكْتُوبٌ: لَا إلَهَ إلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ فَعَلِمْت أَنَّهُ أَكْرَمُ خَلْقِك عَلَيْك؛ إذْ قَرَنْت اسْمَهُ مَعَ اسْمِك. فَقَالَ: نَعَمْ قَدْ غَفَرْت لَك وَهُوَ آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ ذُرِّيَّتِك وَلَوْلَاهُ مَا خَلَقْتُك}۔[2]

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: "كَانَتْ يَهُودُ خَيْبَرَ تُقَاتِلُ غَطَفَانَ، فَكُلَّمَا الْتَقَوْا هُزِمَتْ يَهُودُ خَيْبَرَ فَعَاذَتِ الْيَهُودُ بِهَذَا الدُّعَاءِ: اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي وَعَدْتَنَا أَنْ تُخْرِجَهُ لَنَا فِي آخِرِ الزَّمَانِ، إِلَّا نَصَرْتَنَا عَلَيْهِمْ. قَالَ: فَكَانُوا إِذَا الْتَقَوْا دَعَوْا بِهَذَا الدُّعَاءِ، فَهَزَمُوا غَطَفَانَ، فَلَمَّا بُعِثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفَرُوا بِهِ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ: {وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ} [البقرة: ۸۹] بِكَ يَا مُحَمَّدُ عَلَى الْكَافِرِينَ۔[3]

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ يَهُودَ كَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الْأَوْسِ وَالْخَزْرَجِ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ مَبْعَثِهِ. فَلَمَّا بَعَثَهُ اللَّهُ مِنَ الْعَرَبِ كَفَرُوا بِهِ، وَجَحَدُوا مَا كَانُوا يَقُولُونَ فِيهِ. فَقَالَ لَهُمْ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، وَبِشْرُ بْنُ الْبَرَاءِ بْنِ مَعْرُورٍ، أَخُو بَنِي سَلِمَةَ يَا مَعْشَرَ يَهُودَ، اتَّقُوا اللَّهَ وَأَسْلِمُوا، فَقَدْ كُنْتُمْ تَسْتَفْتِحُونَ عَلَيْنَا بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ أَهْلُ شِرْكٍ، وَتُخْبِرُونَنَا بِأَنَّهُ مَبْعُوثٌ، وتصفونه لَنَا بِصِفَتِهِ. فَقَالَ سَلَامُ بْنُ مِشْكَمٍ أَخُو بَنِي النَّضِيرِ: مَا جَاءَنَا بِشَيْءٍ نَعْرِفُهُ، وَمَا هُوَ بِالَّذِي كُنَّا نَذْكُرُ لَكُمْ فَأَنْزَلَ اللَّهُ فِي ذَلِكَ مِنْ قَوْلِهِمْ: {وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ}۔[4]

---

[1] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الصغیر ج۲ ص ۱۸۲ رقم ۹۹۲ وفی المعجم الاوسط ج۶ ص ۳۱۳ رقم ۶۵۰۲ وابن تیمیه فی مجموع الفتاویٰ ج۲ ص ۱۵۱ والهیثمی فی مجمع الزوائد ج۸ ص ۲۵۳ والسیوطی فی جامع الاحادیث ج ۱۱ ص ۹۴، الصفافی التوسل والتبرک بالمصطفیٰ ﷺ ص ۳۰)

[2] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الصغیر ج۲ ص ۱۸۲ رقم ۹۹۲ وفی المعجم الاوسط ج۶ ص ۳۱۳ رقم ۶۵۰۲ وابن تیمیه فی مجموع الفتاویٰ ج۲ ص ۱۵۱ والهیثمی فی مجمع الزوائد ج۸ ص ۲۵۳ والسیوطی فی جامع الاحادیث ج ۱۱ ص ۹۴، الصفافی التوسل والتبرک بالمصطفیٰ ﷺ ص ۳۱)

[3] (المستدرک علی الصحیحین ص ۲۸۹ ج ۲ رقم ۳۰۴۲ ولآجری فی الشریعة ص ۴۴۸، والبیهقی فی دلائل النبوة ج ۲ ص ۷۶)

[4] (اخرجه ابونعیم فی دلائل النبوة ج ۱ ص ۵۲ رقم ۴۴، العسقلانی فی الاصابة ج ۲ ص ۳۸۳ رقم ۲۳۹۰، الطبری فی جامع البیان ج ۱ ص ۴۱۱، ابن ابی حاتم فی تفسیره ج ۱ ص ۱۷۲ رقم ۹۰۵، ابن کثیرفی تفسیرالقرآن العظیم ج ۱ ص ۱۲۵، السیوطی فی الدرالمنثور ج ۱ ص ۲۱۷، وذکر المفسرون فی تفاسیرهم هذاالحدیث بألفاظ مختلفة وبروایات مختلفة ومن تلک التفاسیر: الطبری فی جامع البیان ج ۱ ص ۲۳ و ۳۲۵، البغوی فی معالم التنزیل ج ۱ ص ۹۳، الزمخشری فی الکشاف ج ۱ ص ۱۶۴، ابن الجوزی فی زادالمسیر ج ۱ ص ۱۱۴، الرازی فی التفسیرالکبیر ج۳ ص ۱۸۰، القرطبی فی الجامع الاحکام القرآن ج۲ ص ۲۷، والبیضاوی فی أنوارالتنزیل ج ۱ ص ۲۲۸، النسفی فی مدارک التنزیل ج ۱ ص ۶۱، الخازن فی لباب التأویل فی معانی التنزیل ج ۱ ص ۶۵، ابن حبان الأندلسی فی البحرالمحیط ج ۱ ص ۳۰۳، ابن کثیرفی تفسیرالقرآن العظیم ج ۱ ص ۱۱۶ و ۱۲۴، نظم الدررفی تناسب الآیات والسور ج ۲ ص ۳۶، السیوطی فی الجلالین ص ۱۴، ابوالسعود فی ارشادالعقل السلیم ج ۱ ص ۱۲۸، اسماعیل حقی فی روح البیان ج ۱ ص ۱۷۹، القاضی ثناءالله پانی پتی فی تفسیرالمظهری ج ۱ ص ۹۴، الشوکانی فی فتح القدیر ج ۱ ص ۱۱۲، آلوسی فی تفسیرروح المعانی ج ۱ ص ۳۲۰، تفسیرالمنار ج ۱ ص ۳۸۱، مجاهدبن جبیر المخزومی فی التفسیر ج ۱ ص ۸۳)

(۱۷) مسئلہ نمبر سترہ: کسی ولی کے نام کی نذر ماننے کے بیان میں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بزرگانِ دین کے لئے نذر ماننا کیسا ہے؟ زید کہتا ہے کہ نذر اللہ پاک کے لئے خاص ہے، تو کیا غیر اللہ کی نذر نہیں مان سکتے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

نذر اور منت دو طرح کی ہوتی ہیں:

۱۔ نذرِ شرعی　　　　۲۔ نذرِ عُرفی

نذرِ شرعی یہ ہے کہ اللہ پاک کے لئے کوئی ایسی عبادت اپنے ذمہ لازم کر لینا جو لازم نہیں تھی۔ مثلاً یہ کہنا کہ میرا یہ کام ہو جائے تو میں ۱۰۰ نفل پڑھوں گا وغیرہ۔ نذرِ شرعی کی کچھ شرائط ہوتی ہیں، اگر وہ پائی جائیں تو نذر کو پورا کرنا واجب ہوتا ہے اور پورا نہ کرنے سے آدمی گنہگار ہوتا ہے۔

نذرِ عُرفی کا معنی نذرانہ اور ہدیہ ہے۔ مثلاً: انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے لئے اس طرح نذر ماننا کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں فلاں بزرگ کے نام پر کھانا کھلاؤں گا۔ یہ نذرِ عُرفی ہے اسے پورا کرنا واجب تو نہیں البتہ بہتر ہے کہ اسے بھی پورا کیا جائے۔

اللہ پاک کے علاوہ کسی نبی یا ولی کی نذرِ عُرفی ماننا جائز ہے کیونکہ اس میں بندے کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ میں یہ نیک کام اللہ پاک کی رضا کے لئے کروں گا، لیکن اس کا ثواب فلاں بزرگ کو ایصال کروں گا اور اس میں کوئی حرج والی بات نہیں، اس کو نیاز بھی کہتے ہیں۔ البتہ نذرِ شرعی اللہ پاک کے ساتھ خاص ہے، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لئے ماننا ممنوع ہے۔

نذر کی اقسام بیان کرتے ہوئے فقیہ ملت حضرت مفتی جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

نذر کے دو معنی ہیں، شرعی اور عُرفی۔ نذرِ شرعی کے معنی ہیں غیر ضروری عبادت کو اپنے اوپر ضروری کر لینا اور نذرِ عرفی کے معنی ہیں نذرانہ، ہدیہ اور پیشکش۔ نذرِ شرعی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے سوا کسی کی ماننا ممنوع ہے اور نذرِ عُرفی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام واولیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے لئے جائز ہے۔ نذرِ شرعی کا حکم یہ ہے کہ اس کا ادا کرنا فرض ہے اور اگر صدقہ وغیرہ کی نذر ہو تو اسے وہی لوگ کھا سکتے ہیں جن کو زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ قرآن عظیم الشان (کی اس آیت): وَلْیُوفُوا نُذُوْرَھُمْ

(الحج ۲۹) میں اس شرعی نذر کا ذکر ہے اور نذرِ عُرفی کا حکم یہ ہے کہ اسے امیر و غریب سب ہی لے سکتے ہیں اور کھا سکتے ہیں۔[1]

نذرِ شرعی کو پورا کرنے کے متعلق اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ (الحج ۲۹)

ترجمۂ کنز الایمان: اور اپنی منتیں پوری کریں۔

مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ کے تحت تفسیرِ قرطبی میں ہے:

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ (الحج ۲۹) أُمِرُوا بِوَفَاءِ النَّذْرِ مُطْلَقًا إِلَّا مَا كَانَ مَعْصِيَةً، لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ۔

ترجمہ: آیتِ مبارکہ میں گناہ کی نذر کے علاوہ مطلقاً نذر کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس لئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نافرمانی میں کوئی بھی نذر پوری نہیں کی جائے گی۔[2]

حدیث پاک میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها عن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وآله واصحابه وسلم قال: من نذر ان یطیع الله فلیطعه، ومن نذر أن یعصیه فلا یعصه۔

ترجمہ: حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو یہ منت مانے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا تو اس کی اطاعت کرے (یعنی منت پوری کرے) اور جو اس کی نافرمانی کی منت مانے تو اس کی نافرمانی نہ کرے (یعنی اس منت کو پورا نہ کرے)۔[3]

نذرِ عُرفی کے جائز ہونے کے متعلق اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اس فرمان: وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ (البقرة ۱۷۳) کے تحت تفسیراتِ احمدیہ میں ہے:

ومن ههنا علم ان البقرة المنذرة للاولیاء کما هو الرسم في زماننا حلال طیب۔

ترجمہ: اور یہاں سے معلوم ہوا کہ جس گائے کی نذر اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے لئے مانی جائے، وہ حلال وطیب ہے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رائج ہے۔[4]

---

[1] (فتاویٰ فیض الرسول، ج۲، ص ۳۴۱، مطبوعہ شبیر برادرز، لاھور)
[2] (تفسیر القرطبی، ج۱۲، ص ۵۰، الناشر: دار الکتب المصریة-القاھرة)
[3] (صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب النذر فی الطاعة، ج۲، ص ۵۲۲، مطبوعہ لاھور)
[4] (تفسیراتِ احمدیه، سورة البقرة، ص ۴۵، مطبوعہ کوئٹہ)

بحر الرائق میں ہے:

إنّي نَذَرْت لَک إنْ شَفَيْت مَرِيضِي أو رَدَدْت غَائِبِي أو قَضَيْت حَاجَتِي أَنْ أُطْعِمَ الْفُقَرَاءَ الَّذِينَ بِبَابِ السَّيِّدَةِ نَفِيسَةَ أو الْفُقَرَاءَ الَّذِينَ بِبَابِ الْإِمَامِ الشَّافِعِيِّ أو الْإِمَامِ اللَّيْثِ أو أَشْتَرِي حُصْرًا لِمَسَاجِدِهِمْ أو زَيْتًا لِوَقُودِهَا أو دَرَاهِمَ لِمَنْ يَقُومُ بِشَعَائِرِهَا إلَى غَيْرِ ذلک مِمَّا يَكُونُ فيه نَفْعٌ لِلْفُقَرَاءِ والنذر لِلّٰهِ عز وجل وَذِكْرُ الشَّيْخِ إنَّمَا هو مَحَلٌّ لِصَرْفِ النَّذْرِ لِمُسْتَحِقِّيهِ القاطنين (الفاطنين) بِرِبَاطِهِ أو مَسْجِدِهِ أو جَامِعِهِ فَيَجُوزُ بهذا الِاعْتِبَارِ إذْ مَصْرِفُ النَّذْرِ الْفُقَرَاءُ وقد وُجِدَ الْمَصْرِفُ۔

ترجمہ: (اگر کسی نے) اس طرح نذر مانی کہ اے اللہ! میں تیرے لئے نذر مانتا ہوں کہ اگر تو میرے اس مریض کو شفاعطا فرمادے یا میرے گم شدہ عزیز کو لوٹادے یا میری فلاں حاجت پوری ہو جائے تو میں سیدہ نفیسہ یا امام شافعی یا امام لیث رحمہم اللہ تعالیٰ کے مزار کے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا یا ان بزرگوں کی مساجد کے لئے چٹائیاں خرید کر دوں گا یا وہاں کے چراغ جلانے کے لئے تیل دوں گا یا وہاں کے خادمین کو دراہم دوں گا وغیرہ، تو اس میں فقراء کا نفع ہے اور نذر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے لئے اور شیخ کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ یہ نذر کے صرف ہونے کا محل ہیں یعنی ان کی جامعہ یا مسجد یا سرائے کے مستحق خادمین کے اوپر وہ نذر خرچ ہوگی تو اس طرح منت ماننا جائز ہے، اس لئے کہ نذر کا مصرف فقراء ہیں اور وہ مصرف پایا گیا۔[1]

عارف باللہ امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت ابو المواہب شاذلی کے احوال میں لکھتے ہیں:

کان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول رأیت النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فقال اذا کان لک حاجۃ واردت قضائھا فانذر للنفیسۃ الطاھرۃ ولو فلسا فان حاجتک تقضیٰ۔

ترجمہ: حضرت شاذلی علیہ الرحمۃ فرماتے تھے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو دیکھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا جب تجھے کوئی حاجت درپیش ہو اور تو چاہتا ہو کہ وہ پوری ہو جائے تو سیدہ نفیسہ طاہرہ کی نذر مان لے اگرچہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو تو تیری حاجت ضرور پوری ہو جائے گی۔[2]

علامہ سیدی عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

والنذر لھم بتعلیق علی حصول شفاء او قدوم غائب فإنہ مجاز عن الصدقۃ علی الخادمین بقبورھم۔

ترجمہ: اولیاء اللہ کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے اور اسے مریض کی شفا حاصل ہونے یا غائب کے آنے پر معلق کیا جاتا ہے وہ نذرِ مجاز ہے (یعنی) اس سے اولیاء اللہ کے مزارات پر خادمین کے لئے صدقہ کرنا مراد ہوتا ہے۔[3]

---

[1] (البحر الرائق، ج ۲، ص ۳۲۱، باب الاعتکاف، الناشر دار المعرفۃ، بیروت، لبنان)

[2] (الطبقات الکبریٰ، ابو المواھب شاذلی، ج ۲، ص ۱۴۸، مطبوعہ مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ)

[3] (الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ، الخلق الثامن والاربعون، ج ۲، ص ۱۵۱، مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد)

حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت امیر وذریۂ طاہرہ اور اتمام اُمت بر مثال پیراں ومرشداں می پرستند وامور تکوینیہ را بایشاں وابستہ دانند وفاتحہ ودرود صدقات ونذر بنام ایشاں رائج ومعمول گردیدہ چنانچہ با جمیع اولیاء اللہ ہمیں معاملہ است فاتحہ ودرود ونذر وعرس ومجلس۔

ترجمہ: حضرت امیر (مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) اور ان کی اولاد پاک کو تمام اُمت پیروں اور مُرشدوں کی طرح مانتی ہے اور تکوینی اُمور فاتحہ، درود، صدقات اور نذر و نیاز ان کے نام سے رائج ہیں اور معمول بنا ہوا ہے، چنانچہ تمام اولیائے کرام سے یہی معاملہ ہے کہ ان کے نام پر نذر و نیاز، فاتحہ، درود، عرس اور مجالس منعقد کی جاتی ہیں۔[1]

شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

غیر خدا کے لئے نذرِ فقہی کی ممانعت ہے، اولیائے کرام کے لئے ان کی حیاتِ ظاہری خواہ باطنی میں جو نذر کہی جاتی ہیں یہ نذرِ فقہی نہیں، عام محاورہ ہے کہ اکابر کے حضور جو ہدیہ کریں اسے نذر کہتے ہیں، بادشاہ نے دربار کیا، اسے نذریں گزاریں۔[2]

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

(۱۸) مسئلہ نمبر اٹھارہ: بحث مزارات اولیاء للہ رحمہم اللہ تعالیٰ پر گنبد بنانا

مسلمان دو طرح کے ہیں ایک تو عام مومنین۔ دوسرے علماء ومشائخ اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ جن کی تعظیم وتوقیر در حقیقت اسلام کی تعظیم ہے۔ عامتہ المسلمین کی قبروں کو پختہ بنانا یا ان پر قبہ وغیرہ بنانا چونکہ بے فائدہ ہے اس لئے منع ہے ہاں اس پر مٹی وغیرہ ڈالتے رہنا تاکہ اس کا نشان نہ مٹ جائے فاتحہ وغیرہ پڑھی جاسکے جائز ہے اور علماء مشائخ عظام اولیاء اللہ جن کے مزارات پر خلقت کا ہجوم رہتا ہے لوگ وہاں بیٹھ کر قرآن خوانی وفاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں ان کے آسائش اور صاحب قبر کی اظہارِ عظمت کے لئے اس کے آس پاس سایہ کے لئے قبہ وغیرہ بنانا شرعاً جائز بلکہ سنتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے اور جن عوام مومنین کی قبریں پختہ بنانا یا ان پر قبہ بنانا منع ہے اگر ان کی قبریں پختہ بن گئی ہوں تو ان کو گرانا حرام ہے پہلے مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے آخر کے دو مسئلوں میں اختلاف اس لئے ہم اس بحث کے دو باب کرتے ہیں۔ پہلے باب میں تو اس کا ثبوت۔ دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات۔

---

[1] (تحفہ اثناعشریہ، باب ہفتم در امامت، ص ۲۱۴، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور)

[2] (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۳، ص ۵۹۸، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مزارات اولیاء اللہ پر عمارت کا ثبوت

اس جگہ تین امور ہیں ایک تو خود قبر کو پختہ کرنا دوسرے قبر ولی کو قدر سنت یعنی ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا۔ تیسرے قبر کے آس پاس عمارت بنادینا۔ پھر قبر کو پختہ کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت سے ملا ہوا ہے اس کو پختہ بنانا دوسرے قبر کا بیرونی حصہ جو کہ اوپر نظر آتا ہے اس کو پختہ کرنا۔

قبر کے اندرونی حصہ کو پختہ اینٹ سے پختہ کرنا۔ وہاں لکڑی لگانا منع ہے ہاں اگر وہاں پتھر یا سیمنٹ لگایا جاوے تو جائز ہے کیونکہ لکڑی اور اینٹ میں آگ کا اثر ہے۔ قبر کا بیرونی حصہ پختہ بنانا عامۃ المسلمین کے لئے منع ہے اور خاص علماء ومشائخ کے لئے جائز ہے۔

قبر کا تعویذ ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا منع ہے اور اگر آس پاس چبوترہ اونچا کر کے اس پر تعویذ بقدر ایک ہاتھ کیا تو جائز ہے۔

قبر کے آس پاس یا قبر کے قریب کوئی عمارت بنانا عامۃ المسلمین کی قبروں پر تو منع ہے اور فقہاء و علماء کی قبروں پر جائز۔

دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) مشکوۃ کتاب الجنائز باب الدفن میں بروایت ابو داؤد ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے حضرت عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ کو دفن فرمایا تو ان کی قبر کے سرہانے ایک پتھر نصف فرمایا، اور فرمایا کہ:

اعلم بھا قبر اخی و ادفن الیہ من مات من اھلی۔

ہم اس سے اپنے بھائی کی قبر کا نشان لگائیں گے اور اسی جگہ اپنے اہل بیت کے مردوں کو دفن کریں گے۔[1]

(۲) بخاری **کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر** میں تعلیقاً ہے حضرت خارجہ فرماتے ہیں۔ ہم زمانۂ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تھے۔

ان اشدنا وثبۃ الذی یثب قبر عثمان ابن مظعون حتی یجاوزہ۔

ترجمہ: ہم میں بڑا کودنے والا وہ تھا جو عثمان ابن مظعون کی قبر کو پھلانگ جاتا۔[2]

مشکوۃ کی روایت سے معلوم ہوا کہ عثمان ابن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے سرہانے پتھر تھا اور بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ خود قبرِ عثمان کا تعویذ اس پتھر کا تھا اور دونوں روایات اس طرح جمع ہو سکتی ہیں کہ مشکوۃ میں جو آیا کہ

---

[1] (مشکوۃ المصابیح کتاب الجنائز باب دفن المیت الفصل الثانی ص ۱۴۹ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

[2] (صحیح بخاری کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر ج ۱ ص ۴۵۷ مطبوعہ ابن کثیر بیروت وفی نسخہ ج ۱ ص ۱۸۱ ۔ ۱۸۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

قبر کے سرہانے پر پتھر لگایا اس کے معنی یہ نہیں کہ قبر سے علیحدہ سر کے قریب کھڑا کر دیا بلکہ یہ ہے کہ خود قبر میں ہی سر کی طرف اس کو لگایا یا مطلب یہ کہ قبر ساری اس پتھر کی تھی مگر سرہانے کا ذکر کیا۔ ان دونوں احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کسی خاص قبر کا نشان قائم رکھنے کے لئے قبر کچھ اونچی کر دی جاوے یا پتھر وغیرہ سے پختہ کر دی جائے تو جائز ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے۔ اس سے پہلے دو مسئلے حل ہو گئے نیز فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی زمین نرم ہو اور لوہے یا لکڑی کے صندوق میں میت رکھ کر دفن کرنا پڑے تو اس کے اندرونی حصہ میں چاروں طرف مٹی سے کہگل کر دو۔ (دیکھو شامی اور عالمگیری وغیرہ باب دفن المیت) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر کو اندر سے کچا ہونا چاہئے دو مسائل ثابت ہوئے۔

(۳) مشائخ کرام اولیاء عظام علماء کرام رحمہم اللہ تعالی کی مزارات کے ارد گرد یا اس کے قریب میں کوئی عمارت بنانا جائز ہے۔ اس کا ثبوت قرآن کریم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعامۃ المسلمین کے عمل اور علماء کے اقوال سے ہے۔

قرآن کریم نے اصحاب کہف کا قصہ بیان فرماتے ہوئے کہا:

قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَى أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا (الکھف ۲۱)

وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے کہ ہم تو ان اصحاب کہف پر مسجد بنائیں گے۔

روح البیان میں اس آیت میں بنیاناً کی تفسیر میں فرمایا:

دیوارے کہ از چشم مردم پوشیدہ شوند یعنی لایعلم احد تربتهم وتکون محفوظته من تطرق الناس کما حفظت تربت رسول اللہ بالحظیرۃ۔

یعنی انہوں نے کہا کہ اصحابِ کہف پر ایسی دیوار بناؤ جو ان کی قبر کو گھیرے اور ان کے مزارات لوگوں کے جانے سے محفوظ ہو جاویں۔ جیسے کہ حضور علیہ السلام کی قبر شریف چار دیواری سے گھیر دی گئی ہے۔[1]

مگر یہ بات نامنظور ہوئی تب مسجد بنائی گئی۔

مَسْجِدًا کی تفسیر روح البیان میں ہے:

یصلی فیه المسلمون ویتبرکون بمکانهم۔

لوگ اس میں نماز پڑھیں اور ان سے برکت لیں۔

قرآن کریم نے ان لوگوں کی باتوں کا ذکر فرمایا ایک تو اصحابِ کہف کے گرد قبہ اور مقبرہ بنانے کا مشورہ کرنا دوسرے ان کے قریب مسجد بنانا اور کسی باب کا انکار نہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ دونوں فعل جب بھی جائز تھے اور اب بھی جائز ہیں جیسا کہ

---

[1] (تفسیر روح البیان ج۵ ص ۲۷۴۔۲۷۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کتب اصول سے ثابت ہے کہ **شرائع قبلنا یلزمنا۔** حضور سید عالم ﷺ کو حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں دفن کیا گیا۔ اگر یہ ناجائز تھا تو پہلے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کو گرا دیتے۔ پھر دفن کرتے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کے گرد کچی اینٹوں کی گول دیوار کھچادی۔ پھر ولید ابن عبد الملک کہ زمانہ میں سیدنا عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی موجودگی میں اس عمارت کو نہایت مضبوط بنایا اور اس میں پتھر لگوائے۔

چنانچہ خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ مصنفہ سید سمہودی دسویں فصل فیما یتعلق بالحجرہ المنیفتہ ۱۹۶ میں ہے:

عن عمرو ابن دینار و عبیداللہ ابن ابی زید قالا لم یکن علی عھد النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَسلّم حائط فکان اول من بنی علیہ جداراً عمر ابن الخطاب۔ قال عبیداللہ ابن ابی زید کان جدار قصیرا ثم بناہ عبداللہ ابن الزبیر الخ و قال الحسن البصری کنت ادخل بیوت رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَسلّم و انا غلام مراھق اذانال السقف بیدی و کان لکل بیت حجرۃ و کانت حجرہ من العکستہ من سعیر مربوطتہ فی حشب عروۃ۔ [1]

ترجمہ وہی جو اوپر بیان ہو چکا۔

بخاری جلد اول **کتاب الجنائز باب ماجآء فی قبر النبی و ابی بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما** میں ہے کہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ولید ابن عبد الملک کے زمانہ میں روضہ رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی ایک دیوار گر گئی تو **اخذوا فی بنائہ** صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کے بنانے میں مشغول ہوئے۔

فبدت لھم قدم ففزعوا و ظنوا انھا قدم النبی علیہ السلام حتی قال لھم عروۃ لا واللہ ماھی قدم النبی علیہ السلام ما ھی الا قدم عمر۔

ترجمہ: ایک قدم ظاہر ہو گیا تو لوگ گھبرا گئے اور سمجھے کہ یہ حضور علیہ السلام کا قدم پاک ہے۔ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اللہ کی قسم یہ حضور علیہ السلام کا قدم نہیں ہے یہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قدم ہے۔ [2]

جذب القلوب الی دیار المحبوب میں شیخ عبد الحق فرماتے ہیں کہ ۵۵۰ھ میں جمال الدین اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی موجودگی میں صندل کی لکڑی کی جالی اس دیوار کے آس پاس بنائی اور ۵۵۷ھ میں بعض عیسائی عابدوں کی شکل میں مدینہ منورہ آئے اور سرنگ لگا کر نعش مبارک کو زمین سے نکالنا چاہا۔ حضور علیہ السلام نے تین بار بادشاہ کو

---

[1] (خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفی دسویں فصل فیما یتعلق بالحجرہ المنیفتہ ص ۱۹۶)

[2] (صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماجآء فی قبر النبی و ابی بکر و عمر ج ۱ ص ۱۸۶ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

خواب میں فرمایا۔ لہذا بادشاہ نے ان کو قتل کرایا اور روضۂ رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے آس پاس پانی تک بنیاد کھود کر سیسہ لگا کر اس کو بھر دیا پھر ۶۷۸ھ میں سلطان قلاؤں صالحی نے یہ گنبد سبز جو اب تک موجود ہے بنوایا۔

ان عبارات سے یہ معلوم ہوا کہ روضۂ مطہرہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بنوایا تھا اگر کوئی کہے کہ یہ تو حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے تو کہا جاوے گا کہ اس روضہ میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ وفاروق رضی اللہ عنہ بھی دفن ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دفن ہوں گے لہذا یہ خصوصیت نہ رہی۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز اور مشکوۃ باب البکا علی المیت میں ہے کہ حضرت امام حسن ابن حسن ابن علی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔

ضربت امراتہ القبۃ علی قبرہ سنۃ۔

ترجمہ: تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک قبہ ڈالے رکھا۔ [1]

یہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں سب کی موجودگی میں ہوا۔ کسی نے انکار نہ کیا۔ نیز ان کی بیوی ایک سال تک وہاں رہیں۔ پھر گھر واپس آئیں۔ جیسا کہ اسی حدیث میں ہے۔ اس سے بزرگوں کی قبروں پر مجاوروں کا بیٹھنا بھی ثابت ہوا۔

یہاں تک تو قرآن وحدیث سے ثابت ہوا۔ اب فقہاء و محدثین اور مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

روح البیان جلد ۳ پارہ ۱۰ زیر آیت (پارہ ۱۰ سورہ التوبۃ ۹ آیت نمبر ۱۸) إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ میں ہے:

فبناء قباب علی قبور العلمآء والاولیاء والصلحآء امر جائز اذا کان القصد بذلک التعظیم فی اعین العآمۃ حتی لا یحتقروا صاحب ھذا القبر۔

ترجمہ: علماء، اولیاء وصالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کی قبروں پر عمارات بنانا جائز کام ہے جبکہ اس سے مقصود ہو لوگوں کی نگاہوں میں عظمت پیدا کرنا تاکہ لوگ اس قبر والے کو حقیر نہ جانیں۔ [2]

مرقات شرح مشکوۃ کتاب الجنائز باب دفن المیت میں ہے:

قد اباح السلف البناء علی قبور المشائخ والعلمآء المشھورین لیزورھم الناس ویستریحوا بالجلوس۔

ترجمہ: پہلے علماء نے مشائخ اور علماء کی قبروں پر عمارات بنانا جائز فرمایا ہے تاکہ ان کی لوگ زیارت کریں اور وہاں بیٹھ کر آرام پائیں۔ [3]

---

[1] (صحیح بخاری کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر ج ۱ ص ۴۴۶ مطبوعہ ابن کثیر بیروت وفی نسخہ ج ۱ ص ۱۷۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[2] (تفسیر روح البیان ج ۳ ص ۴۰۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[3] (مرقات شرح مشکوۃ باب دفن المیت ج ۴ ص ۶۰)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں:

درآخر زمان بجہت اقتصار نظر عوام بر ظاہر مصلحت در تعمیر وترویج مشاہد ومقابر مشائخ وعظماء دیدہ چیزہا افزدوند تا آنجا ہیبت وشوکت اہل اسلام واہل صلاح پیدا آید خصوصاً در دیار ہند کہ اعدائے دین از ہنود وکفار بسیار امذ۔ وترویج واعلاء شان ایں مقامات باعث رعب وانقیاد ایشاں است وبسیار اعمال وافعال وادضاع کہ درزمان سلف از مکروہات بودہ اند درآخر زمان از مستحسنات گشتہ۔

ترجمہ: آخر زمان میں چونکہ عام لوگ محض ظاہر بین رہ گئے لہٰذا مشائخ اور صلحاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی قبروں پر عمارت بنانے میں مصلحت دیکھ کر زیادتی کر دی تاکہ مسلمانوں اور اولیاء اللہ کی ہیبت ظاہر ہو خاصکر ہندوستان میں کہ یہاں ہندو اور کفار بہت سے دشمنانِ دین ہیں ان مقامات کی اعلانِ شان کفار کے رعب اور اطاعت کا ذریعہ ہے اور بہت سے کام پہلے مکروہ تھے اور آخرِ زمانہ میں مستحب ہو گئے۔[1]

شامی جلد اول باب الدفن میں ہے:

وقیل لایکرہ البناء اذا کان المیتمن المشائخ والعلماء والسادات۔

ترجمہ: کہ اگر میت مشائخ اور علماء اور سادات کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے ہو تو اس کی قبر پر عمارت بنانا مکروہ نہیں ہے۔[2]

درمختار میں اسی باب الدفن میں ہے:

لایرفع علیہ بناء وقیل لاباس بہ وھو المختار۔

قبر پر عمارت نہ بنائی جائے اور کہا گیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہ ہی قول پسندیدہ ہے۔[3]

بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ شامی اور درمختار نے عمارت کے جواز کو قیل سے بیان کیا۔ اس لئے یہ قول ضعیف ہے لیکن یہ صحیح نہیں فقہ میں قیل علامت ضعف نہیں۔ اور بعض جگہ ایک مسئلہ میں دو قول بیان کرتے ہیں اور دونوں قیل سے۔ ہاں منطق میں قیل علامت ضعف ہے۔ قیل کی مکمل بحث اذان قبر کے بیان میں دیکھو۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وقد اعتاد اھل المصر وضع الاحجار حفظا للقبور عن الاندراس والنبش ولاباس بہ وفی الدرر ولایجصص ولا یطین ولایرفع علیہ بناء وقیل لاباس بہ ھو المختار۔

---

[1] (سفر السعادات باب زیارۃ القبور ص ۲۷۲ مطبوعہ نوریہ رضویہ)

[2] (ردالمحتار کتاب الجنائز مطلب فی دفن المیت ج ۱ ص ۶۲۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[3] (ردالمحتار کتاب الجنائز مطلب فی دفن المیت ج ۱ ص ۶۲۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ترجمہ: مصر کے لوگ قبروں پر پتھر رکھنے کے عادی ہیں تا کہ وہ مٹنے اکھڑنے سے محفوظ رہیں اور قبر کو گچ نہ کی جاوے نہ کھگل کی جاوے نہ اس پر عمارت بنائی جاوے اگر کہا گیا کہ جائز ہے اور یہ ہی مختار ہے۔[1]

میزان کبریٰ آخر جلد اول کتاب الجنائز میں امام شعرانی فرماتے ہیں:

ومن ذلک قول الائمة ان القبر لایبنی ولا یجصص مع قول ابی حنیفة یجوز ذلک قال الاول مشدد والثانی مخفف۔

ترجمہ: اسی سے ہے دیگر اماموں کا یہ کہنا کہ قبر پر نہ عمارت بنائی جاوے اور نہ اس کو گچ کی جاوے باوجودیکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ یہ سب جائز ہے پس پہلے قول میں سختی ہے اور دوسرے میں آسانی۔[2]

اب توڑر جسٹری ہوگئی کہ خود امام مذہب امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان مل گیا کہ قبر پر قبہ وغیرہ بنانا جائز ہے۔

الحمدللہ کہ قرآن و حدیث اور فقہی عبارات بلکہ خود امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان پاک سے ثابت ہو گیا کہ اولیاء وعلماء رحمہم اللہ تعالیٰ کی قبور پر گنبد وغیرہ بنانا جائز ہے۔ عقل بھی یہ ہی چاہتی ہے کہ یہ جائز ہو چند وجوہ سے اولاً تو یہ دیکھا گیا ہے کہ عام کچی قبروں کا عوام کی نگاہ میں نہ ادب ہوتا ہے نہ احترام اور نہ زیادہ فاتحہ خوانی نہ کچھ اہتمام بلکہ لوگ پیروں سے اس کو روندتے ہیں۔ اور اگر کسی قبر کو پختہ دیکھتے ہیں غلاف وغیرہ پڑا ہوا پاتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے اس سے بچ کر نکلتے ہیں اور خود بخود فاتحہ کو ہاتھ اٹھ جاتا ہے اور مشکوۃ باب الدفن میں اور مرقات میں ہے کہ مسلمان کا زندگی اور بعد موت یکساں ادب چاہیئے۔

اسی طرح فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قبر سے اتنی دور بیٹھے جتنی دور کہ صاحبِ قبر کی زندگی میں اس سے بیٹھتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ میت کا احترام بقدرِ زندگی کے احترام کے ہے اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ تو زندگی میں واجب التعظیم تھے لہٰذا بعد موت بھی اور قبر کی عمارت اس تعظیم کا ذریعہ ہے لہذا کم از کم مستحب ہے۔ دوسرے اس لئے کہ جس طرح تمام عمارات میں سرکاری عمارتیں یا کہ مساجد ممتاز رہتی ہیں کہ ان کو پہچان کر لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ علماء کو چاہیئے کہ اپنی وضع قطع لباس صورت اہل علم کا سا رکھیں تا کہ لوگ ان کو پہچان کر مسائل دریافت کریں۔ اسی طرح چاہیئے کہ علماء ومشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کی قبور عام قبروں سے ممتاز رہیں تا کہ لوگ پہچان کر ان سے فیض لیں۔ تیسرے اس لئے کہ مقابرِ اولیاء اللہ **شعائر اللہ** ہیں جیسا کہ ہم اس سے پہلے تفسیر روح البیان کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں اور **شعائر اللہ** کا ادب ضروری ہے قرآن

---

[1] (طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ۳۳۵)

[2] (میزان کبریٰ آخر جلد اول کتاب الجنائز ج ۱ ص ۵۳ ۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

سے ثابت ہے لہٰذا قبروں کا ادب چاہیئے۔ ادب کے ہر ملک اور ہر زمانہ میں علیحدہ طریقے ہوتے ہیں۔ جو طریقہ بھی ادب کا خلاف اسلام نہ ہو وہ جائز ہے حضور صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم کے زمانہ ٔپاک میں قرآن پاک ہڈیوں اور چمڑے پر لکھا تھا۔ مسجد نبوی کچی تھی اور چھت میں کھجور کے پتے تھے جو بارش میں ٹپکتی تھی مگر بعد کے زمانہ میں مسجدِ نبوی نہایت شاندار روضہ ٔ رسول اللہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم بہت اہتمام سے بنائے گئے اور قرآن کو اچھے کاغذ پر چھاپہ گیا۔

در مختار کتاب الکراہیت فصل فی البیع میں ہے:

وجاز تجلیتہ المصحف لما فیہ من تعظیمہ کما فی نقش المسجد۔[1]

اس کے ماتحت شامی میں ہے **ای بالذھب و الفضۃ** یعنی قرآن کریم کو چاندی سونے سے آراستہ کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں قرآن عظیم الشان کی تعظیم ہے۔ جیسا کہ مسجد کو نقشین کرنا۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں حکم تھا کہ قرآن عظیم الشان کو آیات اور رکوع اور اعراب سے خالی رکھو لیکن اس زمانہ کے بعد چونکہ ضرورت درپیش ہوئی۔ یہ تمام کام جائز بلکہ ضروری ہوگئے۔

شامی میں اسی جگہ ہے:

وماروی عن ابن مسعود جردو القرآن کان فی ومنھم وکم من شئیی یختلف باختلاف الزمان والمکان۔

ترجمہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قرآن کو اعراب وغیرہ سے خالی رکھو یہ اس زمانہ میں تھا اور بہت سی چیزیں زمانہ اور جگہ بدلنے سے بدل جاتی ہیں۔[2]

اسی مقام پر شامی (ردالمحتار علی درالمختار ج ۵ ص ۲۷۳ کتاب الخطر والاباحۃ فصل فی البیع مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) میں ہے کہ قرآن کو چھوٹا کر کے نہ چھاپو یعنی حمائل نہ بناؤ بلکہ اس کا قلم موٹا ہو۔ حرف کشادہ ہوں تقطیع بڑی ہو یہ سارے احکام کیوں ہیں؟ صرف قرآن کی عظمت کے لئے اسی طرح یہ بھی ہے اول زمانہ میں تعظیم قرآن واذان واقامت پر اجرت لینا حرام تھا حدیث وفقہ میں موجود ہے مگر بعد کو ضرورتاً جائز کیا گیا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں خود زندہ لوگوں کو پختہ مکان بنانے کی ممانعت تھی۔ ایک صحابی نے پختہ مکان بنایا تو حضور علیہ السلام ناراض ہوئے یہاں تک کہ ان کے سلام کا جواب نہ دیا جب اس کو گرادیا۔ تب جوابِ سلام دیا (دیکھو مشکوۃ کتاب الرقاق فصل الثانی ص ۴۴۱ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)۔

اسی مشکوۃ کتاب الرقاق میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اذالم یبارک للعبد فی مالہ جعلہ فی المآء والطین۔

---

[1] (ردالمحتار علی درالمختار ج ۵ ص ۲۷۳ کتاب الخطر والاباحۃ فصل فی البیع مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)
[2] (ردالمحتار علی درالمختار ج ۵ ص ۲۷۳ کتاب الخطر والاباحۃ فصل فی البیع مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

جب بندے کے مال میں بے برکتی ہوتی ہے تو اس کو اینٹ گارے میں خرچ کرتا ہے۔[1]

لیکن ان احکام کے باوجود عام مسلمانوں نے بعد میں پختہ مکان بھی بنائے اور مسجدیں بھی۔ تعجب ہے کہ جو حضرات اولیاء اللہ کی قبروں کے پختہ کرنے یا ان پر قبہ بنانے کو حرام کہتے ہیں وہ اپنے مکان کیوں عمدہ اور پختہ بناتے ہیں۔

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ (البقرة ۸۵)

تو کیا خدا کے کچھ حکموں پر ایمان لاتے اور کچھ سے انکار کرتے ہو۔

اللہ سمجھ دے۔ چوتھے اس لئے کہ اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی مقابر کا پختہ ہونا۔ ان پر عمارات قائم ہونا۔ تبلیغ اسلام کا ذریعہ ہے۔ اجمیر شریف وغیرہ میں دیکھا گیا ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ وہاں ہندو اور دیگر کفار زیارت کو جاتے ہیں بہت سے ہندوؤں اور رافضیوں کو میں نے دیکھا کہ خواجہ صاحب کی دھوم دھام دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔

ہندوستان میں اب کفار مسلمانوں کے ان اوقاف پر قبضہ کر رہے ہیں جن میں کوئی علامت نہ ہو۔ بہت سی مسجدیں، خانقاہیں، قبرستان بے نشان ہو کر ان کے قبضے میں پہنچ گئے اگر قبرستان کی ساری قبریں کچی ہوں تو وہ کچھ دن میں گر گر کر برابر ہو جاتی ہیں اور سادہ زمین پر کفار قبضہ جما لیتے ہیں لہذا اب سخت ضرورت ہے کہ ہر قبرستان میں کچھ قبریں پختہ ہوں تا کہ ان سے اس زمین کا قبرستان ہونا بلکہ اس کے حدود معلوم رہیں۔

میں نے اپنے وطن میں خود دیکھا کہ مسلمانوں کے دو قبرستان بھر چکے تھے ایک میں بجز دو تین قبروں کے ساری قبریں کچی تھیں۔ دوسرے قبرستان کے کچھ حصہ میں پختہ قبریں بھی تھیں۔ مسلمان فقیروں نے یہ دونوں قبرستان خفیہ طور پر فروخت کر دیئے جس پر مقدمہ چلا۔ پہلا قبرستان تو سوائے پختہ قبروں کے مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا کیونکہ حکام نے اسے سفید زمین مانا۔ دوسرے قبرستان کا آدھا حصہ جہاں تک پختہ قبریں تھیں مسلمانوں کو ملا۔ باقی وہ حصہ جس میں ساری قبریں کچی تھیں اور مٹ چکی تھیں کفار کے پاس پہنچ گئے کیونکہ اس قبرستان کے حدود پختہ قبروں کی حد سے قائم کئے گئے باقی کا بیع نامہ درست مانا گیا۔ اس سے مجھے پتہ لگا کہ اب ہندوستان میں کچھ قبریں پختہ ضرور بنوانی چاہئیں کیونکہ یہ بقاء وقف کا ذریعہ ہیں جیسے مسجد کے لئے مینارے۔

ماہ جولائی ۱۹۶۰ء کے اخبارات میں مسلسل یہ خبر شائع ہو رہی ہے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے پیر سید احمد صاحب بریلوی کی قبر جو بالاکوٹ میں واقع ہے شکستہ حالت میں ہے اس کی مرمت کی جاوے گی اور اس پر گنبد وغیرہ تعمیر کیا جاویگا۔ سبحان اللہ سید احمد صاحب جنہوں نے عمر بھر مسلمانوں کی قبریں ڈھائیں اب خود ان کی قبر پر گنبد بنے لاکھ مسلمان شریک تھے

---

[1] (مشکوۃ المصابیح کتاب الرقاق الفصل الثالث ص ۴۴۲ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اس عمارت پر ۷۵ لاکھ روپیہ خرچ ہو گا اس تقریب میں دیوبندیوں کے پیشوا مولوی احتشام الحق نے بھی شرکت کی۔ ان کی تقریر راولپنڈی کے جنگ ۱۲ اگست ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی آپ نے بہت خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا کہ مبارک ہو کہ بانیٔ انقلاب آج بانی پاکستان کی قبر پر سنگ بنیاد رکھ رہا ہے اب تک پاکستان کی حکومتوں نے اس مبارک کام میں بہت سستی کی تھی۔ مسلمانو! یہ ہیں وہ دیوبندی جو اب تک مسلمانوں کی قبریں اکھڑواتے تھے جنھوں نے نجدی حکومت کو مبارک باد کے تار دیئے تھے کہ اس نے صحابہ واہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبریں اکھیڑ دیں آج قائداعظم کی قبر پر گنبد وغیرہ تعمیر ہونے پر مبارک باد دے رہے ہیں۔ ان کا کتابی مذہب اور ہے۔ زبانی مذہب اور عملی مذہب کچھ اور چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی۔ بہر حال مزار پر گنبد کے دیوبندی بھی قائل ہو گئے۔

(۱۹) مسئلہ نمبر انیس: عمارت قبور پر اعتراضات کے جوابات کے بیان میں

مخالفین کے اس مسئلہ پر صرف دو ہی اعتراض ہیں اول تو یہ کہ مشکوۃ باب الدفن میں بروایت مسلم ہے:

اعتراض (۱): نهى رسول الله صَلى الله تعالىٰ عليه وَاٰله واصحابه وَسلَّم ان يجصص القبور وان يبنى عليه وان يقعد عليه۔

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے منع فرمایا اس سے کہ قبروں پر گچ کی جاوے اور اس سے کہ اس پر عمارت بنائی جاوے اور اس سے کہ اس پر بیٹھا جاوے۔[1]

نیز عام فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ يكره البنآء على القبور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین کام حرام ہیں قبر کو پختہ بنانا۔ قبر پر عمارت بنانا اور قبر پر مجاور بن کر بیٹھنا۔

جواب: قبر کو پختہ کرنے سے منع ہونے کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت کی طرف ہے اس کو پختہ کیا جاوے۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا۔ ان يجصص القبور یہ نہ فرمایا گیا على القبور دوسرے یہ کہ عامۃ المسلمین کی قبور پختہ کی جاویں کیونکہ یہ بے فائدہ ہے تو معنی یہ ہوئے کہ ہر قبر کو پختہ بنانے سے منع فرمایا۔ تیسرے یہ کہ قبر کو سجاوٹ تکلیف یا فخر کے لئے پختہ کیا۔ یہ تینوں صورتیں منع ہیں اور اگر نشان باقی رکھنے کے لئے کسی ولی اللہ کی قبر پختہ کی جاوے تو جائز ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر پختہ پتھر کی بنائی۔ جیسا کہ پہلے باب میں عرض کیا گیا۔ لمعات میں اسی ان يجصص القبور کے ماتحت ہے لما فيه من الزينته والتكليف کیونکہ اس میں محض سجاوٹ اور تکلیف ہے۔

[1] (مشکوۃ المصابیح باب الدفن علی المیت الفصل الاول ص ۱۴۸ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

جس سے معلوم ہوا کہ اگر اس لئے نہ ہو تو جائز ہے ان یبنی علیہ یعنی قبر پر عمارت بنانا منع فرمایا۔ اس کے بھی چند معنی اولاً تو یہ کہ خود قبر پر عمارت بنائی جاوے اس طرح کہ قبر دیوار میں شامل ہو جاوے۔

چنانچہ شامی باب الدفن میں ہے:

وتکرہ الزیادۃ علیہ لما فی المسلم۔ نہی رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ واصحابہ وَسلَّم ان یجصص القبر وان یبنی علیہ۔

ترجمہ: قبر کو ایک ہاتھ سے اونچا کرنا منع ہے کیونکہ مسلم میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے قبر کو پختہ کرنے اور اس پر کچھ بنانے سے منع فرمایا۔[1]

درمختار اسی باب میں ہے وتکرہ الزیادۃ علیہ من التراب لانہ بمنزلۃ البناء قبر پر مٹی زیادہ کرنا منع ہے کیونکہ یہ عمارت بنانے کے درجہ میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبر پر بنانا یہ ہے کہ قبر دیوار میں آجاوے اور گنبد بنانا یہ حول البقر یعنی قبر کے اردگرد بنانا ہے یہ ممنوع نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ حکم عامۃ المسلمین کے لئے قبروں کے لئے ہے۔

تیسرے یہ کہ اس بنانے کی تفسیر خود دوسری حدیث نے کردی جو کہ مشکوۃ باب المساجد میں ہے:

اللّٰھُمَّ لَا تجْعَل قَبْرِي وثنا یعبد اشْتَدَّ غَضَبُ اللہِ عَلَی قَوْمٍ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِیَائھمْ مَسَاجِد۔

ترجمہ: اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا جس کی پوجا کی جاوے اس قوم پر خدا کا سخت غضب ہے جس نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد بنالیا۔[2]

اس سے معلوم ہوا کہ کسی قبر کو مسجد بنانا اس پر عمارت بنا کر اس طرف نماز پڑھنا حرام ہے یہ ہی اس حدیث سے مراد ہے۔ قبروں پر کیا نہ بناؤ مسجد۔ قبر کو مسجد بنانے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی عبادت کی جاوے۔ یا کم از کم اس کو قبلہ بنا کر اس کی طرف سجدہ کیا جاوے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

قال البیضاوی لما کانت الیھود والنصری یسجدون لقبور الانبیآء تعظیما لشانھم ویجعلونھا قبلۃ یتوجھون فی الصلوۃ نحوھا واتخذوھا اوثاناً لعنھم ومنع المسلمون عن مثل ذلک۔

---

[1] (ردالمحتار کتاب الجنائز مطلب فی دفن المیت ج ۱ ص ۲۶۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[2] (مشکوۃ المصابیح الفصل الاول ص ۷۲ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

ترجمہ: بیضاوی نے فرمایا کہ جبکہ یہود و نصاریٰ پیغمبروں کی قبروں کو تعظیماً سجدہ کرتے تھے اور اس کو قبلہ بنا کر اس کی طرف نماز پڑھتے تھے اور ان قبور کو انہوں نے بت بنا کر رکھا تھا لہذا اس پر حضور علیہ السلام نے لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا گیا۔

یہ حدیث معترض کی پیش کردہ حدیث کی تفسیر ہوگئی۔ معلوم ہوگیا کہ قبہ بنانے سے منع نہیں فرمایا بلکہ قبر کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا۔ چوتھے یہ کہ یہ ممانعت حکم شرعی نہیں ہے بلکہ زہد و تقویٰ کی تعلیم ہے جیسے کہ ہم پہلے باب میں عرض کرچکے کہ رہنے کے مکانات کو پختہ کرنے سے بھی روکا گیا بلکہ گرادیئے گئے پانچواں یہ کہ جب بنانے والے کا یہ اعتقاد ہو کہ اس عمارت سے میت کو راحت یا فائدہ پہنچتا ہے تو منع ہے کہ غلط خیال ہے اور اگر زائرین کی آسائش کے لئے عمارت بنائی جاوے تو جائز ہے۔

ہم نے یہ توجیہیں اس لئے کیں کہ بہت سے صحابہ کرام نے خاص خاص قبروں پر عمارات بنائی ہیں یہ فعل سنت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے چنانچہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی قبر انور کے گرد عمارت بنائی۔ سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس پر خوبصورت عمارت بنائی۔ حسن مثنّٰی کی بیوی نے پرانے شوہر کی قبر پر قبہ ڈالا جس کو ہم بحوالہ مشکوۃ باب البکاء سے نقل کرچکے۔

زوجہ حسن مثنّٰی کے اس فعل کے ماتحت ملا علی قاری مرقات شرح مشکوۃ باب البکاء میں فرماتے ہیں:

الظاهر انه لاجتماع الاحباب للذكر والقراءة وحضور الاصاحب للدعا بالمغفرة والرحمة اما حمل فعلها على العبث المكروه فغير لائق لصنيع اهل البيت۔

ترجمہ: ظاہر یہ ہے کہ یہ قبور دوستوں اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جمع ہونے کے لئے تھا تاکہ ذکر اللہ اور تلاوت قرآن کریں اور دعائے مغفرت کریں لیکن ان بی بی کے اس کام کو محض بے فائدہ بنانا جو کہ مکروہ ہے یہ اہل بیت کی شان کے خلاف ہے۔[1]

صاف معلوم ہوا کہ بلافائدہ عمارت بنانا منع اور زائرین کے آرام کے لئے جائز ہے۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی قبر پر قبہ بنایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر اور حضرت محمد ابن حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر پر قبہ بنایا۔

[1] (مرقاۃ المفاتیح کتاب الجنائز البکاء علی المیت الفصل الثالث تحت رقم الحدیث ۱۷۴۹ ص ۲۳۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

منتقٰی شرح موطاء امام مالک میں ابو عبد سلیمان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

وضربه عمر علی قبر زینب بنت جحش وضربته عائشة علی قبر اخیها عبد الرحمن وضربه محمد ابن الحنفیة علی قبر ابن عباس وانما کرهه لمن ضربه علی وجه السمعة والمباهات۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زینب جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر پر قبہ بنایا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بھائی عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر قبہ بنایا محمد ابن حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما (ابن علی رضی اللہ عنہما) نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر پر قبہ بنایا اور جس نے قبہ بنانا مکروہ کہا ہے تو اس کے لئے کہا جو کہ اس کو فخر وریا کے لئے بنائے۔

بدائع الصنائع جلد اول صفحہ ۳۲۰ میں ہے:

روی ان ابن عباس لمامات بالطائف صلی علیه محمد ابن حنفیة وجعل قبره مسنما وضرب علیه فسطاطاً۔

ترجمہ: جبکہ وظائف میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا انتقال ہوا تو ان پر محمد ابن حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھی اور ان کی قبر ڈھلوان بنائی اور قبر پر قبہ بنایا۔[1]

عینی شرح بخاری میں ہے ضربه محمد ابن حنیفة علی قبر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ فعل کئے اور ساری امت روضۂ رسول علیہ السلام پر جاتی رہی۔ کسی محدث کسی فقیہ کسی عالم نے اس روضہ پر اعتراض نہ کیا لہٰذا اس حدیث کی وہ ہی توجیہیں کی جاویں جو کہ ہم نے کیں۔ قبر پر بیٹھنے کے معنے ہیں قبر پر چڑھ کر یہ منع ہے نہ کہ وہاں مجاور بننا۔ مجاور بننا تو جائز ہے۔ مجاور اسی کو تو کہتے ہیں جو قبر کا انتظام رکھے کھولنے بند کرنے کی چابی اپنے پاس رکھے وغیرہ وغیرہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مسلمانوں کی والدہ حضور علیہ السلام کی قبر انور کی منتظمہ اور چابی والی تھیں۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو زیارت کرنی ہوتی تو ان سے ہی کھلوا کر زیارت کرتے۔ دیکھو مشکوۃ باب الدفن۔ آج تک روضہ مصطفی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مجاور رہتے ہیں کسی نے ان کو ناجائز نہ کہا۔

اعتراض (۲):

مشکوۃ باب الدفن میں ہے:

وعن ابی هیاج الاسدی قال قال لی علی الا ابعثک علی ما بعثنی رسول اللہ علیه السلام ان لاتدع تمثالا الا طمسته ولا قبراً مشرفاً الا سویته۔

[1] (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۲۰ مطبوعہ مصر)

مسائل متفرقہ کے بیان میں

ترجمہ: ابوہیاج اسدی سے مروی ہے کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھ کو حضور علیہ السلام نے بھیجا تھا وہ یہ کہ تم کوئی تصویر نہ چھوڑو مگر مٹادو اور نہ کوئی اونچی قبر مگر اس کو برابر کر دو۔[1]

بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر میں ہے:

ورای ابن عمر قسطاطاعلی قبر عبدالرحمن فقال انزعہ یاغلام فانما یظلہ عملہ۔

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر قبہ خیمہ دیکھا پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اے لڑکے اس کو علیحدہ کر دو کیونکہ ان پر ان کے عمل سایہ کر رہے ہیں۔[2]

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اگر کسی قبر پر عمارت بنی ہو یا قبر اونچی ہو تو اس کو گرا دینا چاہیئے۔

نوٹ ضروری: اس حدیث کو آڑ بنا کر نجدی وہابیوں نے صحابہ کرام اور اہل بیتِ اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مزارات کو گرا کر زمین کے ہموار کر دیا۔

جواب: جن قبروں کو گرا دینے کا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا ہے وہ کفار کی قبریں تھیں نہ کہ مسلمین کی۔ اس کی چند وجہ ہیں۔ اولاً تو یہ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو اس کام کے لئے بھیجتا ہوں۔ جس کے لئے مجھے حضور علیہ السلام نے بھیجا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جن قبروں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گرایا وہ مسلمانوں کی قبریں نہیں ہو سکتیں۔

کیونکہ ہر صحابی کے دفن میں حضور علیہ السلام شرکت فرماتے تھے۔ نیز صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کوئی کام بھی حضور علیہ السلام کے بغیر مشورہ کے نہ کرتے تھے لہذا اس وقت جس قدر قبور مسلمین بنیں وہ یا تو حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی موجودگی کی یا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی اجازت سے تو وہ کون سے مسلمانوں کی قبریں تھیں جو کہ ناجائز بن گئیں اور ان کو مٹانا پڑا۔ عیسائیوں کی قبور اونچی ہوتی تھیں۔ بخاری شریف صفحہ ۶۱ مسجدِ نبوی کی تعمیر کے بیان میں ہے۔

امر النبی علیہ السلام بقبور المشرکین فبشت۔

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے مشرکین کی قبروں کا حکم دیا پس اکھیڑ دی گئیں۔[3]

---

[1] (مشکوۃ المصابیح باب الدفن علی المیت الفصل الاول ص ۱۴۸ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

[2] (صحیح البخاری کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر ج ۱ ص ۱۸۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[3] (صحیح البخاری باب ھل تنبش قبور مشرکی الجاھلیۃ ویتخذ مکانھا مساجد؟ ج ۱ ص ۶۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

بخاری شریف جلد اول صفحہ ۶۱ میں ایک باب باندھا باب ھل ینبش قبور مشرکین الجاھلیة کیا مشرکین زمانہ جاہلیت کی قبریں اکھیڑ دی جاویں اسی کی شرح میں حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری جلد دوم صفحہ ۲۶ میں فرماتے ہیں۔

ای دون غیرھا من قبور الانبیآء و اتباعھم لما فی ذلک اھانة لھم۔

ترجمہ: یعنی ماسوا انبیاء اور ان کے متبعین کے کیونکہ ان کی قبریں ڈھانے میں ان کی اہانت ہے۔[1]

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

و فی الحدیث جواز تصرف فی المقبرة المملوکة و جواز نبش قبور الدارسة اذا لم یکن محرمة۔

ترجمہ: اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ جو قبرستان ملک میں آگیا اس میں تصرف کرنا جائز ہے اور پرانی قبریں اکھاڑ دی جاویں بشرطیکہ محترمہ نہ ہوں۔[2]

اس حدیث اور اس کی شرح نے مخالف کی پیش کردہ حدیث علی رضی اللہ عنہ کی تفسیر کر دی کہ مشرک کی قبریں گرائی جاویں۔ دوسرے اس لئے کہ اس میں قبر کے ساتھ فوٹو کا کیوں ذکر ہے۔ مسلمان کی قبر پر فوٹو کہاں ہوتا ہے؟ معلوم ہوا کہ کفار کی قبریں ہی مراد ہیں کیونکہ ان کی قبروں پر میت کا فوٹو بھی ہوتا ہے۔ تیسرے اس لئے کہ فرماتے ہیں کہ اونچی قبر کو زمین کے برابر کر دو اور مسلمان کی قبر کے لئے سنت ہے کہ زمین سے ایک ہاتھ اونچی رہے۔ اس کو بالکل پیوند زمین کرنا خلافِ سنت ہے۔ ماننا پڑے گا کہ یہ قبورِ کفار تھیں ورنہ تعجب ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تو اونچی قبریں اکھڑوائیں اور ان کے فرزند محمد ابن حنیفہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر پر قبہ بنائیں۔ اگر کسی مسلمان کی قبر اونچی بن بھی گئی۔ تب بھی اس کو نہیں اکھیڑ سکتے کیونکہ اس میں مسلمان کی توہین ہے۔ اولاً اونچی نہ بناؤ مگر جب بن جائے تو نہ مٹاؤ۔ قرآن پاک چھوٹا سائز چھاپنا منع ہے دیکھو شامی کتاب الکراہیت مگر جب چھپ گیا تو اس کو پھینکو نہ جلاؤ کیونکہ اس میں قرآن کی بے ادبی ہے احادیث میں وارد ہے کہ مسلمان کی قبر پر بیٹھنا وہاں پاخانہ کرنا۔ وہاں جوتے سے چلنا ویسے بھی اس پر چلنا پھرنا منع ہے مگر افسوس کہ نجدی نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مزارات گرائے اور معلوم ہوا ہے کہ اب جدہ میں انگریز عیسائیوں کی اونچی اونچی قبریں برابر بن رہی ہیں۔ صدق رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیه وَ اٰله و اصحابه وَ سلَّم یقتلون اھل الاسلام و یترکون اھل الاصنام۔ ہر ایک کو اپنی جنس سے محبت ہوتی ہے۔

---

[1] (فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۵۲۴ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

[2] (فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۵۲۴ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے سند لانا محض بے جا ہے وہ تو خود فرمارہے ہیں کہ میت پر اعمال کا سایہ کافی ہے جس سے معلوم ہوا کہ اگر میت پر سایہ کرنے کے لئے قبہ بنایا تو جائز ہے۔ عینی شرح بخاری اسی حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وھی اشارۃ الی ان ضرب القسطاط لغرض صحیح کالتستر من الشمس مثلا للاحیآء لا لاضلال المیت جاز۔

ترجمہ: ادھر اشارہ ہے کہ قبر پر صحیح غرض کے لئے خیمہ لگانا جیسے کہ زندوں کو دھوپ سے بچانے کے لئے نہ کہ میت کو سایہ کرنے کے لئے جائز ہے۔[1]

اس کا تجربہ خود مجھ کو اس طرح ہوا کہ میں ایک دفعہ دوپہر کے وقت ایک گھنٹہ کے لئے سیالکوٹ گیا۔ بہت شوق تھا کہ ملا عبد الحکیم فاضل سیالکوٹی علیہ الرحمۃ کے مزار پر فاتحہ پڑھوں۔ کیونکہ ان کے حواشی دیکھنے کا اکثر مشغلہ رہا وہاں پہنچا۔ قبر پر کوئی سائبان نہ تھا۔ زمین گرم تھی دھوپ تیز تھی بمشکل تمام چند آیات پڑھ کر فوراً وہاں سے ہٹنا پڑا۔ جذبہ دِل دِل ہی میں رہ گیا۔ اس دن معلوم ہوا کہ مزارات پر عمارات بہت فائدہ مند ہیں۔ تفسیر روح البیان پار ۲۶ سورہ فتح زیر آیت **إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔** (پارہ ۲۶ سورہ الفتح ۴۸ آیت نمبر ۱۸) ہے کہ بعض مغرور لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ آج کل لوگ انبیاء اللہ علیہم السلام کی قبروں کی تعظیم کرتے ہیں لہذا ہم ان قبروں کو گرائیں گے تاکہ یہ لوگ دیکھ لیں کہ اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ میں کوئی قدرت نہیں ہے ورنہ وہ اپنی قبروں کو گرنے سے بچالیتے۔

فاعلم ان ھذا الصنیع کفر صراح ماخوذ من قول فرعون ذرونی اقتل موسی ولیدع ربہ انی اخاف ان یبدل دینکم او ان یظھر فی الارض الفساد۔

ترجمہ: تو جان لو کہ یہ کام خالص کفر ہے فرعون کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ چھوڑ دو مجھ کو میں موسیٰ کو قتل کردوں وہ اپنے خدا کو بلالے میں خوف کرتا ہوں کہ تمہارا دین بدل دے گا یا زمین میں فساد پھیلا دے گا۔[2]

مجھ سے ایک بار کسی نے کہا کہ اگر اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں کچھ طاقت تھی تو نجدی وہابیوں سے اپنی قبروں کو کیوں نہ بچایا؟ معلوم ہوا کہ یہ محض مردے ہیں پھر ان کی تعظیم وتوقیر کیسی؟ میں نے کہا کہ حضور علیہ السلام سے پہلے کعبہ معظمہ میں تین سو ساٹھ ۳۶۰ بت تھے اور احادیث میں ہے کہ قریب قیامت ایک شخص کعبہ کو گرادے گا۔ آج لاہور میں مسجد شہید گنج سکھوں کا گوردوارہ بن گئی۔ بہت سی مساجد ہیں جو کہ برباد کردی گئیں تو اگر ہندو کہیں کہ اگر خدا میں طاقت تھی تو اس نے اپنا گھر ہمارے ہاتھوں سے کیوں نہ بچالیا۔ اولیاء اللہ تعالیٰ رحمہم اللہ تعالیٰ یا ان کی مقابر کی تعظیم ان کی

---

[1] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب الجرید علی القبر ج ۸ ص ۱۸۳)

[2] (تفسیر روح البیان ج ۹ ص ۴۲ ۔ ۴۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

محبوبیت کی وجہ سے کی ہے نہ کہ محض قدرت سے جیسے کہ مساجد اور کعبہ معظمہ کی تعظیم ابن سعود نے بہت سی مسجدیں بھی گرا دیں جیسے کہ مسجد سیدنا بلال کوہ صفا پر وغیرہ وغیرہ۔[1]

(۲۰) مسئلہ نمبر بیس: حضرت سیدتنا فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حیض ونفاس سے مبراء تھیں

أحمد بن عثمان بن إبراهيم أبو بكر البغدادي الغلفي حدث بدمشق عن محمد بن عبد الملك الدقيقي وعبد الله بن محمد بن أبي الدنيا روى عنه أبو بكر محمد بن سليمان البندار أخبرنا أبو الحسين عبد الرحمن بن عبد الله بن أبي الحديد أنا جدي أبو عبد الله الحسن بن أحمد أنا أبو المعمر المسدد بن علي بن عبد الله بن العباس بن بكار نا عبد الله بن المثنى الأنصاري عن عمه ثمامة بن عبد الله بن أنس بن مالك عن أمه أم سليم قالت لم ير لفاطمة رضي الله عنها دم في حيض ولا نفاس۔

حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے حضرت سیدتنا فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حیض ونفاس کا خون نہیں دیکھا۔[2]

(۲۱) مسئلہ نمبر اکیس: والدین کیلئے تعظیماً کھڑا ہونا

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ الْهَمْدَانِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ السَّائِبِ، حَدَّثَهُ أَنَّهُ بَلَغَهُ «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ جَالِسًا فَأَقْبَلَ أَبُوهُ مِنَ الرَّضَاعَةِ، فَوَضَعَ لَهُ بَعْضَ ثَوْبِهِ، فَقَعَدَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَقْبَلَتْ أُمُّهُ مِنَ الرَّضَاعَةِ فَوَضَعَ لَهَا شِقَّ ثَوْبِهِ مِنْ جَانِبِهِ الْآخَرِ، فَجَلَسَتْ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَقْبَلَ أَخُوهُ مِنَ الرَّضَاعَةِ، فَقَامَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَجْلَسَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ۔

احمد بن سعید ہمدانی، ابن وہب، عمرو بن حارث، عمر بن السائب کہتے ہیں کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے کہ سامنے آپ ﷺ کے رضاعی والد آ گئے آپ ﷺ نے ان کے لئے اپنا کوئی کپڑا بچھا یا وہ اس پر بیٹھ گئے پھر آپ ﷺ کی رضاعی والدہ آئیں تو آپ ﷺ نے ان کے لئے اپنے کپڑے کا دوسرا کونہ بچھایا تو اس پر بیٹھ گئیں پھر آپ ﷺ کے رضاعی بھائی تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لئے کھڑے ہو گئے اور انہیں اپنے پاس بٹھایا۔[3]

---

[1] (سعیدالحق ص ۲۹۵-۲۰۶)

[2] (تاریخ دمشق لابن عساکر ج۵ ص ۵)

[3] (سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۵۱۴۵)

اس حدیث مبارکہ سے حضور ﷺ مبارک کا تعظیماً کھڑے ہونا بھی ثابت ہے اس لئے والدین بطریق اولیٰ اکرام کے مستحق ہیں اور حضور نبی اکرم ﷺ کا قیام کرنا ان کی خاطر جگہ بنانے کیلئے بھی تھا اس میں نفی قیام کی کوئی صراحت نہیں اور جواز کا پہلو نکلتا ہے۔

(۲۲)مسئلہ نمبر بائیس:تسلم المرأة علی الزوج

وفی الصیرفیة دخل علی زوجته لا یسلم علیها بل هی تسلم علیه۔[1]

(۲۳)مسئلہ نمبر تئیس: قبل از طعام اور بعد از طعام ہاتھ دھونا اور نمک چکھنا

کھانے کا اوّل اور آخر نمک یا نمکین سے کرنا چاہیئے کہ یہ سنت ہے اور اس میں بہت سی بیماریوں سے حفاظت ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ شعب الایمان میں ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

من ابتدأ غداءه بالملح، أذهب عنه سبعین نوعا من البلاء۔

ترجمہ: جو اپنے کھانے کی ابتداء نمک یا نمکین سے کرے اس سے ستر قسم کی بلائیں دور کر دی جاتی ہیں۔[2]

ومن السنة أن یبدأ بالملح ویختم بالملح۔[3]

ویستحب غسل الیدین قبل الطعام فان فیه برکة وفی البرهانیة والسنة ان یغسل الایدی قبل الطعام وبعده وفی واقعات الناطفی الادب فی غسل الایدی قبل الطعام ان یبدأ بالشبان ثم بالشیوخ واذا غسل لا یمسح بالمندیل لا یترک لیجف لیکون اثر الغسل باقیا وقت الاکل والادب فی الغسل بعد الطعام ان یبدأ بالشیوخ ویمسح بالمندیل لیکون أثر الطعام زائلا بالکلیة۔[4]

(۲۴)مسئلہ نمبر چوبیس: جس نے اپنی ماں کے سر کو چوما گویا اس نے جنت کی چوکھٹ کو چوما

وکان علیه الصلوة والسلام یقبل رأس فاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنها ویقول اجد منها ریح الجنة وقال من قبل رأس امه فکانما قبل عتبة الجنة۔[5]

---

[1](بحر الرائق ص۲۰۷ ج۸)

[2] (شعب الایمان، ج۸، ص۱۰۰)

[3](بحر الرائق ص۱۸۴ ج۸، خلاصة الفتاوی، ج۴، ص۳۶۰، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

[4](بحر الرائق ص۱۸۳ ج۸)

[5](بحر الرائق ص۱۹۴ ج۸)

(۲۵)مسئلہ نمبر پچیس: النظر إلی عورة زوجته عند الجماع

وکان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یقول الاولیٰ النظر الی عورة زوجته عند الجماع لیکون ابلغ فی تحصیل معنیٰ اللذة وعن ابی یوسف سئلت الامام عن الرجل یمس فرج أمته أو ھی تمس فرجه لیحرک آلته ألیس بذلک بأس قال أرجو أن یعظم الاجر والمراد بالامة التی یحل وطؤھا۔[1]

(۲۶)مسئلہ نمبر چھبیس: گانا سننا گناہ، سننے کے لئے بیٹھنا فسق اور اس سے لذت حاصل کرنا کفر ہے

قال علیه الصلوة والسلام استماع الملاھی معصیة والجلوس علیھا فسق والتلذذ بھا کفر۔[2]

(۲۷)مسئلہ نمبر ستائیس: امراء کے لئے قوتِ بازو سے نیکی کا حکم دینا

وفی الظھیریة الأمر بالمعروف بالید علی الامیر وباللسان علی العلماء وبالقلب علی عوام الناس وھو اختیار الزندویسی۔[3]

(۲۸)مسئلہ نمبر اٹھائیس: قبل از ختم قرآن اجرت طے نہ ہونے کی صورت میں کم از کم اُجرت پینتالیس درہم سے کم نہ ہونی چاہیئے

وَفِي الْحَاوِي لِلْكَرَابِيسِيِّ إذَا اسْتَأْجَرَهُ لِيَخْتِمَ عِنْدَهُ الْقُرْآنَ وَلَمْ يُسَمِّ لَهُ أَجْرًا لَيْسَ لَهُ أَنْ يَأْخُذَ أَقَلَّ مِنْ خَمْسَةٍ وَأَرْبَعِينَ دِرْهَمًا شَرْعًا۔[4]

(۲۹)مسئلہ نمبر انیتس: مناسب ہے کہ جمعہ کی نماز میں امام اور خطیب ایک ہی ہو

وفی فتاویٰ نور الھدیٰ:

وینبغی ان یکون الامام والخطیب واحدا لأن صلوة الجمعة مع الخطبة کشئ واحد من حیث المعنیٰ لأن صلوة الجمعة قصرت لاجل الخطبة فلاینبغی ان یقیمھا اثنان۔[5]

---

[1](بحر الرائق ص ۱۹۳ ج۸)
[2](بحر الرائق ص ۱۸۹ ج۸)
[3](بحر الرائق ص ۱۸۹ ج۸)
[4](بحر الرائق ص ۲۰ ج۸)
[5](محیط ص ۵۷)

وفي حاشية ابن عابدين:

ولا ينبغي أن يصلي غيره الخطيب لأن الجمعة مع الخطبة كشيء واحد فلا ينبغي أن يقيمها اثنان وإن فعل جاز، اه۔[1]

وفي الفتاوى المجمع الأنهر:

ولا ينبغي أن يصلي غير الخطيب لأن الجمعة مع الخطبة كشيء واحد فإن فعل بأن خطب صبي بإذن السلطان وصلى بالغ جاز۔[2]

وفى المحيط البرهاني:

فلا ينبغي أن يكون للإمام في صلاة الجمعة غير الخطيب، لأن صلاة الجمعة مع الخطبة كشيء واحد من حيث المعنى، لأن صلاة الجمعة إنما قصرت، لأجل الخطبة، فلا ينبغي أن يقيمها اثنان۔[3]

وفي درر الحكام شرح غرر الأحكام:

لَايَنْبَغِي أَنْ يُصَلِّيَ غَيْرُ الْخَطِيبِ) ؛ لِأَنَّ الْجُمُعَةَ مَعَ الْخُطْبَةِ كَشَيْءٍ وَاحِدٍ فَلَا يَنْبَغِي أَنْ يُقِيمَهَا اثْنَانِ، وَإِنْ فُعِلَ جَازَ۔[4]

(۳۰) مسئلہ نمبر تیس: عاق اور مردود کی امامت، فیصلہ اور گواہی قبول نہیں اور اس کا قول معتبر نہیں

ولا يجوز شهادة العاق و امامته وتسقط عدالته و لا يعتبر قوله و لا يعمل بفتواه لو كان مفتيا يعنى ان العقوق من الكبائر المنصوصة المسقطة للعدالة۔[5]

لايحل ذبيحة العاق و لا امامته لان العاق يصير مرتدا فى الحال ومثواه فى النار فتاوىٰ جامع من امتنع كلمة من الاستاذ فهو عاق لم يدخل الجنة و لا نجاة له من النار ويخرج من الدنيا بغير الايمان و لاتقبل عبادته إن كان استاذ من تعلم منه حرفا من القرآن وتعلم مسئلة من مسائل الفقه ا و الحديث او النصيحة من الحسنات او الذكر او لقنا كلمة طيبة۔[6]

وفى تسهيل المشكوة قوله وعقوق الوالدين اه۔ والمعلم والشيخ قياس عليهما وفى الفتاوىٰ بر التلميذ لاستاذه افضل من البر الولد لوالديه لان الاب يحمى ولده من آفات الدنيا والاستاذ يحمى تلميذه من آفات الآخرة انتهى۔ و ايدوه مافى الكتب الفقه وزوج المرضعة اب للرضيع انتهى ۔ وتربية العلم افضل من تربية اللبن وقال فى الظهيرية وغيرها لايجوز الصلوة خلق العاق و لاتقبل توبته انتهى ۔وفى العاق ثلثة احرف العين دآل على العيب

---

[1] (حاشية رد المختار على الدر المختار، مطلب فى جواز استنابة الخطيب، ج ۲، ص ۱۴۱، الناشر دار الفكر للطباعة والنشر)

[2] (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، ج ۱، ص ۲۵۴، الناشر دار الكتب العلمية)

[3] (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج ۴، ص ۱۳۸، الفصل الخامس والعشرون في صلاة الجمعة)

[4] (درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج ۲، ص ۱۴۰)

[5] (فتاوىٰ نور الهدىٰ ص ۳۵)

[6] (فتاوىٰ نور الهدىٰ ص ۴۲۵)

والالف دآل علی الاھانۃ والقاف دال علی القھروھذہ اسباب العقوق اعاذان اللہ تعالیٰ منہ ولایجوزتعلم العلم ولاطلب المسئلۃمن العاق۔[1]

قولہ لاتعقن والدیک اہ ۔وقیاس علیھماالمعلم والشیخ وزوج المرضعۃ معھاوالعجب فی ھذاالزمان ان الاولادیخالفون عن الوالدین والتلامذمن الاساتذۃھلم جراوقال فضیل بن عیاض لاأکلھم بالعالم الذی یخالف عن شیخہ ولاانظرالیٰ وجھہ انتھی۔[2]

(۳۱)مسئلہ نمبراکتیس:بدعتِ حسنہ اوربدعت سیئہ کے متعلق علماء کرام کے اقوال

قولہ کل بدعۃ ضلالۃ اہ۔ھذاعام مخصوص البعض ولذاقال فی المرقاۃ کل بدعۃ سیئۃ ضلالۃ ویؤیدہ قول عمررضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قیام رمضان (نعمۃ البدعۃ) ویؤیدہ ۔قول ابن مسعودرضی اللہ تعالیٰ عنہ مارأہ المسلمون حسنافھوعنداللہ حسن ویؤیدہ حدیث بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ من ابتدع بدعۃ ضلالۃ فمااحدث بعدعھدالنبی ﷺ والصحابۃ والتابعین ولہ سند فی الکتاب والسنۃ فھوبدعۃ حسنۃ کالدعاءبیھئۃ الجمع بعدالسنۃ وقبلھاوکذاالتلفظ بنیۃ الصلوۃ ماوجدفی عھدالنبی ﷺ والصحابۃ والتابعین ولکن احبہ العلماءفھوبدعۃ حسنۃ وکذاتعشیرالقرآن والنقط فیہ مع انہ روی عن ابن مسعودرضی اللہ تعالیٰ عنھماجردمصاحفکم انتھی۔ای جردوہ عن التعشیروالنقط قال فی البدائع لان ذلک یادی الی الخلل فی تحفظ القرآن وماھذاجراالتعارف فی عامۃ البلاد من غیرھانکیربتعشیرہ ونقطہ فکان مسنوناوقال فی البدائع لان العجم لایقدرون علی تعلیم القرآن بدونہ انتھی۔

وکذاتدوین الکتب بدعۃ حسنۃ وکذاتعمیرالمدارس وضبط قوانین المدرسین والطلاب والتعیین النصاب وغیرہ ذلک ممایطول بذکرہ ومن قال ان الدعاء مروجۃ بعدالسنن بدعۃ فھو ضآل مضل فاجتنبوہ والثبوت الدعاءالمروجۃمذکورفی کثیرمن الکتب عندالاحناف وغیرھم۔بس کنم خودزیرا کان راایں بس است۔[3]

قولہ من ابتدع بدعۃ ضلالۃ اہ فیہ اشارۃ الی تقسیم البدعہ الی السیئۃ والحسنۃفمن انکرمنہ فھوالضلالۃ قولہ فتمسک بسنۃ خیرمن احداث بدعۃ المرادمنھابدعۃ حسنۃ ومثالھمافی حدیث ابی سعیدالخدری فی آخرالفصل الثانی فی باب التیمم فاعادۃ الصلوۃ بعدماصلیھابالتیمم بدعۃ حسنۃ وعدم اعادتھاسنۃ والنبی ﷺ اقربالبدعۃ الحسنۃ وجھال زماننایقولون لاوجودللبدعۃالحسنۃ۔

شعر　　وھل افسدالدین الاالملوک　　واحبارسوءرھباننا[4]

---

[1](ص۵)
[2](تسہیل المشکوۃ ص۶)
[3](تسہیل المشکوۃ ص۸)
[4](تسہیل المشکوۃ ص۹)

قال اللّٰہ تعالیٰ للدنیا رمن خدمنی فاخدمیہ و من خدمک فالتعبیہ انتہی۔قو لہ ذلۃ العالم اہ۔مثالہ من قال السفر الی روضۃ النبی ﷺ لایجوزو السوال بواسطۃ الانبیاء و الاولیاء لایجوز و الدعاء بعد السنۃ بالجمع بدعۃ سیئۃ و کذا مثالہ العاق من الو الدین و المعلم لعلم الدین۔[1]

لاتشدالرحال اہ۔ھذا دلیل ابن تیمیۃ و اتباعہ فی منع السفر لزیارۃ النبی ﷺ و الاولیاء و العلماء و عندنا بل عندالائمۃ الاربعۃ جائز لحدیث کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور الاقدو روھا انتہی۔وھذامطلق یجری علی اطلاقہ و الجواب عن الحدیث ان الاستثناء فی الحدیث متصل کماھو الافضل الراجح ای لاتشدو الرحال الی مسجدما الا الی ثلاثۃ مساجداہ۔و یایدنا قو لہ ﷺ من جاءنی زائر الاتعملہ حاجۃ الازیارتی کان حقا علی ان اکون شفیعالہ یوم القیمۃ انتہی۔دلیل الجمہور یعنی اہل السنۃ و الجماعۃ بانہ لم یزل دار المسلمین القاصدین للحج فی جمیع الازمان علی تباین الدار و اختلاف المذاھب الوصول الی المدینۃ المشرفۃ لقصدزیارتہ ﷺ و لم ینقل ان احداانکر ذلک علیہم فکان اجماعا و قال الشیخ انور شاہ رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ ان دلیل الجمہور فی مسئلۃ زیارۃ النبی ﷺ ھو ثبوت سفر السلف الصالحین الی الروضۃ المنورۃ ثبو تاتو اتر اعملیا انتہی۔و فی الدر المختار و زیارۃ قبرہ الشریف مندوبۃ بل قیل و اجبۃ لمن لہ سعۃ انتہی۔و کذلک قال ابن تیمیۃ بان الوسیلۃ بالانبیاء و الصلحاء و العلماء لایجوز و عندنا بل عندالائمۃ الاربعۃ جائز ثابت بالاحادیث و اقوال العلماء و ایضا قال ابن تیمیۃ و اتباعہ ان الدعاء بعدالسنۃ بالجمع بدعۃ سیئۃ و عندنا بدعۃ حسنۃ کمامر و المخالف عنہا ضال و مضل۔[2]

قو لہ نتو سل الیک بعم نبینااہ۔ھذاصریح فی اثبات الوسیلۃ بالعبادالصالحین مطلقاعندالمذاھب الاربعۃ احیاء کانو ااو امو اتاو خالف فیہ ابن تیمیۃ و لاالتفات الیہ عنداھل السنۃ و الجماعۃ قال عبدالجلیل سیدنامحمدالذی من تو جہ بہ الی ربہ ادرک مایریدمن ربہ انتہی۔و یایدہ حدیث ابی الجوزاء قال قحط اھل المدینۃ اہ۔و من المجربات الو سیلۃ باسماءاصحاب البدر و اسمائہم مذکورۃ فی شروح البخاری و کذااسماءاصحاب الکہف کماھو معمول شیخنا حین علی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ و من اجازاتہ الھی بحرمت شیخ عبدالقادر الجیلانی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ انتہی۔و بحرمت حضرت دو ست محمد القندھاری رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ۔[3]

قو لہ اصنعو الآل جعفر طعاما اہ۔ھذادلیل استحباب الطعام لاھل المیت اماتصدقوا اھل المیت للفقراء و الطلباء فجائز مستحب کمافی ص ۵۴۴ فی حدیث عاصم بن کلیب استقبلہ داعیاامرأۃ فاجاب و نحن معہ و جیئ بالطعام فو ضع یدہ ثم و ضع القوم فأکلو ااہ۔قبل باب الکرامۃ و کذافی حدیث عائشۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہافی باب صدقۃ المرأۃ ممالزو ج فہل لہا اجران تصدقت عنہاانتہی ۔فہذانص ان الصدقۃ اھل المیت للفقراء و الطلباء مثلاجائز بلاریب و تائیدہ فی حدیث البخاری ص ۸۱۵ عن عائشۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہازو ج النبی ﷺ انہا کانت اذمات المیت من اھلہافاجتمع لذلک النساءثم تفرقن الااھلہاو خآصتہاو امرت ببرمۃ من تلبینۃ فطبخت ثم صنع

---

[1](تسہیل المشکوۃ ص ۱۰)
[2](تسہیل المشکوۃ ص ۱۵)
[3](تسہیل المشکوۃ ص ۲۷-۲۸)

ثریدفثبت تلبینة علیهاثم قالت کلن منهاانتهی۔وکذاجاءفی البخاری فی ص ۸۴۹وتفسیره فی تسهیل البخاری حررت ومایقال ان الاکل فی بیت المیت مکروه فمحمول علی وجه السروروالضیافة اوعلی وجه النیاحة وغیرذلک من وجوه التکلف اماتصدقوا اهل المیت عن المیت فی اول الیوم مثلابطیب انفسهم فلاشک فیه بل هومستحب کماهوظاهربالاحادیث المذکورةواطلاق القرآن ایضایأیده۔

بس کنم خود زیرکاں راایں بس است [1]

قوله یغضب علیه اه۔مطلق شامل الصورتی الانفرادوالجمع فمخالفة الناس غضب علی من ترک الدعاء بالجمع فالدعاء الکاملة تکون بامورثلثة بالجمع وببطون الیدین وبمسح الوجوه کمافی الحدیث المؤخرفترک الدعاءبالجمع ترک الفضیلة۔[2]

قوله فتحلقواوبرزت وجوههم له اه۔فیه تنبیه لطلباءفی وقت التعلم ایتحلفوا ویبرزواوجوههم للشیخ والیه اشارالله تعالیٰ فی قوله علی سررمتقبلین اه۔قوله فکل حسن اه۔اشارة الی الوسعة فی القراءة حسب الطاقة فلاینبغی نسبة السوءبین القراءوالطلباءوالتخالف بینهم کمافی زماننابین منکری دعاءالجمع والعاملین بهااللهم ارناالحق حقاواعملنابه۔[3]

(۳۲)مسئلہ نمبر بتیس:تحریر المسائل الخمسة بتحقیق الاحادیث واقوال الفقهاءرحمهم الله تعالیٰ

النصیحة الاحیاء والاموات من حیلة الاسقاط واطعام اهل المیت فی بیته والدعاء بالجمع والتوسل بالصلحاءوالسفرلقبورهم۔

المسئلة الاولی لهداية الصراط الی دورالاسقاط

اعلم ان رسول الله ﷺفعل دورة الاسقاط لحی وفعل بعده عمررضی الله تعالیٰ عنه لمیت وبه عمل الفقهاءالیوم فی فتاویٰ املح جاءالصحابی ای النبی ﷺفقال هلکت واهلکت فقال کیف قال جامعت امرئتی فی نهاررمضان فقال فعلیک اعتاق رقبة فقال رقبتی هذه ولیس لی غیرها فقال ﷺشهرین متتابعین فقال لیس لی طاقة صوم واحدجامعت مع امرئتی فکیف اصوم شهرین لیس لی طاقة فقال فاعط طعام ستین مسکینافقال لیس لی طاقة انابنفسه مسکین فقال اعطنی صاعامن تمرلافک به رقبتک فقال والله لیس عندی صاع تمرفقال یاعثمان اعط لذلک الرجل صاعامن تمرففعل عثمان بن عفان کماامررسول الله ﷺفاعطی لذلک الرجل فقال له النبی ﷺ اعطنی هذه الصاع من التمرمن فدیة صوم واحدففعل وقبل النبی ﷺثم اعطی له فقال اعطنی ثانیاففعل وقبل النبی

---

[1] (تسهیل المشکوة ص ۳۲)
[2] (تسهیل المشکوة ص ۳۹)
[3] (تسهیل المشکوة ص ۳۹)

ﷺ ففعل کک ستین مرة بالایجاب والقبول فقال علیه السلام قدفک رقبتک بهذه الحیلة واعط الصاع المسکین فقال واللہ لیس المسکین افضل منی فتبسم النبی ﷺ واعطی له صاع التمر انتهی۔وایضاً

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه فعل دورة الاسقاط کماجاءفی الدررللامام الغزالی قال الشارح السمرقندی حدثناعباس بن سفیان عن ابی حیلة عن بن عون عن محمدبن عبداللہ(رضی اللہ تعالیٰ عنهم) انه قال قال عمر ایهاالمؤمنون اجعلواالقرآن وسیلة النجات الموتیٰ فتحلقوا وقولوا اللهم اغفر لهذاالمیت بجزءمن القرآن وتنالوا بایدیکم متناولتابدوران جزءالقرآن لحیلة الاسقاط قال العلامة اللبیب مصنف فتوح الشام بسندقوی اخبرناابوعاصم عن بن جریح عن بن شهاب عن بن سلمی عن بن موسی قال فعل عمر دوران القرآن بجزءمنه فی حلقة عشرین رجلابعدصلوة الجنازة لامرأة ملقبة بحبیبة بنت عزین زوجة ملدب وکذا الرجل من الانصار ماحفظنااسمه انتهی۔وایضاًاخبرناسعیدعن ایوب عن جمیع عن عبدالرحمٰن بن ابی بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنهم)انه فعل عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنه)دوران القرآن بعدصلوة الجنازة انتهی۔ففعل عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنه)فی آخر خلافته حیلة الاسقاط بجزءمن القرآن من مالی لاعبدالی عم یتساءلون ولم یشتهرفی خلافته ثم اشتهرفی خلافة هارون الرشید(رحمة اللہ تعالیٰ علیه)من غیر انکاردوران القرآن لحیلة الاسقاط انتهی۔فلذلک صرح فقهائنافی کتبهم بدورة الاسقاط الاٰن اذکرعباراتهم فی الهندیة مجلداول اذامات الرجل وعلیه صلوات فائتة فاوصی بان یعطی کفارة صلواته فیعطی لکل صلوة نصف صاع من برولصوم یوم نصف صاع من ثلث ماله وان لم یترک مالایستقرض ورثته نصف صاع ویدفع الی المسکین ثم یتصدق المسکین علی بعض ورثته ثم وثم وثم حتی یتم لکل صلوة انتهی۔وفی البحرالرائق فی باب قضاءالفوائت اذامات الرجل وعلیه صلوة فائتة واوصی بازیعطی کفارة صلواته یعطی لکل صلوة نصف صاع من بروللوترنصف صاع ولصوم یوم نصف صاع وانمایعطی من ثلث ماله وان لم یترک مالاتستقرض ورثته نصف صاع ویدفع الی المسکین ثم یتصدق المسکین علی بعض الورثة ثم وثم وثم حتی یتم لکل صلوة انتهی۔وبالتفصیل الکامل فی منحة الخالق علی البحرالرائق الی ان قال ثم طریق اسقاط الصلوة الذی یفعله الائمة فی زماننا ان یجمع الوارث عشرة رجال مثلاًلیس فیهم غنی لقوله تعالیٰ انماالصدقات للفقراءوالمساکین آه۔ولاعبدولاصبی ولامجنون لان هبتهم لاتصح ثم یأخذالوارث من مال الیتیم وجوباان اوصی واستحباباان لم یوص ثم یرده اویأخذالاجنبی من مال نفسه تبرعافیدوره بنفسه اویوکل غیره الی أن یتم فدیة فواته ثم یهبونه الی الوارث مثلافیتصدقه علی الفقراءالعشرة ماشاءولایجب تقسیم المال المذکورجمیعاعلی الفقراءیعنی یصح بعدالحیلة تقسیم مطلقاعلی الغنی والفقیروالاولیٰ به الفقیر کماهوالظاهرانتهی۔ملخصاوفی قاضی خان رجل مات وعلیه صلوات واوصی بان یطعمواالصلواته اتفق المشائخ علی انه یجب هذه الوصیة من ثلث ماله یعطی لکل مکتوبة نصف صاع من الحنطة وللوترکک انتهی۔وحاصله ان تنفیذوصیته واجب بطریق الدوران ولاجل شهرة الدوران ماذکره المصنف کماهودابه وفی الکبیری فی فصل قضاءالفوائت ومن مات وعلیه صلوات فاوصی بمال معین لیعطی لکفارةصلواته لزم علی الورثةاعطائه ویعطی لکل صلوة کالفطرةوللوترکک وکذاالصوم کل یوم وانمایلزم تنفیذه من الثلث وان

لم یوص وتبرع به الورثة جازوان کانت الصلوات کثیرة والحنطة قلیلة یعطی ثلاثة اصوم من صلوات یوم ولیلة مع الوترمثلاًالفقیرثم یدفعهاالفقیرالی الوارث ثم یدفعهاالوارث الیه وهکذایفعله مراراحتی یستوعب الصلوات ویجوز اعطائهالفقیرواحد دفعة بخلاف کفارة الیمین والظهار والافطار بلاعذر انتهی۔

وفی الدرالمختار (وَلَوْ مَاتَ الرجل وَعَلَيْهِ صَلَوَاتٌ فَائِتَةٌ وَأَوْصَى بِالْكَفَّارَةِ يُعْطَى لِكُلِّ صَلَاةٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ) كَالْفِطْرَةِ (وَكَذَا حُكْمُ الْوِتْرِ) والصَّوْمِ, وَإِنَّمَا يُعْطِي (مِنْ ثُلُثِ مَالِهِ) وَلَوْ لَمْ يَتْرُكْ مَالًا يَسْتَقْرِضُ وارِثُهُ نِصْفَ صَاعٍ مَثَلًا وَيَدْفَعُهُ لِفَقِيرٍ ثُمَّ يَدْفَعُهُ الْفَقِيرُ لِلْوَارِثِ ثُمَّ وَثُمَّ حَتَّى يَتِمَّ.وفی الدرالمنتقی اذاارادواالاخراج عن المیت یخرجواعنه بقدرصلواته ان کان عندهم مایکفی والاتدفع مرارا انتهی۔

وفی الطحطاوی ولابدمن تکرارالقبض والدفع حتی تتم الهبة انتهی۔اعلم ان الحیلة فی اللغة هل هیئة الدافعة للثقل وفی الاصطلاح وجودالهیئة المسهلة لحصول المرادوهی قسمان حقانیة وشیطانیة الاولیٰ ماجوزه الشرع والثانیة مایمتنعوه الشرع وامثال الاولیٰ ماوجدمن ایوب علیه السلام ویوسف وابراهیم علیهماالسلام واما الفقهاءجوزوهافی الدفع الشفعة والدفع حقوق الله تعالیٰ عن ذمة المیت کیف ماکانت فی دیارنامن الکابل والقندهاروالصوبة السرحدیة واکتفیت بماحررت بمثل مشت نمونه خرواربعون الله الغفارواصلی فی اتمامهاعلی رسولنامحمدﷺسیدالابراروعلیٰ اله الاخیار۔آمین

بس کنم خود زیرا کاں راایں بس است[1]

المسئلة الثانیة فی استحباب طبخ الصدقة فی بیت المیت لایصال ثوابه

فی البخاری ص ۸۱۵ وص ۸۴۹ عَنْ عَائِشَةَ, زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّهَا كَانَتْ إِذَا مَاتَ الْمَيِّتُ مِنْ أَهْلِهَا, فَاجْتَمَعَ لِذَلِكَ النِّسَاءُ, ثُمَّ تَفَرَّقْنَ إِلَّا أَهْلَهَا وَخَاصَّتَهَا, أَمَرَتْ بِبُرْمَةٍ مِنْ تَلْبِينَةٍ فَطُبِخَتْ, ثُمَّ صُنِعَ ثَرِيدٌ فَصُبَّتِ التَّلْبِينَةُ عَلَيْهَا, ثُمَّ قَالَتْ: كُلْنَ مِنْهَا, فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «التَّلْبِينَةُ مُجِمَّةٌ لِفُؤَادِ المَرِيضِ, تَذْهَبُ بِبَعْضِ الحُزْنِ انتهی۔وبالحدیث الصحیح ثبت طبخ الطعام فی بیت المیت والاکل فیه فلذلک یطبخ اهل المیت الطعام فی بیته ویعطونه لاهله وسائرالفقراءلایصال الثواب المیت وهوالحق الثابت بالحدیث بلاریب۔

وکذافی المشکوة قبل باب الکرامات وص ۵۴۴ وَعَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةٍ فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْقَبْرِ يُوصِي الْحَافِرَ يَقُولُ: «أَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ أَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ» فَلَمَّا رَجَعَ اسْتَقْبَلَهُ دَاعِي امْرَأَتِهِ فَأَجَابَ وَنَحْنُ مَعَه وَجِيءَ بِالطَّعَامِ فَوَضَعَ يَدَهُ ثُمَّ وَضَعَ الْقَوْمُ فَأَكَلُوا فَنَظَرْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يلوک لقْمَة فِي فَمه ثُمَّ قَالَ أَجِدُ لَحْمَ شَاةٍ أُخِذَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ أَهْلِهَا فَأَرْسَلَتِ الْمَرْأَةُ تَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَرْسَلْتُ إِلَى النَّقِيعِ وَهُوَ مَوْضِعٌ يُبَاعُ فِيهِ الْغَنَمُ لِيُشْتَرَى لِي شَاةٌ فَلَمْ تُوجَدْ فَأَرْسَلْتُ إِلَى جَارٍ لِي قَدِ اشْتَرَى شَاةً أَنْ أرسل إِلَيَّ بهَا بِثَمَنِهَا فَلَمْ يُوجَدْ فَأَرْسَلْتُ إِلَى امْرَأَتِهِ فَأَرْسَلَتْ إِلَيَّ بِهَا

[1] (تسهیل المشکوة ص ۱۱۵-۱۱۷)

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَطْعِمِي هَذَا الطَّعَامَ الْأَسَرَى انتهى۔فالنبی ﷺعادته انه يقبل الطعام الجائزو ايضاًيده على الطعام الجائزو ايضايدخل الفم الطعام الجائزلاغيره فی بيته ولذلک فعلی اصحاب النبی ﷺهذه الافعال فی حضورالنبی ﷺثم تركوه لعارض احتياطا فهذاالحديث ايضادليل طبخ الطعام فی بيت الميت بلاريب لايصال الثواب للميت فان قيل بعداهل الزوائريقولون ليس هذه امرأته الميت بل هی غيرهالانه جآءفی نسخة ابی داودفی كتاب البيو ع وغيره (امرأة) بلااضافة فهذه النسخة تدل على ان هذاالطعام طبخ فی غيربيت الميت قلنااولاان نسخة الاضافة اختارهاملاعلی قاری حيث قال فی شرحه (ای إمرأة الميت)وهو من المجددين فی مذهبناوقوة الرواية بقوة الراوی فنسخة الاضافة الاولیٰ من غيرهاو ايضايؤيدنسخة الاضافة الشيخ المحدث عبدالغنی الدهلوی المدنی شرح ابن ماجه حيث قال فی شرحه اماصنعة الطعام من اهل الميت اذاكان للفقراءفلابأس به لان النبی ﷺقبل دعوة إمرأة الميت التی مات زوجها كمافی سنن ابی داود اما اذاكان للاغنياءو الاضياف فممنوع انتهی۔فقول هذاالمحدث موافق لقول المجددملاعلی قاری فلقول هذين الشيخين نسخةالاضافةالاولیٰ فثبت بحديث المشكوةجوازصنعةالطعام من اهل الميت للفقراءو الطلباء۔

خوش خوش رہو اے طالبو! میں لکھتا ہوں واسطے تمہارے　　　صدقات کل جائز ہیں واسطے تمہارے

وقلناثانيان قول اهل الظواهرباطل اذمرادنسختين واحدلان التنوين فی إمرأة عوض عن المضاف اليه فالنسختان كلتاهماواحدالمرادفی ان الداعی كان من جانب إمرأة الميت لأن غيرهافلااحتمال فی الحديث الی إمرأة غيرالميت فأكل الطعام فی بيت الميت جائزللفقراءو الطلباءو العلماءلاالاغنياءو الاضياف كما مر وهذا هو الحق والحق احق بالاتباع و انظرنظيرهاتين نسختين فی المشكوة فی صفحة ٥٧٣ قبل باب مناقب ازواج النبی ﷺ فی حديث ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما (لمايغذوكم من نعمة) بالتنوين وفی نسخة الاخری بالاضافة (من نعمه)ومالهماواحدوكثيراماپوجداختلاف النسختين فی البخاری ومالهماواحدفكذافی نسختی الحديث المذكوروالی الله تعالیٰ المشتكی من اهل الزمان لايعلمون بتوافق نسختين ويعترضون على العلماء۔

شعر　چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است　　　سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

فان قيل الفقهاءيكرهون الطعام فی بيت الميت الی ثلثة ايام قلناصحيح حكمهم ذلک لان مرادهم من الطعام الضيافة لاالصدقة لانهاجائزةبالاحاديث المذكورة كمامرو اعباراتهم صريحةعلى كراهةالضيافةفقط فی الهندية ولايباح اتخاذ الضيافة عندثلاثة ايام انتهی وفی فتح القديريكره اتخاذالضيافةعندثلاثة ايام انتهی۔و ايضاقال يكره اتخاذالضيافة من اهل الميت انتهی وكذافی سائركتب الفقهاءوقال فتح القديروالكل عللوه بانه شرع فی السرورلافی الشروروهی بدعة مستقبحة انتهی فعباراتهم صريحة على كراهة الضيافة فی بيت الميت فقط لماعللوه ولاجل ان فی ضيافة مشاق كثيرة كمايعلم من احاديث باب الضيافة فی ص ٣٦٨ احدالمشاق فيكرم ضيفه وفيه المشقةعلى اهل الميت والثانی جائزته يوم وليلة وهی اعلى الطعام وفية المشقة الكثيرة وكذافی اليوم الثانی لكن دون اول يوم وكذالابدللضيف من مكان نفيس وسريركک فوق ثوب حسين وايضايخرج مع ضيفه الی

باب الدار کمافی حدیث ابی ہریرۃ فتلک مشاق تلزم علی اہل المیت فلذلک کرہ الفقہاء الضیافۃ الی ثلاثۃ ایام اما الصدقۃ فلاحرج فیہا علی اہل المیت کما لایخفی فان قیل ماالدلیل للفقہاء علی کراہۃ الطعام الضیافۃ قلنا دلیلہم حدیث ابن ماجہ عن جریر بن عبداللہ قال کنانری الاجتماع الی اہل المیت وصنعۃ الطعام من النیاحۃ انتہی ای نری اجتماع الاضیاف وصنعۃ الطعام للاضیاف کالنیاحۃ فی الوزر ولاشک فی کراہیۃ طعام الضیافۃ للاضیاف لان فیہامشاق کمامر واللایق بحال اہل المیت السہولۃ کمااشارالیہ حدیث عبداللہ بن جعفر قال رسول اللہ ﷺ اصنعوا الاہل جعفر طعاما فقداتاہم مایشغلہم انتہی الامر للسہولۃ والاستحباب قال ابن الہمام ویستحب لجیران اہل المیت والاقرباء والاباعدتہیۃ طعام لہم یشبعہم یومہم دلیلتہم لقولہ ﷺ اصنعوا لآل جعفر طعاماہ۔فاعطاء الجیران الصدقۃ لاہل المیت مستحب بحدیث عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ویؤیدہ قولہ تعالیٰ وتعاونوا علی البر والتقوی انتہی فباعطاء الصدقۃ بین الجیران واہل المیت یجیئ التعاون المامور فی الأیۃ لان الأیۃ مطلقۃ شاملۃ لاہل المیت وغیرہم مطلقافکماتجوز الدعاء من اہل المیت لہ فی الایام الثلاثۃ الاول وہی عبادۃ بدنیۃ فکذا تجوز الصدقۃ من اہل المیت لہ فی الایام الثلاثۃ الاول وہی عبادۃ مالیۃ فکلتا العبادتان جائزتان فی الایام الثلاثۃ الاول من اہل المیت لہ بالقرآن والحدیث۔

بس کنم خود زیرکان را این بس است

المسئلۃ الثالثۃ فی استحباب الدعاء بالجمع قبل السنۃ وبعدہا

اعلموا ایہاالاخوان ان مطلق الدعاء فرض بالقرآن وبالقدر المشترک من الاحادیث اما الدعاء بالجمع فقدفعل النبی ﷺ بعدصلوۃ العیدین فی البخاری عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ الحُيَّضَ يَوْمَ العِيدَيْنِ، وَذَوَاتِ الخُدُورِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ المُسْلِمِينَ، وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلُ الحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ، قَالَتِ امْرَأَةٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ؟ قَالَ: «لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا انتہی حاصل الحدیث ان النبی ﷺ امر النساء لحضور الدعاء بالجمع مع المسلمین یوم العیدین وایضافعل النبی ﷺ الدعاء بالجمع بعدصلوۃ الاستسقاء فی البخاری عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ: «خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى هَذَا المُصَلَّى يَسْتَسْقِي، فَدَعَا وَاسْتَسْقَى، ثُمَّ اسْتَقْبَلَ القِبْلَةَ وَقَلَبَ رِدَاءَهُ انتہی فثبت بہذاالحدیث ایضا الدعاء بالجمع مع النبی ﷺ وفی الحدیث ابن ماجہ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «اسْتَسْقَى حَتَّى رَأَيْتُ أَوْ رُئِيَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ انتہی اما الدعاء بالجمع بعدالسنۃ وقبلہا فمستحبۃ عندالعلماء فی فیض الباری الادعیۃ دبرالصلوۃ قدتواترت تواتر الاینکر امارفع الایدی فثبت بعدالنافلۃ مرۃ اومرتین فالحق بہاالفقہاء المکتوبۃ ایضاانتہی فالدعاء بالجمع بعدالمکتوبۃ وکذابعدالسنۃ مستحبۃ عندالعلماء کماقال المحدث انورشاہ وہذاہو الحق لان مافعلہ النبی ﷺ مرۃ ومانسخہ فہو جائز لنافعلہ لقولہ تعالیٰ لقدکان لکم فی رسول اسوۃ حسنۃ انتہی فاذافعل النبی ﷺ الدعاء بالجمع وبرفع الایدی فی وقت

فجاز لنافعلهابعدالمكتوبة وبعدالسنة وبعدالجنازة وبعداكل الطعام وبعدختم القرآن وغيرهامن المقامات وايضاقال عبدالحی فی السعاية الدعاءبالجمع مستحبةالعلماءانتهى۔

وايضاقال الشيخ عبدالحق الدهلوی فی شرحه علی الصراط المستقيم:

ایں دعا کہ ائمہ مساجد می کنند ومقتدیان امین می گویند چنانچہ الآن در دیار ما متعارف است مستحب است و مستحسن اما قبل السنۃ افضل است از بعد السنۃ انتہی۔

فثبت الدعاءبالجمع بالحديث واقوال العلماءفان قيل فی رسالة كفايت الله صاحب انهابدعة قلناحكمه مقيدبأن يقول الناس ان الدعاءبالجمع لازم كالواجب ولاشك ان من قال بوجوبهاولزومهاانهابهذه الحيثية بدعة ومن قال انهابالجمع مستحبة فحكمه صحيح بالحديث المذكورواقوال العلماءكمامرولذالم يوجدفی كتب فقه الاحناف الحكم بكراهيتهافضلاعن بدعيتهاوالحكم فی كتب فقهناموجودباستحبابيتهاكمافی السعاية ونورالايضاح ومراقی الفلاح وطحطاوی وايضاالحكم باستحبابهاشاعه مولانانصيرالدين مدظله وشيخ الحديث والقرآن فی فتاواه بحوالة كتب الاحناف وايضاحكم باستحبابهاعلماءضلع بشاورومردان ومفتيان ديارخراسان ولواحقه۔

بس کنم خود زیرکاں را ایں بس است

مسئلة التوسل بالانبياءوالصلحاء

فی المشكاة فی باب فضل الفقراء وَعَنْ أُمَيَّةَ بْنِ خَالِدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بن أسيد عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّهُ كَانَ يَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِيكِ الْمُهَاجِرِينَ. انتهیٰ وفی انسان العيون وعن عمر بن الخطاب رضي الله تعالی عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «لما اقترف آدم الخطيئة قال: يا رب أسألك بحق محمد صلى الله عليه وسلم إلا غفرت لي، قال وكيف عرفت محمدا» وفي لفظ كما في «الوفاء» وما محمد ومن محمد؟ قال: لأنك لما خلقتني بيدك ونفخت في من روحك رفعت رأسي فرأيت على قوائم العرش مكتوبا لا إله إلا الله محمد رسول الله، فعلمت أنك لم تضف إلى اسمك إلا أحب الخلق إليك، قال: صدقت يا آدم، ولولا محمد لما خلقتك» أي وفي لفظ كما في «الشفاء» «قال آدم لما خلقتني رفعت رأسي إلى عرشك، فإذا فيه مكتوب: لا إله إلا الله، محمد رسول الله، فعلمت أنه ليس أحد أعظم قدرا عندك ممن جعلت اسمه مع اسمك، فأوحى الله تعالى إليه، وعزتي وجلالي إنه لآخر النبيين من ذريتك، ولولاه ما خلقتك انتهیٰ وايضا فی حديث عثمان فی الترمذی صفحه ١٩٥ أَنَّ رَجُلًا ضَرِيرَ الْبَصَرِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يُعَافِيَنِي قَالَ: «إِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ، وَإِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ». قَالَ: فَادْعُهُ، قَالَ: فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ فَيُحْسِنَ وُضُوءَهُ وَيَدْعُوَ بِهَذَا الدُّعَاءِ: «اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ لِتُقْضَى لِيَ، اللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ»۔ انتهیٰ۔ ويؤيدقوله تعالیٰ وابتغوا اليه الوسيلة انتهیٰ قال مولانا عبد الحی رحمة الله تعالیٰ عليه ای بالذوات الفاضلة والاعمال صالحةوقال امام مالک

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لأبی جعفر الخلیفۃ النبی ﷺ وسیلتک ووسیلۃ ابیک أدم علیہ السلام انتہی۔ وفی شامی مجلد ۱ ص ۳۹، قال امام الشافعی انی اتبرک بقبر ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انتہیٰ وایضا قال علماء دیوبند ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء و صلحاء و اولیاء و شہداء و صدیقین کا توسل جائز ہے۔ انتہی۔ یؤیدہ اجازۃ مرشدی حسین علی الھی بحرمۃ حضرت حاجی دوست محمد قندھاری انتہی۔ الحاصل اتفق المذاھب الاربعۃ علی جواز التوسل بالانبیاء والصلحاء لا اطول بذکر نقول قال السعدی:

الٰہی بحق بنی فاطمہ | کہ بر قول ایمان کنم خاتمہ

بس کنم خود زیرکان راق این بس است

اللھم اتنا توفیق العمل بھذہ المسائل بحرمۃ محمد ﷺ، آمین۔[1]

المسئلۃ الخامسۃ فی استحباب السفر لزیارۃ النبی ﷺ و الصلحاء

اعلم انہ قال الکرمانی وقع فی ھذہ المسئلۃ فی عصرنا فی البلاد الشامیۃ مناظرات کثیرۃ وصنف فیھا رسائل من الطرفین انتہی فابن التیمیۃ والشیخ ابو محمد الجووینی والقاضی حسین واتباعھم قالوا بتحریم شد الرحال الی غیر المساجد الثلاثۃ بظاھر الحدیث وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَمَسْجِدِي هَذَا انتہی فی مسلم وقال الفریق الثانی وھم الجمھور منھم الامام السبکی المقابل لابن تیمیۃ والشیخ الشوکانی والشیخ انور شاہ المحدث الدیوبندی رحمھم اللہ تعالیٰ وغیرھم قال الشوکانی واحتج من قال بالمشروعیۃ بانہ لم یزل دآب المسلمین القاصدین للحج فی جمیع الازمان من الدیار المختلفۃ من المذاھب الاربعۃ ھو السفر الی المدینۃ المشرفۃ لقصد زیارۃ النبی ﷺ ویؤدون ذلک السفر من افضل الاعمال بلا انکار النکیر علیھم فکان اجماعا انتہی وقال الشیخ محدث انور شاہ ان دلیل الجمھور فی مسئلۃ الزیارۃ النبویۃ ھو ثبوت السفر الصالحین الی روضۃ المنورۃ تواتر اعملیات وما اجاب عنہ ابن تیمیۃ واتباعہ بالجواب الشافی انتہی وقال تاکیدا والحاصل انہ لم یأتی بجواب شاف یقبلہ الذوق الصحیح واللہ اعلم انتہی وقال فی الدر المختار وزیارۃ قبرہ الشریف مندوبۃ بل قیل واجبۃ لمن لہ سعۃ انتہی قال ابن الھمام والاولی عند العبد الضعیف تجریدنیۃ لزیارۃ قبرہ علیہ الصلوۃ والسلام لان فی ذلک تعظیمۃ ﷺ واجلالہ ویوافقہ قولہ ﷺ من جاءنی زائر الا تعملہ حاجۃ الازیارتی کان حقا علی اللہ ان اکون شفیعا لہ یوم القیمۃ انتہی ولجواز السفر الی الروضۃ المنورۃ قصد العارف الجامی سفرا مستقلا لزیارۃ الروضۃ المنورۃ لا یکون لہ مقصد غیرھا فی السفر وقال عند عود ہ سائلا۔

شعر

سندی سیدی و مولائی | بہ سفر روم چہ فرمائی

[1] (تسہیل المشکوٰۃ ص ۱۲۲)

فجاءالجواب من الروضة:

بہ سفر رفتنت مبارک باد　　　　بسلامت روی و باز آئی

و خادم القرآن یقول شوقا:

شعر　کے بود یارب کہ رو در یثرب و بطحیٰ کنم　　　　گہ بمکہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم

و منشاءالخلاف ان الفریق الاول قالوا ان الاستثناء فی الحدیث مفرغ تقدیرہ لاتشدالرحال الی موضع ما الاالاہ ـفمرادالفریق الاول تشدید و مرادالثانی تسھیل و للناس فی مایعشقون مذاھب و انی من الفریق الثانی لان ھذازمان الرفق ھو الحق لقولہ تعالیٰ اشداءعلی الکفار رحماءبینھم الآیة فینبغی لناالشدة مع الکفار والرفق مع المؤمنین الاخیار ھو دآب الابرار اللھم اجعلنامنھم بحرمة سیدالابرار ﷺ الی یوم القرار آمین یاالله الغفار ـ

بس کنم خود زیرکان راایں بس است

ھذاتائیدالدعاءبالجمع بالامثال المستحبة

اعلم ان الدعاءبالجمع بعدالصلوة المفروضة مستحبة و کذابعدالسنة عندالاحناف کماان تعریف القرآن مستحب عندناو کذاالتلفظ بنیة الصلوة عندناو کذاالصلوة المعدودة لیلة القدر مثلاو کذاالترویحات فی التراویح و کذاتکرار الختم فیھاو کذاالزیادة علی الفاظ التلبیة مثلاو کذاتعدادالدلو فی نزح البئر النجس و کذاشروط القضاءو کذاشروط الدعویٰ مثلاو کذاالمولودالشریف مستحب عندالعلماءولم یفعلہ احدمن السلف فی القرون الثلاثة بل حدث بعدھاوقال ابن الجوزی فی تائیداستحبابہ (من خواصہ انہ امان فی ذلک انعام و بشری عاجلة بنیل البغیة و المرام انتھی) و اول من احدثہ الملک المظفر ابو سعیدمحمود السیرة و السریرة مات ۶۳۰ھ ھو کان یعملہ فی ربیع الاول و یتصدق فیہ خمسة آلاف رأس غنم شواءوعشرة آلاف دجاجة و مائة الف زبدیة و ثلاثین الف صحن حلوی و کان یصرف علی المولدثلاث مائة الف دینار رحمة الله تعالیٰ و استنبط الحافظ ابن حجر تخریج عمل المولدعلی اصل ثابت فی السنة و ھو مافی الصحیحین ان النبی ﷺ قدم المدینة وفی آخر الحدیث و قدجوزی ابو لھب بتخفیف العذاب عنہ یوم الاثنین بسبب عتاق ثویبة لمابشرتہ بولادتہ ﷺ انتھی و کذااثبت السیوطی بالحدیث و ایضاصنف ابن دحیة کتابافی اثباتہ المسمی (التنویر بمولدالبشیر النذیر) فھذہ المستحبات المذکورة نظائر استحباب الدعاءبالجمع بعدالسنة و قبلھافمن قال باستحبابھافھو یقول باستحباب الدعاءبالجمع بلافرق لعدم الدلیل الفارق و یؤیدہ تصریح الفقھاءباستحبابھافی کتبھم و عدم تعرضھم الی کراھیتھا کماھو ظاھر عندالعلماء و الفضلاءفالانصاف لناان نقول باستحباب الدعاءبالجمع و من ترکھافلاجرح علیہ کما ھو حکم کل مستحب و لاینبغی لناالاختلاف اذھو سبب التباغض و التحاسد و ھو ممنوع بالاحادیث ـ

حسد ہر جا کہ آتش بر فروزد ہم از اول حاسودان را بسوزد
بقدر وسع در اصلاح کوشید اگر اصلاح نتواند خموشید
بس کنم خود زیرکان را این بس است

یقول الکاتب قال مولانا صاحب چارباغ

نکیر الدعاء بعد نفل و سنة لمنکر دین ذاک واللہ جاحد

ایضاقال

قداجیبت اجیب دعوة داع مطلق القول حجة الانبیاء
نکیر بمعنی منکر مطلق بمعنی الاطلاق[1]

حوالہ جات تسہیل البخاری مصنفہ علمائے دیوبند کا امیر المومنین فی التفسیر مجدد ملۃ شیخ القرآن والحدیث مولانا عبد الہادی الدیوبندی المولود فی سنۃ ۱۲۹۲ھ المتوفی فی سنۃ ۱۴۰۷ھ بشاہ منصور الناشر دارالتصنیف والتالیف دارالعلوم تعلیم القرآن شاہ منصور تحصیل و ضلع صوابی:

(۳۳) مسئلہ نمبر تینتیس: انبیاء عظام علیہم السلام پر جبرئیل علیہ السلام کے نزول کی تعداد

قوله اذاتاه جبرئیل استمع اه۔ فی تفسیر ابن عادل ان جبریل علیه السلام نزل علی النبی ﷺ اربع وعشرین الف مرة وعلی آدم علیه السلام ۱۲ وعلی ادریس علیه السلام ۴ مرة وعلی نوح علیه السلام ۵۰ مرة وعلی ابراهیم علیه السلام ۴۲ مرة وعلی موسیٰ علیه السلام ۴۰۰ مرة وعلی عیسیٰ علیه السلام ۱۰ مرة۔[2]

(۳۴) مسئلہ نمبر چونتیس: جمعرات کے دن وعظ کرنا

قوله یذکرون الناس فی کل خمیس آه۔ هذا مقیس علیه لصدقة الناس لیلة الجمعة مثلا ولقراءة سورة الملک لیلة الجمعة لان فیه سهولة۔[3]

---

[1] (تسهیل المشکوٰة، ص ۱۲۴ مصنفه شیخ القرآن والحدیث مولانا عبد الهادی صاحب شاه منصوری)
[2] (القسطلانی ص ۲۱)
[3] (تسهیل البخاری ص ۴)

(۳۵)مسئلہ نمبر پینتیس: نماز کے بعد بہیئت اجتماعی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

قولہ تحضر الصلوۃ اذحینئذ المصلون فی المساجد یدعون للغزاۃ بھیئۃ الاجتماعیۃ فالسر فی تأخیر القتال الی اوقات الصلوات استمداد دعائھم بالھیئۃ الجامعۃ بعد اتمام الصلوۃ فالدعاء بعد اتمام الصلوۃ بالھیئۃ الجامعۃ مع الرفع الیدین من المستحبات فی حصن الحصین۔قال رسول اللہ ﷺ الدعاء مستجاب عند اجتماع المسلمین وفی روایۃ الدعاء مستجاب فی مجالس الذکر والحدیث وختم القرآن وفیہ ایضاًان من آداب الدعاء رفع الیدین واخرج الطبرانی فی روایۃ جعفر بن محمد الصادق الدعاء بعد المکتوبۃ افضل من الدعاء بعد النافلۃ انتھی کذافی السعایۃ نقلاعن ابن حجر وعن ابن امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال مادنوت من رسول اللہ ﷺ فی دبر کل صلوۃ مکتوبۃ ولا تطوع الاسمعتہ یقول ای فی الدعاء اللھم اغفر لی ذنوبی وخطایاھا کلھا اخرجہ ابن السنی۔

اعلم ان الدعاء بالھیئۃ الاجتماعیۃ مستحبۃ قبل السنۃ وبعدھا احبھا العلماء الاان الاولی زائدۃ علی الاخری وبالانفراد سنۃ کمافی الھدایۃ وفی الھدایۃ وسنۃ فی الادعیۃ تأخیر ھامن الصلوۃ وفی فیض الباری امار فع الیدین فثبت بعد النافلۃ مرۃ او مرتین فالحق بھا الفقھاء المکتوبۃ ایضا وذھب ابن تیمیۃ وابن القیم الی کونہ بدعۃ انتھی وعن الشیخ عبدالحق الدھلوی فی شرحہ علی الصراط المستقیم ایں دعا کہ ائمہ مساجد بعد از سلام نماز می کنند و مقتدیان آمین آمین می گویند چنانچہ الآن در دیار عرب و عجم متعارف است بدعت است مستحسن انتھی اگر مراد ابن تیمیہ ھم بدعت حسنہ بود خوب است ھو مرادنا والا فھو خلاف الجمھور واھل السنۃ۔

شعر چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است[1]

قولہ تامینہ تامین الملئکۃ وھذا دلیل استحباب الدعاء بالجمع خارج الصلوۃ اذ بالجمع یستجاب الدعاء لاجل الصلحاء ولدعوات الصلحاء تأثیر بلیغ یعنی ولدعوات تأثیر بلیغ وقد ینفیہ اصحاب الضلال۔[2]

قولہ قرن الشیطان لعل المراد منہ قرن عبدالوھاب النجدی الطاغی الباغی۔[3]

قولہ یستسقی الغمام اہ معناہ تعریف النبی ﷺ یعنی ھو ابیض یطلب المطر من السحاب بوسیلۃ وجہ النبی ﷺ مطعم الیتمیٰ حفاظۃ النساء اللواتی لازوج لھا وکذا ھذا معمول من زمان الاسلاف الی زماننا السؤال بذریعۃ النبی ﷺ بحیث نقول اللھم ارحم علینا بحرمۃ النبی ﷺ وبرکتہ وغیر ذلک لایخالفھم غیر ابن تیمیۃ۔[4]

قولہ یستسقی بالعباس ھذا دلیل علی عموم الوسیلۃ بالصالحین کما نقول اللھم ارحم علینا ببرکۃ الطلبۃ والعلماء وغیر ذلک۔[5]

---

[1](تسہیل البخاری ص ۱۱۴)

[2](تسہیل البخاری ص ۵۲)

[3](تسہیل البخاری ص ۵۶)

[4](تسہیل البخاری ص ۵۶)

[5](تسہیل البخاری ص ۵۶)

قوله فعلت ذلک من خشیتک ففرج عنا أی بسبب صالح عملی فیه اثبات الوسیلة بالعمل الصالح وایضاالوسیلة بذوات الانبیاء والصلحاء صحیحة کمامرفی ص۱۳۷ من فعل عمررضی اللہ تعالیٰ عنه استسقی بالعباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنهماوایضاقال رئیس الاولیاء۔

شعر الٰهی بحق بنی فاطمه (رضی اللہ تعالیٰ عنها) کہ برقول ایماں کنم خاتمه[1]

قوله الحیل الفرق بین الوسیلة والحیلة ان الوسیلة یتوصل به الی المقصود ظاهرابلاخفاءوالحیلة مایتوصل به الی المقصود ظاهرابلاخفاءوالحیلة مایتوصل به الی المقصود بطریق خفی باجازة الشریعة فیهاوکلاهماجائزان عندناوالشافعی رحمة اللہ تعالیٰ علیه وخالفناابن تیمیة فی الاول حتی یقول لمن یتخذالوسیلة بالانبیاءوالصلحاءانه مشرک وایضاالسفرالی الروضة المنورة النبویة حرام وایضایقول الدعاءبالجمع بعدالسنة بدعة نعوذباللہ منهاورزقنااللہ تعالیٰ فعل السفرالی الروضة والدعاءبعدالسنة بالجمع وبوسیلة الانبیاءوالصلحاء۔آمین۔[2]

اس تسہیل بخاری میں اہلسنت وجماعت کے بے شمار عقائد ہیں تمام اہلسنت وجماعت کو یہ کتاب اپنے پاس رکھنا بہت ضروری ہے۔

قوله وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴿مومن ۶۰﴾یعلم من انضمام هذه الآیة ان الدعاءهوالعباده واعلم ان روی ابن جریرمرفوعاوهومن المجددین ان المرادفی الآیة عن عبادتی ای عن دعائی انتهی والقاعدة فی القرآن والحدیث ان اللفظ اذااطلق فیهمافالمرادبه الاعلی دون الادنی فالاعلی فی الدعاءهوالدعاءبالجمع فمعناالآیة من استکبرعن دعائی بالجمع سیدخلون جهنم داخرین فثبت الدعاءبالجمع ولذکانت الدعاءبالجمع تستجاب والدعاءبالجمع بعدالسنة مستحب العلماءکذاقال عبدالحی اورحمة اللہ تعالیٰ علیه فی السعایة وکذافی نورالایضاح والطحطاوی وکثیرمن الاحناف فعلیک بالانصاف واللہ اعلم۔[3]

(۳۶)مسئلہ نمبر چھتیس:چند حیوانات جنت میں جائیں گے

روی انه یدخل الجنة مع المؤمنین علی ما قال مقاتل عشرة من الحیوانات تدخل الجنة ناقة صالح وعجل ابراهیم وکبش إسماعیل وبقرة موسی وحوت یونس وحمارعزیرونملة سلیمان وهدهدبلقیس وکلب اصحاب الکهف وناقةمحمدصلی اللہ علیه وسلم فکلهم یصیرون علی صورة کبش ویدخلون الجنة۔[4]

---

[1] (تسہیل البخاری ص ۱۲۱)

[2] (تسہیل البخاری ص ۲۰۹)

[3] (تسہیل الترمذی ص ۲۶۰)

[4] (روح البیان ص ۲۲۶ سورۃ الکهف،ج۵ص ۹۵ سورۃ النحل الآیة ۱۲۴،ج۶ ص ۲۱۳ سورۃ الشعراء الآیة ۶ تا ۲۰)

وقال العلامة محمود الآلوسی رحمه الله تعالیٰ وجاء في شأن كلبهم أنه يدخل الجنة يوم القيامة. فعن خالد ابن معدان ليس في الجنة من الدواب إلا كلب أصحاب الكهف وحمار بلعم۔[1]

ومثله فی التفسير جمل ج۳ ص ۱۲ سورة الكهف۔

(۳۷) مسئلہ نمبر سینتیس: جس نے اپنے شیخ پر اعتراض کیا وہ کبھی کامیاب نہ ہوا

وَفِيهِ تَعْلِيمٌ لِلْمُرِيدِ بِأَنْ لَا يَنْظُرَ إِلَى الشَّيْخِ بِعَيْنِ الِاحْتِقَارِ وَإِنْ رَأَى عِبَادَتَهُ قَلِيلَةً، فَلْيُظْهِرْ عُذْرَهُ وَلْيَلُمْ نَفْسَهُ إِنْ جَرَى فِيهَا إِنْكَارٌ عَلَى شَيْخِهِ لِأَنَّ مَنِ اعْتَرَضَ عَلَى شَيْخِهِ لَمْ يُفْلِحْ أَبَدًا۔[2]

(۳۸) مسئلہ نمبر اڑتیس: مسلمانوں کا اپنے شہر اور زمانہ میں جمع ہونا اور اپنے مُردوں کے لئے دعا کرنا

وَأَنَّ الْمُسْلِمِينَ مَا زَالُوا فِي كُلِّ مِصْرٍ وَعَصْرٍ يَجْتَمِعُونَ وَيَقْرَءُونَ لِمَوْتَاهُمْ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ، فَكَانَ ذَلِكَ إِجْمَاعًا۔[3]

(۳۹) مسئلہ نمبر انتالیس: اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ اُس کی نماز جنازہ فلاں شخص پڑھائے گا تو اس کی وصیت باطل ہے

وفی الهندية فی الكبریٰ الميت اذا اوصى بای يصلی عليه فلان فالوصية باطلة وعليه الفتویٰ۔[4]

(۴۰) مسئلہ نمبر چالیس: نفل نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے

التَّطَوُّعُ بِالْجَمَاعَةِ إِذَا كَانَ عَلَى سَبِيلِ التَّدَاعِي يُكْرَهُ وَفِي الْأَصْلِ لِلصَّدْرِ الشَّهِيدِ أَمَّا إِذَا صَلَّوْا بِجَمَاعَةٍ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَإِقَامَةٍ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ لَا يُكْرَهُ، وَقَالَ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ الْحَلْوَانِيُّ: إنْ كَانَ سِوَى الْإِمَامِ ثَلَاثَةٌ لَا يُكْرَهُ بِالِاتِّفَاقِ وَفِي الْأَرْبَعِ اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يُكْرَهُ. هَكَذَا فِي الْخُلَاصَةِ۔[5]

(۴۱) مسئلہ نمبر اکتالیس: ما یکرہ فی الصلوۃ ذاۃ رکوع سجود

ويكره قيام الامام فی طاق المسجد اوعلی دكان او الارض وحده ای يقوم الامام على الارض والقوم على الدكان اوبالعكس شرح الوقايه ص۱۹۷ و ۱۵۸ قيامه على مكان مرتفع وهو مايقع به التميز ظاهر او كذا على القلب فی ظاهر الرواية زاد الفقير لابن الهمام ص ۵۰ (وَيُكْرَهُ أَنْ يَكُونَ الْإِمَامُ وَحْدَهُ عَلَى الدُّكَّانِ) لِمَا قُلْنَا (وَكَذَا عَلَى الْقَلْبِ

---

[1] (روح المعانی ج۸ ص ۲۱۵ سورة الكهف الآية ۱ تا ۲۷)

[2] (مرقاة المفاتيح ص ۲۲۰ ج ۱ مكتبة امدادية)

[3] (مرقاة المفاتيح ص ۱۹۹ ج ۴ مكتبة امدادية)

[4] (الفتاویٰ الهندية ج ۱ ص ۱۶۳)

[5] (الفتاویٰ الهندية ج ۱ ص ۲۸۲، انظر لمزيد التحقيق هذه الرسالة المسمٰى بالدلائل الواضحة فی كراهية الصلوٰة النافلة بالجماعة لسيد عبد الحق شاه)

فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ) لِأَنَّهُ ازْدِرَاءٌ بِالْإِمَامِ هداية قوله وحده احتراز مما اذا كان معه بعض القوم فانه لا يكره (قَوْلُهُ لِمَا قُلْنَا) مِنْ أَنَّهُ تَشَبُّهٌ بِأَهْلِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُمْ يَخُصُّونَ إمَامَهُمْ بِالْمَكَانِ الْمُرْتَفِعِ فَقَوْلُهُ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ احْتِرَازٌ عَنْ رِوَايَةِ الطَّحَاوِيِّ أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ لِعَدَمِ مَنَاطِهَا وَهُوَ التَّشَبُّهُ فَإِنَّهُمْ لَا يَخُصُّونَهُ بِالْمَكَانِ الْمُنْخَفِضِ. وَالْجَوَابُ أَنَّ الْكَرَاهَةَ هُنَا لِمَعْنًى آخَرَ وَهُوَ مَا ذُكِرَ فِي الْكِتَابِ. وَاخْتُلِفَ فِي مِقْدَارِ الِارْتِفَاعِ الَّذِي تَتَعَلَّقُ بِهِ الْكَرَاهَةُ فَقِيلَ قَدْرُ الْقَامَةِ، وَقِيلَ مَا يَقَعُ بِهِ الِامْتِيَازُ، وَقِيلَ ذِرَاعٌ كَالسُّتْرَةِ.

وَهُوَ الْمُخْتَارُ وَالْوَجْهُ أَوْجَهِيَّةُ الثَّانِي لِأَنَّ الْمُوجِبَ هُوَ شَبَهُ الِازْدِرَاءِ يَتَحَقَّقُ فِيهِ غَيْرُ مُقْتَصِرٍ عَلَى قَدْرِ الذِّرَاعِ۔[1]

وَيُكْرَهُ أَنْ يَكُونَ الْإِمَامُ وَحْدَهُ عَلَى الدُّكَّانِ وَكَذَا الْقَلْبُ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ. كَذَا فِي الْهِدَايَةِ وَإِنْ كَانَ بَعْضُ الْقَوْمِ مَعَهُ فَالْأَصَحُّ أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ. كَذَا فِي مُحِيطِ السَّرَخْسِيِّ ثُمَّ قَدْرُ الِارْتِفَاعِ قَامَةٌ وَلَا بَأْسَ بِمَا دُونَهَا ذَكَرَهُ الطَّحَاوِيُّ وَقِيلَ: إنَّهُ مُقَدَّرٌ بِمَا يَقَعُ بِهِ الِامْتِيَازُ، وَقِيلَ: بِمِقْدَارِ الذِّرَاعِ اعْتِبَارًا بِالسُّتْرَةِ وَعَلَيْهِ الِاعْتِمَادُ. كَذَا فِي التَّبْيِينِ وَفِي غَايَةِ الْبَيَانِ هُوَ الصَّحِيحُ. كَذَا فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ۔[2]

(وَانْفِرَادُهُ عَلَى الدُّكَّانِ) وَهُوَ الْمَكَانُ الْمُرْتَفِعُ وَالْقَوْمُ عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ قَدْرُ الِارْتِفَاعِ قَامَةُ الرَّجُلِ وَلَا بَأْسَ بِمَا دُونَهَا لَكِنَّ إطْلَاقَهُ شَامِلٌ لِمَا دُونَهَا وَهُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ لِإِطْلَاقِ النَّهْيِ، وَقِيلَ: مِقْدَارُ ذِرَاعٍ وَعَلَيْهِ الِاعْتِمَادُ.

وَفِي الْغَايَةِ هُوَ الصَّحِيحُ

وَفِي فَتْحِ الْقَدِيرِ هُوَ الْمُخْتَارُ (أَوْ الْأَرْضِ) أَيْ انْفِرَادُهُ عَلَى الْأَرْضِ وَالْقَوْمُ عَلَى الدُّكَّانِ لِأَنَّهُ ازْدِرَاءٌ بِالْإِمَامِ وَإِنْ كَانَ مَعَ الْإِمَامِ بَعْضُ الْقَوْمِ لَا يُكْرَهُ فِيهِمَا فِي الصَّحِيحِ۔[3]

وَيُكْرَهُ أَنْ يَكُونَ الْإِمَامُ عَلَى دُكَّانٍ وَالْقَوْمُ أَسْفَلَ مِنْهُ، وَالْجُمْلَةُ فِيهِ أَنَّهُ لَا يَخْلُو إمَّا أَنْ كَانَ الْإِمَامُ عَلَى الدُّكَّانِ وَالْقَوْمُ أَسْفَلَ مِنْهُ أَوْ كَانَ الْقَوْمُ عَلَى الدُّكَّانِ وَالْإِمَامُ أَسْفَلَ مِنْهُمْ، وَلَا يَخْلُو إمَّا أَنْ كَانَ الْإِمَامُ وَحْدَهُ أَوْ كَانَ بَعْضُ الْقَوْمِ مَعَهُ، وَكُلُّ ذَلِكَ لَا يَخْلُو إمَّا أَنْ كَانَ فِي حَالَةِ الِاخْتِيَارِ أَوْ فِي حَالَةِ الْعُذْرِ، أَمَّا فِي حَالَةِ الِاخْتِيَارِ فَإِنْ كَانَ الْإِمَامُ وَحْدَهُ عَلَى الدُّكَّانِ وَالْقَوْمُ أَسْفَلَ مِنْهُ يُكْرَهُ سَوَاءٌ كَانَ الْمَكَانُ قَدْرَ قَامَةِ الرَّجُلِ أَوْ دُونَ ذَلِكَ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَرَوَى الطَّحَاوِيُّ أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ مَا لَمْ يُجَاوِزْ الْقَامَةَ؛ لِأَنَّ فِي الْأَرْضِ هُبُوطًا وَصُعُودًا وَقَلِيلُ الِارْتِفَاعِ عَفْوٌ وَالْكَثِيرُ لَيْسَ بِعَفْوٍ فَجَعَلْنَا الْحَدَّ الْفَاصِلَ مَا يُجَاوِزُ الْقَامَةَ.

وَرُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ إذَا كَانَ دُونَ الْقَامَةِ لَا يُكْرَهُ، وَالصَّحِيحُ جَوَابُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لِمَا رُوِيَ أَنَّ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ قَامَ بِالْمَدَائِنِ لِيُصَلِّيَ بِالنَّاسِ عَلَى دُكَّانٍ فَجَذَبَهُ سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ ثُمَّ قَالَ: مَا الَّذِي أَصَابَكَ؟ أَطَالَ الْعَهْدُ أَمْ نَسِيتَ؟ أَمَا سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَقُولُ: «لَا يَقُومُ الْإِمَامُ عَلَى مَكَانٍ أَنْشَزَ مِمَّا عَلَيْهِ أَصْحَابُهُ؟» وَفِي رِوَايَةٍ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ أَصْحَابَكَ يَكْرَهُونَ ذَلِكَ؟ فَقَالَ تَذَكَّرْتُ حِينَ جَذَبْتَنِي، وَلَا شَكَّ أَنَّ الْمَكَانَ الَّذِي يُمْكِنُ

---

[1](فتح القدیر ج ۱ ص ۱۷۵)

[2](الفتاویٰ الهندية ج ۱ ص ۱۰۸ الفصل الثانی فی مایکره فی الصلاة ومالایکره)

[3](مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر ج ۱ ص ۱۲۵ باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها)

الْجَذْبِ عَنْهُ مَا دُونَ الْقَامَةِ، وَكَذَا الدُّكَّانُ الْمَذْكُورُ يَقَعُ عَلَى الْمُتَعَارَفِ وَهُوَ مَا دُونَ الْقَامَةِ، وَلِأَنَّ كَثِيرَ الْمُخَالَفَةِ بَيْنَ الْإِمَامِ وَالْقَوْمِ يَمْنَعُ الصِّحَّةَ فَقَلِيلُهَا يُورِثُ الْكَرَاهَةَ، وَلِأَنَّ هَذَا صَنِيعُ أَهْلِ الْكِتَابِ، وَإِنْ كَانَ الْإِمَامُ أَسْفَلَ مِنْ الْقَوْمِ يُكْرَهُ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، وَرَوَى الطَّحَاوِيُّ عَنْ أَصْحَابِنَا أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ وَوَجْهُهُ أَنَّ الْمُوجِبَ لِلْكَرَاهَةِ التَّشَبُّهُ بِأَهْلِ الْكِتَابِ فِي صَنِيعِهِمْ وَلَا تَشَبُّهَ هَهُنَا، لِأَنَّ مَكَانَ إمَامِهِمْ لَا يَكُونُ أَسْفَلَ مِنْ مَكَانِ الْقَوْمِ وَجَوَابُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ أَقْرَبُ إلَى الصَّوَابِ، لِأَنَّ كَرَاهَةَ كَوْنِ الْمَكَانِ أَرْفَعَ كَانَ مَعْلُولًا بِعِلَّتَيْنِ التَّشَبُّهِ بِأَهْلِ الْكِتَابِ وَوُجُودِ بَعْضِ الْمُفْسِدِ وَهُوَ اخْتِلَافُ الْمَكَانِ وَهَهُنَا وُجِدَتْ إحْدَى الْعِلَّتَيْنِ وَهِيَ وُجُودُ بَعْضِ الْمُخَالَفَةِ هَذَا إذَا كَانَ الْإِمَامُ وَحْدَهُ فَإِنْ كَانَ بَعْضُ الْقَوْمِ مَعَهُ اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِيهِ فَمَنْ اعْتَبَرَ مَعْنَى التَّشَبُّهِ قَالَ: لَا يُكْرَهُ وَهُوَ قِيَاسُ رِوَايَةِ الطَّحَاوِيِّ، لِزَوَالِ مَعْنَى التَّشَبُّهِ، لِأَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ لَا يُشَارِكُونَ الْإِمَامَ فِي الْمَكَانِ، وَمَنْ اعْتَبَرَ وُجُودَ بَعْضِ الْمُفْسِدِ قَالَ: يُكْرَهُ وَهُوَ قِيَاسُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، لِوُجُودِ بَعْضِ الْمُخَالَفَةِ.

وَأَمَّا فِي حَالَةِ الْعُذْرِ كَمَا فِي الْجُمَعِ وَالْأَعْيَادِ لَا يُكْرَهُ كَيْفَمَا كَانَ لِعَدَمِ إمْكَانِ الْمُرَاعَاةِ۔[1]

(۴۲) مسئلہ نمبر بیالیس: مسئلہ عجیبہ: بکری کے بچہ کا کُتے کی شکل پر پیدا ہونا

شَاةٌ وَلَدَتْ وَلَدًا بِصُورَةِ الْكَلْبِ فَأَشْكَلَ أَمْرُهُ، فَإِنْ صَاحَ مِثْلَ الْكَلْبِ لَا يُؤْكَلُ، وَإِنْ صَاحَ مِثْلَ الشَّاةِ يُؤْكَلُ، وَإِنْ صَاحَ مِثْلَهُمَا يُوضَعُ الْمَاءُ بَيْنَ يَدَيْهِ إنْ شَرِبَ بِاللِّسَانِ لَا يُؤْكَلُ، لِأَنَّهُ كَلْبٌ، وَإِنْ شَرِبَ بِالْفَمِ يُؤْكَلُ، لِأَنَّهُ شَاةٌ، وَإِنْ شَرِبَ بِهِمَا جَمِيعًا يُوضَعُ التِّبْنُ وَاللَّحْمُ قِبَلَهُ إنْ أَكَلَ التِّبْنَ يُؤْكَلُ، لِأَنَّهُ شَاةٌ، وَإِنْ أَكَلَ اللَّحْمَ لَا يُؤْكَلُ، وَإِنْ أَكَلَهُمَا جَمِيعًا يُذْبَحُ إنْ خَرَجَ الْأَمْعَاءُ لَا يُؤْكَلُ، وَإِنْ خَرَجَ الْكِرْشُ يُؤْكَلُ، كَذَا فِي جَوَاهِرِ الْأَخْلَاطِي.

(۴۳) مسئلہ نمبر تینتالیس: رہن کا جائز اور مرہون پر نفع کا ناجائز ہونا

وفی تفسیر البرهان فالرهن جائز والنفع بالمرهونة غیر جائز بقوله علیه السلام (کل قرض جر نفعا فهو ربا انتهی ولقوله المعروف کالمشروط انتهی یعنی النفع بالمرهون معلوم بین الناس انهم یفعلون لاجله فهو کالمشروط فی عقد الرهن وهذا حرام فی المذاهب الاربعة فالمعروف کالمشروط فان قیل جآء فی الکتب ان النفع بالمرهون جائز باجازة الراهن قلنا فی الجواب اعلم قال ائمتنا ان محمد رحمة الله تعالیٰ قال النفع بالمرهون جائز خلاف القیاس فی المرکب وذی اللبن بالحدیث وفی غیرهما غیر جائز فقال له الشیخین الحدیث وارد قبل آیة الربوا فاذا جاءت آیة الربوا نسخة الحدیث فالائمة متفقون علی حرمت النفع بالمرهون وجاء فی الکتب خلافهم فالائمة قالوا بحرمت النفع والمقتدی قولهم قال فی الکتب جائز مخالف الائمة لایعمل بقوله وعلمآء سمرقند قائلون بجوازه وهذا باطل قطعا بالحدیث وبقول ائمة والله تعالیٰ اعلم بالصواب وقال انورشاه رحمة الله تعالیٰ النفع بالمرهونة غیر جائز فی المذاهب الاربعة انتهی۔[2]

---

[1] (ج ۱ ص ۲۱۶ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع)

[2] (تفسیر البرهان ص ۵۴-۵۵)

(۴۴)مسئلہ نمبر چوالیس: زمانہ سکوت وملازمتِ بیوت

وفی تفسیر البرھان الامام القرطبی قال یاحسرتاوقدانقلبت الاحوال فی ھذاالزمان باتخاذاھل الکتب امنة وامناءفسلطواعلی الناس من ھذاالوجہ انتھی۔

شعر

زانقلاب زمانہ عجب مدارکہ چرخ ازایں فسانہ ہزاران ہزار دارد یاد

الانقلاب جآءت لاجل جھالة الناس بالقرآن العظیم فلھذاقال الشیخ فی المرقات

ھذاالزمان السکوت وملازمة البیوت والقناعة بالقوة الی ان یموت انتھی[1]

(۴۵)مسئلہ نمبر پینتالیس: عالم کی فضیلت اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شتم کرنے والے کی شفاعت نا ممکن ہونا

وَرُوِيَ عَن أبي أُمَامَة قَالَ قَالَ رَسُول الله صلی الله عَلَيْهِ وَسلم يجاء بالعالم وَالْعَابِد فَيُقَال للعابد ادخل الْجنَّة وَيُقَال للْعَالم قف حَتَّى تشفع للنَّاس، رَوَاهُ الْأَصْبَهَانِيّ وَغيره۔ انتھی۔ رواہ الدیلمی وعن ابی الدرداءرضی اللہ تعالیٰ عنه مرفوعاالشھیدیشفع فی سبعین من اھل بیته رواہ ابوداود وقال رسول اللہ ﷺ شفاعتی مباحة الالمن سبّ اصحابی انتھی رواہ ابونعیم فی الحلیة وعن انس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال رسول اللہ ﷺ صنفان من امتی لاتنالھماشفاعتی یوم القیامة المرجیة والقدریة رواہ ابونعیم وعن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھماموقوفایقال للعالم اشفع فی تلامذتک ولوبلغت عددنجوم السماءانتھی۔[2]

(۴۶)مسئلہ نمبر چھیالیس: صدقہ کی فضیلت اس عالم پر جو فقیر ہو افضل ہے جاہل سے

والتصدق علی الفقیر العالم افضل من الجاھل۔[3]

(۴۷)مسئلہ نمبر سینتالیس: علم حاصل کرنا غزوات میں شمولیت سے بہتر ہے

فاعلم ان طالب العلم والعلماءلایذھبون الی الغزواذھم یطلبون العلم والعلم اعلیٰ من الغزو۔[4]

[1](تفسیر البرھان فی مشکلات القرآن ص ۴۷)
[2](تفسیر البرھان فی مشکلات القرآن ص ۵۵۲)
[3](تفسیر البرھان فی مشکلات القرآن ص ۱۹۳)
[4](تفسیر البرھان فی مشکلات القرآن ص ۲۰۲)

(۴۸)مسئلہ نمبر اڑتالیس: اذان کا کلمۂ تحلیل پر اختتام اور دل میں محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پڑھنا

ویختم الاذان بالتھلیل عندنا وقیل اذاقال لا الہ الا اللہ یقول فی نفسہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یسمعھا وینبغی ان یؤذن علی المنارۃ الخارج المسجد لافی المسجد۔[1]

(۴۹)مسئلہ نمبر انچاس: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا جسمِ اطہر جس جگہ پر مَس ہوا وہ جگہ افضل ہے کعبہ شریف سے

هَذَا وَنَقَلَ الْقَاضِي عِيَاضٌ وَغَيْرُهُ الْإِجْمَاعَ عَلَى تَفْضِيلِ مَا ضَمَّ الْأَعْضَاءَ الشَّرِيفَةَ حَتَّى عَلَى الْكَعْبَةِ الْمُنِيفَةِ، وَأَنَّ الْخِلَافَ فِيمَا عَدَاهُ. وَنُقِلَ عَنْ أَبِي عُقَيْلٍ الْحَنْبَلِيِّ أَنَّ تِلْكَ الْبُقْعَةَ أَفْضَلُ مِنَ الْعَرْشِ۔[2]

(۵۰)مسئلہ نمبر پچاس: جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے لئے نکلنے کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الجُمُعَةِ غُسْلَ الجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ، فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ، فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ، فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ، فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الخَامِسَةِ، فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً۔[3]

(۵۱)مسئلہ نمبر اکیاون: انڈہ کھانے کا جواز

وَعَنْ عَلِيٍّ «أَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أُتِيَ بِبَيْضِ النَّعَامِ فَقَالَ إنَّا قَوْمٌ حُرُمٌ أَطْعِمُوهُ أَهْلَ الْحِلِّ» رَوَاهُ أَحْمَدُ۔[4]

ذَكَرَ البيهقي فِي "شُعَبِ الْإِيمَانِ" أَثَرًا مَرْفُوعًا: («أَنَّ نَبِيًّا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ شَكَى إِلَى اللَّهِ سُبْحَانَهُ الضَّعْفَ، فَأَمَرَهُ بِأَكْلِ الْبَيْضِ۔[5]

البيضة اذ اخرجت من دجاجة اكلت۔[6]

امام ابن بزار کردری فرماتے ہیں: ماتت الدجاجۃ وفی بطنھا بیضۃ تؤکل۔[7]

(مزید تفصیل کے لئے کتابِ ہذا کے مسئلہ نمبر ۱۰۲ کی طرف رجوع فرمائیں۔)

---

[1](فتاویٰ نور الھدیٰ ص ۲۶)

[2](مرقاۃ ج۲ ص ۱۹۰ ردالمحتار ج۲ ص ۳۵۳)

[3](صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۲۱)

[4](نیل الاوطار ج۵ ص ۲۵ مقالات سعیدی ص ۵۴۵)

[5](زادالمعاد فی ھدی خیر العباد ج۴ ص ۲۶۵)

[6](فتاویٰ الھندیۃ ج۵ ص ۲۳۹)

[7](بحوالۃ بزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۶ ص ۳۶۵)

(۵۲)مسئلہ نمبر باون: اس عالم کے پیچھے نماز جائز نہیں جس کی بیوی بازاروں میں گھومے

وفی فتاویٰ نور الھدیٰ و اذا خرجت المرءۃ من بیت الزوج علی رضائہ و لا یمنعھا فھو دیوث لا یجوز صلوۃ خلفہ لأنھا و أمرت بالقرار فی البیوت۔[1]

(۵۳)مسئلہ نمبر ترپن: عمامہ شریف کی لمبائی

لف العمامۃ الطویلۃ و لبس الثیاب الواسعۃ حسن فی حق الفقھاء الذین ھم اعلام الھدیٰ۔[2]
وفی الملتقط مقدار الطول العمامۃ سبعۃ ازرع الی عشرۃ وقیل خمسۃ عشرۃ ذراعا الی عشرین وقیل الی تسع وعشرین وطول سدلھا فی الاول الی الظھر او الی موضع الجلوس وفی الثانی الی موقف مرکبہ وفی الفتاویٰ الحجۃ ان الذنب علی سبعۃ انواع للقاضی خمس وثلاثون اصبعا وللخطیب احدو عشرون اصبعا وللعالم سبع وعشرون اصبعا وللمتعلم سبع عشر اصبعا وللعامی سبعۃ اصابع ولصوفی اربع اصابع۔[3]

(۵۴)مسئلہ نمبر چوون: نمازِ جنازہ میں آخری صف کی فضیلت

ساری نمازوں کی پہلی صف افضل ہوتی ہے مگر نماز جنازہ کی آخری افضل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز جنازہ میت کے حق میں شفاعت ہے اور شفاعت کرنے والے کیلئے عاجزی اور تواضع کے زیادہ قریب جو مقام ہے وہاں پر ہونا چاہیئے تاکہ شفاعت کی مقبولیت کی زیادہ امید کی جاسکے۔

فتاویٰ کاملیہ میں ہے:

ان افضل صفوفھا آخرھا اما سائر الصلوت فاولھا والحکمۃ ذلک ان صلوۃ علی المیت شفاعۃ لہ ینبغی للشفیع ان یختار اقرب المواضع الی التواضع لتکون شفاعتہ أدعی الی القبول۔[4]

(۵۵)مسئلہ نمبر پچپن: بڑے بھائی کا حق چھوٹے بھائیوں پر اس طرح ہے جیسا باپ کا حق اولاد پر

وَعَن سعیدِ بنِ العَاصِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسلم: «حقُّ کبیرِ الإِخوَۃِ علی صَغیرِھِمْ حَقُّ الْوَالِدِ عَلَی وَلَدِہِ». رَوَی الْبَیْھَقِيُّ الأَحادیثَ الخمسۃَ فِي شعب الْإِیمَان۔[5]

---

[1](فتاویٰ نور الھدیٰ ص ۳۴)
[2](فتاویٰ نور الھدیٰ ص ۲ ۱ ۴)
[3](فتاویٰ نور الھدیٰ ص ۲ ۱ ۴)
[4](فتاویٰ کاملیۃ ص ۱۲)
[5](مشکاۃ المصابیح ج۳ ص ۱۳۸۳)

بیوی کو نامحرم مردوں سے اختلاط سے روکنا خاوند کا فرض ہے

خاوند کو چاہیئے کہ اپنی بیوی کو غیر محرم لوگوں کے اختلاط اوران کے ساتھ ملاقات سے روکے اگر وہ اپنی بیوی کو اجنبی افراد سے ملاقات واختلاط وغیرہ سے نہیں روکتا بلکہ اس کے اس غیر شرعی عمل پر راضی ہے تو خاوند بیوی دونوں گناہ گار ہوں گے۔

درمختار میں ہے:

ویمنعها من زیارة الاجانب وعیادتهم والولیمة وان اذن کان عاصیین۔[1]

البتہ والدین کے ساتھ ہفتہ میں ایک بار ملاقات سے نہیں روک سکتا اور دوسرے محرم رشتہ داروں سے سال میں ایک دفعہ نہیں روک سکتا۔

ولا یمنعها من الدخول علیها فی کل جمعة وفی غیرهما من المحارم فی کل سنة۔[2]

(۵۶) مسئلہ نمبر چھپن: مسجدِ خیف میں ستر انبیاء کرام علیہم السلام کی قبور

حَدَّثَنَا عَبْدَانُ بْنُ أَحْمَدَ، ثنا عِيسَى بْنُ شَاذَانَ، ثنا أَبُو هَمَّامٍ الدَّلَّالُ، ثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «فِي مَسْجِدِ الْخَيْفِ قَبْرُ سَبْعِينَ نَبِيًّا۔

حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسجد خیف میں ستر انبیاء کرام علیہم السلام کی مبارک قبریں ہیں۔[3]

قَالَ عُثْمَانُ: وَأَخْبَرَنِي مُقَاتِلٌ قَالَ: «فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بَيْنَ زَمْزَمَ وَالرُّكْنِ قَبْرُ سَبْعِينَ نَبِيًّا، مِنْهُمْ هُودٌ، وَصَالِحٌ، وَإِسْمَاعِيلُ، وَقَبْرُ آدَمَ، وَإِبْرَاهِيمَ، وَإِسْحَاقَ، وَيَعْقُوبَ، وَيُوسُفَ، فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ۔[4]

(۵۷) مسئلہ نمبر ستاون: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علم کی فضیلت اور اُن کی خیر

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: مَا رَأَيْتُ قَوْمًا كَانُوا خَيْرًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا سَأَلُوهُ إِلَّا عَنْ ثَلَاثَةَ عَشَرَ مَسْأَلَةً حَتَّى قُبِضَ، كُلُّهُنَّ فِي الْقُرْآنِ، مِنْهُنَّ {يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ} (البقرة:۲۱۷) وَ {يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ} (البقرة: ۲۱۹) {وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَى} (البقرة: ۲۲۰) {وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ}

---

[1] (درمختار بر حاشیة ردالمحتار ج۳ص ۲۲۷)

[2] (تنویر الابصار بر حاشیة ردالمحتار ج۲ص ۲۲۷)

[3] (طبرانی المعجم الکبیر رقم الحدیث ۱۳۵۲۵ ص ۴۱۳ ج ۱۲، دیلمی الفردوس بماثور الخطاب ج ۲ص ۲۸ رقم ۲۱۷۷، ہیثمی مجمع الزوائد ج۳ص۲۰۷، فیض القدیر ج۴ص ۴۵۹)

[4] (أخبار مکة وما جاء فیها من الأثار للازرقی ص ۱۱۱، الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲۸)

(البقرة: ٢٢٢) وَ {يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ} (الأنفال: ١) {وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ} (البقرة: ٢١٩) مَا كَانُوا يَسْأَلُونَ إِلَّا عَمَّا يَنْفَعُهُمْ قَالَ: «وَأَوَّلُ مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ الْمَلَائِكَةُ، وَإِنَّ مَا بَيْنَ الْحَجَرِ إِلَى الرُّكْنِ الْيَمَانِي لَقُبُورًا مِنْ قُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ۔[1]

(۵۸)مسئلہ نمبر اٹھاون: اولیاء کرام اور صالحین اُمت کی قبور پر جانا حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سُنت ہے

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ رَأْسِ الْحَوْلِ، فَيَقُولُ: «السَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ». قَالَ: وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ يَفْعَلُونَ ذَلِكَ۔

اولیاءاللہ اور صالحین کی قبور پر جانا حضور ﷺ اور خلفاءراشدین کی سنت سے ثابت ہے کیونکہ حضور ﷺ نے بھی خود بنفس نفیس شہداء کی قبور پر تشریف لے جاکر دعا فرمائی اورآپ ﷺ کی اتباع میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہ معمول رہا۔ ائمہ ٔحدیث و تفسیر مثلاً امام عبد الرزاق، امام طبری، امام ابن کثیر اورامام سیوطی رحمہم اللہ و دیگر ائمہ نے آپ ﷺ کا معمول بیان کیاہے کہ آپ ﷺ ہر سال شہداء کی قبور پر تشریف لے جاتے تھے۔ امام عبد الرزاق نے بیان کیاہے حضرت محمد بن ابراہیم التیمی سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سال کے آغاز میں شہداء کی قبور پر تشریف لاتے تھے اور فرماتے کہ تم پر سلامتی ہو تمہارے صبر کے صلہ میں آخرت کا گھر کیا خوب ہے، راوی نے کہا کہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔[2]

وَيَنْبَغِي لَهُ أَنْ لَا يُخَلِّيَ نَفْسَهُ مِنْ زِيَارَةِ الْأَوْلِيَاءِ، وَالصَّالِحِينَ الَّذِينَ بِرُؤْيَتِهِمْ يُحْيِي اللهُ الْقُلُوبَ الْمَيِّتَةَ كَمَا يُحْيِي الْأَرْضَ بِوَابِلِ الْمَطَرِ، فَتَنْشَرِحُ بِهِمْ الصُّدُورُ الصُّلْبَةُ، وَتَهُونُ بِرُؤْيَتِهِمْ الْأُمُورُ الصَّعْبَةُ إذْ هُمْ وُقُوفٌ عَلَى بَابِ الْكَرِيمِ الْمَنَّانِ فَلَا يُرَدُّ قَاصِدُهُمْ، وَلَا يَخِيبُ مُجَالِسُهُمْ، وَلَا مَعَارِفُهُمْ، وَلَا مُحِبُّهُمْ إذْ هُمْ بَابُ اللهِ الْمَفْتُوحُ لِعِبَادِهِ، وَمَنْ كَانَ كَذَلِكَ فَتَتَعَيَّنُ الْمُبَادَرَةُ إلَى رُؤْيَتِهِمْ، وَاغْتِنَامِ بَرَكَتِهِمْ؛ وَلِأَنَّهُ بِرُؤْيَةِ بَعْضِ هَؤُلَاءِ يَحْصُلُ لَهُ مِنْ الْفَهْمِ، وَالْحِفْظِ، وَغَيْرِهِمَا مَا قَدْ يَعْجِزُ الْوَاصِفُ عَنْ وَصْفِهِ، وَلِأَجْلِ هَذَا الْمَعْنَى تَرَى كَثِيرًا مِمَّنْ اتَّصَفَ بِمَا ذُكِرَ لَهُ الْبَرَكَةُ الْعَظِيمَةُ فِي عِلْمِهِ، وَفِي حَالِهِ، فَلَا يُخَلِّي نَفْسَهُ مِنْ هَذَا الْخَيْرِ الْعَظِيمِ لَكِنْ بِشَرْطِ أَنْ يَكُونَ مُحَافِظًا عَلَى اتِّبَاعِ السُّنَّةِ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ۔[3]

أَنَّ زِيَارَةَ قُبُورِ الصَّالِحِينَ مَحْبُوبَةٌ لِأَجْلِ التَّبَرُّكِ مَعَ الِاعْتِبَارِ، فَإِنَّ بَرَكَةَ الصَّالِحِينَ جَارِيَةٌ بَعْدَ مَمَاتِهِمْ كَمَا كَانَتْ فِي حَيَاتِهِمْ۔

وَالدُّعَاءُ عِنْدَ قُبُورِ الصَّالِحِينَ، وَالتَّشَفُّعُ بِهِمْ مَعْمُولٌ بِهِ عِنْدَ علمائنا الْمُحَقِّقِينَ مِنْ أَئِمَّةِ الدِّينِ انْتَهَى۔

---

[1](طبرانی المعجم الکبیر رقم الحدیث ۱۲۲۸۸ ص ۴۵۴ ج ۱۱، الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲۸)

[2](مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص ۵۷۳، الدر المنثور ج ۴ ص ۶۴۱)

[3](المدخل أبو عبدالله محمد بن محمد بن محمد العبدري الفاسي المالكي الشهير بابن الحاج ص ۱۳۹ ج ۲)

حصول برکت کیلئے قبور صالحین کی زیارت ایک مستحب عمل ہے کیونکہ صالحین کی برکات جس طرح ان کی زندگی میں فیض رساں ہوتی ہے اس طرح ان کی موت کے بعد بھی جاری رہتی ہے اور صالحین کی قبروں کے پاس دعا کرنا اور ان سے شفاعت طلب کرنا ائمہ دین اور علمائے محققین کا معمول رہا ہے۔[1]

اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد علامہ ابن الحاج نے لکھا ہے:

مَنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ فَلْيَذْهَبْ إلَيْهِمْ وَلْيَتَوَسَّلْ بِهِمْ بِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ -: «لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إلَّا لِثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِي، وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى» انْتَهَى. وَقَدْ قَالَ الْإِمَامُ الْجَلِيلُ أَبُو حَامِدٍ الْغَزَالِيُّ - رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى - فِي كِتَابِ آدَابِ السَّفَرِ مِنْ كِتَابِ الْإِحْيَاءِ لَهُ مَا هَذَا نَصُّهُ: الْقِسْمُ الثَّانِي: وَهُوَ أَنْ يُسَافِرَ لِأَجْلِ الْعِبَادَةِ إمَّا لِجِهَادٍ، أَوْ حَجٍّ إلَى أَنْ قَالَ: وَيَدْخُلُ فِي جُمْلَتِهِ زِيَارَةُ قُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ وَقُبُورِ الصَّحَابَةِ، وَالتَّابِعِينَ وَسَائِرِ الْعُلَمَاءِ، وَالْأَوْلِيَاءِ، وَكُلُّ مَنْ يُتَبَرَّكُ بِمُشَاهَدَتِهِ فِي حَيَاتِهِ يُتَبَرَّكُ بِزِيَارَتِهِ بَعْدَ وَفَاتِهِ وَيَجُوزُ شَدُّ الرِّحَالِ لِهَذَا الْغَرَضِ، وَلَا يَمْنَعُ مِنْ هَذَا قَوْلُهُ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - «لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إلَّا لِثَلَاثِ مَسَاجِدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِي، وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى». لِأَنَّ ذَلِكَ فِي الْمَسَاجِدِ، لِأَنَّهَا مُتَمَاثِلَةٌ بَعْدَ هَذِهِ الْمَسَاجِدِ، وَإِلَّا فَلَا فَرْقَ بَيْنَ زِيَارَةِ الْأَنْبِيَاءِ، وَالْأَوْلِيَاءِ، وَالْعُلَمَاءِ فِي أَصْلِ الْفَضْلِ، وَإِنْ كَانَ يَتَفَاوَتُ فِي الدَّرَجَاتِ تَفَاوُتًا عَظِيمًا بِحَسَبِ اخْتِلَافِ دَرَجَاتِهِمْ عِنْدَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَاَللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ۔[2]

معروف مفسر امام آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں حقیقت محمدیہ ﷺ کے بیان میں اس حدیث کو بیان کیا ہے پھر اس روایت کو سورۃ الفتح کی آیت انافتحنالک فتحامبینا میں لک کی تفسیر میں لکھا ہے:

أن لام لک للتعليل، وحاصله أظهرنا العالم لأجلک وهو في معنى ما يروونه من قوله سبحانه: لولاک لولاک ما خلقت الأفلاک۔

لک میں لام تعلیل کیلئے ہے حاصل کلام یہ ہے کہ ہم نے عالم کو آپ ﷺ کی خاطر ظاہر کیا اس کا یہ معنی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں بیان ہوا ہے کہ اے حبیب ﷺ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو میں اس کائنات کو پیدا نہ کرتا۔ معلوم ہوا کہ مفسرین کرام و دیگر ائمہ کرام نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے۔ الفاظ میں فرق تو ہو سکتا ہے لیکن معنًا یہ روایت بالکل درست ہے نور نبی ﷺ کی اولیت تخلیق کے حوالے سے ذخیرہ کتب احادیث میں کئی روایات ملتی ہیں۔[3]

قالت الصوفية العلية أرواحنا أجسادنا وأجسادنا أرواحنا- وقد تواتر عن كثير من الأولياء انهم ينصرون أولياءهم ويدمرون أعداءهم ويهدون الى الله تعالى من يشاء الله تعالى- وقد ذكر المجدد رضى الله عنه- ان ارباب كمالات النبوة بالوراثة أقلت وهم الصديقون والمقربون في لسان الشرع) يعطى لهم من الله تعالى وجودا موهوبا۔

---

[1] (المدخل أبو عبد الله محمد بن محمد بن محمد العبدري الفاسي المالكي الشهير بابن الحاج ص ۲۵۵ ج ۲)

[2] (المدخل أبو عبد الله محمد بن محمد بن محمد العبدري الفاسي المالكي الشهير بابن الحاج ص ۲۵۵ ج ۲)

[3] (روح المعانی ج ۲۶ ص ۱۲۹)

یعنی حضرات اولیائے کرام نے ارشاد فرمایا کہ ہماری روحیں ہمارے جسم ہوں گے اور ہمارے جسم کثافت بدنی دور کر کے ہماری روح بن گئے اور یقیناً تواتر کے ساتھ بے شمار حضرات اولیائے کرام سے ثابت ہے کہ اولیائے کرام اپنے دوستوں نیاز مندوں کی مدد کرتے ہیں اور دشمنوں کو ہلاک وتباہ کرتے ہیں اور کافروں کو اسلام کی ہدایت کرتے ہیں تبلیغ اسلام میں حصہ لیتے ہیں اور حضرات صدیقین اور مقربین کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص وجود عطا فرمایا ہے۔[1]

علامہ احمد صاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر صاوی میں فرماتے ہیں:

فالانبیاء وسائط لاممهم فی کل شئی وواسطتهم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والتسلیمات اپنی امتوں کیلئے ہر شئے میں وسائط اور وسیلے ہیں۔ اوران کا واسطہ اور وسیلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔[2]

اس میں ہے:

فهو الواسطة لکل واسطة حتی آدم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر واسطہ کا واسطہ ہیں یہاں تک کہ آدم علیہ السلام کے بھی۔[3]

(۵۹) مسئلہ نمبر انسٹھ: انبیاء کرام علیہم السلام کی گستاخی کرنا کفر ہے

واعلم انه قد اجتمعت الامة علی ان الاستخفاف بنبینا وبأی نبی کان من الأنبیاء کفر سواء فعله فاعل ذلک استحلالا أم فعله معتقدا بحرمته لیس بین العلماء خلاف فی ذلک والقصد للسب وعدم القصد سواء إذ لا یعذر أحد فی الکفر بالجهالة ولا بدعوی زلل اللسان إذا کان عقله فی فطرته سلیما۔[4]

(۶۰) مسئلہ نمبر ساٹھ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ دنیوی اور برزخی میں کچھ فرق نہیں

وقد قال علماءنا لا فرق بین موته وحیاته فی مشاهدته لأمته ومعرفته بأحوالهم وعزائمهم وخواطرهم، وذلک عنده جلی لا خفاء به الخ۔

---

[1] (التفسیر المظهري ج ۱ ص ۱۵۲ سورۃ البقرۃ الآیۃ ۱۵۴)
[2] (تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۰۷)
[3] (تفسیر صاوی ج ۱ ص ۲۲)
[4] (تفسیر روح البیان ج ۳ ص ۳۹۴)

یعنی ہمارے علمائے کرام نے فرمایاہے کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی حیات دنیوی اوراس وقت کی حالت میں کوئی فرق نہیں وہ اپنی امت کو دیکھتے ہیں ان کے احوال کو پہچانتے ہیں ان کی نیتوں اوردلوں کوخوب جانتے ہیں ان پر کچھ پوشیدہ نہیں سب کچھ روشن ہے۔[1]

أخرج الطبرانی عن ابن عمر قال: قال رسول الله -صلی الله علیه وسلم-: «إن الله قد رفع لی الدنیا، فأنا أنظر إلیها وإلی ما هو کائن فیها إلی یوم القیامة، کأنما أنظر إلی کفی هذه۔[2]

قال الشعراني وأخبرني من صحب الشيخ محمد الخضری انه خطب فی خمسين بلدة في يوم واحد خطبة الجمعة وصلّى بهم اماما۔

یعنی قطب وقت سیدنا امام الشعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس شخص نے بتایا جو کہ شیخ محمد حضری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں رہا کہ حضرت شیخ حضری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک ہی دن میں ایک ہی وقت میں پچاس شہروں میں جمعہ کا خطبہ دیا اور نماز جمعہ پڑھائی۔[3]

(٦١) مسئلہ نمبر اکسٹھ: ’’شب باشی‘‘ لفظ کی تحقیق اور جوابات

بعض علمائے کرام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور سید محمد باقی الزرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبور میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں اور وہ ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں اس کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب: آیت کریمہ ہے: وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (سورة البقرة ٢٥) سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر جنتی کو جنت میں پاک بیبیاں ملیں گی حضور ﷺ کا جنتی ہونا بھی اظہر من الشمس ہے اور الطیبت للطیبین کے قانون کے تحت ازواج مطہرات کا پاک ہونا بھی واضح ہے۔ وما بین بیتی ومنبری روضة من ریاض الجنة سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کے گھر اور منبر کے درمیان بھی جنت ہے اوراب چونکہ حضور ﷺ جنت میں ہوئے اورہر جنتی کو بیویاں ملنا ثابت ہو گیا لہذا حضور ﷺ کیلئے ازواج مطہرات کا پیش کیا جانا بھی واضح ہو گیا اوراس پر جماع کا اضافہ مخالفین کرتے ہیں اور شب باشی

---

[1] (المواهب اللدنیة بالمنح المحمدیة ج ٢ ص ٣٨٧ فصل ثانی زیارة قبره الشریف)
[2] (المواهب اللدنیة بالمنح المحمدیة ج٣ ص ١٢٩)
[3] (تفسیر روح البیان ج ٩ ص ٣١٦)

سے استدلال کرتے ہیں یہ غلط ہے کیونکہ شب باشی کا معنی صرف جماع نہیں ہے بلکہ شب گزارنے کے معنی میں بھی آتا ہے البتہ مطلب صاف ظاہر ہے۔[1]

علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری کے مجموعہ افادات میں نقل ہے:

پھر یہ کہ اہل نجاتِ کے لئے وہاں چار قسم کے مکان ہوتے ہیں ایک تو اپنے رہنے اور شب باشی کا خاص مکان دوسرا اپنے وابستگان وعقیدت مندوں سے ملاقات کا درباری دیوان، تیسرے سیر وتماشا وتفریح کے مقامات جیسے آبِ زم زم، مساجد متبرکہ اور دوسری دنیا وعالم برزخ کی نزہت گاہیں۔ چوتھے دوستوں اور ہمسایوں سے ملاقات کرنے کے دیوان خانے اور لان وغیرہ۔[2]

(٦٢) مسئلہ نمبر باسٹھ: جب کسی اُمور میں پریشان ہو تو اہلِ قبور سے مدد طلب کرو

وقيل: إقسام بالنفوس الفاضلة حالة المفارقة لا بد أنها بالموت فإنها تنزع عن الأبدان غرقا أي نزعا شديدا من أغرق النازع في القوس إذا بلغ غاية المدى حتى ينتهي إلى النصل لعسر مفارقتها إياها حيث ألفنه وكان مطية لها لاكتساب الخير ومظنة لازدياده فتنشط شوقا إلى عالم الملكوت وتسبح به فتسبق به إلى حظائر القدس فتصير لشرفها وقوتها من المدبرات أي ملحقة بالملائكة أو تصلح هي لأن تكون مدبرة كما قال الإمام إنها بعد المفارقة قد تظهر لها آثار وأحوال في هذا العالم فقد يرى المرء شيخه بعد موته فيرشده لما يهمه. وقد نقل على جالينوس أنه مرض مرضا عجز عن علاجه الحكماء فوصف له في منامه علاجه فأفاق وفعله فأفاق وقد ذكره الغزالي ولذا قيل: وليس بحديث كما توهم «إذا تحيرتم في الأمور فاستعينوا من أصحاب القبور» أي أصحاب النفوس الفاضلة المتوفين ولا شك في أنه يحصل لزائرهم مدد روحاني ببركتهم، وكثيرا ما تنحل عقد الأمور بأنامل التوسل إلى الله تعالى بحرمتهم۔[3]

پھر فرماتے ہیں:

وقيل: إقسام بالنفوس حال سلوكها وتطهير ظاهرها وباطنها بالاجتهاد في العبادة والترقي في المعارف الإلهية فإنها تنزع عن الشهوات وتنشط إلى عالم القدس فتسبح في مراتب الارتقاء فتسبق إلى الكمالات حتى تصير من المكملات للنفوس الناقصة۔[4]

---

[1] (فتاویٰ اویسیہ ص ٦٠)

[2] (انوار الباری شرح الصحیح البخاری، ج١٨، ص ٢٥٠، ادارۂ تالیفات اشرفیہ، ملتان)

[3] (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني ج ١٥ ص ٢٢٥ سورة النازعات آية ٢٥)

[4] (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني ج ١٥ ص ٢٢٥ سورة النازعات آية ٢٥)

(۶۳)مسئلہ نمبر تریسٹھ: مصافحہ کی تعریف

اما تعریف المصافحة وهى الصاق الكف بالكف و اقبال الوجه بالوجه فاخذ الاصابع ليس بمصافحة خلافا للروافض اه:[1]

وهو ماخوذ من قول ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه علمنى النبى ﷺ التشهد و كفى بين كفيه۔[2]

اما الفصل الاول: ففيه انواع اربعة

(۱)النوع الاول فى كون المصافحة سنة قديمة متوارثة[3].

(۲)و المصافحة سنة قديمة۔[4]

(۳)المصافحة سنة قديمة متوارثه اه[5].

(۴)المصافحة سنة قديمة متوارثة اه۔[6]

(۵)المصافحة سنة قديمة متوارثه فى البيعة و نحو ذالک آه۔[7]

(۶)المصافحة سنة قديمة متوارثة فى السنة اه۔[8]

(۷)المصافحة سنة عقب الصلوات كلها و عند كل لقاء اه۔[9]

(۸)المذهب المفتى به ان المصافحة سنة بعد الصلوات كلها اه۔[10]

(۹)و كذا تطلب المصافحة فهى سنة عقب الصلوات كلها و عند كل لقاء اه۔[11]

---

[1](الطحطاوى:ص:۱۷۴:والدر المنتقى ثم الشامى: ج:۵: كراهية:ص: ۲۴۴: وصلوة المسعودى ثم جامع الرموز ج:۳: كراهية: ص:۴۳۷:تحرير ابن الهمام وشرحه ثم رسائل الشامى:ص: ۳۰:)

[2](رواه البخارى: ج: ۴: مصافحه: ص: ۵۸: (وسنة المصافحة) والسنة فى المصافحة ان تكون بكلتا يديه اه: مجمع الانهر: ج: ۲: كراهية: ص: ۵۲۰: والمنية ثم جامع الرموز: ج:۳:ص ۴۳۶:والقنيه ثم الدر المختار: ج:۵:ص: ۲۴۴:والدر المنتقى ثم الشامى: ج: ۵:ص: ۲۴۴:والخزانة ثم عالمكيرى: ج:۶:ص ۱۶۵)

[3](۱) المصافحة سنة زيلعى: ج:۶: كراهية: ص:۲۵ والدر المختار: ج: ۵: مصافحه: ص: ۲۴۴: ومجمع الانهر: ج: ۲: ص: ۵۲۰: وشرح الياس: ج: ۲: ص: ۱۵۱: والشرنبلالية ثم الطحطاوى عيدين: ص: ۳۱۹: والشيخ ابو الحسن البكرى والشمس الحانوتى ورد المحتار: ج:۵: كراهية: ص: ۵۱۳: واذكار النووى ثم رد المحتار: ج: ۵: ص: ۲۴۴: وعيسىٰ البخارى: ج:۱۰: مصافحه: ص: ۴۹۴: والاشعة: ص: ۱۳: مصافحه والمرقاة على المشكوة مصافحه: ص: ۴۰۱:

[4]زيلعى: ج: ۶: كراهية: ص: ۲۵: والدر المختار: ج: ۵: ص: ۲۴۴: ومجمع الانهر: ج: ۲: كراهية: ص: ۵۲۰: وشرح الياس: ج: ۲: كراهية: ص: ۱۵۱:

[5](زيلعى: ج: ۶: كراهية: ص: ۲۵: ومجمع الانهر: ج: ۲: ص: ۵۲۰: وهدايه: ج: ۲: كراهية: ص: ۱۷۳يا ص: ۴۶۶:

[6](الدر المختار: ج:۵: كراهية: ص: ۲۴۴:)

[7](زيلعى: ج: ۶: ص: ۲۵:)

[8](مجمع الانهر: ج: ۲: ص: ۵۲۰:)

[9](شرنبلالية ثم الطحطاوى عيدين: ص: ۳۱۹: والشيخ ابو الحسن البكرى والشمس الحانوتى ثم رد المحتار: ج: ۵: كراهية: ص: ۲۴۴:)

[10](الشمس الحانوتى ثم رد المحتار: ج: ۵: كراهية: ص: ۲۴۴:)

[11](طحطاوى عيدين: ص: ۳۱۹:)

(۱۰) قال الشیخ ابو الحسن البکری تقیید النووی بما بعد الصبح والعصر علی عادۃ کانت فی زمنہ والا فعقب الصلوات کلھا کذالک (ای جائز سنۃ) فی رسالۃ الشرنبلالیۃ فی باب المصافحۃ:

(۱۱) ونقل مثلہ عن الشمس الحانوتی وانہ افتی بہ مستدلا بعموم النصوص الواردۃ فی مشروعیتھا وھو الموافق لماذکرہ الشارح من اطلاق المتون اھ۔[1]

(۱۲) وقال النووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المصافحۃ سنۃ مجمع علیھا علی الاطلاق ویستثنی من عموم الامر بالمصافحۃ المرأۃ الاجنبیۃ والامرد الحسن اھ۔[2]

(۱۳) ومن المطلوب المصافحۃ لما ورد انھا تذھب الغل من القلوب آہ۔[3]

(۱۴) وقال ابن بطال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المصافحۃ حسنۃ (ای فی ضمن سنۃ) عند عامۃ العلماء وقد استحبھا مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بعد کراھتہ اھ۔[4]

(۱۵) وکرہ معانقتہ فی ازار واحد ولو کان علیہ قمیصًا جاز (بلا کراھۃ بقرینۃ المقابلۃ فی ضمن السنۃ کما مر) کالمصافحۃ اھ۔[5]

(۱۶) ای کما تجوز المصافحۃ لانھا سنۃ قدیمۃ الخ۔[6]

(۱۷) واطلاق المصنف تبعا للدرر والکنز والوقایۃ والنقایۃ والمجمع والملتقی وغیرھا یفید جوازھا (ای فی ضمن السنۃ کما مر) مطلقا ولو بعد العصر اھ۔[7]

(۱۸) لا باس (ای لا حرمۃ ولا کراھۃ لانھا سنۃ کما مر) بالمصافحۃ اھ۔[8]

(۱۹) لاتنکر المصافحۃ بل ھی سنۃ عقب الصلوات کلھا وعند کل لقی الشرنبلالی علی درر الاحکام علی غرر الاحکام: ص: ۱۴۲: باب العیدین:

(۲۰) اما المصافحۃ المتعارفۃ فمباح (ای فی ضمن السنۃ کما مر) لکن ینبغی ان تکون بعد السلام لتوافق اصل السنۃ (الاخری) اھ۔[9]

---

[1] (شامی ج۵: کراھیۃ: ص: ۲۴۴:)
[2] عینی البخاری: ج: ۱۰: مصافحہ: ص: ۴۹۴:)
[3] (: صاوی: ج: ۱: نساء: ص ۲۳۴:)
[4] (عینی البخاری: ج: ۱۰: مصافحہ: ص: ۴۹۴:)
[5] (الکنز والزیلعی: ج: ۶: کراھیۃ: ص: ۲۵:)
[6] (تنویر الابصار الدر المختار: ج: ۵: کراھیۃ: ص: ۲۴۴: والوقایۃ وشرح الوقایۃ: ج: ۲: کراھیۃ: ص: ۳۴۲: وجامع الفوائد: ص: ۳۷۸:)
[7] (: الدر المختار: ج: ۵: کراھیۃ: ص: ۲۴۴:)
[8] (: زیلعی: ج: ۶: کراھیۃ: ص ۲۵ وبدایہ وھدایہ: ج: ۴: کراھیۃ: ص: ۴۶۶: یا: ص: ۱۷۱۳: والملتقی: ج: ۲: ص: ۵۲: وشرح الیاس: ج: ۲: کراھیۃ: ص: ۱۵۱:)
[9] (قطب الارشاد عیدین: ص: ۲۸۱:)

النوع الثانی فی الاحادیث المطلقۃ و العامۃ تجری علی اطلاقہا عمومہا

(۱) عن قتادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قلت لانس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکانت المصافحۃ فی اصحاب رسول اللہ ﷺ قال نعم۔[1]

(۲) و صافح حماد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن المبارک بیدیہ اھ۔[2]

(۳) قال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ علمنی النبی ﷺ التشہد و کفی بین کفیہ۔[3]

(۴) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رجل یا رسول اللہ (الی قولہ) افیاخذ ید اخیہ و یصافحہ قال نعم ھٰذا حدیث حسن اھ۔[4]

(۵) عن ابن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا مع النبی ﷺ وھو اخذ بید عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن الخطاب۔[5]

(۶) قال کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ دخلت المسجد فاذًا برسول اللہ ﷺ فقام الی طلحۃ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہرول حتی صافحنی و ھنأنی۔[6]

(۷) قال علیہ السلام من صافح اخاہ المسلم و حرک یدہ تناثرت ذنوبہ۔[7]

(۸) قال رسول اللہ ﷺ اذا صافحتم فخذوا الابہام فان فیہ عرقا ینشعب منہ المحبۃ اھ۔[8]

(۹) و من المطلوب المصافحۃ لما وردانہا تذھب الغل من القلوب آہ۔[9]

(۱۰) و عن عطاء بن عبد اللہ الخراسانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال تصافحوا یذھب الغل و تہادوا تحابوا و تذھب الشحناء۔[10]

(۱۱) عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی اربعًا قبل الہاجرۃ فکانما صلاھا فی لیلۃ القدر و المسلمان اذا تصافحا لم یبق بینہما ذنب الا سقط۔[11]

اقول بقوتہ و حولہ ان ھذہ الاحادیث الصحیحۃ تدلّ باطلاقہا و عمومہا علی ان المصافحۃ سنۃ عقب الصلوات کلہا و عند کل لقی و عند التفرق و عند البیعۃ و غیرھا لان الاصل ان المطلق یجری علی اطلاقہ فی الاوصاف اھ: نور

---

[1] (:اخرجہ البخاری:ج:۴:مصافحہ:ص:۵۸ و مشکوۃ:مصافحہ:ص ۳۹۳:و نصب الرایہ:ج:۲:کراھیۃ:ص ۲۹۹:)

[2] (بخاری:ج:۴:مصافحہ:ص:۵۸:و عینی البخاری:ج:۱۰:مصافحہ:۴۵۵:)

[3] رواہ البخاری:ج:۴:مصافحہ:ص ۵۸:)

[4] (ترمذی:ج:۲:مصافحہ:ص ۳۲۹:)

[5] (رواہ البخاری:ج:۴:مصافحہ:ص:۵۸:فان اخذ الید مصافحۃ اہ:عینی البخاری:ج:۱۰:مصافحہ:ص:۲۳۴:یا:ص:۴۹۵:علی اختلاف المطابع)

[6] (اخرجہ البخاری:ج:۴:مصافحہ:ص:۵۸ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و مشکوۃ:ص:۳۹۳:و نصب الرایہ:ج:۲:کراھیۃ:ص:۳۹۹:)

[7] (ھدایہ:ج:۲:کراھیۃ:ص ۴۷۱ و زیلعی:ج:۶:ص:۲۵ و بحر:ج۶:کراھیۃ:ص:۲۲۶ و جامع الرموز:ج:۳:کراھیۃ:ص:۴۳۶:و الدر المختار:ج:۵:ص:۲۴۴)

[8] (حاشیۃ الترمذی:ج:۲:مصافحہ ص:۳۲۹:و جامع الرموز:ج:۳:کراھیۃ:ص:۱۲۰)

[9] (صاوی:ج:۲:نساء:رکوع:۱۱:ص:۳۳۴)

[10] (رواہ مالک مرسلا فی مؤطا باب المہاجرۃ:ص:۷۱۸:و مشکوۃ مصافحہ:ص:۳۹۵:و کشف الغمۃ:ج:۲:مصافحہ:ص:۲۲۵(

[11] (رواہ البیہقی فی شعب الایمان ثم مشکوۃ مصافحہ:ص:۳۹۵)

الانوار عام: ص: ۷۹: وایضًا الدلیل علیه اطلاق المتون المذکورة فی الدر المختار کتاب الکراهة کما مر فراجعه ولان الاصل ان العام یوجب الحکم فیما یتناوله قطعا اه: حسامی ومنار بحث العام وهو المراد بقوله وافتی به (الشمس الحانوتی) مستدلا بعموم النصوص الواردة فی مشروعیتها اه۔[1]

النوع الثالث فی ثبوت المصافحة عند اللقاء بخمسة احادیث

(۱) عن البراء بن عازب رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال قال رسول اللّٰه ﷺ ما من مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لهما قبل ان یتفرقا هذا حدیث حسن غریب۔[2]

(۲) عن رجل من عنزة (قبیلة شهیرة) انه قال لابی ذر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه انی ارید ان اسئلک عن حدیث هل کان رسول اللّٰه ﷺ یصافحکم اذا لقیتموه قال ما لقیته قط الا صافحنی۔[3]

(۳) عن انس رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال کان اصحاب رسول اللّٰه ﷺ اذا تلاقوا تصافحوا فاذا قدموا من سفر تعانقوا اه۔[4]

(۴) وعن حذیفة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه ابن الیمان رضی اللّٰه تعالیٰ عنه عن النبی ﷺ اذا لقی المؤمن فسلم علیه واخذ بیده فصافحه تناثرت خطایاهما کما یتناثر ورق الشجر۔[5]

(۵) عن ابی امامة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه ان رسول اللّٰه ﷺ قال من تمام عیادة المریض ان یضع احدکم یده علی جبهته او یده وتمام تحیاتکم بینکم المصافحة۔[6]

اقول ان التحیة هو السلام کما قال اللّٰه تعالی "واذا حییتم بتحیة فحیوا الخ"

(۶) عن ابن مسعود رضی اللّٰه تعالیٰ عنه عن النبی ﷺ قال من تمام التحیة الاخذ بالید۔[7]

والدلیل علیه حدیث ابی امامة المنقول من الترمذی وحدیث انس رضی اللّٰه تعالیٰ عنه رواه الترمذی وحدیث ابن مسعود رضی اللّٰه تعالیٰ عنه وحدیث ابن هشام رضی اللّٰه تعالیٰ عنه اقول بقوته تعالی ان هذه الاحادیث صریحة فی ثبوت المصافحة عند اللقاء وساکتة عن المصافحة فی غیر حالة الملاقات لان التنصیص بالشئ فی النصوص لا یدل

---

[1] (شامی: ج: ۵: کراهیة: ص ۲۴۴: کما مر)

[2] (رواه الترمذی: ج: ۲: مصافحه: ص: ۳۲۹: واحمد وابن ماجة وابو داود ثم مشکوة مصافحه: ص: ۳۹۳: وابن ابی شیبة ثم عینی علی البخاری: ج: ۱۰: ص: ۴۹۴: ونصب الرایه: ج: ۲: کراهیة: ص: ۲۹۹: وکشف الغمة: ج: ۲: ص: ۲۲۴)

[3] (رواه ابو داود ثم نصب الرایة: ج: ۲ کراهیة: ص: ۲۹۹: ومصافحه: ص: ۳۹۴: وکشف الغمة: ج: ۲: ص: ۲۲۵)

[4] (کشف الغمة: ج: ۲: ص: ۲۲۵)

[5] (رواه الطبرانی فی معجمه الاوسط والبیهقی فی شعب الایمان ثم نصب الرایه: ج: ۲: کراهیة: ص: ۲۹۸: وکشف الغمة: ج: ۲: مصافحه: ص: ۲۲۵)

[6] (رواه الترمذی: ج: ۲: مصافحه: ص: ۳۲۹: ونصب الرایه: ج: ۲: کراهیة: ص: ۲۹۹)

[7] (اخرجه الترمذی: ج: ۲: مصافحه: ص: ۳۲۹: ونصب الرایة: ج: ۲: کراهیة: ص: ۲۹۹: وکشف الغمة: ج: ۲: مصافحه: ص: ۲۲۵: فان الاخذ بالید مصافحة اه: عینی البخاری: ج: ۱۰: ص: ۴۹۴: وشرح شرعة الاسلام فصل سنن الموالات والمواخات: ص: ۴۰۲)

علی نفی ماعداہ عندنا والا یلزم الکفر والکذب فی قولہ محمد رسول اللہ ﷺ لانہ یلزم ان لا یکون غیر محمد ﷺ رسولاً و ذلک کفر و کذب اھ۔[1]

و قد ثبت المصافحۃ باحادیث الاطلاق و العموم المذکورۃ انفا۔

النوع الرابع فی ثبوت المصافحۃ عند الافتراق و التعلیم و عقب الصلوات و البیعۃ و نحو ذلک

ثبوت المصافحۃ عند الافتراق

(۱) و کان اصحاب رسول اللہ ﷺ اذا تلاقوا تعانقوا او اذا تفرقوا تصافحوا اھ۔[2]

(۲) قال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ علمنی رسول اللہ ﷺ التشھد و کفی بین کفیہ۔[3]

(۳) مطابقتہ للترجمۃ فی قولہ و کفی بین کفیہ وھو الاخذ بالیدین اھ۔[4]

(۴) و کانت الصحابۃ اذا انصرف النبی ﷺ من صلوتہ یثورون الیہ حتی یزدحموا فیاخذون یدہ فیمسحون بھا وجوھھم وصدورھم اھ۔[5]

کما مر اقول ان قولہ فیاخذون یدہ اھ: مصافحۃ کما مر فی احادیث اللقاء۔ ثبوت المصافحۃ عند البیعۃ المصافحۃ سنۃ قدیمۃ متوارثۃ فی البیعۃ و نحو ذلک اھ۔[6]

(۶۴) مسئلہ نمبر چونسٹھ: مخالفین کے اعتراضات کے جوابات اور یہ تین انواع پر مشتمل ہے

اما الفصل الثانی ففی اجوبۃ المخالفین و فیہ انواع ثلثۃ

النوع الاول فی اجوبۃ کلام الشامی الوجہ الاول ان قولہ لکن قد یقال ان المواظبۃ علیھا بعد الصلوۃ خاصۃ قد یؤدی الجھلۃ الی اعتقاد سنیتھا فی خصوص ھذہ المواضع و ان لھا خصوصیۃ زائدۃ علی غیرھا اھ: مردود لانہ نقل الشامی نفسہ عن اذکار النووی ان اصل المصافحۃ سنۃ (کما مر) و کونھم حافظوا علیھا فی بعض الاحوال و فرطوا فی کثیر من الاحوال او اکثرھا لا یخرج ذلک البعض عن کونہ من المصافحۃ التی ورد الشرع باصلھا اھ۔[7]

لان العام لا وجود لہ الا فی الخاص و الوجہ الثانی لان المصافحۃ فی ما بعد الصلوۃ خاصۃ و اظب علیھا النبی ﷺ کما مر من کشف الغمۃ و الوجہ الثالث انہ لما ثبت ان المصافحۃ سنۃ مطلقا و سنۃ بعد الصلوات کما مر فلابد من اعتقاد سنیتھا فی الخصوص للخواص و الجھلۃ فیبطل ھذا القول و الوجہ الرابع انہ لما ثبت ان المصافحۃ سنۃ

---

[1] (نور الانوار وجوہ فاسدہ: ص: ۱۵۴)

[2] (مفاتیح الجنان و شرح شرعۃ الاسلام فصل سنن الموالات الخ: ص: ۴۰۲: و کشف الغمہ: ج: ۲: ص: ۲۲۵: ثبوت المصافحۃ عند التعلیم)

[3] (اخرجہ البخاری: ج: ۴: مصافحہ: ص: ۵۸:)

[4] (عینی البخاری: ج: ۱۰: مصافحہ: ص: ۴۹۵: ثبوت المصافحۃ عقیب الصلوات من النبی ﷺ و الصحابۃ رضی اللہ عنہ)

[5] (کشف الغمہ: ج: ۱: فصل فی السلام: ص: ۱۰۹)

[6] (زیلعی: ج: ۶: کراھیۃ: ص: ۲۵: و البحر الرائق: ج: ۸: کراھیۃ: ص: ۲۲۶)

[7] (شامی: ج: ۵: ص: ۲۴۴)

قدیمۃ متوارثۃ متواترۃ بالاطلاق والعموم فلا مجال للانکار عن صدور المصافحۃ بعد الصلوات کلھا عن جمیع السلف رضی اللہ تعالیٰ عنہ الصالح والمجتھدین الا للجاھل او العنید والوجہ الخامس انہ لا شک فی بطلان القول المذکور لما اخرجہ البخاری والمشکوۃ ونصب الرایہ عن قتادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی اول الاحادیث المطلقۃ۔ ولھذا (۱) قالوا لا تنکر المصافحۃ الخ (۲) ویجوز المصافحۃ بلا کراھیۃ (۳) واطلاق المتون یفید جوازھا مطلقا ولو بعد العصر کما مر الکل والوجہ السادس ان قولہ وظاھر کلامھم انہ لم یفعلھا احد من السلف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی ھذہ المواضع اھ وقول الملتقط لان الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما صافحوا بعد اداء الصلوۃ اھ۔ مردود لانہ قال علماء الاصول فصل الاحتجاج بلا دلیل منھا الاستدلال بعدم العلۃ علی عدم الحکم اھ۔[1]

والوجہ السابع ان عدم علم الشامی والملتقط واتباعھما بفعل السلف رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیس بحجۃ فی دین اللہ تعالی کما قال ابن الھمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فی فتح القدیر والحلبی فی الکبیری فصل البیر ان عدم علم الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وقرینہ بوجود حدیث وقوع الزنجی فی بیر زمزم وحکمہ لیس بحجۃ فی دین اللہ تعالی فاین مقام الشامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ والملتقط من مقامھما والوجہ الثامن ان ھذا غلط لوجود مواظبۃ الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کما مر من کشف الغمہ والوجہ التاسع ان قولہ وکذا قالوا بسنیۃ قرائۃ السور الثلاث فی الوتر مع الترک احیانا لئلا یعتقد وجوبھا اھ مردود لان دلیلہ بجمیع مقدماتہ جاز فی سنۃ الفجر وسنۃ الظھر القبلیۃ والبعدیۃ وسنۃ المغرب وسنۃ العشاء والحکم متخلف عنہ فظھر ان ھذا الدلیل والتمثیل غلط والوجہ العاشر ان ھذا الدلیل جار فی سنیۃ الامامۃ وسنیۃ الاذان وسنیۃ الختنۃ للصغار وسنیۃ اعفاء اللحیۃ وسنیۃ قص الشوارب وغیرھا مع ان الحکم متخلف عنہ فظھر بطلان ھذہ الحیل الرکیکۃ بل القول بسنیۃ السور من کلمات الغالین لعدم المواظبۃ والوجہ الحادی عشر ان قولہ ونقل فی تبیین المحارم عن الملتقط انہ تکرہ المصافحۃ بعد اداء الصلوۃ بکل حال اھ وقول المرقاۃ صرح بعض علمائنا بانھا مکروھۃ اھ مردود لان المکروہ لا بد لہ من دلیل ظنی کالمخصوص البعض من القرآن وخبر الواحد من الحدیث لانھم عرفوا المکروہ بقولھم ما ثبت بدلیل فیہ شبھۃ اھ الدر المختار والشامی: ج: ۱: ص: ۴۲۹: ولم یوجد شئ من الدلائل لمنع المصافحۃ بعد الصلوۃ ولا مطلقا وقد مر ثبوتھا بانواعھا فراجع والوجہ الثانی عشر ان القول بالکراھۃ المذکور غلط (۱) لانہ مخالفا من قول الحنفیۃ المعتبرۃ الاربعۃ عشر لم تکرہ المصافحۃ اھ مطلقا کما مر (۲) ومخالف من ان المصافحۃ سنۃ اھ کما مر من اربعۃ عشر (۳) ومخالف من ان المصافحۃ سنۃ قدیمۃ متوارثۃ اھ کما مر (۴) ومخالف من ان المصافحۃ سنۃ قدیمۃ متوارثۃ اھ مجمع الانھر کما مر (۵) ومخالف من ان المصافحۃ سنۃ قدیمۃ متوارثۃ فی البیعۃ ونحو ذلک اھ زیلعی وبحر کما مر (۶) ومخالف من اطلاق المتون اھ الدر المختار کما مر (۷) ومخالف من ان المصافحۃ سنۃ بعد الصلوات کلھا وبہ افتی الشمس الحانوتی وشامی (۸) ومخالف من ان المصافحۃ سنۃ عقب الصلوات کلھا وعند کل لقاء اھ شرنبلالیۃ وطحطاوی والدر المختار کما مر والوجہ الثالث عشر ان قولہ ولانھا من سنن الروافض اھ ملتقط وشامی مردود لان بین مصافحۃ اھل السنۃ والجماعۃ

---

[1] (اصول الشاشی والفصول آخر الکتاب: ص: ۳۶۶)

ومصافحۃ الروافض فرقًا جليًا لانہ قال فی القهستانی وغيره المصافحۃ الصاق الكف بالكف واقبال الوجه بالوجه فاخذ الاصابع ليس بمصافحۃ خلافا للروافض اھ۔[1]

فيا اسفى على المانعين اليس اهل السنۃ والجماعۃ والروافض ياكلون ويشربون ويلبسون بل المشابهۃ بالفِرق الضالۃ ممنوع فيما يكون من شعارهم وهذه ليس من شعارهم والوجه الرابع عشر انک عرفت سنيۃ المصافحۃ مطلقا ومقيدا بما بعد الصلوات كلها فاى حرج فى كون شئ واحد سنۃ عند الفريقين الا ترى الى ان الاشتراک فى اكثر العقائد والفروع كما لا يخفى على ماهر العلمين واما قول الجاهل وما فى الملتقط والكافى والناصرى وفتح القدير والجامع وصلوة مسعودى وغيرها من الكتب الحنفيۃ ان المصافحۃ بعد اداء صلوة العيدين من سنن الروافض اھ مردود لان الملتقط مراجوبته واما الحوالۃ على فتح القدير فكذب واما على الجامع وصلوة مسعودى فايضا فانه لم يوجد فى الكتب الثلثۃ هذه العبارة وما فيها قولهم المصافحۃ الصاق الكف بالكف واقبال الوجه بالوجه اھ ابن اثير فاخذ الاصابع ليس بمصافحۃ خلافا للروافض اھ۔[2]

لا يفيد معنى العبارة المكذوبۃ وكذا حال الناصرى والكافى والوجه الخامس عشر ان قوله ثم نقل عن ابن حجر من الشافعيۃ انها بدعۃ مكروهۃ اھ وقوله ثم قال قال ابن الحاج من المالكيۃ فى المدخل انها من البدع اھ: شامى والمرقات وقال الشيخ عبدالحق الدهلوى "آنچه بعض مردمان بعد از نماز جمعه وعیدین مصافحه میکنند بدعت است از جهت تخصیص باین وقت پس سنت مصافحه على الاطلاق است اھ" وغيرها مردود لانهم عرفوا البدعۃ بقولهم هى اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول ﷺ لا بمعاندة بل بنوع شبهۃ اھ۔[3]

وغيرها فظهر ان البدعۃ لا يكون الا شيئًا يكون مخالفًا عن شئ آخر معروف عن الرسول ﷺ ولا شک انه لا شئ هنا سوى المصافحۃ فلا يصدق اطلاق البدعۃ هنا والوجه السادس عشر ان اريد البدعۃ بمعنى ما حدث بعد القرون الثلاثۃ فليس على اطلاقه لما روى عن ام المؤمنين عائشۃ رضى الله عنها قال رسول الله ﷺ من احدث فى امرنا هذا ما ليس منه فهو رد متفق عليه اھ۔[4]

ولما قال القارى فى شرحه المعنى ان من احدث فى الاسلام رايا لم يكن له من الكتاب او السنۃ سند ظاهر او خفى ملفوظ او مستنبط فهو مردود عليه مرقاة اعتصام: ص:۲۷: لانه عليه السلام قيد المحدث بقوله ما ليس منه اھ وفسره القارى بقوله رايا لم يكن له من الكتاب او السنۃ سند الخ ولا شک ان للمصافحۃ بعد الصلوات كلها سند ظاهر من السنۃ مطلقا ومقيدا كما مر فلا جرم تكون مقبولۃ والوجه السابع عشر: (۱) انه اقر واعترف القارى بان اتيان السنۃ فى بعض الاوقات لا يسمى بدعۃ اھ: مرقات على المشكوة مصافحه: ص: ۱۰۳: (۲) وقال النووى فى الاذكار لا باس

[1] (الطحطاوى:ص:۱۷۴: والدر المنتقى ثم الشامى: ج:۵: كراهيۃ: ص:۲۴۴: والصلوة المسعوديۃ ثم جامع الرموز: ج:۲: كراهيۃ: ص:۴۳۷)
[2] (مسعودى ثم جامع الرموز كراهيۃ: ص:۴۳۷ وطحطاوى: ص:۱۷۴)
[3] (درمختار والشمنى ثم الشامى ج ۱ امامۃ ص ۳۷۷ وشرح النخبۃ ص ۵۲)
[4] (ثم المشكوة اعتصام: ص:۲۷)

بالمصافحة بعد الصلوات فان اصل المصافحة سنة و کونهم حافظوا علیها فی بعض الاحوال فرطوا فی کثیر من الاحوال او اکثرها لا یخرج ذلک البعض عن کونه من المصافحه التی ورد الشرع باصلها اھ۔[1]

فاطلاق البدعة علی هذه المصافحة غلط فاحش و الوجه الثامن عشر ان الشیخ عبد الحق رحمة اللہ تعالیٰ علیه لما اعترف بقوله "پس سنت مصافحه علی الاطلاق است اھ" و لا شک ان المطلق یجری علی اطلاقه فی الاوصاف اھ۔[2]

و قد اتفق اصحاب العقول علی انه لا وجود للمطلق الا فی المقیدات فاعتراف الشیخ رحمة اللہ تعالیٰ علیه بسنیة مطلق المصافحة اعتراف بالمخصوص و المقید فظهر ان الانکار عن المخصوص و المقید باطل و الوجه التاسع عشر ان قول ابن حجر لا اصل لها فی الشرع اھ: شامی و مجالس الابرار مردود لان له اصلا بالخصوص کما مر من کشف الغمه کما ان له اصلا بالعموم کما مر و الوجه العشرون ان هذا القول مردود لان له اصلا فی الشرع من تسعة الاحادیث الصحیحة المطلقة و العامة کما مرت و الوجه الحادی و العشرون ان هذا القول مردود لان الشرنبلالی و الطحطاوی و الحصفکی و الشیخ ابو الحسن البکری و الشمس الحانوتی و غیرهم الذین هم اعلم و اقوی من ابن حجر و ابن الحاج کما مر فثبت ان للمصافحة المعتادة بعد الصلوات اصلا اصیلا و المنکرون صرحوا بعدم علمهم باصلها و عدم علم احد لا یصلح حجة فی دین اللہ تعالی کما مر فی الوجه السابع فتذکر و الوجه الثانی و العشرون ان کون المصافحة سنة اھ علی الاطلاق کما مر من اربعة عشر کُتُبا و کونها سنة قدیمة آه علی الاطلاق کما مرّ من ستة کتب و کونها سنة متوارثة آه کما مرّ من ستة کُتُب و کونها سنة متواترة علی الاطلاق کما مرّ من ثلاثة کتب صریحة فی ان للمصافحة المعتادة بعد صلوة العیدین اصلا قویا شرعا۔ فالانکار عنه جهالة و تصریح بالاستقراء الناقص او تصریح بعدم فهم العبارات شعر و کم من عائب قولا صحیحا و افته من الفهم السقیم و الوجه الثالث و العشرون ان قول ابن حجر و ان ینبه فاعلها او لا و یعزر ثانیا اھ: شامی و قول ابن الحاج فینهی من ذلک و یزجر فاعلها لما اتی به من خلاف السنة اھ: شامی مردود لانه من قبیل بناء الفاسد علی الفاسد و الوجه الرابع و العشرون انه لما ثبت ان المصافحة سنة قدیمة متوارثة متواترة عموما و خصوصا کما مر فالقول بالتنبیه و التعزیر و النهی و الزجر غیر صحیح لبطلان ما فرع علیه و الوجه الخامس و العشرون انه لما اعترف ابن الحاج و غیره بان الاتیان بخلاف السنة علة موجبة للتنبیه و التعزیر و النهی و الزجر و قد ثبت ان المصافحة سنة عمومًا و خصوصًا فظهر ان القول المنقول من ابن حجر و ابن الحاج موجب للتنبیه و التعزیر و النهی و الزجر لهما و الوجه السادس و العشرون ان قول ابن الحاج و موضع المصافحة المشروعة انما هو عند لقاء المسلم لاخیه لا ادبار الصلوات فحیث وضعها الشرع یضعها اھ: شامی و قول القاری محل المصافحة المشروعة اول الملاقات اھ: مرقات و قول مجالس الابرار فیثبت شرعیة المصافحة عند لقاء المسلم لاخیه اھ و غیرها مردود لان شرعیة المصافحة ثبت فی مواضع متعددة سوی اللقاء کما مر فالحصر فی

---

[1] (اذکار نووی ثم الشامی: ج:۵: کراهیة: ص:۲۴۴)

[2] (نور الانوار عام: ص:۷۹)

اللقاء باطل والوجه السابع والعشرون ان تسعة الاحاديث الصحيحة المطلقة الجارية على الاطلاق يثبت شرعية المصافحة فى مواضع متعددة فبطل الحصر فى موضع اللقاء والوجه الثامن والعشرون ان احاديث مصافحة اللقاء الخمسة المذكورة تدل على وقوع المصافحة عند اللقاء وليس فيها شئ يدل على حصر شرعية المصافحة باللقاء فالحصر باطل وانظروا الى ابن الحاج فان قوله لا ادبار الصلوات اه بعد ذكر لفظ انما آه فى قوله و موضع المصافحة فى الشرع انما هو عند لقاء المسلم لاخيه لا ادبار الصلوات اه حشو على قواعد العربية والوجه التاسع والعشرون ان قوله فحيث وضعها الشرع يضعها اه مبنى على زعمه الفاسد لكنه يفيدنا لان الشرع وضع المصافحه فى مواضع متعددة ليس موضع اللقاء الا واحدًا منها كما مر فلاجرم يضعها المسلم فى كل واحد منها فاين المفر للمانع والوجه الثلاثون ان قوله ما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلوة الصبح والعصر فلا اصل له فى الشرع على هذا الوجه اذكار النووى ثم الشامى لا يكاد يصح لان صلوة الصبح وصلوة العصر فردان من الصلوات كلها فى قول الشمس الحانوتى والدر المختار وغيرها والوجه الحادى والثلاثون ان الاحاديث المطلقة والعامة الصحيحة المذكورة مثبتة لاصله فى الشرع على هذا الوجه ولا يلزم ان لا يفترض الصلوة على زيد بقوله تعالى "اقيموا الصلوة" لانه عام فلا اصل لفرضية الصلوة على زيد على هذا الوجه فيبطل الشرع العياذ بالله تعالى فبطل القول المذكور والوجه الثانى والثلاثون ما قالوا واطلاق المصنف تبعا للدرر والكنز والوقاية والنقاية والمجمع والملتقى وغيرها يفيد جوازها مطلقا ولو بعد العصر اه۔[1]

اقول والى هذه الاجوبة الثلاثة الاخيرة اشار العلامة النووى بقوله ولكن لا بأس به فان اصل المصافحة سنة وكونهم حافظوا عليها فى بعض الاحوال وفرطوا فى كثير من الاحوال او اكثرها لا يخرج ذلک البعض عن كونه من المصافحة التى ورد الشرع باصلها اه۔[2]

والوجه الرابع والثلاثون ان قول الشامى اقول وهذا الحمل بعيد جدا والظاهر انه مبنى على اختلاف راى الامام النووى فى كتابيه وانه فى شرح مسلم نظر الى ما يلزم عليه من المحذور والى ان ذلک بخصوصه غير ماثور ولا سيما بعد ما قدمناه عن الملتقط من انها من سنن الروافض اه۔[3]

مردود لانه لا دليل عنده على كون هذا الحمل بعيدا جدا والا لذكره اذ السكوت فى وقت البيان حمق كما قيل:

دو چیز طیرۂ عقل است دم فرو بستن بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی۔

والوجه الخامس والثلاثون ان الاصل الاول المسلم عند اهل الاصول وعند ارباب العقول هو التوفيق كما مر بقولهم وعليه يحمل ما نقله عنه اى من النووى فى شرحه على صحيح مسلم كما صرح به ابن ملک فى شرح المجمع اه۔[4]

---

[1] (الدر المختار: ج:۵: كراهية: ص:۲۴۴)

[2] (اذكار النووى ثم الشامى: ج:۵: كراهية: ص:۲۴۴)

[3] (شامى: ج:۵: كراهية: ص:۲۴۴)

[4] (الدر المختار و رد المحتار: ج:۵: كراهية: ص:۲۴۴)

فالعدول عنه بلا دليل لا يصح والوجه السادس والثلاثون ان قوله وانه فى شرح مسلم نظر الى ما يلزم عليه من المحذور أه لا يكاد يصح لانه لا محذور ولو كان لاظهره والوجه السابع والثلاثون ان قوله والى ان ذلك بخصوصه غير ماثور أه مردود لان احكام الشرع المقبولة كما تثبت بالتقييد كذلك تثبت بالاطلاق ولا شك ان المصافحة ثابتة بالخصوص والتقييد بعد الصلوات كلها وثابتة بالعموم والاطلاق بالاحاديث والمتون فالانكار عن الخصوص غير صحيح والوجه الثامن والثلاثون ان قوله ولا سيما بعد ما قدمناه عن الملتقط من انها من سنن الروافض أه مردود لانه قد مر ترديد هذا القول فى الوجه الثالث عشر والوجه الرابع فراجعهما تمت اجوبة كلام الشامى رحمة الله تعالىٰ عليه وما فى ضمنه:

النوع الثانى فى اجوبة مجالس الابرار ان قول مجالس الابرار فى هذه المسئلة مردود بوجوه الوجه الاول ان مصنفه وهابى مبتدع لانه اعتمد واستدل بقول ابن القيم المبتدع تلميذ ابن تيمية المبتدع فى كتابه هذا فى۔[1]

وغيرها وقول المبتدع مردود كما فى نور الانوار وقمر الاقمار بحث اجماع والوجه الثانى انه قال يستقبل الزائر القبلة ويستدبر القبر عند الدعاء أه۔[2]

والوجه الثالث انه افترى هذه المسئلة على الصحابة والتابعين وابى حنيفة رضى الله تعالىٰ عنه۔ (ص:۳۵۹) وذكروا ترديده فى مسند الامام العظم وفتح القدير والترمذى والوجه الرابع انه قال الاستغاثة والاستعانة بغير الله تعالى بدعة وضلال وشرك أه۔[3]

وهذه عقيدة الوهابية والوجه الخامس انه مجهول الاسم والحال فلا يجوز الافتاء من كتابه لعدم الاطلاع على حال مؤلفه أه۔[4]

والوجه السادس ان قوله والفاء فى حديث البراء لفظ خاص للتعقيب موجبه تعقيب التصافح للالتقاء أه مردود لان الفاء على زعمه منحصر فى هذا المعنى وهو باطل لانهم قالوا ويجئ الفاء بمعنى الواو فى نحو قوله على درهم فدرهم حتى لزمه درهمان أه۔[5]

والوجه السابع ان هذا الحديث اثبت فردا واحدا من افراد المصافحة وهو ما يكون عند الملاقات فلا ينافى اثبات الافراد الاخر والوجه الثامن ان قوله فينبغى ان توضع حيث وضعها الشرع مردود لانه قد مر ترديد هذا القول فى الوجه السادس والعشرون والوجه السابع والعشرون والوجه الثامن والعشرون والوجه التاسع والعشرون والوجه الثلاثين والوجه التاسع ان قوله واما فى غير حال الملاقات مثل كونها عقيب صلوة الجمعة والعيدين كما هو العادة فى زماننا فالحديث ساكت عنه فيبقى بلا دليل وقد تقرر فى موضعه ان ما لا دليل له فهو مردود لا يجوز التقليد فيه أه مردود

---

[1](ص:۱۲۴:وص:۱۲۵:و:ص:۱۲۷:و:ص:۳۱۸:و:ص:۳۶۰)
[2](زيارة القبور من المجالس:ص:۳۵۹:وص:۳۶۵)
[3](ص:۲۴:و:ص:۱۲۴)
[4](ملخصا قاله العلامة صالح الجنينى ثم شرح الاشباه للمحقق هبة الله البعلى ثم شامى:ج:۱:رسم المفتى:ص:۴۸:وتذكرة الابرار:ص:۳)
[5](حسامى بحث الحروف:ص:۵۴)

لان مصافحة غیر حال الملاقات مثل کونها عقیب صلوة الجمعة والعیدین ثابتة عن النبی ﷺ والصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنه کما مر من کشف الغمه والوجه العاشر ان سکوت حدیث البراء رضی اللہ تعالیٰ عنه عن مصافحة غیر حال الملاقات الخ لا یدل علی عدم دلیل آخر یدل علیها کما مر دلائل المصافحة عند الافتراق والتعلیم وعقیب الصلوات والبیعة ونحو ذلک والوجه الحادی عشر ان عدم وجود الدلیل لمصافحة غیر حال الملاقات الخ فی علم صاحب المجالس لا یکون دلیلا علی عدم وجود الدلیل فی نفس الامر ولهذا قیل وکم من عائب قولاً صحیحًا وآفته من الفهم السقیم فبطل قوله لا یجوز التقلید فیه أه والوجه الثانی عشر ان قوله لا یجوز التقلید فیه فان الاقتداء لا یکون الا بالنبی ﷺ أه مردود لان تقریره هذا بجمیع مقدماته جار فی منع مصافحة العید بان المنع المذکور مما لا دلیل علیه لا یجوز التقلید فیه الخ فبطل قوله هذا والوجه الثالث عشر انه انکار من التقلید لان التقلید قبول الامام المجتهد الصالح رحمة اللہ تعالیٰ علیه بلا دلیل فظهر ان صاحب المجالس وهابی منکر التقلید والوجه الرابع عشر انه معتزلی لان المعتزلة یشترطون فی قبول قول امامه علم العالم المقلد بدلیل امامه أه۔[1]

والوجه الخامس عشر ان حصر الاقتداء بالنبی ﷺ بلفظ لا والا کما تری یدل علی انه لا یجوز الاقتداء باللہ تعالی وهو باطل فهذا القول باطل ایضًا والوجه السادس عشر ان هذا القول تضلیل مقلدی المذاهب الاربعة المعمولة لانهم لا دلیل عندهم لجهلهم بعلم المجتهد المطلق ومع هذا قلدوا امام مذهبهم والوجه السابع عشر ان قوله علی ان الفقهاء صرحوا بکراهتها وکونها بدعة (فذکر الملتقط وابن حجر وابن الحاج کما مر فی الوجه الثالث والعشرون الخ) مردود لانه قد مر تردیده فی الوجه الحادی عشر والثانی عشر والثالث عشر والرابع عشر والخامس عشر والسادس عشر والسابع عشر فراجعها لا نعیدها من کلام الشامی والوجه الثامن عشر ان قوله وهذا التصریح منهم یشعر بالاجماع أه۔ مردود لانه افتری علی الاسلام کذبا حیث ادعی الاجماع۔ وقد خاب من افتری۔ فیالیت شعری والوجه التاسع عشر انه لا یکون مشعرا بالاجماع لانه مخالف من الاحادیث الصحیحة والسنة القدیمة المتواترة۔

والوجه العشرون ان قوله وما ذکره النووی فی الاذکار وان کان مشعرا باباحة المصافحة بعد صلوة الصبح او العصر الا انه یفصح عن عدم مشروعیتها أه۔ مردود لانه بمکره وقریبه عبر عن جانب الجواز بلفظ مشعراه وعبر عن مقصوده القبیح بلفظ یفصح أه۔

والوجه الحادی والعشرون انه لسوء فهمه عن عبارة الاذکار عبر عن المشروعیة بعدم المشروعیة لانه لیس فی عبارة الاذکار لفظ یفهم العالم العاقل منه عدم المشروعیة۔ اذا لم تستحی فافعل ما شئت۔

والوجه الثانی والعشرون ان قوله بعد بیان کون المصافحة سنة او مستحبة عند الملاقاة قال واما ما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلوة الصبح والعصر فلا اصل له فی الشرع علی هذا الوجه انظر کیف اعترف بان لا اصل له فی الشرع أه۔

[1] (تحریر ابن الهمام وشرحه ثم رسائل الشامی: ص:۳۰)

مردود لانہ ذکر فی الاذکار ان المصافحۃ مستحبۃ اھ۔ ولیس فیہ لفظ سنۃ اھ۔ فصاحب المجالس یکون مفتریًا فی ھذا النقل والوجہ الثالث والعشرون انہ افتری علی النووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بقولہ انظر کیف اعترف بان لا اصل لہ فی الشرع اھ۔

لان النووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قیدہ بقولہ علی ھذا الوجہ اھ۔ لان الاصل للشئ فی الشرع قسمان احدھما الاصل لہ علی الخصوص وھو مراد النووی نفیا بقولہ فلا اصل لہ فی الشرع علی ھذا الوجہ اھ۔

وقد مر باثبات الاصل المخصوص وثانیھا الاصل علی العموم وھو مراد النووی اثباتا بقولہ لکن لا باس بہ فان اصل المصافحۃ سنۃ اھ۔

وقد مر تمامہ فی الوجہ الثالث والثلثون فراجعھا فی اجوبۃ کلام الشامی واما صاحب المجالس فقد سرق وحذف لفظ علی ھذا الوجہ اھ۔

فاظھر بان النووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اعترف بان لا اصل لہ فی الشرع لا بالخصوص وبالعموم انظروا ایھا الاخوان خیانۃ صاحب المجالس وسرتہ بتمام عباراتہ وعبارۃ النووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بقدر الحاجۃ فی ھذا الوجہ السابع عشر والوجہ الرابع والعشرون ان قولہ وبعد ھذا الاعتراف لا یفیدہ ما ذکرہ ولکن لا بأس بہ الی آخر ما قال اھ۔ مردود لانک عرفت حال الاعتراف المذکور آنفا فقولہ لا یفیدہ ما ذکرہ اھ۔ جھل ومصادمۃ للقواعد المسلمۃ لان کلمۃ لکن للاستدراک اھ۔ کتب اللغۃ وعلم اصول الفقہ والنحو وھو دفع الوھم الناشی من الکلام السابق (کتب العُلوم المذکورۃ) فلا کلام السابق ھنا قول النووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فلا اصل لہ فی الشرع علی ھذا الوجہ اھ۔ والوھم الناشی عن ھذا الکلام ھو انہ کما انہ لا اصل بالخصوص فی الشرع للمصافحۃ بعد صلوۃ الصبح والعصر کذلک لا یکون اصل بالعموم فی الشرع لھا۔

ودفع النووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ھذا الوھم بان للمصافحۃ المذکورۃ اصلا بالعموم بقولہ ولکن لا باس بہ فان اصل المصافحۃ سنۃ اھ۔ فیا اسفی علی صاحب المجالس۔ ان کنت لا تدری فذاک مصیبۃ۔ وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم۔ والوجہ الخامس والعشرون ان قولہ ولو لم یصرح الفقھاء بالکراھۃ بل کانت مباحۃ فی نفسھا لحکمنا فی ھذا الزمان بکراھتھا اذ واظب علیھا الناس واعتقدوھا سنۃ لازمۃ بحیث لا یجوز ترکھا۔ وکل مباح ادی الی ھذا فھو مکروہ الخ۔ مردود لان الفقھاء الذین صرحوا بالکراھۃ ھم صاحب الملتقط وتبیین المحارم والمرقات وکلھم من الطبقۃ السابعۃ من طبقات الفقھاء فلا عبرۃ لھم لاسیما عند مقابلۃ الاقوی منھم کما مر فی الوجہ الحادی عشر والثانی عشر والوجہ السادس والعشرون ان قولہ بل کانت مباحۃ فی نفسھا مردود لان المصافحۃ سنۃ کما مر من اربعۃ عشر کتبا قدیمۃ کما مر من اربعۃ کتب متوارثۃ کما مر من ثلثۃ کتب فراجعھا والوجہ السابع والعشرون ان قولہ لحکمنا فی ھذا الزمان بکراھتھا اھ۔ مردود لان نفسہ صرح بقولہ فان الاقتداء لا یکون الا بالنبی ﷺ اھ۔ فکیف یجوز لہ ان یعرض نفسہ لان یقتدی بہ فی حکمہ ھذا والوجہ الثامن والعشرون ان حکم الکراھۃ مردود لانہ قد مر تردیدہ فی الوجہ الحادی عشر والثانی عشر فراجع کلام الشامی۔ والوجہ التاسع والعشرون ان قولہ اذ واظب علیھا

الناس اھ۔ اقرار بکونھا جائزۃ اذ فیھم علماء اھل السنۃ والجماعۃ اجازوھم بالمصافحۃ۔ والوجہ الثلثون انہ مردود لان مواظبتھم لا یجعل الشیٔ واجبا ولا سنۃ بل مواظبۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا ترک مرۃ او مرتین یجعل الشیٔ واجبًا و مواظبتہ علیہ الصلوۃ والسلام مع الترک مرۃ او مرتین یجعل الشیٔ سنۃ والوجہ الحادی والثلثون ان قولہ اعتقدوھا سنۃ لازمۃ بحیث لا یجوز ترکھا اھ۔ مردود لان لفظ لازمۃ بحیث لا یجوز ترکھا اھ۔ من کلمات المبتدعین الضالین۔ واما اعتقاد سنیۃ المصافحۃ فمن عقائد المسلمین الصالحین۔ والوجہ الثانی والثلثون ان قولہ وکل مباح ادی الی ھذا فھو مکروہ اھ۔ مردود لانہ لیس لہ دلیل من القرآن والحدیث والاجماع والقیاس فیکون باطلا لان المکروہ لا بد لہ من دلیل ظنی کما مر فی الوجہ الحادی عشر من اجوبۃ کلام الشامی۔ والوجہ الثالث والثلثون ان قولہ ولیس ھذا الا الفتنۃ التی قال فیھا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اھ۔ مردود لان اطلاق الفتنۃ علی السنۃ القدیمۃ المتوارثۃ جھل وخلاف الاحادیث والمذھب المفتی بہ فالقائل لھا وھابی مبتدع کما مر والوجہ الرابع والثلثون ان قولہ قال ابن القیم فی اغاثتہ اھ۔

مردود لانہ اعتمد بقول المبتدع لانّ ابن القیم تلمیذ المبتدع ابن تیمیۃ الحرانی فظھر ان صاحب مجالس الابرار وھابی مبتدع العیاذ باللہ تعالی والوجہ الخامس والثلثون ان قولہ لا یغرنک اطباقھم علی ما احدث بعد الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اھ۔[1]

مردود لان المصافحۃ کانت موجودۃ فی الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کما مر حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ من البخاری والمشکوۃ ونصب الرایۃ۔ والوجہ السادس والثلثون ان قولہ فلا یغرنک اطباقھم مردود لانہ تردید الاجماع وقد قال اللہ تعالی فی حق الحدیث والاجماع ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا۔

(۶۵) مسئلہ نمبر پینسٹھ: تیسری قسم مرقاۃ القاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جوابات میں

النوع الثالث فی اجوبۃ مرقات القاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

الوجہ الاول ان قولہ ان عمل الناس فی الوقتین المذکورین فی کلام النووی لیس علی وجہ الاستحباب المشروع فان محل المصافحۃ المشروعۃ اول الملاقات وقد یکون جماعۃ یتلاقون من غیر مصافحۃ ویتصاحبون بالکلام ومذاکرۃ العلم وغیرہ مدۃ مدیدۃ ثم اذا صلوا یتصافحون فاین ھذا من السنۃ المشروعۃ ولھذا صرح بعض علمائنا بانھا مکروھۃ وحینئذ انھا من البدع المذمومۃ نعم لو دخل احد فی المسجد والناس فی الصلوۃ او علی ارادۃ الشروع فی الصلوۃ فبعد الفراغ لو صافحھم لکن بشرط سبق السلام علی المصافحۃ فھذا من جملۃ المصافحۃ المسنونۃ بلا شبھۃ کذا فی المرقات ثم حاشیۃ المشکوۃ مصافحۃ (ص: ۴۰۱) مردود لان قولہ ان عمل الناس فی الوقتین المذکورین فی کلام النووی لیس علی وجہ الاستحباب المشروع اھ۔ مردود لان القاری نفسہ ذکر لفظ المسنونۃ اھ۔ فی آخر ھذہ العبارۃ والوجہ الثانی ان اربعۃ عشر عالمًا قالوا ان المصافحۃ سنۃ اھ۔ کما مر فظھر ان المراد

---

[1] (المجالس:ص:۳۱۸)

هو الاستحباب فی ضمن السنة والوجه الثالث ان قوله فان محل المصافحة المشروعة اول الملاقات أه۔ مردود بوجوه خمسة قد مرت الوجه السادس والعشرون والسابع والعشرون والثامن والعشرون والتاسع والعشرون والثلثون۔ والوجه الرابع ان قوله وقد يكون جماعة يتلاقون من غير مصافحة ويتصاحبون بالكلام ومذاكرة العلم وغيره مدة مديدة ثم اذا صلوا يتصافحون فاين هذا من السنة المشروعة أه۔ مردود لانه مبنى على الزعم الفاسد الذى هو حصر سنية المصافحة باول الملاقات وقد مر بطلان هذا القول ايضا كما مر فی الوجه الثالث آنفا۔ والوجه الخامس ان المصافحة سنة عقب الصلوات كما مر فی الوجه السابع والثامن والتاسع والعاشر والحادى عشر والثانى عشر فی النوع الاول من الفصل الثانی والوجه السادس انه قد مر من كشف الغمه من فعل النبی ﷺ واصحابه رضی الله تعالیٰ عنه فی النوع الثانی من الفصل الاول۔ والوجه السابع ان هذه الصورة المذكورة كما يصدق عليها المصافحة بعد الصلوة كذلک يصدق عليها المصافحة عند الافتراق كما مر من المفاتيح وشرح الشرعة وكشف الغمة فی النوع الثانی من الفصل الاول فلابد ان تكون من المصافحة المشروعة والوجه الثامن ان قوله ولهذا صرح بعض علمائنا بانها مكروهة أه۔ مردود لانها لا يصدق عليها تعريف المكروه كما مر تفصيله فی الوجه الحادی عشر من النوع الاول من الفصل الثانی فراجعه والوجه التاسع ان كراهة المصافحة مخالف من ثمانية اشياء كما مر تفصيلها فی الوجه الثانی عشر من النوع الاول من الفصل الثانی فراجعه فتكون الكراهة مردودة والوجه العاشر ان قوله وحينئذٍ انها من البدع المذمومة أه۔ مردود لان اطلاق البدعة على السنة المنقولة من اربعة عشر عالمًا كما مر فی النوع الاول من الفصل الاول باطل۔ والوجه الحادی عشر ان تعريف البدعة لا يصدق على المصافحة المذكورة كما مر فی الوجه الخامس عشر والسادس عشر والسابع عشر من النوع الاول من الفصل الثانی والوجه الثانی عشر ان قوله المذمومة أه۔ مردود لانه من قبيل بناء الفاسد على الفاسد وهو المكروه۔ فلما ثبت بطلان المكروه ثبت بطلان البدعة فثبت بطلان المذمومة۔ والوجه الثالث عشر ان البدعة على خمسة انواع۔ (۱) بدعة محرمة (۲) بدعة واجبة كنصب الادلة للرد على الفرق الضالة وتعلم النحو المفهم للكتاب والسنة (۳) مندوبة كاحداث نحو رباط ومدرسة وكل احسان لم يكن فی الصدر الاول (۴) مكروهة كزخرفة المساجد (۵) ومباحة كالتوسع بلذيذ المأكل والمشارب والثياب كما فی شرح الجامع الصغير للمناوی عن تهذيب النووی ومثله فی الطريقة المحمدية البركلی أه۔[1]

فلو فرضنا كون المصافحة بدعة فلا بد ان تكون واجبة لكونها عبادة مسنونة فی العموم والاطلاق والوجه الرابع عشر ان قوله نعم لو دخل احد فی المسجد الخ۔ مردود لان هذه الصورة ليست من قبيل اول الملاقات حقيقة كما هو الظاهر فلا يكون من المصافحة المسنونة على زعمه الفاسد۔ والوجه الخامس عشر ان هذه الصورة من قبيل المصافحة بعد الصلوة۔ فاقراره بسنية الصورة صدر منه بلا اختيار بان اجرى الله تعالى هذه الالفاظ بفمه وقلمه۔ والوجه السادس عشر ان قوله لكن بشرط سبق السلام على المصافحة أه۔ ليس فی محله لان الكلام فی المصافحة لا

---

[1] (شامی:ج:۱:امامت:ص:۳۷۶)

فی شروطها۔ فیکون من قبیل سبقة القلم۔ والوجه السابع عشر ان قوله بلا شبهة اه۔ مردود لان المصافحة المسنونة فی هذه لم یثبت بدلیل قطعی فبطل قوله هذا فلا یکون تلک المصافحة بلا شبهة علی زعمه۔

(بحواله الادلة الواضحه لاستنان المصافحه للعلامة الاجل مولانا الحاج شائسته گل رحمة اللّٰه تعالیٰ علیه)

یہ رسالہ شیخ الحدیث حضرت علامہ مفتی فقیہ العصر فضل اللہ لنڈے شاہ جومتہ باباجی صاحب کا پوتا ہے وہاں سے ملتا ہے۔

قال مولوی عبد الهادی الدیوبندی الشاه منصوری فی تسهیل المشکوٰة (ص ۸۳): "قوله قال نعم آه هذا دلیل سنیتها عند اللقاء اما بعد الصلوة مثلا فلا اصل له ولکن لا باس بها فهی بدعة مباحة کما قال النووی وعلم من هذا ان المصافحة فی یوم العیدین من هذا القبیل جائزة لا باس بها علی ان فیها اظهار المحبة فباعتبار الغایة حسّنها الناس والاعتبار للغایة وفی ترکها ترک المحبة والتباغض بین الناس کما هو ظاهر فی هذا الزمان فالحاصل ان فعلها حسن وفی ترکها قبح فهی جائزة لا خیر فی منعها کما ان تقبیل ید الغیر لاظهار المحبة وتعظیمه جائز وبغیر هذا الوجه لایجوز۔"

قال علامه سید احمد شاه نور اللّٰه مرقده وجعل الجنّة مثواه فی "تنویر الایمان فی اتباع مذهب نعمان" (ص ۳۳۴) "قوله کالمصافحة ای کما تجوز المصافحة لانها سنت قدیمة متواترة لقوله علیه السلام من صافح اخاه المسلم وحرک یده تناثرت ذنوبه واطلاق المصنف تبعا للدرر والکنز والوقایة والنقایة والمجمع والملتقی وغیرها لیفید جوازها مطلقا ولو بعد العصر وقولهم انه بدعة ای مباحة حسنة کما افاده النووی فی اذکاره وغیره فی غیره وعلیه یحمل مانقله شارح المجمع من انها بعد الفجر والعصر لیس بشیء توفیقا فأمله (ج ۵ ص ۲۶۶) وفی الشامی قوله کما افاده النووی فی اذکاره حیث قال اعلم ان المصافحة مستحبة عند کل لقاء وامّا ما اعتاده الناس من المصافحة بعد الصلوة الصبح والعصر فلا اصل له فی الشرع علی هذا الوجه ولکن لا بأس به فان اصل المصافحة سنة وکونهم حافظوا علیها فی بعض الاحوال وفرطوا فی کثیر من الاحوال او اکثرها لا یخرج ذالک البعض عن کونه من المصافحة التی ورد الشرع باصلها (ج ۵ ص ۲۶۶)، قوله والمستحب الخروج ماشیا والرجوع من طریق آخر والتهنئة بتقبل منا ومنکم لا تنکر کما فی البحر وکذا المصافحة بل هی سنة عقب الصلوة کلها وعند کل لقی ولنا فیها رسالة سمیتها سعادة أهل الاسلام بالمصافحة عقب الصلوة (ج ۱ ص ۱۴۲) وامّا المصافحة المتعارفة فمباح لکن ینبغی ان تکون بعد السلام لتوافق اصل السنة (ص ۲۸۱) وفی کشف الغمه قوله وکانت الصحابة ث اذا انصرف النبی ﷺ من صلوته یثورون الیه حتی یزدحموا فیأخذون یده فیمسحون بها وجوههم وصدورهم آه۔[1]

وفی طحطاوی قوله کان اصحاب رسول اللّٰه ﷺ اذا التقوا یوم العید یقول بعضهم لبعضٍ تقبل اللّٰه منا ومنکم قال واخرجه الطبرانی ایضا فی الدعاء بسندٍ قویّ قال والمتعامل به فی البلاد الشامیة والمصریة قول لصاحبه "عید

---

[1] (ج ا ص ۱۰۹)

مبارک علیک" ونحوہ ویمکن ان یلحق ھذ اللفظ بذالک فی الجواز الحسن و استحبابہ لما بینھما من التلازم و کذاتطلب المصافحۃفھی سنۃعقب الصلوہ کلھا وعند کل لقی۔[1]

وفی فتاویٰ کاملیۃ (ص ۲۶۲، ۲۶۳): سئلت عن المصافحۃ فی یوم العید و الجمعۃ ما حکمھا فالجواب أن حکمھا الاستحباب قال صلی اللہ علیہ وسلم من صافح أخاہ المسلم و حرّک یدہ تناثرت ذنوبہ اھ۔من الھدایۃ وروی الحافظ السیوطی فی الجامع الصغیر عن أبی داوود عن البراء ا،ذا التقی المسلمان فتصافحا وحمدا اللہ و استغفراغفرلھما ورویا أیضا فیہ عن الحکیم عن عمر ص اذا التقی المسلمان فسلم أحدھما علی صاحبہ کان أحبھما الی اللہ أحسنھما بشرا بصاحبہ و اذاتصافحاأنزل اللہ علیھما مائۃ رحمۃ للبادی تسعون و للمصافح عشرۃ وفی شرح العینی علی الھدایۃ قال النبی ﷺ ان المؤمن اذا لقی المؤمن فسلم علیہ و أخذ بیدہ فصافحہ تناثرت خطایاھما کلمایتناثر ورق الشجر رواہ الطبرانی و البیھقی کذافی الردّ و اللہ تعالیٰ اعلم۔

وفی قطب الارشاد (ص ۲۸۱) و اما المصافحۃ المتعارفۃ فمباح لکن ینبغی ان تکون بعد السلام لتوافق اصل السنۃ۔

(٦٦) مسئلہ نمبر چھیاسٹھ: لفظ خدا کا استعمال اللہ تعالیٰ پر جائز ہے

لفظ "خدا" فارسی زبان کا لفظ ہے جو اللہ تعالیٰ کے صفتی نام "رب" کا ترجمہ ہے۔ فارسی لغات میں لفظ "خدا" کا وہی ترجمہ کیا گیا ہے، جو عربی لغات میں لفظ "رب" کا ہے، اور دونوں کے استعمال کا طریقہ بھی ایک ہے کہ بغیر اضافت کے، ان دونوں کا اطلاق صرف ذات باری تعالیٰ پر ہوتا ہے اور اضافت کے ساتھ غیر اللہ پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ چنانچہ عربی میں کہا جاتا ہے" رب الدار" یعنی گھر کا مالک اور فارسی میں کہا جاتا ہے "کدخدا" یعنی کسی بستی کا سردار۔

فارسی کے مشہور و قدیم لغت کی کتاب "غیاث اللغات" میں لفظ خدا کے بعینہ یہی معنی لکھے ہیں:

"خدا بالضم بمعنی مالک وصاحب وچوں لفظ خدا مطلق باشد بر غیر ذات باری تعالی اطلاق نکنند مگر درصورتیکہ بچیزے مضاف شود چوں کہ خدا۔

غیاث اللغات اور فرہنگ عربی، فارسی میں ہے:

"الرب مالک، صاحب آقا، بزرگوار، مصلح از اسماء خداوند متعال است۔[2]

تو معلوم ہوا کہ لفظ خدا عربی کے لفظ "رب" کا فارسی زبان میں ترجمہ ہے، اس تفصیل کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ:

(۱) لفظ خدا، لفظ اللہ کا متبادل نہیں۔

---

[1] (ص ۲۸۹)

[2] (غیاث اللغات ص:۱۸۵، ایچ ایم سعید کمپنی، فرھنگ عربی، فارسی ص:۱۷۷، مطبوعہ تھران)

(۲) لفظ خدا لفظ رب کا ترجمہ ہے اور لفظ رب قرآن مجید میں موجود ہے۔

(۳) لفظ خدا لفظ رب کا ترجمہ ہے اور لفظ رب ابن ماجہ کی روایت میں اللہ تعالی کے ۹۹ اسمائے صفات میں شامل ہے:

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا إِنَّهُ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ مَنْ حَفِظَهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَهِیَ اللهُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الْأَوَّلُ الْآخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْخَالِقُ الْبَارِءُ الْمُصَوِّرُ الْمَلِکُ الْحَقُّ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ الْعَلِيمُ الْعَظِيمُ الْبَارُّ الْمُتَعَالِ الْجَلِيلُ الْجَمِيلُ الْحَیُّ الْقَيُّومُ الْقَادِرُ الْقَاهِرُ الْعَلِیُّ الْحَكِيمُ الْقَرِيبُ الْمُجِيبُ الْغَنِیُّ الْوَهَّابُ الْوَدُودُ الشَّكُورُ الْمَاجِدُ الْوَاجِدُ الْوَالِی الرَّاشِدُ الْعَفُوُّ الْغَفُورُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ التَّوَّابُ الرَّبُّ الْمَجِيدُ الْوَلِیُّ الشَّهِيدُ الْمُبِينُ الْبُرْهَانُ الرَّءوفُ الرَّحِيمُ الْمُبْدِءُ الْمُعِيدُ الْبَاعِثُ الْوَارِثُ الْقَوِیُّ الشَّدِيدُ الضَّارُّ النَّافِعُ الْبَاقِی الْوَاقِی الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ الْمُقْسِطُ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ الْقَائِمُ الدَّائِمُ الْحَافِظُ الْوَكِيلُ الْفَاطِرُ السَّامِعُ الْمُعْطِی الْمُحْيِی الْمُمِيتُ الْمَانِعُ الْجَامِعُ الْهَادِی الْكَافِی الْأَبَدُ الْعَالِمُ الصَّادِقُ النُّورُ الْمُنِيرُ التَّامُّ الْقَدِيمُ الْوِتْرُ الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِی لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ، الخ۔[1]

نیز اس پر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ قدیم زمانہ سے عوام وخاص اس کو استعمال کرتے چلے آئے ہیں اور آج تک کسی نے اس پر نکیر نہیں کی اور اجماع بھی ایک حجت شرعیہ ہے لہٰذا لفظ خدا کو بولنے میں کوئی اشکال نہیں۔

وحکمه فی الاصل ان یثبت المراد به شرعا علی سبیل الیقین یعنی ان الاجماع فی الامور الشرعیة فی الاصل یفید الیقین والقطعیة، ویفکر جاحده۔[2]

فان قیل کیف صح اطلاق الموجود والواجب والقدیم ونحو ذلک کلفظ خدا بالفارسیة مما لم یرد به الشرع قلنا بالاجماع وهو من الادلة الشرعیة۔

اگر یہ کہا جائے کہ جن الفاظ کا شریعت میں اللہ تعالیٰ کیلئے ذکر نہ کیا گیا وہ اللہ تعالیٰ کیلئے استعمال نہیں ہو سکتے تو لفظ واجب موجود قدیم اور فارسی میں لفظ خدا کا استعمال کیسے درست ہے تو جواب یہ دیا جائے گا کہ یہ اجماع امت سے ثابت ہے اور اجماع امت شرعی دلائل میں سے ایک قوی دلیل ہے۔[3]

شرح مقاصد میں ہے:

"قالوا اهل کل لغة یسمونه باسم مختص بلغتهم کقولهم "خدا" و "تنکری" وشاع ذالک وذاع من غیر نکیر وکان اجماعا قلنا کفی بالاجماع دلیلا علی الاذن الشرع"۔

---

[1] (ابن ماجہ: باب اسماء اللہ عزوجل، ۲۷۵، قدیمی)

[2] (نور الانوار: مبحث)

[3] (شرح عقائد مع نبراس ص ۱۷۳)

ترجمہ: انہوں نے کہا ہر زبان والے اللہ تعالیٰ کا وہ نام رکھتے ہیں جو انکی زبان کے ساتھ خاص ہوتا ہے جیسے خدا اور تنکری، اور یہ بغیر کسی اعتراض کے شائع وذائع ہے اور یہ اجماع ہے، ہم نے کہا یہ اجماع اجازت شرع پر دلیل کافی ہے۔[1]

الیواقیت والجواہر میں ہے:

"المبحث الخامس عشره: فی وجوب اعتقاد ان اسماء اللہ تعالی توقیفیة فلا یجوز لنا ان نطلق علی اللہ تعالی اسما الا ان ورد فی الشرع وقالت المعتزلة یجوز لنا ان نطلق علیه الاسماء الائق معناها به تعالٰی وان لم یرد بها شرع ومال الی ذالک القاضی ابو بکر الباقلانی, قال الشیخ کمال الدین بن ابی شریف فی حاشیته: ولیس الکلام فی اسمائه الاعلام الموضوعة فی اللغات و انما الخلاف فی الاسماء الماخوذة من الصفات و الافعال کما نبه علیه السید فی شرح المواقف"۔

ترجمہ: پندرہویں فصل اس بارے میں کہ اللہ تعالی کے اسماء کے توقیفی ہونے کا عقیدہ رکھنا واجب ہے پس ہمارے لیے اللہ تعالی پر کسی اسم کا اطلاق کرنا جائز نہیں، مگر یہ کہ اس کے متعلق شرع میں اجازت وارد ہو اور معتزلہ نے کہا جن اسماء کے معنی اللہ تعالی کے لائق ہیں ان کا اطلاق اس پر کرنا درست ہے اگرچہ شرع میں ان کا ذکر نہ آیا ہو قاضی ابو بکر باقلانی بھی اسی طرف مائل ہوئے شیخ کمال الدین بن ابو شریف نے اپنے حاشیہ میں فرمایا یہ اختلاف اللہ پاک کے ان اسماء اعلام میں نہیں جو مختلف زبانوں میں وضع کیے گئے ہیں، اختلاف صرف ان اسماء میں ہے جو صفات و افعال سے لیے گئے ہیں جیسا کہ اس پر سید نے شرح مواقف میں تنبیہ فرمائی ہے۔[2]

تفسیر روح المعانی میں ہے:

"وخلاصة الكلام في هذا المقام أن علماء الإسلام اتفقوا على جواز إطلاق الأسماء والصفات على الباري تعالى إذا ورد بها الإذن من الشارع وعلى امتناعه إذا ورد المنع عنه، واختلفوا حيث لا إذن ولا منع في جواز إطلاق ما كان سبحانه وتعالى متصفا بمعناه ولم يكن من الأسماء الاعلام الموضوعة في سائر اللغات إذ ليس جواز إطلاقها عليه تعالى محل نزاع لأحد، ولم يكن إطلاقه موهما نقصا بل كان مشعرا بالمدح فمنعه جمهور أهل الحق مطلقا للخطر، وجوزه المعتزلة مطلقا، ومال إليه القاضي أبو بكر لشيوع إطلاق نحو خدا وتكرى من غير نكير فكان إجماعا، ورد بأن الإجماع كاف في الإذن الشرعي إذا ثبت"۔

ترجمہ: خلاصہ کلام یہ ہے کہ جن اسماء وصفات کے ذات باری تعالی پر اطلاق کے متعلق شرع کی طرف سے اجازت ہے ان کا اطلاق کرنے پر علماء اسلام کا اتفاق ہے اور جن سے ممانعت وارد ہوئی ان کے ممنوع ہونے پر اتفاق ہے اور جہاں نہ اجازت ہے

---

[1] (شرح المقاصد، المقصد الخامس فی الالھیات، المبحث الثانی، ج3، ص257، نوری رضویہ پبلشنگ لاھور)

[2] (الیواقیت والجواھر، ص ۱۱۰، دارالکتب العلمیہ بیروت)

نہ ممانعت وہاں ان کا اطلاق کرنے میں اختلاف ہے جن کے معنی کے ساتھ ذات باری تعالی متصف ہے اور وہ مختلف زبانوں میں وضع کیے گئے اسماء اعلام بھی نہ ہوں کیونکہ جو مختلف زبانوں میں وضع کیے گئے اسماء اعلام ہیں ان کا ذات باری تعالی پر اطلاق کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں، اور ان کے اطلاق میں نقص کا وہم نہ ہو بلکہ ان میں مدح کا معنی ہوں تو ان کو جمہور اہل حق نے اندیشے کی بنا پر مطلقا منع فرمایا ہے اور معتزلہ نے ان کی مطلقا اجازت دی ہے اور اسی طرح قاضی ابو بکر مائل ہوئے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ الفاظ خدا اور تنکری وغیرہ کا بغیر کسی انکار کے اطلاق کیا جاتا ہے لہذا اس پر اجماع ہو گیا ان کا رد یوں کیا گیا کہ اجماع جب ثابت ہو تو اجازت شرعی کے لیے دلیل کافی ہے۔[1]

شہاب الدین محمود آلوسی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں:

”ومن فسر الإلحاد في الأسماء بما ذكر ذهب إلى أن أسماء الله تعالى توقيفية يراعى فيها الكتاب والسنة والإجماع فكل اسم ورد في هذه الأصول جاز إطلاقه عليه جل شأنه وما لم يرد فيها لا يجوز إطلاقه وإن صح معناه“۔

ترجمہ: اور جس نے اسماء میں الحاد یعنی حد سے بڑھنے کی تفسیر کی اس کے ساتھ جو ذکر کیا گیا تو وہ اس بات کی طرف گیا کہ اللہ پاک کے اسما توقیفی ہیں اس میں قران، سنت اور اجماع کی رعایت کی جائے گی۔ تو ہر وہ نام جو اس اصول کے تحت آئے یعنی قران سنت اور اجماع کے تحت درست ہو تو اس کا اللہ پاک کی ذات پر اطلاق کرنا جائز ہے اور جو نام اس اصول پر پورا نہ اترے تو اس کا اللہ جل شانہ پر اطلاق درست نہیں اگرچہ اس کا معنی درست ہو۔[2]

تفسیر کبیر میں ہے:

”وقولهم بالفارسية خداى معناه أنه واجب الوجود لذاته لأن قولنا خداى مركبة من لفظتين فى الفارسية، أحدهما ”خود“ ومعناه ذات الشيئ ونفسه وحقيقته والثانية قولنا ”آى“ معناه جاء، فقولنا خداى معناه أنه بنفسه جاء وهو إشارة إلى أنه بنفسه وذاته جاء إلى الوجود لا بغيره وعلى هذا الوجه فيصير تفسير قولهم خداى أنه لذاته كان موجودا“۔

ترجمہ: اور ان کا فارسی میں قول خدا اس کا معنی یہ کہ وہ لذاتہ واجب الوجود ہے کیونکہ ہمارا قول خدا یہ فارسی میں دو لفظوں سے مرکب ہے ان میں سے ایک "خود" اور اس کا معنی ہے ذات شی اور اس کا نفس اور اس کی حقیقت اور دوسرا ہمارا قول "آ" ہے اور اس کا معنی ہے عربی میں جاء یعنی خود آیا تو اب خدا کا معنی ہو جائے گا کہ وہ ذات خود موجود ہے اور یہ اشارہ ہے اللہ کی

---

[1] (تفسیر روح المعانی، ج۵، ص ۱۳، دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (تفسیر روح المعانی، سورہ اعراف، آیت: ۱۸۰، ج۵، ص ۱۱۳، دار الکتب العلمیہ بیروت)

ذات اور اس کی حقیقت کی طرف کہ اس کا وجود خود بخود ہے نہ کہ اپنے غیر کے ساتھ اور اسی طریقے پر ان کے قول کی تفسیر ہو جائے گی کہ اس کا وجود ذاتی ہے۔[1]

امام عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمہ "الیواقیت والجواہر" میں فرماتے ہیں:

"فإن قلت: فهل يعم تعظيم الأسماء جميع الألفاظ الدائرة على ألسنة الخلق علٰى اختلاف طبقاتهم وألسنتهم؟ فالجواب نعم، هي معظمة في كل لغة مرجعها إلى ذات واحدة۔۔۔ وهو بلسان فارسي خدا، أي بلسان الحبشة "واق" وبلسان الفرنجي "كريطردروا"۔۔۔ تجد ذلك اسم الإلٰهي معظما في كل لسان"۔

ترجمہ: اگر تو اعتراض کرے کہ کیا اسماء کی تعظیم سارے الفاظ کو عام ہے جو دائر ہیں مخلوق کی زبانوں پر ان کے طبقوں اور زبانوں کے مختلف ہونے کی بنا پر تو جواب یہ کہ ہاں۔ کیونکہ یہ عظمت ہر اس لغت میں ہے کہ جس کا مرجع ذات وحدہ لاشریک کی طرف ہے۔۔۔ اور زبان فارسی میں خدا اور زبان حبشہ میں واق زبان فرنجی میں کری طردروا۔ اسی طرح ہر زبان کے اندر تو ایسا الٰہی نام پائے گا جو اللہ تعالی کے وجود پر دلالت کرے گا۔[2]

عقائد مع شرح النبراس میں ہے:

"فإن قيل: كيف يصح إطلاق الوجود والواجب والقديم ونحو ذلك، كلفظ خدا بالفارسية... قلنا بالإجماع وهو من أدلة الشرعية، لأنه قد ثبت بالقرآن والحديث أن الإجماع حجة"۔

ترجمہ: اور اگر اعتراض کیا جائے کہ وجود واجب اور قدیم وغیرہ جیسا کہ فارسی میں لفظ "خدا" کا اللہ پاک پر اطلاق کیسے درست ہے؟ تو ہم جواب دیں گے اجماع کے سبب، اور اجماع ادلہ شرعیہ میں سے ہے کیونکہ یہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ اجماع حجت ہے۔[3]

سیدی اعلی حضرت علیہ رحمۃ رب العزت فرماتے ہیں:

"ہر زبان ہندی میں جو معبود برحق کے اسماء سے ہے، جیسے ایشور، اور بظاہر اس میں کوئی معنی محال نہیں جیسے رام میں ہیں کہ ہر چیز پر رما ہونے اور سرایت و حلول پر دلیل ہے۔"[4]

---

[1] (تفسیر کبیر، ج1، ص:۱۲۲، دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2] (الیواقیت والجواھر، ص:۷۸، مطبوعہ مصر)

[3] (النبراس علی العقائد، ص ۱۷۲، ۱۷۳، مطبوعہ کوئٹہ)

[4] (فتاوی رضویہ، ج۱۵، ص۳۰۷، رضا فاونڈیشن لاہور)

علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ

تبیان القرآن میں بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں جسکا خلاصہ پیش خدمت ہے کہ ایسے نام سے اللہ کو پکارنا جو اُس کی شان کے زیبانہ ہو منع ہے جیسے اللہ کے ساتھ میاں کا اضافہ کے یہ لفظ ں انسانوں کیلیئے بھی استعمال ہو تا ہے یا اللہ کیساتھ سائیں کا اضافہ کہ سائیں فقیر کو بھی کہتے ہیں اس لئے اس کا اطلاق ممنوع ہے جبکہ ایسے الفاظ سے اللہ کو پُکارنا جو اُس کی شان کے مطابق ہیں جیسے فارسی میں خدا اور ترکی میں تنکری کہ ان کے معنیٰ میں ابہام نہیں جائز ہیں۔[1]

فتاوی مصطفویہ میں ہے:

"اللہ عزوجل پر ہی خدا کا اطلاق ہو سکتا ہے، اور سلف سے لے کر خلف تک ہر قرن میں تمام مسلمانوں میں بلا نکیر اطلاق ہو تا رہا ہے، اور وہ اصل میں "خود آ" ہے، جس کے معنی ہیں وہ جو خود موجود ہو کسی اور کے موجود کئے موجود نہ ہوا ہو، اور وہ نہیں مگر اللہ عزوجل ہمارا سچا خدا۔"[2]

مذکورہ بالا تحریر سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کیلیئے لفظ خدا کا استعمال اجماع امت سے ثابت ہے اجماع امت کا انکار لادینیت اور گمراہی ہے لفظ خدا کے استعمال سے منع کرنے والے اور یہ کہنے والے کہ خدا حافظ کہنا منع ہے بلکہ اللہ حافظ کہو در حقیقت بزرگان دین مولائے روم، حافظ شیرازی، شیخ سعدی، فرید الدین عطارر حمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کو ان لوگوں کو جاہل کہنے کی بے فائدہ سعی کی کیونکہ ان تمام بزرگوں نے اپنی اپنی تصانیف میں لفظ خدا کا کثرت سے استعمال کیا ہے۔ معترضین ان بزرگوں کو جاہل بنانے کی کوشش میں خود اجماع امت کے انکار کے شکار ہوں گے۔

(٦٧) مسئلہ نمبر سڑسٹھ: رسول اللہ ﷺ کی عقل مبارکہ کا اولین و آخرین سے بہترین وافضل ترین ہونا

قال محمد جعفر القریشی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فی تذکرۃ الواعظین

قال وھب بن منبہ قرأت احدی وسبعین کتابا فوجدت فی کلہ لوجمع عقول جمیع الخلائق من الاولین والاخرین ویوضع عند عقل النبی ﷺ کانت عقولھم عند عقلہ مثل رملۃ عند وماللقیامۃ لان اللہ تعالیٰ جعل العقل الف جزء واعطی من ذلک تسع مائۃ وتسعۃ وتسعین لمحمد ﷺ واعطی واحدا لمن یشاء من عبادہ۔[3]

---

[1] (تبیان القرآن، ج۳، ص ۳۶۱)

[2] (فتاوی مصطفویہ، ص ۳۱، مطبوعہ، مکتبہ اعلی حضرت)

[3] (ص ۶۷۱)

(۶۸) مسئلہ نمبر اڑسٹھ: رسول اللہ ﷺ کی اُمت کی فضیلت دوسری اُمتوں پر

وذکر ان موسیٰ علیہ السلام جلس یوما فی قومہ فوعظ عندہ اذجاءمدح النبی ﷺ فسئل امتہ یموسیٰ انت اکرم امھو؟فقال موسیٰ علیہ السلام ھوافضل منی الف الف مرۃ قالوا اینبغی لک ان تقول شرفہ عندنافقال موسیٰ علیہ السلام یقوم ان اقل صفتہ الی یوم القیامۃ لایتم فذکر بعض صفاتہ فقال لولاصاحب ھذا الاسم ماخلق اللہ لی ولکم بل اخلصناعن الفرعون وجنودہ ببرکۃ نورہ وثانی کل الانبیاءیطلبون رضاءاللہ وھویطلب رضاءہ وثالث لولاعظمۃ نورہ فی نوح فقدیھلکہ مع امتہ ورابع لایحصل لاحدمن النبیین معراج عنداللہ الامحمدعلیہ السلام کل امۃ یمرون علی الصراط باقدامھم ویحرق مقدارذنوبھم وامۃ محمدعلیہ السلام یمرون علی جناح جبرائیل ومیکائیل واسرافیل فلاتصل حرجھنم مع الکلابیب لھم وسادس تحافظ الملائکۃ لکل واحدمن الامۃ ثمانیۃ وتکون حول امتہ فی کل الوقت مائۃ وثمانون ملکاوسابع تکون زوجتہ اسمھاخدیجۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھافاعطی لھاشرفاحتی اخلصت من اللہ سبعین الفامن امتہ وثامن کانت لہ بنت اسمھافاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھافھی مقبولۃ عنداللہ واشرف فی الدرجۃ علی کل النساءفتدخل فی الجنۃ امۃ ابیھامائتی الف وسبعین الف قداستوجب العذاب والتاسع یکون تاج فی القیامۃ علی رؤس کل الانبیاءموافق جسمھم وکان تاجہ فی العظمۃ بلاعددحتی یقفون کل امۃ تحت ظلہ فی القیامۃ والعاشر ماکانت الولیمۃ لکل واحدمن النبیین فی الجنۃ وتکون ولیمتہ فیھافیجلسون علیھاکل امۃ فیأکلون انواع النعمۃ حین یتزوج بمریم آسیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھماوتباع امرأۃ فرعون والحادی عشریحشر کل امۃ عریانافی قبرہ ویذھب ماشیافی المحشروامتہ یحشرمع کسوتہ فیرکب کل واحدعلی نجائب الجنۃ ویحضرعندخالق مع مائۃ وثمانون ملکابالعزۃ۔[1]

(۶۹) مسئلہ نمبر انہتر: نبی کریم ﷺ کی ولادت کی رات لیلۃ القدر سے بھی افضل ہے

فتاوی مولاناعبدالحی لکھنوی میں لکھاہے کہ:

قلنا انہ ولدلیلافتلک اللیلۃ افضل من لیلۃ القدر بلاشبھۃ۔

اورامام حجر سے نقل کر کے لکھتے ہیں:

وقال الشیخ المحدث الحافظ ابن الحجر الازمنۃ والامکنۃ تشرف بشرف من یکون فیھا(الی ان قال)وکذاقال بعضھم ان لیلۃ مولدہ ﷺ افضل من لیلۃ القدر۔[2]

---

[1] (تذکرۃ الواعظین، ص ۴۸۶)

[2] (ص ۹ ج ۳)

تفسیر روح البیان میں وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ (ابراھیم ۳۳) کے تحت ہے:

و سيد الأيام يوم الجمعة وإذا وافق يوم عرفة يوم الجمعة تضاعف الحج لسبعين حجة على غيره و بهذا ظهر فضل يوم الجمعة على يوم عرفة. وأفضل الليالي ليلة المولد المحمدي لو لاه ما نزل القرآن ولا نعتت ليلة القدر وهو الأصح۔[1]

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

فتلک الليلة افضل من ليلة القدر بلا شبهة لان ليلة المولد ليلة ظهوره صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم و ليلة القدر معطاة له۔[2]

نیز شیخ المحدثین شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے:

ولان ليلة القدر وقع التفضل فيها على امة محمد صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم و ليلة المولد الشريف وقع التفضل فيها على سائر الموجودات فهو الذى بعثه رحمة للعالمين وعمت به نعمته على جميع الخلائق من اهل السموات والارضين۔[3]

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل فرماتے ہیں:

وَنَقَلَ عَنْ بَعْضِ الشَّافِعِيَّةِ : أَنَّ أَفْضَلَ اللَّيَالِي لَيْلَةُ مَوْلِدِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ، ثُمَّ لَيْلَةُ الْإِسْرَاءِ وَالْمِعْرَاجِ، ثُمَّ لَيْلَةُ عَرَفَةَ، ثُمَّ لَيْلَةُ الْجُمُعَةِ، ثُمَّ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، ثُمَّ لَيْلَةُ الْعِيدِ۔[4]

دن کی تخصیص

فتاویٰ الازہر میں ہے:

وعن ابى قتادة رضى الله تعالىٰ عنه ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سئل عن صوم يوم الاثنين، قال: ذاك يوم ولدت فيه ويوم بعثت —أو أنزل عليه فيه هذا الحديث اصل فى الإحتفال و الإهتمام بالمولد النبوى الشريف حيث إنه صلى الله تعالىٰ عليه وآلهٖ وسلم نص على ان يوم ولادته له مزية على بقية الأيام، وللمؤمن أن يطمع فى تعظيم أجره بموافقته ليوم فيه بركة، وتفضيل العمل بمصادفته لأوقات الامتنان الالهى معلوم قطعا من الشريعة، ولذا يكون الاحتفال بذلك اليوم وشكر الله تعالىٰ على نعمته علينا بولادة النبى صلى الله تعالىٰ عليه وآلهٖ وسلم ووجوده بين أظهرنا وهدايتنا لشريعته مما تقره الاصول۔[5]

---

[1] (تفسیر روح البیان، ج۴، ص ۴۲۲، الناشر: دار الفكر - بيروت)
[2] (ماثبت من السنة، ص ۵۹)
[3] (ماثبت من السنة، ص ۵۹)
[4] (رد المحتار، ج۳، ص ۴۰۲، المكتبة الغفارية)
[5] (فتاوى الازهر، ج۸، ص ۲۵۵)

سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد میں ہے:

وقال الحافظ - رحمه الله تعالى: أصل عمل المولد بدعة لم تنقل عن أحد من السلف الصالح من القرون الثلاثة، ولكنها مع ذلک قد اشتملت على محاسن وضدها، فمن تحرى في عمله المحاسن وتجنب ضدها كان بدعة حسنة ومن لا فلا.

قال: وقد ظهر لي تخريجها على أصل ثابت، وهو ما ثبت في الصحيحين من أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قدم المدينة فوجد اليهود يصومون عاشوراء فسألهم فقالوا: هذا يوم أغرق الله فيه فرعون وأنجى فيه موسى فنحن نصومه شكراً لله تعالى.

فقال: "أنا أحق بموسى منكم.

فصامه وأمر بصيامه".

فيستفاد من فعل ذلک شكراً لله تعالى على ما من به في يوم معين من إسداء نعمة أو دفع نقمة، ويعاد ذلک في نظير ذلک اليوم من كل سنة، والشكر لله تعالى يحصل بأنواع العبادات والسجود والصيام والصدقة والتلاوة، وأي نعمة أعظم من النعمة ببروز هذا النبي الكريم نبي الرحمة في ذلک اليوم؟ وعلى هذا فينبغي أن يتحرى اليوم بعينه حتى يطاق قصة موسى صلى الله عليه وسلم في يوم عاشوراء، ومن لم يلاحظ ذلک لا يبالي بعمل المولد في أي يوم من الشهر، بل توسع قوم حتى نقلوه إلى أي يوم من السنة.

وفيه ما فيه.

فهذا ما يتعلق بأصل عمل المولد۔[1]

زاد المعاد میں ہے:

الثامنة والعشرون: أنه اليوم الذي تفزع منه السماواتُ والأرضُ، والجبالُ والبحارُ، والخلائقُ كلها إلا الإِنسَ والجِنَّ، فروى أبو الجوّاب، عن عمّار بن رزيق، عن منصور، عن مجاهد، عن ابن عباس، قال: اجتمع كعب وأبو هريرة، فقال أبو هريرة: قال رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إنَّ في الجمُعَةِ لَسَاعَةً لا يُوافِقُهَا عَبْدٌ مُسلِمٌ يَسْأَلُ اللهَ فِيهَا خيرَ الدُنيا والآخِرَة إلاّ أعطاه إياه". فَقَالَ كَعْبٌ: ألا أُحَدِّثكم عَنْ يومِ الجُمُعَةِ، إنَّهُ إذَا كَانَ يَوْمُ الجُمُعَةِ، فزِعَتْ لَهُ السَّماواتُ والأَرْض، والجبال، والبحار، والخلائق كلُّها إلا ابنَ آدم والشياطين، وحفَّتِ الملائكةُ بأبواب المساجد، فيكتُبُونَ الأَوَّلَ فالأَوَّل حتى يخرجَ الإمامُ، فَإِذَا خرَجَ الإمامُ، طَوَوْا صُحفَهُم، ومَنْ جَاءَ بَعْدُ جَاءَ لِحَقِّ اللهِ، ولِمَا كُتِبَ عَلَيْهِ، ويَحِقّ عَلَى كُلِّ حالِمٍ أَنْ يَغْتَسِلَ فيه، كاغتِسالِهِ مِنَ الجَنَابَة، والصَّدَقَةُ فِيهِ أَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ في سَائِرِ الأَيَّامِ، وَلَم تَطْلُعِ الشَّمس وَلَمْ تَغْرُب عَلَى يَوْم كيَوْمِ الجُمُعةِ۔[2]

---

[1] (سبل الهدى والرشاد فى سيرة خير العباد، ج ١، ص ٣٦٦، دار الكتب العلمية، الحاوى للفتاوى، ج ١، ص ١٩٦)

[2] (زاد المعاد، ج ١، ص ٤١٢، الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت - مكتبة المنار الإسلامية، الكويت)

مسائل متفرقہ کے بیان میں

المدخل لابن الحاج میں ہے:

[فَصلٌ فِي خصوصية مولد الرّسول بشهر ربيع الْأَوّل]

(فَصلٌ) فَإِنْ قَالَ قَائِلٌ مَا الْحِكْمَةُ فِي كَوْنِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - خُصَّ مَوْلِدُهُ الْكَرِيمُ بِشَهْرِ رَبِيعٍ الْأَوَّلِ وَبِيَوْمِ الِاثْنَيْنِ مِنْهُ عَلَى الصَّحِيحِ وَالْمَشْهُورِ عِنْدَ أَكْثَرِ الْعُلَمَاءِ وَلَمْ يَكُنْ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ وَفِيهِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ وَاخْتُصَّ بِفَضَائِلَ عَدِيدَةٍ وَلَا فِي الْأَشْهُرِ الْحُرُمِ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَهَا الْحُرْمَةَ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَلَا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَلَا فِي لَيْلَتِهَا ـ فَالْجَوَابُ مِنْ أَرْبَعَةِ أَوْجُهٍ:

الْوَجْهُ الْأَوَّلُ: مَا وَرَدَ فِي الْحَدِيثِ مِنْ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ الشَّجَرَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ انْتَهَى. وَفِي ذَلِكَ تَنْبِيهٌ عَظِيمٌ، وَهُوَ أَنَّ خَلْقَ الْأَقْوَاتِ وَالْأَرْزَاقِ وَالْفَوَاكِهِ وَالْخَيْرَاتِ الَّتِي يَتَغَذَّى بِهَا بَنُو آدَمَ وَيَحْيَوْنَ وَيَتَدَاوَوْنَ وَتَنْشَرِحُ صُدُورُهُمْ لِرُؤْيَتِهَا وَتَطِيبُ بِهَا نُفُوسُهُمْ وَتَسْكُنُ بِهَا خَوَاطِرُهُمْ عِنْدَ رُؤْيَتِهَا لِاطْمِئْنَانِ نُفُوسِهِمْ بِتَحْصِيلِ مَا يُبْقِي حَيَاتَهُمْ عَلَى مَا جَرَتْ بِهِ الْعَادَةُ مِنْ حِكْمَةِ الْحَكِيمِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى فَوُجُودُهُ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فِي هَذَا الشَّهْرِ فِي هَذَا الْيَوْمِ قُرَّةُ عَيْنٍ بِسَبَبِ مَا وُجِدَ مِنْ الْخَيْرِ الْعَظِيمِ وَالْبَرَكَةِ الشَّامِلَةِ لِأُمَّتِهِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَامُهُ ـ

الْوَجْهُ الثَّانِي أَنَّ ظُهُورَهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - فِي شَهْرِ رَبِيعٍ فِيهِ إشَارَةٌ ظَاهِرَةٌ لِمَنْ تَفَطَّنَ إلَيْهَا بِالنِّسْبَةِ إلَى اشْتِقَاقِ لَفْظَةِ رَبِيعٍ إذْ أَنَّ فِيهِ تَفَاؤُلًا حَسَنًا بِبِشَارَتِهِ لِأُمَّتِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - وَالتَّفَاؤُلُ لَهُ أَصْلٌ أَشَارَ إلَيْهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - . وَقَدْ قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ الصَّقَلِّيُّ - رَحِمَهُ اللَّهُ - لِكُلِّ إنْسَانٍ مِنْ اسْمِهِ نَصِيبٌ هَذَا فِي الْأَشْخَاصِ وَكَذَلِكَ فِي غَيْرِهَا وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ فَفَصْلُ الرَّبِيعِ فِيهِ تَنْشَقُّ الْأَرْضُ عَمَّا فِي بَاطِنِهَا مِنْ نِعَمِ الْمَوْلَى سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى وَأَرْزَاقِهِ الَّتِي بِهَا قِوَامُ الْعِبَادِ وَحَيَاتُهُمْ وَمَعَايِشُهُمْ وَصَلَاحُ أَحْوَالِهِمْ فَيَنْفَلِقُ الْحَبُّ وَالنَّوَى وَأَنْوَاعُ النَّبَاتِ وَالْأَقْوَاتِ الْمُقَدَّرَةِ فِيهَا فَيَبْتَهِجُ النَّاظِرُ عِنْدَ رُؤْيَتِهَا وَتُبَشِّرُهُ بِلِسَانِ حَالِهَا بِقُدُومِ رَبِيعِهَا وَفِي ذَلِكَ إشَارَةٌ عَظِيمَةٌ إلَى الِاسْتِبْشَارِ بِابْتِدَاءِ نِعَمِ الْمَوْلَى سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى. أَلَا تَرَى أَنَّك إذَا دَخَلْت بُسْتَانًا فِي مِثْلِ هَذِهِ الْأَيَّامِ تَنْظُرُ إلَيْهِ كَأَنَّهُ يَضْحَكُ لَك وَتَجِدُ زَهْرَهُ كَأَنَّ لِسَانَ حَالِهِ يُخْبِرُك بِمَا لَك مِنْ الْأَرْزَاقِ الْمُدَّخَرَةِ وَالْفَوَاكِهِ. وَكَذَلِكَ الْأَرْضُ إذَا ابْتَهَجَ نَوَارُهَا كَأَنَّهُ يُحَدِّثُك بِلِسَانِ حَالِهِ كَذَلِكَ أَيْضًا. فَمَوْلِدُهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - فِي شَهْرِ رَبِيعٍ فِيهِ مِنْ الْإِشَارَاتِ مَا تَقَدَّمَ ذِكْرُ بَعْضِهِ وَذَلِكَ إشَارَةٌ ظَاهِرَةٌ مِنْ الْمَوْلَى سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى إلَى التَّنْوِيهِ بِعَظِيمِ قَدْرِ هَذَا النَّبِيِّ الْكَرِيمِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَأَنَّهُ رَحْمَةٌ لِلْعَالَمِينَ وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ وَحِمَايَةٌ لَهُمْ مِنْ الْمَهَالِكِ وَالْمَخَاوِفِ فِي الدِّينِ وَحِمَايَةٌ لِلْكَافِرِينَ بِتَأْخِيرِ الْعَذَابِ عَنْهُمْ فِي الدُّنْيَا لِأَجْلِهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - لِقَوْلِهِ تَعَالَى {وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ} (الأنفال: ٣٣) وَكَيْفَ لَا يَكُونُ ذَلِكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي الِاتِّبَاعِ، وَإِدْرَارُ نِعَمِ الْمَوْلَى سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى إنَّمَا يَكْثُرُ عِنْدَ الِامْتِثَالِ لِأَمْرِهِ وَاتِّبَاعِ سُنَنِ أَنْبِيَائِهِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ وَسَلَامُهُ وَمُخَالَفَةِ الْعَدُوِّ اللَّعِينِ وَجُنُودِهِ. أَلَا تَرَى أَنَّهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - حِينَ خُرُوجِهِ إلَى هَذَا الْوُجُودِ لَمْ يَقْدِرْ اللَّعِينُ إبْلِيسُ وَجُنُودُهُ عَلَى الْقَرَارِ فِي هَذِهِ الْأَرْضِ وَلَا فِي الثَّانِيَةِ وَلَا فِي الثَّالِثَةِ إلَى أَنْ نَزَلُوا إلَى الْأَرْضِ السَّابِعَةِ فَخَلَتْ الْأَرْضُ مِنْهُمْ بِبَرَكَةِ وُجُودِهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فِيهَا. فَانْظُرْ رَحِمَنَا اللَّهُ تَعَالَى وَإِيَّاكَ إلَى خُلُوِّ الْأَرْضِ مِنْ هَذَا اللَّعِينِ وَجُنُودِهِ. وَقَدْ وَرَدَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ أَنَّهُمْ يُقَيَّدُونَ فَأَيْنَ

التَّقْيِيدُ مِنْ نَفْيِهِمْ بِالْكُلِّيَّةِ إلَى تُخُومِ الْأَرْضِ السَّابِعَةِ. وَفِي هَذَا إشَارَةٌ عَظِيمَةٌ دَالَّةٌ عَلَى كَرَامَتِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - عِنْدَ رَبِّهِ وَالِاعْتِنَاءِ بِهِ وَبِمَنْ تَبِعَهُ. فَإِنْ قِيلَ إنّ شَهْرَ رَمَضَانَ تُقَيَّدُ الشَّيَاطِينُ فِي جَمِيعِهِ. فَلَا شَكَّ أَنّ نَفْيَهُمْ إلَى الْأَرْضِ السَّابِعَةِ السُّفْلَى فِي يَوْمِ مَوْلِدِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - أَعْظَمُ مِنْ تَقْيِيدِهِمْ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ كُلِّهِ إذْ فِيهِ ظُهُورُ مَزِيَّةِ الْوَقْتِ الَّذِي خَلَتْ الْأَرْضُ مِنْ الْعَدُوِّ وَجُنُودِهِ فِيهِ فَلْيَفْهَمْ مَنْ يَفْهَمُ وَاَللَّهُ الْمُوَفِّقُ. فَوَقَعَتْ الْبَرَكَاتُ وَإِدْرَارُ الْأَرْزَاقِ وَمِنْ أَعْظَمِهَا مِنَّةُ اللَّهِ عَلَى عِبَادِهِ بِهِدَايَتِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - لَهُمْ إلَى صِرَاطِهِ الْمُسْتَقِيمِ. أَسْأَلُ اللَّهَ تَعَالَى أَنْ يُعَرِّفَنَا بَرَكَةَ ذَلِكَ بِمَنِّهِ وَيَرْزُقَنَا اتِّبَاعَهُ دِينًا وَدُنْيَا وَآخِرَةً بِفَضْلِهِ لَا رَبَّ سِوَاهُ آمِينَ.

الْوَجْهُ الثَّالِثُ: مَا فِي شَرِيعَتِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - مِنْ شَبَهِ الْحَالِ. أَلَا تَرَى أَنَّ فَصْلَ الرَّبِيعِ أَعْدَلُ الْفُصُولِ وَأَحْسَنُهَا إذْ لَيْسَ فِيهِ بَرْدٌ مُزْعِجٌ وَلَا حَرٌّ مُقْلِقٌ وَلَيْسَ فِي لَيْلِهِ وَنَهَارِهِ طُولٌ خَارِقٌ بَلْ كُلُّهُ مُعْتَدِلٌ وَفَصْلُهُ سَالِمٌ مِنْ الْعِلَلِ وَالْأَمْرَاضِ وَالْعَوَارِضِ الَّتِي يَتَوَقَّعُهَا النَّاسُ فِي أَبْدَانِهِمْ فِي زَمَانِ الْخَرِيفِ بَلْ النَّاسُ تَنْتَعِشُ فِيهِ قُوَاهُمْ وَتَصْلُحُ أَمْزِجَتُهُمْ وَتَنْشَرِحُ صُدُورُهُمْ; لِأَنَّ الْأَبْدَانَ يُدْرِكُهَا فِيهِ مِنْ إمْدَادِ الْقُوَّةِ مَا يُدْرِكُ النَّبَاتَ حِينَ خُرُوجِهِ إذْ مِنْهَا خُلِقُوا فَيَطِيبُ لَيْلُهُمْ لِلْقِيَامِ وَنَهَارُهُمْ لِلصِّيَامِ لِمَا تَقَدَّمَ مِنْ اعْتِدَالِهِ فِي الطُّولِ وَالْقِصَرِ وَالْحَرِّ وَالْبَرْدِ فَكَانَ فِي ذَلِكَ شَبَهُ الْحَالِ بِالشَّرِيعَةِ السَّمْحَةِ الَّتِي جَاءَ بِهَا صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَامُهُ مِنْ رَفْعِ الْإِصْرِ وَالْأَغْلَالِ الَّتِي كَانَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَنَا وَقَدْ نَطَقَ الْقُرْآنُ بِذَلِكَ حَيْثُ يَقُولُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى {الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالأَغْلالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ} (الأعراف:١٥٧).

الْوَجْهُ الرَّابِعُ: أَنَّهُ قَدْ شَاءَ الْحَكِيمُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى أَنَّهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - تَتَشَرَّفُ بِهِ الْأَزْمِنَةُ وَالْأَمَاكِنُ لَا هُوَ يَتَشَرَّفُ بِهَا بَلْ يَحْصُلُ لِلزَّمَانِ وَالْمَكَانِ الَّذِي يُبَاشِرُهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - الْفَضِيلَةُ الْعُظْمَى وَالْمَزِيَّةُ عَلَى مَا سِوَاهُ مِنْ جِنْسِهِ إلَّا مَا اُسْتُثْنِيَ مِنْ ذَلِكَ لِأَجْلِ زِيَادَةِ الْأَعْمَالِ فِيهَا وَغَيْرِ ذَلِكَ. فَلَوْ وُلِدَ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فِي الْأَوْقَاتِ الْمُتَقَدِّمِ ذِكْرُهَا لَكَانَ ظَاهِرُهُ يُوهِمُ أَنَّهُ يَتَشَرَّفُ بِهَا فَجَعَلَ الْحَكِيمُ جَلَّ جَلَالُهُ مَوْلِدَهُ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فِي غَيْرِهَا لِيَظْهَرَ عَظِيمُ عِنَايَتِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى بِهِ وَكَرَامَتُهُ عَلَيْهِ.

وَقَدْ تَقَدَّمَ مَا فِي «قَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - لِلسَّائِلِ الَّذِي سَأَلَهُ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الِاثْنَيْنِ فَقَالَ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - ذَلِكَ يَوْمٌ وُلِدْت فِيهِ وَلَمَّا أَنْ صَرَّحَ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - بِقَوْلِهِ فِي يَوْمِ الِاثْنَيْنِ ذَلِكَ يَوْمٌ وُلِدْت فِيهِ» عُلِمَ بِذَلِكَ مَا اخْتَصَّ بِهِ يَوْمُ الِاثْنَيْنِ مِنْ الْفَضَائِلِ وَكَذَلِكَ الشَّهْرُ الَّذِي ظَهَرَ فِيهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -. فَإِنْ كَانَ «يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيهِ سَاعَةٌ لَا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللَّهَ تَعَالَى شَيْئًا إلَّا أَعْطَاهُ إيَّاهُ» وَقَدْ قَالَ الْإِمَامُ أَبُو بَكْرٍ الْفِهْرِيُّ الْمَشْهُورُ بِالطُّرْطُوشِيِّ - رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى - مُعْظَمُ الْعُلَمَاءِ وَالْأَخْيَارِ أَنَّهَا بَعْدَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ وَقَوَّى - رَحِمَهُ اللَّهُ - ذَلِكَ بِحَدِيثٍ قَالَ فِي كِتَابِهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ فِي الصَّحِيحِ وَذَكَرَ فِيهِ «أَنَّ آدَمَ خُلِقَ بَعْدَ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فِي آخِرِ سَاعَةٍ مِنْ سَاعَاتِ الْجُمُعَةِ مَا بَيْنَ الْعَصْرِ إلَى اللَّيْلِ انْتَهَى»; لِأَنَّ آدَمَ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ -، وَهُوَ سَاكِنُ الدَّارِ، وَهُوَ الْمُرَادُ بِالْخِطَابِ إذْ أَنَّ الدَّارَ لَا تُرَادُ لِنَفْسِهَا بَلْ لِسَاكِنِهَا. قَالَ وَقَدْ كَانَتْ فَاطِمَةُ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا - إذَا صَلَّتْ الْعَصْرَ مِنْ يَوْمِ

الْجُمُعَةِ تَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ وَتُقْبِلُ عَلَى الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ وَلَا تُكَلِّمُ أَحَدًا حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ وَتَقُولُ إنَّ السَّاعَةَ الْمَذْكُورَةَ هِيَ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ وَتُؤْثِرُ ذَلِكَ عَنْ أَبِيهَا - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - . فَإِذَا كَانَتْ تِلْكَ السَّاعَةُ الَّتِي وُجِدَ فِيهَا آدَم - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللَّهَ تَعَالَى فِيهَا شَيْئًا إلَّا أَعْطَاهُ إيَّاهُ فَلَا شَكَّ أَنَّ مَنْ صَادَفَ السَّاعَةَ الَّتِي ظَهَرَ فِيهَا - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - إلَى الْوُجُودِ وَهُوَ يَسْأَلُ اللَّهَ تَعَالَى شَيْئًا أَنَّهُ قَدْ نَجَحَ سَعْيُهُ وَظَفِرَ بِمُرَادِهِ. إذْ أَنَّ الْمَعْنَى الَّذِي فَضَّلَ اللَّهُ تَعَالَى بِهِ تِلْكَ السَّاعَةَ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ هُوَ خَلْقُ آدَمَ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - فَمَا بَالُكَ بِالسَّاعَةِ الَّتِي وُلِدَ فِيهَا سَيِّدُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - «أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ» وَقَالَ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - «آدَم وَمَنْ دُونَهُ تَحْتَ لِوَائِي» انْتَهَى. وَوَجْهٌ آخَرُ أَنَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيهِ أُهْبِطَ آدَم وَفِيهِ تَقُومُ السَّاعَةُ. وَيَوْمُ الِاثْنَيْنِ خَيْرٌ كُلُّهُ وَأَمْنٌ كُلُّهُ فَلِلَّهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ. فَإِنْ قَالَ قَائِلٌ قَدْ خُصَّ يَوْمُ الْجُمُعَةِ بِصَلَاةِ الْجُمُعَةِ وَالْخُطْبَةِ وَغَيْرِ ذَلِكَ مِمَّا هُوَ مُخْتَصٌّ بِهِ فَالْجَوَابُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ أَنَّهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - مَا يَخُصُّهُ فِي نَفْسِهِ الْكَرِيمَةِ يُخَفِّفُ فِيهِ الْأَمْرَ عَنْ أُمَّتِهِ فَلَا يُكَلِّفُهُمْ فِيهِ زِيَادَةَ عَمَلٍ؛ لِأَنَّ الْمَوْلَى سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى لَمَّا أَنْ أَخْرَجَهُ إلَى الْوُجُودِ فِي هَذَا الْيَوْمِ الْمُعَيَّنِ لَمْ يُكَلِّفْ الْأُمَّةَ فِيهِ زِيَادَةَ عَمَلٍ إكْرَامًا لِنَبِيِّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - بِالتَّخْفِيفِ عَنْ أُمَّتِهِ بِسَبَبِ عِنَايَةِ وُجُودِهِ فِيهِ. قَالَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى فِي مُحْكَمِ التَّنْزِيلِ {وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ} (الأنبياء۱۰۷) فَهُوَ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - رَحْمَةٌ لِلْعَالَمِينَ عُمُومًا وَلِأُمَّتِهِ خُصُوصًا. وَمِنْ جُمْلَةِ ذَلِكَ عَدَمُ التَّكْلِيفِ كَمَا تَقَدَّمَ۔ [1]

مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

وَإِذَا كَانَ الْوَقْتُ أَشْرَفَ كَانَ ثَوَابُ الْعِبَادَةِ أَكْثَرَ۔ [2]

مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

قَالَ ابْنُ الْمَلَكِ: لِأَنَّ الْوَقْتَ إِذَا كَانَ أَشْرَفَ يَكُونُ الْجُودُ فِيهِ أَفْضَلَ۔ [3]

مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ شَرَفَ الزَّمَانِ لَهُ تَأْثِيرٌ عَظِيمٌ، كَمَا أَنَّ فَضْلَ الْمَكَانِ لَهُ أَثَرٌ جَسِيمٌ۔ [4]

شرح المشکاۃ للطیبی میں ہے:

و إذا كان الوقت أشرف كان ثواب العبادة فيه أكثر۔ [5]

[1] (المدخل لابن الحاج، ج۲، ص۲۶، دار الحدیث)

[2] (مرقاۃ المفاتیح، ج۲، ص۵۶۳، الناشر: دار الفکر، بیروت-لبنان)

[3] (مرقاۃ المفاتیح، ج۴، ص۵۲۵، باب الاعتکاف)

[4] (مرقاۃ المفاتیح، ج۳، ص۴۱۵)

[5] (فتح الباری لابن حجر، ج۲، ص۱۰۹، شرح المشکاۃ للطیبی، ج۳، ص۹۱۵)

(۷۰)مسئلہ نمبر ستر: انبیاء علیہم السلام پر جبریل علیہ السلام کا نزول اور اس کی تعداد

وفي تفسير ابن عادل أن جبريل نزل على النبي -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- أربعة وعشرين ألف مرة، وعلى آدم اثنتي عشرة مرة، وعلى إدريس أربعًا، وعلى نوح خمسين، وعلى إبراهيم اثنتين وأربعين مرة، وعلى موسى أربع مائة، وعلى عيسى عشرًا۔[1]

وفي شرح الصحيح البخاری للعلامة المحدث شمس الدين السفيري علیہ الرحمہ:

فائدة أخرى: قال بعض العلماء: نزل جبريل عليه الصلاة والسلام على آدم اثنتي عشرة مرة، ونزل على إدريس أربع مرات، ونزل على نوح خمسين مرة، ونزل على إبراهيم أربعين مرة، منها مرتان في صغره، ونزل على موسى أربع مئة مرة، ونزل على عيسى عشر مرات: ثلاثًا في صغره، وسبعًا في كبره، ونزل على نبينا محمد صلى الله تعالیٰ عليه وآلہ واصحابہ وسلم أربعة وعشرين ألف مرة، فصلوات الله وسلامه عليهم اجمعين۔[2]

(۷۱)مسئلہ نمبر اکہتر: اپنی ولادت کی خوشی میں کھانے کا اہتمام کرنا

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ, أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَّ عَنْ نَفْسِهِ بَعْدَ النُّبُوَّةِ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بعثت و نبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا۔[3]

حقیقت یہ ہے کہ بعثت کے بعد حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی ولادت باسعادت کی خوشی اور شکر کے اظہار کے طور پر دعوت وضیافت کا اہتمام فرمایا تھا جسے ولادت کے ساتھ نسبت کی وجہ سے عقیقہ کہا گیا ہے ورنہ معروف طریقہ پر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا عقیقہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ولادت کے ساتویں دن آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دادا حضرت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے کر دیا گیا تھا جیسا کہ

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: لما ولد رسول الله صلى الله عليه وسلم عقّ عنه: أي يوم سابع ولادته جده بكبش۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ولادت ہوئی تو ساتویں دن آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دادا حضرت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مینڈھا ذبح کر کے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا عقیقہ کیا۔

اگر کوئی کہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنا عقیقہ دوبارہ اس لئے کیا تھا کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پہلا عقیقہ ایام جاہلیت میں کیا گیا تھا تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا نکاح بھی تو ابو طالب نے ایام جاہلیت میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اعلان نبوت سے پہلے پڑھایا تھا تو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بعثت کے بعد اس نکاح کی تجدید کیوں نہیں کی؟

---

[1] (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ص ۸۴ ج ۱، تسهیل البخاری شرح بخاری ص ۲۱، اللباب فی علوم الکتاب المعروف بہ تفسیر ابن عادل ج ۱۲ ص ۷)

[2] (شرح الصحیح البخاری، ج ۱، ص ۱۸۵، ۱۸۶، دار النوادر، قطر)

[3] (فتح الباری لابن حجر ج ۹ ص ۵۹۵، تهذیب الکمال في أسماء الرجال ج ۱۶ ص ۳۲، الحاوی الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۳۰، السنن الکبری البیهقی ج ۹ ص ۵۰۵)

لہذا یہ مان لینا چاہیئے کہ حضور ﷺ نے اپنی بعثت کے بعد اپنی ولادت کی خوشی اور شکرانے میں دعوت وضیافت کا اہتمام کیا تھا۔ حضرت امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

وظهر لی تخریجه علی اصل آخر، هو ما اخرجه البیهقیعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ,أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَّ عَنْ نَفْسِهِ بَعْدَ النُّبُوَّةِ مع انه قد ورد عن جده عبد المطلب عق عنه فی سابع ولادته والعقيقة..اه۔

قَالَ ابْنُ حَجَرٍ فِي فَتَاوِيهِ: وَلَا تُتْرَكُ لِمَا يَحْصُلُ عِنْدَهَا مِنْ مُنْكَرَاتٍ وَمَفَاسِدَ كَاخْتِلَاطِ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَغَيْرِ ذَلِكَ لِأَنَّ الْقُرُبَاتِ لَا تُتْرَكُ لِمِثْلِ ذَلِكَ، بَلْ عَلَى الْإِنْسَانِ فِعْلُهَا وَإِنْكَارُ الْبِدَعِ، بَلْ وَإِزَالَتُهَا إنْ أَمْكَنَ.اهـ[1]

رجل صلی المغرب وتشهد فیها عشر مرات ؟فهذا رجل ادرک الامام فی القعدة الاولیٰ فتشهده معه فصلی الرکعة الثالثة وتشهد معه الثانية وقد کان علی الامام سهو فسجد معه لسهو وتشهد معه الثالثة ثم تذکر الامام انه قرا ء آية السجدة ونسيها فسجد لها وسجد معه وتشهد معه الرابعة ثم سجد مع الامام لسهو وتشهد الخامسة فاذا سلم يقوم الی قضائه اذا صلی رکعة تشهد السادسة واذا صلی الرکعة اخری تشهد السابعة واذا کان سهی فیها يقضی فسجد لسهو وتشهد الثامنة ثم سجد سجدتی السهو وتشهد العاشرة ثم سلم۔[2]

(۷۲)مسئلہ نمبر بہتر: سولہ سجودسے نماز فجر ادا کرنے کی صورت مسئلہ

سوال: ایک آدمی نے نماز فجر کو سولہ سجود سے ادا کیا اس کی کیا صورت ہے؟(یعنی صورت مسئلہ کی وضاحت کریں)

الجواب منه الصدق والصواب

ایک شخص نماز فجر کیلئے آیا اور اس نے امام کو دوسری رکعت کے سجدہ میں پایا یعنی نماز کی نیت کرکے امام کے ساتھ سجدۂ صلاتیہ ادا کی دو سجدے اور امام پر سجدۂ تلاوت واجب تھا مگر اس کو فراموش کرکے سجدۂ سہو اس پر واجب ہو چکا تھا تو جب سجدۂ سہو دو سجدے کیے تو سجدۂ تلاوت یاد آگیا تو سجدۂ تلاوت کیا۔ اس لئے کہ سجدۂ سہوہ نماز کے آخر میں ہوتا ہے تو امام کو سلام کے بعد دو سجدے سہوہ کے کرنا پڑے یہ کل سات سجدے ہوئے مگر اس مقتدی نے تو ابھی تک ایک رکعت بھی ادا نہیں کی امام کے سلام کے بعد اس نے اپنی نماز کی پہلی رکعت کے دو سجدے ادا کیے۔

دوسری رکعت میں اس کو وہ حالت درپیش ہوئی جو امام کو درپیش ہوئی تھی تو اس نے پہلے دو سجدے صلاتیہ ادا کیے اور دو سجدے سہوہ کے ادا کیے تو سجدہ تلاوت یاد آیا تو وہ بھی ادا کیے تو اس وجہ سے سجدۂ سہوہ دوبارہ ادا کرنا پڑا اس طرح

---

[1](شامی ج ا ص ۴۰۲، مذاهب اربع ص ۴۲۵)

[2](الفتاوی الولوالجية ص ۴۳۳ ج۵ کتاب فی المسائل المتفرقة من جميع الکتب)

کل سات سجدے ادا کیے اس لئے کل سجود ۔۷+۷+۲ کل سولہ ہوگئے اور نماز دو رکعت۔یعنی دو رکعت میں سولہ سجود ادا کرنا پڑے تو یہ ایک عجیب عمل ہو گیا۔[1]

(۷۳)مسئلہ نمبر تہتر: مفتیان عظام و علماء کرام اپنی نمازیں ضائع ہونے سے بچائیں

عزیزان کرام: دور حاضر کے حنفی مسلک علماء و مفتیان اپنے مسلک کے خلاف نماز پڑھ کر مکروہات کے مرتکب ہوتے ہیں۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ عوام تو عوام علماء و مفتیان بھی رکوع سے اٹھ کر قومہ کرنے کے بعد جب سجدہ کے لئے جاتے ہیں تو کمر کو رکوع کی شکل میں جھکا کر سجدہ کرنے کے لئے جھکتے ہیں جس سے نماز مکروہ اور خلاف سنت ہوتی ہے۔فقہاء احناف نے سجدہ کرنے کا سنت طریقہ یہ بتایا ہے کہ قومہ کرنے کے بعد سجدہ کے لئے جاتے ہوئے کمر (پیٹھ) کو جھکانے کے بجائے کمر سیدھی کر کے جائے تاکہ دوبارہ رکوع کی شکل وصورت نہ بن جائے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

ویخر لسجود قائما مستویا لا منحنیا لئلا یزید رکوعا آخر یدل علیه ما فی التاترخانیة لو صلی فلما تکلم تذکر أنه ترک رکوعاً فان کان صلی صلاۃ العلماء الأتقیاء أعاد وان صلی صلاۃ العوام فلا لأن العالم التقی ینحط للسجود قائما مستویا والعامی ینحط منحنیا وذلک رکوع لان قلیل الانحناء محسوب من الرّکوع اھ تأمل۔

یعنی سجدہ کے لئے سیدھا کھڑے ہو کر جانا سنت ہے تاکہ دوسرا رکوع نہ ہو جائے۔[2]

یہی مسئلہ عالمگیری میں بھی ہے۔[3]

ولو زاد فی صلٰوته رکوعًا أو سجودًا لا تفسد صلٰوته ویلزمه السهو۔[4]

الأعادۃ بترک الواجب واجبةٌ۔[5]

مطلب کل صلاۃ أدیت مع کراھة التحریم تجب اعادتها۔[6]

[1](بنایه شرح هدایة ج ۲ ص ۶۱۸ مکتبه تجاریه مکه مکرمه و نسخه دیگر ج ۳ ص ۲۳۸ بحث سجدۂ تلاوت اور نفع المفتی والسائل لعبدالحی لکھنؤ ص ۵۹)

[2](شامی ص ۳۶۸، ج ۱، حقانیه پشاور)

[3](ص ۷۰، ج ۱، رشیدیه کوئٹه)

[4](قاضی خان، فصل فیما یوجب السهو، ج ۱، ص ۵۸)

[5](شامی ص ۳۳۷، ج ۱)

[6](ومکتبه رشیدیه کوئٹه ج ۲ ص ۱۸۳)

(۷۴)مسئلہ نمبر چوہتر: حرفِ ضاد کے بجائے ظاد کا استعمال قرآن مجید میں جائز ہے یا ناجائز؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے میں کہ حرفِ ضاد کے بجائے ظاد کا استعمال قرآن مجید میں جائز ہے یا ناجائز؟ اور ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے جو "ولا الضالین" کے بجائے "ولا الظالین" پڑھتے ہیں؟

الجواب: ضاد کی جگہ ظاد استعمال کرنا شرعاً جرم ہے۔ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا قطعاً درست نہیں۔

کتاب الاذکار میں امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"ولو قال ولا الضالين بالظاء بطلت صلاته على ارجح الوجهين الا ان يعجز عن الضاد بعد التعلم فيعذر"۔

اس سے معلوم ہوا کہ محدثین کرام کے نزدیک "ولا الضالین" کی جگہ "ولا الظالین" پڑھنا نماز کو باطل کر دیتا ہے۔

اب اگر کوئی ضاد کی جگہ ظاد استعمال کرتا ہے تو اس کی اپنی نماز بھی باطل ہے اور مقتدیوں کی نماز بھی باطل ہے اور اسی طرح ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "شرح فقہ اکبر" صفحہ ۲۰۵ میں لکھتے ہیں:

وفي المحيط سئل الامام الفضلي عمن يقرأ الظاء المعجمة مكان الضّاد المعجمة او يقرء اصحاب الجنة مكان اصحاب النار او على العكس فقال لا يجوز امامته ولم تعمد يكفر قلت اما لو ن تعمده كفر افلا كلام فيه۔

ترجمہ: کتاب محیط میں لکھا ہے کہ امام فضلی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا ایسے آدمی کے متعلق جو ضاد کی جگہ ظاد استعمال کرے یا اصحاب الجنۃ کی جگہ اصحاب النار پڑھے یا اصحاب النار کی جگہ اصحاب الجنه پڑھا تو امام فضلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے آدمی کی امامت جائز نہیں ہے اگر یہ قصداً ضاد کی جگہ ظاد استعمال کرے تو یہ آدمی کافر ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر قصداً ضاد کی جگہ ظاد استعمال کیا تو یہ آدمی کافر ہوا اور اس پر کسی کا بھی اعتراض نہیں ہے۔

اور اسی طرح بحر الرائق جلد ۵، ص ۱۲۶ میں ہے کہ "ابدال الحرف بالحرف عمداً كفر" قرآن میں ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنا قصداً یہ کفر ہے"۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ نماز میں ضاد کی جگہ ظاد پڑھتے ہیں، یہ آدمی اسلام کے دائرہ سے خارج ہیں۔

اور فتاویٰ قاضی خان جلد ۱ صفحہ ۱۴۳ میں ہے:

"ولو قرأ والعديت ظبحاً بالظاء تفسد صلاته"۔

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"ولو قرء الا ما اضطررتم بالظاءِ تفسد صلاته"۔

اگر کسی نے "والعدیت ضبحاً" کو ظ کے ساتھ پڑھا (یعنی ظبحاً) اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں اگر کسی نے "الا ما اضطررتم" کو "ظ" کے ساتھ پڑھا(یعنی مظطررتم) اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

"و کذا لو قرأ غیر المغظوب با الظّاء او باالذّال تفسد الصلوٰته" ۔

اگر کسی نے غیر المغضوب کو ض یا ذ کے ساتھ پڑھا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی۔

اسی طرح کبیری صفحہ ۴۴۹ میں ہے:

"ولو قرء والنخل طلعها هضيم قرء بالظائِ او با الذال تفسد صلاته"۔

یعنی اگر کسی نے طلعها هضيم کو ظ یا ذ کے ساتھ پڑھا (هظيم يا هذيم) تو اس شخص کی نماز فاسد ہو گئی۔

اور فتاوٰی قاضی خان جلد ۱ صفحہ ۱۴۶ میں ہے:

"ولو قرء فترضیٰ با الظاء تفسد صلاته"۔

یعنی اگر کسی نے "فترضیٰ" کو ظ کے ساتھ پڑھا (فترظیٰ) تو اس کی نماز فاسد ہو گئی۔

فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۲۸۸ مطبع مجیدی میں ہے:

"سئل عمن يقرأ الزاء مقام الضاد و قرأ اصحاب الجنة مقام اصحاب النار قال لا تجوز امامته ولو تعمد يكفر"۔

یعنی اس شخص کا حکم پوچھا گیا جو "ض" کی جگہ "ز" پڑھے اور اصحاب الجنه کی جگہ اصحاب النار ، فرمایا اس کی امامت جائز نہیں اور اگر قصداً کیا تو کافر ہو جائے گا۔

اسی طرح ردالمختار جلد ۱ مطبوعہ مصر صفحہ ۴۴۴ میں ہے:

"ان تعمد ذلک تفسد"۔

یعنی اگر قصداً حرف کو تبدیل کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"من زاد حرفاً فی القرآنِ او نقص منه او بدل حرفاً بحرفٍ متعمداً فقد کفر"۔

یعنی اگر کسی نے قرآن میں قصداً کسی حرف کو زیادہ کیا یا کم کیا یا ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دیا تحقیق کے ساتھ وہ آدمی کافر ہے"۔

اور اسی طرح قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شفا شریف جلد ۲ صفحہ ۲۲۴ میں فرماتے ہیں:

"وقد اجمع المسلمون ان جميع ما فی القرآن حق و ان من نقص منه حرفاً قاصداً لذالک النقص او بدل حرفا مکان حرف آخر او زاد حرفا فانه کافر"۔

یعنی مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب حق ہے، اگر کسی نے کوئی حرف کم کیا قصداً یا کسی حرف کو بدل دیا دوسرے حرف سے قصداً، یا اپنی طرف سے حروف زیادہ کیے تو یہ آدمی کافر ہے۔

اور اسی طرح جامع الفصولین صفحہ ۳۱۶ میں ہے:

"او یقرء الظاء مکان الضاد لم تجز امامته و لو تعمدا یکفر"۔

یعنی اگر کسی نے ضاد کی جگہ ظ پڑھا تو اس کی امامت صحیح نہیں ہے، اگر قصداً پڑھا تو کافر ہے۔

الفتاوی الولوالجیۃ جلد ۱ صفحہ ۳۷ میں ہے:

"رجل قرأفی صلاته الحمد لله بالهاء و الرحمن الرحیم بالهاء و غیر المغضوب علیهم بالذال او قل اعوذ بالدال، او الله الصمد بالسّین، او قرأفی التشهد التحیات لله بالهاء، او قال فی رکوعه: سبحان ربّی العظیم بالذال او الضاد، او سمع الله لمن حمده بالهاء، ان یجتهد باللیل و النّهار فی تصحیحه و لا یقدر علیه فصلاته جائزة، لانه عاجز و ان ترک جهده فصلاته فاسدة"۔

ترجمہ: اگر کسی نے نماز میں الحمد اللہ کو ھا کے ساتھ پڑھا، یا الرحمن الرحیم کو ھا کے ساتھ پڑھا، یا غیر المغضوب علیھم کو ذال کے ساتھ پڑھا، یا قل اعوذ کو دال کے ساتھ پڑھا، یا اللہ الصمد کو سین کے ساتھ پڑھا، یا تشھد میں التحیات للہ کو ھا کے ساتھ پڑھا، یا رکوع میں سبحان ربی العظیم کو ذال یا ضاد کے ساتھ پڑھا، یا سمع اللہ لمن حمدہ کو ھا کے ساتھ پڑھا، یہ آدمی اگر رات دن کوشش کرے تلفظ کے صحیح ہونے پہ تو اس شخص کی نماز جائز ہے، کیونکہ یہ عاجز ہے۔ اگر یہ کوشش کو ترک کر دے تو اس کی نماز فاسد ہے۔

اسی طرح مجموعۃ الفتاوی (جلد ۱، صفحہ ۹۸، کتاب القرآن) مولانا عبد الحی لکھتے ہیں کہ شفا شریف میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قد اجمع المسلمون علی من نقص من القرأن حرفا قاصدا الذلک او بدله بحرف آخر مکانه او زاد فیه حرفا أخر مما لم یشمل علیه المصحف الذی وقع الاجماع علیه و اجمع علی انه لیس من القرأن عامدا الکل هذا انه کافر انتهی۔

یعنی مسلمانوں نے اس پر اجماع کر لیا ہے کہ جو شخص قرآن میں قصداً کوئی حرف کم کرے یا اسکو دوسرے حرف سے بدل کر اسی جگہ لکھدے یا کوئی اور حرف بڑھادے جو مجمع علیہ مصحف میں نہیں پایا جاتا ہے اور اس کے قرآن میں نہ ہونے پر اجماع ہو وہ کافر ہے۔

خلاصۃ الفتاوی جلد ۱ صفحہ ۱۹۶ پر ہے:

"و لو قرء فی الاما اضطر رتم بالذال او بالظاء یفسد صلوته"۔

یعنی اگر کسی نے "الاما اضطررتم" کو ذال یا ظ کے ساتھ پڑھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

آگے لکھتے ہیں:

"لو قرء المغضوب بالظاء او بالذال یفسد صلوته"۔

یعنی اگر کسی نے "المغضوب" کو ظ یا ذال کے ساتھ پڑھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

تفسیر روح البیان جلد ۱۰، صفحہ ۳۵۳ میں لکھا ہے:

" قال فی المحیط البرھانی اذا اتی بالظاء مکان الضاد او علی العکس فالقیاس تفسد صلوته وھو قول عامة المشائخ"۔

یعنی محیط برھانی میں ہے کہ اگر کسی نے ضاد کی جگہ ظا پڑھا یا اس کے برعکس، اس شخص کی نماز فاسد ہو گئی اور یہ عام مشائخ کا قول ہے۔

اور آگے فرماتے ہیں:

"وفی الخلاصة لو قرء بالظاء مکان الضاد او بالضاد مکان الظاء تفسد صلوته، عند بحنیفة و محمد"۔

یعنی اگر کسی نے ضاد کی جگہ ظا استعمال کیا یا اس کے برعکس تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنھما کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہو گئی۔

خلاصہ کلام یہ نکلا کہ فقہاء کرام کے جوابات سے معلوم ہوا کہ ضاد کی جگہ ظا استعمال کرنا نماز کو فاسد کر دیتی ہے اور یہ تمام فقہاء کرام کا اتفاقی مسئلہ ہے، اور بعض فقہاء کرام نے کفر کا فتوٰی دیا ہے۔ اور یہ کام یہودیوں کا ہے جو کہ قرآن کے حروف میں ردوبدل کرتے ہیں جیسے کہ اللہ جلّ شانہ ارشاد فرماتا ہے سورۃ النساء آیت ۴۶، پارہ ۵، "مِنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ" یعنی اور بعض یہودوہ ہیں جو کہ بدلتے رہتے ہیں کلمہ کو۔ لہٰذا ایسے امام کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔

(۷۵) مسئلہ نمبر پچھتر: مغرب کا وقت

ویجب التاخیر فی المغرب تزول الحمرة من رأس اللیل لان خمسین من الصحابة یأکلون الصوم ویؤدون الصلوة قبل زوال الحمرة من رأس اللیل فالنبی ﷺ حکم باعادة الصلوة وقضاء الصوم ولیس المغرب ان یقوم اللیل علی رأس الجبل لان بعض الجبال اقصر وبعضھا طویل واللیل یری من رأس الجبل القصیر ولا تزول الشمس من رأس الجبل الطویل (فتاوی مسافری) روی انه علیه السلام قال اذا اقبل الظلام من ھھنا واشار الی المشرق وادبر النھار من ھھنا واشار الی المغرب وقد افطر الصائم ونقل عن بعض الزّھّاد انه لابدّ من ارتفاع الظلام الی وسط السماء۔ (شیخ الاسلام) وذکر فی شرح المنظوم والنھایة ماحاصله ان علامة المغرب ازالة الحمرة الشرقیة حتی

یبلغ الشوادالی وسط السماءاول وقت المغرب مغیب الشمس علامة مغیبهاعدم حمرة فی المشارق المقابل للمغرب فی السماءفاذاذهبت الحمرة منه ولماان الشمس مقطت فی المغرب۔(نهج البلاغة وابتداءمغرب ازحین غیوب شمس ونزدجمهورازحین زوال حمرت ناحیۂ مشرق تحفة الابرابرمصنفة غلام حسین جون پورص ۱۶)وفی شرع من الطلوع الفجرالثانی الی غروب الشمس ولایخفی زمان اللیل علی المذهبین (شرح چغمینی)قوله الی غروب الشمس بمعنی مجاوزته علی الافق الغربی بحیث تظهر الظلمة فی جانب المشرق وتزول الحمرة ۔(منه برشرح چغمینی)ووقت العصرمنه الی قبیل الغروب فلوغربت ثم عادت الیعودالوقت الظاهرنعم۔(درمختاربقول الظاهرنعم)بحث لصاحبه النهرحیث قال ذکرت الشافعیّة انّ الوقت یعودلانه علیه السلام نعم فیه حجرعلی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه غربت الشمس فلمااستیظ ذکرله انه فاتته العصرفقال اللهم انه کان فی طاعتک وطاعة رسولک فرضهاعلیه فردت حتی صلی العصروکان ذلک بخیبروالحدیث صحیحه الطحاوی وعیاض قلت ان اسماعیل ردمابعثه فی النهرتبعاللشّافعیّ بان صلوة العصربغیبوبة الشفق تصیرقضاءورجوعهالایعیدهااداء۔[1]

(۱)اول وقت صلوة المغرب غیبوبة الشمس,وعلامته سقوط جرم القرص وعلامته عدم الحمرةمن جانب الشرق اه۔نهایةثم حسب المفتین کتاب الصلوةباب الاوقات۔

(۲)علامة المغرب ازالة الحمرة الشرقیة حتی یبلغ السوادالی وسط السمآءاه۔شیخ الاسلام هوالمنقول عن بعض الزهاد۔اه۔شرح المنظومة۔

(۳)اول وقت صلوة المغرب وقت غروب الشمس اذاغربت عن الافق وان کان فی جانب المغرب حائل فعلامةوقت المغرب هی التی اذازالت الحمرةمن جانب الشرق ویرفع السواد۔اه۔الفج العمیق ص ۱۹۹ وغیرها۔

(۴)وفی الشرع النهارمن طلوع الفجرالثانی الی غروب الشمس بمعنی مجاوزته عن الافق الغربی بحیث تظهرالظلمة فی جهة المشرق وتزول الحمرة منه اه۔حاشیه السیدعلی الچغمنی باب الاشیاء المفردة ص ۱۱۲،ص ۱۱۶،ص ۱۳۰ ،والسبع الشدادفصل الیوم واللیل۔ص ۳۶۔

(۵)ابتداءاللیل عنداهل السنةعن مجاوزة جرم الشمس بتمامهاعن الافق الغربی (ای بحیث تظهر الظلمة فی جهةالمشرق وتزول الحمرةمنه کمامر)وعندالامامیةمن زوال الحمرةالشرقیةوظهورالظلمةفی ذلک الجانب ، اه۔برجندی بهامش شرح الچغمنی ص ۱۱۲ ای وعندالامامیة ابتداءوقت المغرب من اشتباک النجوم وهومرادالبرجندی بدلائل کثیرة۔

(۶)قولهم اهل الکتاب یؤخرون الفطرالی اشتباک النجوم ۔ای اختلاطها،ثم صارعادة لاهل البدعة منا۔اه۔توربشتی،ثم مرقات جلد۳ص ۱۳ ۵وص ۱۵ ۵ورسائل الارکان ص ۲۰وعینی الهدایة جلد ۱ باب الاوقات ص ۲۹۲وعینی البخاری ج۵ص ۲۹۲واشعة اللمعات ج۲ص ۸۵معنی اشتباک النجوم ظهورجمیعهاصغارهاوکبارهاحتی لایبقیٰ منهاشیٔ ۔اه۔ملخص مجمع البحارعلی المشکوة ص ۱۶۹ وشامی

---

[1](ردالمحتار)

ج ۱ اوقات ص ۲۴۹ ولهٰن المذکورو للاحادیث الصریحة کرہ تاخیر الافطار و صلوة المغرب الی اشتباک النجوم واما تاخیر هما الی تیقن الغروب ففرض، واما مراد (تعجیل افطار در حدیث) تعجیل بعداز تحقق وقت و تیقن غروب است اه۔ شیخ الاسلام شرح البخاری جز ۸ و اشعة اللمعات جلد ۱ اوقات ص ۳۱۹ ومحیط برهانی جلد ۱ اوقات ص ۲۱۴۔

بدلائل الایات بالتفاسیر

(۱) قوله تعالیٰ (واٰیة لهم اللیل نسلخ) ننزع (منه النهار فاذاهم مظلمون داخلون فی الظلمة وذلک ان الاصل هی الظلمة والنهار داخل علیها فاذا غربت الشمس سلخ النهار من اللیل فتظهر الظلمة اه۔[1]

(۲) "نسلخ "ای نخرج منه النهار اخراجا لایبقی معه شئ من ضوء النهار، او ننزع عنه الضوء کنزع القمیص الابیض فیعری نفس الزمان کشخص زنجی اسود لان لان اصل مابین السماء والارض من الهواء۔ الظلمة فاکتی بعضه ضوء الشمس کبیت مظلم اسرج فیه فاذا غاب السراج اظلم (فاذاهم مظلمون) داخلون فی الظلام، اه۔[2]

(۳) وقوله تعالیٰ (یغشی اللیل النهار) یعنی انه تعالیٰ یاتی باللیل علی النهار فیغشیه ویلبسه حتی یذهب بنوره۔[3]

(۴) وقوله تعالیٰ (واللیل اذا یغشها) ای یغشی اللیل الشمس حین تغیب فتظلم الافاق اه۔[4]

(۵) قوله تعالیٰ (واللیل اذا یغشی) ای یغشی النهار بظلمته فیذهب اللّٰه بضوئه اه۔[5]

(۶) قوله واللیل اذا یغشی، بظلمته کل مابین السمآء والارض اه۔[6]

(۷) قوله تعالیٰ (واللیل اذا سجی) ای قال قتاده والضحاک غطی کل شئی بظلامه۔ اه۔[7]

اقول خلاصة الآیات بشرحها ان اللیل یوجد باحاطة الظلمة علی کل مابین السماء والارض والافاق سوی شفق المغرب فتکون مثبتة لاقوال العلماء المذکورة۔

وبدلائل الاحادیث الصحیحة

(۱) عن ابی هریرة (رضی اللّٰه تعالیٰ عنه) قال قال الرسول اللّٰه ﷺ "اول وقت المغرب حین تغرب الشمس"، الخ۔[8]

---

1 (معالم، للبغوی، وخازن جلد ۶ سورة یسٓ ص ۷)

2 (المدارک ج ۴، یسٓ ص ۷)

3 (معالم وخازن اعراف ص ۱۹۷ وجمل جلد ۲، اعراف ص ۱۴۹)

4 (معالم وخازن ج ۷ الشمس ص ۲۷۹ ومدارک ج ۴ ص ۳۸۱ وابو السعود ج ۸ ص ۲۷۲ وابن عباس ص ۴۷۲ وجلالین وجمل ج ۴ ص ۵۱۳ و کبیر ج ۸ ص ۴۳۷)

5 (معالم وخازن ج ۷ اللیل ص ۲۱۱ وابن عباس (رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما) ص ۵۱۳)

6 (جلالین وصاوی ج ۴ اللیل ص ۲۲۳)

7 (معالم وخازن ج ۷ الضحی ص ۲۱۵ وتبصیر الرحمن ج ۲ ص ۴۰۵ وصاوی ج ۴ ص ۳۲۶)

8 (ترمذی ص ۲۱ وموطا محمد ص ۲۱۴ ونصب الرایة جلد ۱ ص ۱۱۶)

(۲)عن سلمة بن الاکوع (رضی اللہ تعالیٰ عنها)قال کان الرسول علیه السلام یصلی المغرب اذاغربت الشمس وتوارت بالحجاب اھ۔[1]

(۳)عن ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنهما)قال قال الرسول ﷺ امّنی جبریل علیه السلام عندالبیت الی قوله ثم صلی المغرب حین وجبت الشمس و افطر الصیام، اھ۔[2]

(۴)وعن بریدة(رضی اللہ تعالیٰ عنه) قال اتی النبی ﷺ رجل فساله عن مواقیت الصلوة (الی قوله)ثم امره بالمغرب حین وقع حاجب الشمس اھ۔[3]

(۵)عن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنه)قال قال رسول اللہ ﷺ اذااقبل اللیل من ھھناوادبر النهارمن ھھناوغربت الشمس فقدافطر الصایم متفق علیه اھ۔[4]

قال شراح الحدیث الاخیرھذه الثلاثة ای الاقبال و الادبارو الغروب و کذلک توارة الحجاب و الوجوب والوقوع وافطارالصایم ،المذکورة فی ھذه الاحادیث ،متلازمة ،وذکر الاخیرین للتاکیدبان المرادمن الاقبال ھو الاقبال الحقیقی،ای اقبال الظلمة الصرفة وانعدام الحمرة المشرقیة کمامر التصریح من العلماء،لامطلق الاقبال اھ۔ای لیس المراداقبال الظلمة من المشرق مع وجودالحمرة فوق ذلک الظلمة فتکون الاحادیث المذکورة مثبتة للاقوال المذکورة۔[5]

(۷۶)مسئلہ نمبر چھہتر: رمضان شریف میں عبادت کی فضیلت اور رمضان کے آخری جمعہ میں پانچ نمازوں کی قضاء باجماعت ادا کرنا اور رمضان المبارک میں عمرہ ادا کرنا حج کے ثواب کے برابر

وَعَن سلمَان قَالَ: خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي آخِرِ يَوْمٍ مِنْ شَعْبَانَ فَقَالَ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ أَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيمٌ مُبَارَكٌ شَهْرٌ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مَنْ أَلْفِ شهر جعل الله تَعَالَى صِيَامَهُ فَرِيضَةً وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا مَنْ تَقَرَّبَ فِيهِ بخصلة من الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ أَدَّى فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ وَمَنْ أَدَّى فَرِيضَةً فِيهِ كَانَ كَمَنْ أَدَّى سَبْعِينَ فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ۔[6]

أَخْبَرَنَا هَنَّادٌ، عَنْ هُشَيْمٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: «إِنَّ الْمُشْرِكِينَ شَغَلُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَرْبَعِ صَلَوَاتٍ يَوْمَ الْخَنْدَقِ، فَأَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ، ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ، ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ، ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ، ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعِشَاءَ۔[7]

---

[1] (ترمذی ص ۲۳)
[2] (ترمذی ج ۱ ص ۲۱ وابوداود ثم نصب الرایة ج ۱ ص ۱۱۵)
[3] (ترمذی ج ۱ ص ۲۱)
[4] (مشکوة،باب الصوم ص ۱۶۷)
[5] (الکنز الاقرب فی وقت المغرب ص ۱ -۴ مصنفة شیخ الاسلام الحاج مولوی شائستہ گل نوراللہ مرقدہ)
[6] (مشکوة شریف ج ۱ ص ۱۷۳)
[7] (نصب الرایة ج ۱ قضاء الفوائت ص ۲۹۹)

مسائل متفرقہ کے بیان میں

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لو اراد اللہ ان یعذب امۃ محمد ﷺ من المؤمنین لما اکرمھم بشھر رمضان فمن صلی الفائتۃ فی آخر جمعۃ من رمضان بین الظھر و العصر فانما صلی سبعین سنۃ۔[1]

عن رسول اللہ ﷺ من قضی خمس صلوات فی آخر جمعۃ رمضان ویختم بالوتر کان کمن ادی ای صلی سبعین سنۃ کذافی الشامی مصنفہ امام کبیر بیھقی اسماعیل بن الحسین الحنفی فی الفوائد البھیئۃ ص ۸۹

قال رسول اللہ ﷺ من قضی خمس صلوات فی اخر جمعۃ من رمضان کان ذلک جابر الکل صلوات فائتۃ فی عمرہ الی سبعین سنۃ کذافی النھایۃ شرح الھدایۃ۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے رمضان کے آخری جمعہ میں پانچ نمازوں کی قضاء کی تو یہ اس کی ہر فوت شدہ نماز کیلیے جبیرہ ہو گا ستر سال تک اوراسی طرح نہایہ شرح ہدایہ میں بھی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسلم: إِن عمْرَة فِي رَمَضَان تعدل حجَّة۔[2]

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِي جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللَّهَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ لَهُ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ. قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَامَّةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيّ۔[3]

فتاویٰ فضلی میں محمد بن فضل نے ذکر کیا ہے کہ:

ان اباحنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جوز قضاء خمس صلوات فی اخر جمعۃ رمضان من الفجر الی العشاء مع الوتر لتکون جبیرۃ لکل صلوۃ فاتتہ فی عمرہ علی سبعین سنۃ لا بدلا۔

اس طرح فقیہ ابو اللیث سمرقندی فرماتے ہیں:

اذا جآءت الجمعۃ الاخیرۃ من رمضان ینبغی للمسلم ان یطھر بدنہ تطھیرا کاملا ثم یؤدی جمعتہ و بعد الفراغ من ذالک یصلی خمس صلوات من الصبح الی العشاء مع الوتر یخیر فی الاداء بالجماعۃ او الانفراد لکن اداء بالجماعۃ اولی یسیرا علی الناس ویکون ذالک جبیرۃ لمافات من الصلوۃ فی عمرہ بالجماعۃ ۔عیون الفقیہ ابی اللیث سمرقندی: ج ۱ باب الجمعۃ و کذاباب المرتد۔ویصلی الوتر و المغرب بثلثۃ قعدات و ضم الرکعۃ الرابعۃ و کذافی تحفۃ المواعظ مصنفہ مولانا یعقوب چرخی و کذافی الفتاویٰ الحجۃ لقاضی خان ۔وکلما شرع بالجماعۃ فالمسجد فیہ افضل۔[4]

---

[1] (تذکرۃ الواعظین باب شرف رمضان ص ۱۵۲ لمحمد جعفر الحنفی)

[2] (مشکوۃ المصابیح ص ۲۲۱ ج ۱)

[3] (مشکوۃ المصابیح ص ۸۹)

[4] (درمختار تراویح ص ۴۷۳ وطحطاوی تراویح)

(۷۷)مسئلہ نمبر ستہتر: گانا بجانا اور رقص کی حرمت

گانا بجانے کے متعلق علامہ السید آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وذكر الإمام أبو بكر الطرسوسي في كتابه في تحريم السماع أن الإمام أبا حنيفة يكره الغناء ويجعله من الذنوب وكذلك مذهب أهل الكوفة سفيان، وحماد، وإبراهيم، والشعبي، وغيرهم لا اختلاف بينهم في ذلك ولا نعلم خلافا بين أهل البصرة في كراهة ذلك والمنع منه انتهى وكأن مراده بالكراهة الحرمة، والمتقدمون كثيرا ما يريدون بالمكروه الحرام كما في قوله تعالى: كُلُّ ذلِكَ كانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهاً [الإسراء: 38] ونقل عليه الرحمة فيه أيضا عن الإمام مالك انه نهى عن الغناء وعن استماعه وقال: إذا اشترى جارية فوجدها مغنية فله أن يردها بالعيب وإنه سئل ما ترخص فيه أهل المدينة من الغناء فقال: إنما يفعله عندنا الفساق؟ ونقل التحريم عن جمع من الحنابلة على ما حكاه شارح المقنع وغيره، وذكر شيخ الإسلام ابن تيمية في كتاب البلغة أن أكثر أصحابهم على التحريم وعن عبد الله ابن الإمام أحمد انه قال: سألت أبي عن الغناء فقال ينبت النفاق في القلب لا يعجبني ثم ذكر قول مالك: إنما يفعله عندنا الفساق، وقال المحاسبي في رسالة الإنشاء الغناء حرام كالميتة، ونقل الطرسوسي أيضا عن كتاب أدب القضاء أن الإمام الشافعي رضي الله تعالى عنه قال: إن الغناء لهو مكروه يشبه الباطل والمحال من استكثر منه فهو سفيه ترد شهادته، وفيه أنه صرح أصحابه العارفون بمذهبه بتحريمه وأنكروا على من نسب إليه حله كالقاضي أبي الطيب، والطبري، والشيخ أبي إسحاق في التنبيه وذكر بعض تلامذة البغوي في كتابه الذي سماه التقريب أن الغناء حرام فعله وسماعه، وقال ابن الصلاح في فتاواه بعد كلام طويل: فإذن هذا السماع حرام بإجماع أهل الحل والعقد من المسلمين انتهى۔[1]

وَفِي فَتَاوَى قَاضِيخَانَ: اسْتِمَاعُ صَوْتِ الْمَلَاهِي كَالضَّرْبِ بِالْقَضِيبِ وَنَحْوِ ذَلِكَ حَرَامٌ وَمَعْصِيَةٌ لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - "«اسْتِمَاعُ الْمَلَاهِي مَعْصِيَةٌ، وَالْجُلُوسُ عَلَيْهَا فِسْقٌ، وَالتَّلَذُّذُ بِهَا مِنَ الْكُفْرِ»" إِنَّمَا قَالَ ذَلِكَ عَلَى وَجْهِ التَّشْدِيدِ، وَإِنْ سَمِعَ بَغْتَةً فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ، وَيَجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يَجْتَهِدَ كُلَّ الْجُهْدِ حَتَّى لَا يَسْمَعَ لِمَا رُوِيَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - «أَدْخَلَ أُصْبُعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ۔[2]

وَإِنْ سَمِعَ بَغْتَةً يَكُونُ مَعْذُورًا وَيَجِبُ أَنْ يَجْتَهِدَ أَنْ لَا يَسْمَعَ۔[3]

السَّمَاعُ وَالْقَوْلُ وَالرَّقْصُ الَّذِي يَفْعَلُهُ الْمُتَصَوِّفَةُ فِي زَمَانِنَا حَرَامٌ لَا يَجُوزُ الْقَصْدُ إلَيْهِ وَالْجُلُوسُ عَلَيْهِ۔[4]

وَلَا اعْتِبَار لما أبدعته الجهلة من الصُّوفِيَّة فِي ذَلِك فَإنَّك إِذا تحققت أَقْوَالهم فِي ذَلِك وَرَأَيْت أفعالهم وقفت على آثَار الزندقة مِنْهُم۔[1]

---

[1](روح المعانی، جلد ۲۱، صفحہ ۶۹، سورۃ لقمان، آیات ۱ تا ۱۱)

[2](مرقاۃ جلد ۳ ص ۵۳۸)

[3](ردالمحتار ج ۵ ص ۲۷۹)

[4](فتاویٰ ہندیۃ ج ۵، ص ۳۵۲)

فَأَمَّا مَا ابْتَدَعَتْهُ الصُّوفِيَّةُ الْيَوْمَ مِنَ الْإِدْمَانِ عَلَى سَمَاعِ الْمَغَانِي بِالْآلَاتِ الْمُطْرِبَةِ مِنَ الشَّبَّابَاتِ والطار والمعازف والأوتار فحرام۔[2]

وَمَا يَفْعَلُهُ مُتَصَوِّفَةُ زَمَانِنَا حَرَامٌ لَا يَجُوزُ الْقَصْدُ وَالْجُلُوسُ إلَيْهِ وَمَنْ قَبْلَهُمْ لَمْ يَفْعَلْ كَذَلِكَ، وَمَا نُقِلَ أَنَّهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - سَمِعَ الشِّعْرَ لَمْ يَدُلَّ عَلَى إبَاحَةِ الْغِنَاءِ. وَيَجُوزُ حَمْلُهُ عَلَى الشِّعْرِ الْمُبَاحِ الْمُشْتَمِلِ عَلَى الْحِكْمَةِ وَالْوَعْظِ، وَحَدِيثُ تَوَاجُدِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - لَمْ يَصِحَّ، وَكَانَ النصر آباذي يَسْمَعُ فَعُوتِبَ فَقَالَ: إنَّهُ خَيْرٌ مِنَ الْغِيبَةِ فَقِيلَ لَهُ هَيْهَاتَ بَلْ زَلَّةُ السَّمَاعِ شَرٌّ مِنْ كَذَا وَكَذَا سَنَةً يَغْتَابُ النَّاسَ، وَقَالَ السَّرِيُّ: شَرْطُ الْوَاجِدِ فِي غَيْبَتِهِ أَنْ يَبْلُغَ إلَى حَدٍّ لَوْ ضُرِبَ وَجْهُهُ بِالسَّيْفِ لَا يَشْعُرُ فِيهِ بِوَجَعٍ اهـ. قُلْت: وَفِي التَّتَارْخَانِيَّةِ عَنْ الْعُيُونِ إنْ كَانَ السَّمَاعُ سَمَاعَ الْقُرْآنِ وَالْمَوْعِظَةِ يَجُوزُ، وَإِنْ كَانَ سَمَاعَ غِنَاءٍ فَهُوَ حَرَامٌ بِإِجْمَاعِ الْعُلَمَاءِ وَمَنْ أَبَاحَهُ مِنْ الصُّوفِيَّةِ، فَلِمَنْ تَخَلَّى عَنْ اللَّهْوِ، وَتَحَلَّى بِالتَّقْوَى، وَاحْتَاجَ إلَى ذَلِكَ احْتِيَاجَ الْمَرِيضِ إلَى الدَّوَاءِ. وَلَهُ شَرَائِطُ سِتَّةٌ: أَنْ لَا يَكُونَ فِيهِمْ أَمْرَدُ، وَأَنْ تَكُونَ جَمَاعَتُهُمْ مِنْ جِنْسِهِمْ، وَأَنْ تَكُونَ نِيَّةُ الْقَوْلِ الْإِخْلَاصَ لَا أَخْذَ الْأَجْرِ وَالطَّعَامِ، وَأَنْ لَا يَجْتَمِعُوا لِأَجْلِ طَعَامٍ أَوْ فُتُوحٍ، وَأَنْ لَا يَقُومُوا إلَّا مَغْلُوبِينَ وَأَنْ لَا يُظْهِرُوا وَجْدًا إلَّا صَادِقِينَ.

وَالْحَاصِلُ: أَنَّهُ لَا رُخْصَةَ فِي السَّمَاعِ فِي زَمَانِنَا لِأَنَّ الْجُنَيْدَ - رَحِمَهُ اللَّهُ - تَعَالَى تَابَ عَنْ السَّمَاعِ فِي زَمَانِهِ اهـ۔[3]

الرَّقْصِ وَالسُّخْرِيَةِ وَالتَّصْفِيقِ وَضَرْبِ الْأَوْتَارِ مِنْ الطُّنْبُورِ وَالْبَرْبَطِ وَالرَّبَابِ وَالْقَانُونِ وَالْمِزْمَارِ وَالصَّنْجِ وَالْبُوقِ، فَإِنَّهَا كُلَّهَا مَكْرُوهَةٌ لِأَنَّهَا زِيُّ الْكُفَّارِ۔[4]

(۷۸)مسئلہ نمبر اٹھہتر: مسئلہ اپنا مذہب چھوڑنا اور اپنی خواہش کی تابعداری کرنا گناہ ہے

فقہاء کرام کی تصریحات یہ ہیں

(۱) قَالُوْا اَلْمُنْتَقِلُ مِنْ مَذْهَبٍ اِلیٰ مَذْهَبٍ بِاجْتِهَادٍ وَ بُرْهَانٍ آثِمٌ يَسْتَوْجِبُ التَّعْزِيْرَ فَبِلَا اِجْتِهَادٍ وَ بُرْهَانٍ اَوْلیٰ۔[5]

(۲) لَمْ يَجُزْ لِلْحَنَفِیْ اَنْ يَأْخُذَ بِقَوْلِ مَالِكٍ رحمة الله تعالیٰ عليه وَ الشَّافِعِیْ رحمة الله تعالیٰ عليه فِيْمَا خَالَفَ مَذْهَبَهٗ۔[6]

(۳) لَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ مَنْ انتَقَلَ مِنْ مَذْهَبِ اَبِی حَنِيْفَة رحمة الله تعالیٰ عليه الی مَذْهَبِ الشافعی رحمة الله تعالیٰ عليه۔[7]

---

[1] (عمدۃ القاری، ج۶، ص ۲۷۱)
[2] (تفسیر قرطبی، ج۱۴، ص ۵۶)
[3] (ردالمحتار، ج۵، ص ۲۴۶)
[4] (ردالمحتار، ج۵، ص ۲۷۹)
[5] (جامع الفصولین، ص ۱۲)
[6] (حوالہ سابقہ، ص ۱۳)
[7] (تکملہ، ص ۱۴۷)

(۴) لَا یفْتیٰ بِغَیْرِ قَوْلِ اَبِیْ حَنِیْفَۃ رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ وَ اِنْ صَحَّحَہُ الْمشائخ۔[1]

(۵) رَجُلٌ قَالَ اَنَا لَا اَعْمَلُ بِفَتْوٰی الْفُقَهَاءِ اَوْ لَیْسَ کَمَا قَالَ الْفُقَهَاءُ یُعَزَّرُ۔[2]

(۶) قَالُوْا لَا یُعْدَلُ عَنْ قَوْلِ الْإِمَامِ۔[3]

(۷) مطلب فيما إذا ارتحل إلى غير مذهبه قوله (ارتحل إلى مذهب الشافعي يعزر) أي إذا كان ارتحاله لا لغرض محمود شرعا لما في التاترخانية حكى أن رجلا من أصحاب أبي حنيفة خطب إلى رجل من أصحاب الحديث ابنته في عهد أبي بكر الجوزجاني فأبى إلا أن يترک مذهبه فيقرأ خلف الإمام ويرفع يديه عند الانحطاط ونحو ذلک فأجابه فزوجه۔

فقال الشيخ بعد ما سئل عن هذه وأطرق رأسه النكاح جائز ولكن أخاف عليه أن يذهب إيمانه وقت النزع لأنه استخف بمذهبه الذي هو حق عنده وتركه لأجل جيفة منتنة۔[4]

(۸) کل نص خالف مذهب الامام فهو محمول على النسخ، او التاويل، او الترجيح، اه۔[5]

(۹) فليس لاحد ان يقول انا اخذ بظاهر الحديث واترک ما نص عليه مشائخ مذهبی، اه۔[6]

(۱۰) فامامن ليس له رتبة الاجتهاد وهو حکم کل اهل العصر يفتی بمذهبه فلو ظهر له ضعف مذهبه لم يجز له ان يترکه وما يشکل عليه من الآية او الحديث يلزمه ان يقول لعل عند صاحب مذهبی جواباً عن هٰذا فانی لست مستقلاً بالاجتهاد فی اصل الشرح اه۔[7]

(۱۱) فالادلة الاربعة انما يتوصل بها المجتهد لا المقلد اما المقلد فالدليل عنده قول المجتهد، اه۔[8]

(۱۲) ولا ينظر الی قول من خالفهم ولا تقبل مجته لانهم عرفوا الادلة وميزوا بين ما صح وثبت وبين ضده فإنه يميل إليهم ويفتي بقولهم ولا يخالفهم برأيه وإن كان مجتهداً متقناً لأن الظاهر أن يكون الحق مع أصحابنا ولا يعدوهم واجتهاده لا يبلغ اجتهادهم، اه۔[9]

(۱۳) فان الائمة اعلم منه بالآثار والاخبار فلعلهم اطلعوا على ما لم يطلع عليه ووصلوا الی ما لم يصل اليه، اه۔[10]

---

[1] (الفتاوی الخیریہ، ج ۲، ص ۵۳)

[2] (قاضی خان، ص ۳۸۱)

[3] (شرح المجله، ص ۱۱۲۹)

[4] (ردالمحتار علی الدر المختار، ج ۳، ص ۲۰۸)

[5] (حامدیہ، ص ۳۶۸ و بمعناہ فی جواهر الفتاوی کراهیة، ص ۵، ثم مجموعة رسائل ابن عابدین الشامی، ج ۲، رسالة الوقف، ص ۲۳، احیاء العلوم کتاب العلم التلبیس فی المناظرة، ص ۳۸، اتحاف سادة المتقین شرح الاحیاء ثم وجوب التقلید، ص ۲۱)

[6] (مجموعة الرسائل ابن عابدین الشامی، ج ۲، ص ۲۳، عقد الجید لولی اللہ الدهلوی و بمعناہ قاضی خان، ج ۱، رسم المفتی، ص ۲ شرح برهان الائمة علی ادب القضاء للخصاف، مجموعة الرسائل الشامی، ج ۲، ص ۲۴، کفایة الهدایة و نور الهدی و طحطاوی الدر المختار و فتح القدیر کتاب القضاء)

[7] (احیاء العلوم کتاب العلم التلبیس فی المناظرة، ص ۲۸)

[8] (تلویح مقدمه، ص ۴۴، و بمعناہ فی مسلم الثبوت، ص ۲، برهنه صوم، ص ۳۸۲، اصول الشاشی اجماع، ص ۱۳۰، شامی، ج ۱، رسم المفتی، ص ۳۰)

[9] (قاضی خان، ج ۱، رسم المفتی، ص ۲، شرح برهان ائمة علی ادب القضاء للخصاف، مجموعة رسائل ابن العابدین الشامی، ج ۲، ص ۲۴)

[10] (مجموعة الرسائل ابن عابدین الشامی، ج ۲، ص ۲۴، نور الانوار اجماع، ص ۲۲۰، قاضی خان، ج ۱، رسم المفتی)

(۱۴) فمن زعم انما اورده البخاری فی صحیحه فی بابه لم یبلغ ابا حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه و اصحابه خرج عن حدا الانصاف و دخل فی باب الاعتساف، اه۔[1]

(۱۵) قال فی الاحیاء فالظن بابی حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه ان هذه الاحادیث لم تبلغه و لو بلغته لقال بها قلت هذا من بعض الظن فان حسن الظن بابی حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه انه احاط بالاحادیث الشریفة من الصحیحة و الضعیفة لکنه رجح الحدیث الدال علی الحرمة او حمله علی الکراهة جمعاً بین الاحادیث و عملاً بالروایة و الدریة، اه۔[2]

چنانچہ ردالمختار فتاویٰ شامی میں ہے:

حُکِيَ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ أَبِي حَنِيفَةَ خَطَبَ إلَى رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ الْحَدِيثِ ابْنَتَهُ فِي عَهْدِ أَبِي بَكْرٍ الْجُوزَجَانِيِّ فَأَبَى إلَّا أَنْ يَتْرُكَ مَذْهَبَهُ فَيَقْرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ، وَيَرْفَعَ يَدَيْهِ عِنْدَ الِانْحِطَاطِ وَنَحْوَ ذَلِكَ فَأَجَابَهُ فَزَوَّجَهُ، فَقَالَ الشَّيْخُ بَعْدَمَا سُئِلَ عَنْ هَذِهِ وَأَطْرَقَ رَأْسَهُ: النِّكَاحُ جَائِزٌ وَلَكِنْ أَخَافُ عَلَيْهِ أَنْ يَذْهَبَ إيمَانُهُ وَقْتَ النَّزْعِ؛ لِأَنَّهُ اسْتَخَفَّ بِمَذْهَبِهِ الَّذِي هُوَ حَقٌّ عِنْدَهُ وَتَرَكَهُ لِأَجْلِ جِيفَةٍ مُنْتِنَةٍ۔[3]

حضرت خواجہ ابو بکر جزجانی قدس سرہ کے زمانے میں ایک حنفی نے کسی اہل حدیث سے رشتہ طلب کیا اس اہل حدیث نے یہ شرط لگائی کہ اگر تو حنفی مذہب چھوڑدے نماز میں سورہ فاتحہ خلف امام پڑھے اور رفع یدین کرے تو میں رشتہ دے دیتا ہوں اس حنفی نے یہ شرط قبول کرلی اور نکاح کرلیا پھر یہ مسئلہ حضرت خواجہ جزجانی قدس سرہ سے پوچھا گیا کہ یہ نکاح ہوا ہے یا نہیں تو آپ قدس سرہ نے (مراقبہ) کیا سر جھکایا اور پھر سر اٹھاکر فرمایا کہ نکاح تو ہو گیا مگر مجھے ڈر ہے کہ یہ حنفی دنیا سے بے ایمان جائے گا آخری وقت اس کا ایمان چھن جائے گا کیونکہ اس نے گندے چمڑے کی خاطر اپنا حق مذہب چھوڑدیا ہے۔

میرے عزیز بھائیو! غور کرو کہ اس وقت کے اہل حدیث وہابی نہ تھے اور رسول کریم ﷺ کے گستاخ نہ تھے صرف ایک معیّن امام کی تقلید کو برا جانتے تھے جب ان کے ساتھ بیاہ و شادی کرنے سے ایمان کو خطرہ ہے تو آج کل کے اہل حدیث جو کہ عموماً وہابی ہیں بے ادب و گستاخ ہیں ان کے ساتھ بیاہ و شادی کرنے سے ایمان کیسے محفوظ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نظر بصیرت عطا فرمائے۔

---

[1] (شرح القاری لمسند الامام، ص ۲۰)

[2] (شرح القاری لمسند الامام، ص ۵۲)

[3] (فتاویٰ شامی ج۴ ص ۸۰ باب تعزیر)

(۷۹)مسئلہ نمبر اناسی: اہل ایمان کے دکھ کی دوا گستاخ کا قتل ہے

يحتمل أن تكون قلوبهم توجعت وتألمت بكفرهم باللّٰه وتكذيبهم الرسول، فوعدهم شفاء صدورهم، وذلك يحتمل وجهين:

أحدهما: أنهم يسلمون، فيصيرون إخوانًا، فيدخل فيهم السرور والفرح بإزاء ما حزنوا وتألموا، وذلك شفاء صدورهم۔

والثاني: يشف صدورهم بالقتل والهزيمة، يقتلون ويهزمون، ففي ذلك شفاء صدورهم، لما تألمت وتوجعت بالتكذيب والكفر باللّٰه وآياته۔

ترجمہ: امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اہل ایمان کے دل انتہائی دکھی اور رنجیدہ تھے کہ کافروں نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تکذیب کیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وعدہ فرمایا کہ میں اہل اسلام کے دلوں کو ضرور ٹھنڈا کروں گا اس میں دو وجوہ کا احتمال ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ وہ کفار اسلام قبول کر کے مسلمانوں کے بھائی بن جائیں گے اس طرح اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے دلوں سے غم دکھ کو دور کر کے خوشی داخل فرمائے گا دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اہل اسلام کے ہاتھوں قتل اور ذلت پہنچائے گا اور اس طرح جب وہ قتل ہوں گے اور ذلیل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اہل اسلام کے دلوں کو خوش کر دے گا۔[1]

امام ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ونفس المؤمن لاتشتفی من هذا الساب اللعين الطاعن فی سيد الاولين والآخرين الابقتله وصلبه بعد تعذيبه وضربه فان ذلك هو الائق به۔

ترجمہ: سید الاولین والآخرین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شان اقدس میں گستاخ لعنتی کے متعلق صاحب ایمان کا دل ٹھنڈا نہیں ہوتا جب تک کہ تکلیف دینے اور مارنے کے بعد اسے قتل نہ کرے یا سولی نہ چڑھائے کیونکہ یہ گستاخ اسی لائق ہے۔[2]

(۸۰)مسئلہ نمبر اسی: امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دم کرنے پر اجرت وصول فرمائی

باب ومن معجزاته شفاء المرضى ببركته وشكوى الجمل إليه وانتقال الشجر من مكانه للسلام عليه وانقياده لأمره) صلى الله عليه وسلم (عن يعلى بن مرة) قال لقد رأيت من رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاثا ما رآها أحد قبلي ولا يراها أحد بعدي (لقد خرجت معه في سفر) حتى إذا كنا ببعض الطريق مررنا بامرأة جالسة معها صبي لها فقالت يا

---

[1] (تفسیر ماتریدی ص ۲۵۴ ج۵ تحت الآیۃ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ)

[2] (رسائل ابن عابدین لامام شامی (ص ۱۹۰ ج ۲) مطبوعہ پشاور)

رسول أن هذا صبي أصابه بلاء وأصابنا منه بلاء، يؤخذ في اليوم ما أدرى كم مرة، قال ناولينيه، فرفعته إليه فجعلته بينه وبين واسطة الرحل ثم فغر فاه فنفث فيه ثلاثا وقال بسم الله أنا عبد الله أخسأ عدو الله ثم ناولها إياه، فقال ألقينا في الرجعة في هذا المكان فأخبرنا ما فعل: قال فذهبنا ورجعنا فوجدناها في ذلک المكان معها شياه ثلاث، فقال ما فعل صبيک؟ فقالت والذي بعثک بالحق ما حسسنا منه شيئًا حتى الساعة فاجتز هذه الغنم قال انزل فخذ منها واحدة ورد البقية (وفي رواية فأهدت إليه كبشين وشيئًا من أقط وشيئًا من سمن، قال فقال رسول صلى الله عليه وسلم خذ الاقط والسمن وأحد الكبشين ورد عليها الآخر۔ [1]

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ أَبِي حُصَيْنٍ قَالَ: حَدَّثَنِي جَدِّي أَبُو حُصَيْنٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُصَيْنِ قَالَ: ثنا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ: ثنا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍ ثنا عُثْمَانُ بْنُ حَكِيمٍ قَالَ: ثنا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ خَرَجْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِبَعْضِ الطَّرِيقِ مَرَرْنَا بِامْرَأَةٍ جَالِسَةٍ مَعَهَا صَبِيٌّ لَهَا فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ ابْنِي هَذَا أَصَابَهُ بَلَاءٌ وَأَصَابَنَا مِنْهُ بَلَاءٌ يُؤْخَذُ فِي الْيَوْمِ لَا نَدْرِي كَمْ مِنْ مَرَّةٍ قَالَ: نَاوِلِينِيهِ قَالَ: فَرَفَعْتُهُ إِلَيْهِ قَالَ: فَجَعَلَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَسَطَ الرَّحْلِ ثُمَّ فَغَرَ فَاهُ فَنَفَثَ فِيهِ ثَلَاثًا: «بِسْمِ اللَّهِ، أَنَا عَبْدُ اللَّهِ، إخْسَ عَدُوَّ اللَّهِ» . قَالَ: ثُمَّ نَاوَلَهَا إِيَّاهُ ثُمَّ قَالَ: أَلْقِينَا بِهِ فِي الرَّجْعَةِ فِي هَذَا الْمَكَانِ فَأَخْبِرِينَا مَا فَعَلَ. قَالَ: فَذَهَبْنَا وَرَجَعْنَا فَوَجَدْنَاهَا فِي ذَلِکَ الْمَكَانِ مَعَهَا شِيَاهٌ ثَلَاثٌ. قَالَ: فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا فَعَلَ الْخَبِيثُ؟ قَالَتْ: وَالَّذِي بَعَثَکَ بِالْحَقِّ مَا حَسَسْنَا مِنْهُ شَيْئًا حَتَّى السَّاعَةِ، فَاخْتَرْ هَذِهِ الْغَنَمَ. قَالَ: انْزِلْ فَخُذْ مِنْهَا شَاةً وَرُدَّ الْبَقِيَّةَ۔ [2]

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ المُثَنَّى، حَدَّثَنَا وَهْبٌ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ مَعْبَدٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، قَالَ: كُنَّا فِي مَسِيرٍ لَنَا فَنَزَلْنَا، فَجَاءَتْ جَارِيَةٌ، فَقَالَتْ: إِنَّ سَيِّدَ الحَيِّ سَلِيمٌ، وَإِنَّ نَفَرَنَا غَيْبٌ، فَهَلْ مِنْكُمْ رَاقٍ؟ فَقَامَ مَعَهَا رَجُلٌ مَا كُنَّا نَأْبُنُهُ بِرُقْيَةٍ، فَرَقَاهُ فَبَرَأَ، فَأَمَرَ لَهُ بِثَلاَثِينَ شَاةً، وَسَقَانَا لَبَنًا، فَلَمَّا رَجَعَ قُلْنَا لَهُ: أَكُنْتَ تُحْسِنُ رُقْيَةً - [ص:188] أَوْ كُنْتَ تَرْقِي؟ - قَالَ: لاَ، مَا رَقَيْتُ إِلَّا بِأُمِّ الكِتَابِ، قُلْنَا: لاَ تُحْدِثُوا شَيْئًا حَتَّى نَأْتِيَ - أَوْ نَسْأَلَ - النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا قَدِمْنَا المَدِينَةَ ذَكَرْنَاهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «وَمَا كَانَ يُدْرِيهِ أَنَّهَا رُقْيَةٌ؟ اقْسِمُوا وَاضْرِبُوا لِي بِسَهْمٍ» وَقَالَ أَبُو مَعْمَرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الوَارِثِ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ، حَدَّثَنِي مَعْبَدُ بْنُ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ بِهَذَا۔ [3]

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دم کرنے پر اجرت وصول فرمائی

وأخرج أحمد وأبو داود والنسائي وابن السني في عمل اليوم والليلة وابن جرير والحاكم وصححه عن خارجة بن الصلت التميمي عن عمه أنه أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم أقبل راجعاً من عنده، فمر على قوم وعندهم رجل

[1] (الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ج ۲۲ ص ۴۴ وایضا دلائل النبوۃ لأبي نعيم الأصبهاني ج ۱ ص ۴۶۵)

[2] (دلائل النبوۃ لأبي نعيم الأصبهاني ج ۱ ص ۴۶۵، المعجم الكبير للطبرانی ج ۹ ص ۲۸۶-۲۸۴) (دلائل النبوۃ لأبي نعيم الأصبهاني ج ۱ ص ۴۶۵، المعجم الكبير للطبرانی ج ۹ ص ۲۸۶-۲۸۴)

[3] (صحیح البخاری ج ۲ ص ۸۵۴)

مجنون موثق بالحديد، فقال أهله أعندک ماتداوي به هذا فإن صاحبكم قد جاء بخير، قال فقرأت عليه فاتحة الكتاب ثلاثة أيام في كل يوم مرتين غدوة وعشية أجمع بناني ثم أتفل فبرأ فأعطاني مائة شاة، فأتيت النبي صلى الله عليه وآله وسلم فذكرت ذلک له فقال "کُل فمن أكل برقية باطلة فقد أكلت برقية حق۔"[1]

حَدَّثَنِي سِيدَانُ بْنُ مُضَارِبٍ أَبُو مُحَمَّدٍ البَاهِلِيُّ، حَدَّثَنَا [ص:132] أَبُو مَعْشَرٍ البَصْرِيُّ هُوَ صَدُوقٌ يُوسُفُ بْنُ يَزِيدَ البَرَّاءُ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ الأَخْنَسِ أَبُو مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ نَفَرًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرُّوا بِمَاءٍ، فِيهِمْ لَدِيغٌ أَوْ سَلِيمٌ، فَعَرَضَ لَهُمْ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ المَاءِ، فَقَالَ: هَلْ فِيكُمْ مِنْ رَاقٍ، إِنَّ فِي المَاءِ رَجُلًا لَدِيغًا أَوْ سَلِيمًا، فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِنْهُمْ، فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الكِتَابِ عَلَى شَاءٍ، فَبَرَأَ، فَجَاءَ بِالشَّاءِ إِلَى أَصْحَابِهِ، فَكَرِهُوا ذَلِکَ وَقَالُوا: أَخَذْتَ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ أَجْرًا، حَتَّى قَدِمُوا المَدِينَةَ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَخَذَ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ أَجْرًا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللَّهِ۔[2]

تعویذات بیچنا جائز ہے

تعویذات بیچنا جائز ہے بشرطیکہ اس میں ناجائز الفاظ نہ لکھے ہوں۔

خاتم المحققین ابن عابدین علامہ امین شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

جَوَّزُوا الرُّقْيَةَ بِالْأُجْرَةِ وَلَوْ بِالْقُرْآنِ كَمَا ذَكَرَهُ الطَّحَاوِيُّ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ عِبَادَةً مَحْضَةً بَلْ مِنْ التَّدَاوِي۔[3]

صدرالشریعۃ بدرالطریقۃ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگ تعویذ کا معاوضہ لیتے ہیں یہ جائز ہے مگر یہ ضروری ہے کہ تعویذ ایسا ہو کہ اس میں شرعی قباحت نہ ہو جیسے ادعیہ اور آیات یا ان کے اعداد یا کسی اسم کا نقش مظہر یا مضمر لکھا جائے اور اگر اس تعویذ میں ناجائز الفاظ لکھے ہوں یا کفر وشرک کے الفاظ لکھے ہوں تو ایسا تعویذ لکھنا بھی ناجائز ہے اور اس کا لینا اور باندھنا بھی ناجائز ہے۔[4]

یہ بات یاد رکھنا کہ تعویذ مسجد کے اندر بیچنا ناجائز ہے۔

جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

رَجُلٌ يَبِيعُ التَّعْوِيذَ فِي الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ وَيَكْتُبُ فِي التَّعْوِيذِ التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَالْفُرْقَانَ وَيَأْخُذُ عَلَيْهِ الْمَالَ وَيَقُولُ: ادْفَعْ إلَيَّ الْهَدِيَّةَ. لَا يَحِلُّ لَهُ ذَلِکَ، كَذَا فِي الْكُبْرَى.

---

[1] (فتحُ البيان في مقاصد القرآن ج ا ص ۲۹، الدر المنثورج ا ص ۱۵ ،فتح القديرج ا ص ۱۹ ،فتحُ البيان في مقاصد القرآن ج ا ص ۳۵، نيل الأوطارج۵ص ۳۴۸، إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري ج۸ص ۳۹۰،فتح الودود في شرح سنن أبي داودج۴ص ۲۹ ،شرح سنن أبي داودج۵ ا ص ۲۲۴،بذل المجهود في حل سنن أبي داودج ۱ ا ص ۵۷۹،الأذكارللنووي ج ا ص ۱۳۰ ،تحفة الذاكرين بعدة الحصن الحصين من كلام سيد المرسلين ج ا ص ۳۱۹،الفتوحات الربانية على الأذكار النواوية ج۴ص ۴۴،عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج ۱۲ ص ۹۹)

[2] (صحیح البخاری ج ۲ ص ۸۵۴)

[3] (ردالمحتار علی الدر المختار ج۶ ص۵۷)

[4] (بهار شریعت حصه ۱۴ ص ۸۳ ضیاء القرآن لاهور)

ایک آدمی مسجد جامع میں تعویذ بیچتا ہے اس تعویذ میں تورات ، انجیل اور قرآن لکھتا ہے اور اس پر رقم لیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اس کا ہدیہ مجھے دے تو یہ جائز نہیں۔[1]

اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاویٰ رضویہ میں لکھتے ہیں کہ عوض مالی پر تعویذ دینا بیع ہے اور مسجد میں بیع وشرع ناجائز ہے اور حجرہ بنائے مسجد ہے اور بنائے مسجد کیلئے حکم مسجد ہے۔[2]

(۸۱) مسئلہ نمبر اکیاسی: تعویذ پہن کر بیت الخلاء جانا

ایسا تعویذ جو موم جامہ میں بند ہو اسے پہن کر بیت الخلاء میں جاسکتے ہیں مگر اتار کر جانا افضل ہے۔ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تعویذ لے جانے کی اجازت اس وقت ہو گی کہ تعویذ غلاف مثلاً موم جامہ میں ہو پھر بھی فرمایا کہ اب بھی بچنا ہی اولیٰ ہے اگرچہ غلاف ہونے سے کراہت نہ رہی۔[3]

در مختار میں ہے کہ:

رقیة فی غلاف متجاف لم یقراءہ دخول الخلاء بہ و الاحتراز افضل۔[4]

(قَوْلُهُ: رُقْيَةٌ إلَخْ) الظَّاهِرُ أَنَّ الْمُرَادَ بِهَا مَا يُسَمُّونَهُ الْآنَ بِالْهَيْكَلِ وَالْحَمَائِلِيِّ الْمُشْتَمِلِ عَلَى الْآيَاتِ الْقُرْآنِيَّةِ، فَإِذَا كَانَ غِلَافُهُ مُنْفَصِلًا عَنْهُ كَالْمُشَمَّعِ وَنَحْوِهِ جَازَ دُخُولُ الْخَلَاءِ بِهِ وَمَسُّهُ وَحَمْلُهُ لِلْجُنُبِ۔[5]

وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ: يَجُوزُ تَعْلِيقُ الْعُوذَةِ فِي قَصَبَةٍ أَوْ رُقْعَةٍ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَيَضَعُهُ عِنْدَ الْجِمَاعِ وَعِنْدَ الْغَائِطِ، وَرَخَّصَ الْبَاقِرُ فِي الْعُوذَةِ تُعَلَّقُ عَلَى الصِّبْيَانِ وَكَانَ ابْنُ سِيرِينَ لَا يَرَى بَأْسًا بِالشَّيْءِ مِنَ الْقُرْآنِ يُعَلِّقُهُ الْإِنْسَانُ۔[6]

(۸۲) مسئلہ نمبر بیاسی: سورۃ الملک اور قرآن عظیم الشان کی دیگر سورتوں کے فضائل

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن سورة في القرآن ثلاثون آية شفعت لرجل حتى غفر له وهي: (تبارک الذي بيده الملک) رواه أحمد والترمذي وأبو داود والنسائي وابن ماجه۔[7]

---

[1] (الفتاوی الهندیة ج۵ ص ۳۲۱ باب الکراهیة فی آداب المسجد)

[2] (فتاویٰ رضویه ج۸ ص ۹۵ رضافاؤنڈیشن لاهور)

[3] (فتاویٰ رضویه ج ۹ ص ۸۹۶ رضافاؤنڈیشن لاهور)

[4] (درمختار ج ۱ ص ۳۴ کتاب الطهارت)

[5] (ردالمحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۱۷۸ سنن الغسل)

[6] (البحر المحیط فی تفسیر ج۴ ص ۱۰۴ سورۃ الاسراء)

[7] (مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۴۸۷)

وعن ابن عباس قال: ضرب بعض أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم خباءه على قبر وهو لا يحسب أنه قبر فإذا فيه إنسان يقرأ سورة (تبارک الذي بيده الملک) حتى ختمها فأتى النبي صلى الله عليه وسلم فأخبره فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "هي المانعة هي المنجية تنجيه من عذاب القبر". رواه الترمذي وقال: هذا حديث غريب۔[1]

وعن خالد بن معدان قال: اقرؤوا المنجية وهي (آلم تنزيل) فإن بلغني أن رجلا كان يقرؤها ما يقرأ شيئا غيرها وكان كثير الخطايا فنشرت جناحها عليه قالت: رب اغفر له فإنه كان يكثر قراءتي فشفعها الرب تعالى فيه وقال: اكتبوا له بكل خطيئة حسنة وارفعوا له درجة". وقال أيضا: "إنها تجادل عن صاحبها في القبر تقول: اللهم إن كنت من كتابک فشفعني فيه وإن لم أكن من كتابک فامحني عنه وإنها تكون كالطير تجعل جناحها عليه فتشفع له فتمنعه من عذاب القبر" وقال في (تبارک) مثله. وكان خالد لا يبيت حتى يقرأهما. وقال طاووس: فضلتا على كل سورة في القرآن بستين حسنة. رواه الدارمي۔[2]

عَنْ لَيْثٍ عَنْ طَاوُسٍ قَالَ تَفْضُلَانِ عَلَى كُلِّ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ بِسَبْعِينَ حَسَنَةً۔[3]

وعن جابر أن النبي صلى الله عليه وسلم كان لا ينام حتى يقرأ: (آلم تنزيل) و(تبارک الذي بيده الملک) رواه أحمد والترمذي والدارمي وقال الترمذي: هذا حديث صحيح. وكذا في شرح السنة. وفي المصابيح۔[4]

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَنَامُ حَتَّى يَقْرَأَ الم تَنْزِيلُ وَتَبَارَکَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْکُ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ لَيْثِ بْنِ أَبِي سُلَيْمٍ مِثْلَ هَذَا وَرَوَاهُ مُغِيرَةُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هَذَا وَرَوَى زُهَيْرٌ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي الزُّبَيْرِ سَمِعْتَ مِنْ جَابِرٍ فَذَكَرَ هَذَا الْحَدِيثَ فَقَالَ أَبُو الزُّبَيْرِ إِنَّمَا أَخْبَرَنِيهِ صَفْوَانُ أَوْ ابْنُ صَفْوَانَ وَكَأَنَّ زُهَيْرًا أَنْكَرَ أَنْ يَكُونَ هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ لَيْثٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ۔[5]

(۸۳) مسئلہ نمبر تریاسی: نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کسی فعل کا نہ کرنا اس کے عدم جواز کی دلیل نہیں

علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں شریعت کا ایک اصول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الْفِعْل يَدُلّ عَلَى الْجَوَاز, وَعَدَم الْفِعْل لَا يَدُلّ عَلَى الْمَنْع۔

---

[1](مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۴۸۷)
[2](مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۴۹۲)
[3](ترمذی ج ۱ ص ۳۴۷)
[4](مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۴۸۷)
[5](ترمذی ج ۱۰ ص ۱۲۸)

ترجمہ :کوئی عمل حضوراقدس علیہ الصلاۃ والسلام نے کیاہوتویہ اس فعل کے جواز پر دلیل ہے لیکن اگر کوئی کام حضور اقدس ﷺ یاصحابہ کرام علیہم الرضوان نے نہ کیاہوتواس فعل کے ممنوع اورعدم جواز پر دلیل نہیں ہے۔[1]

(۸۴)مسئلہ نمبر چوراسی: علمائے کرام کی توجہ کیلئے خصوصی بات

السکوت عن الحق:ان السکوت عن الحق حرام قال ﷺ الساکت عن الحق شیطان اخرس۔[2]

(۸۵)مسئلہ نمبر پچیاسی:خواتین کامردوں کی مشابہت اختیار کرنا

عورتوں کیلئے ٹوپی پہنناناجائزہے یہ مردوں کے ساتھ مشابہت ہے اورعورتوں کی مردوں کے ساتھ مشابہت کرنے کی بہت سی وعیدات وارد ہوئی ہیں۔

الدعامہ میں ہے:

القلانس کالعمائم من لباس الرجال دون النساء وعلیہ فلایجوز للمرءۃ فعلھما لمافی ذلک من التشبہ بالرجال وملعون من تشبہ من النساءبالرجال کالعکس وقدقال فی کشف الغمۃ مانصہ وکان ﷺ ینھی النساءان لبس العمائم وھی الفافۃ الکبیرۃ علی الرأس ویقول انماالعمائم للرجال ودخل ﷺ علی ام سلمۃ رضی اللہ تعالی وھی تختمر فقال لیۃ لالیتین یعنی لاتکرریہ طاقین فاکثر وکان تمیم الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول سمعت رسول اللہ ﷺ ینھی النساءان لبس القلانس والنعال والجلوس فی المجالس والخطر بالقضیب ولبس الازار والرداء بغیر درع۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ المتشابھات من النساء بالرجال والمتشبھین من الرجال بالنساء رواہ الائمۃ احمدو البخاری وابو داؤد والترمذی وابن ماجۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما وفیہ احادیث کثیرہ بالغۃ حدالتواتر۔

---

[1](فتح الباری لابن حجرعسقلانی ج۱۰ ص ۱۹۲، نکات الفرقان فی شان حبیب الرحمان ﷺ ج۲ ص ۱۶۶)

[2] (کذافی الاسرار،المستصفی للامام عبداللہ بن احمدالنسفی کتاب الصلاۃ ج ا ص۳۵۷وص۵۰۸،الرسالۃ القشیریۃ ج ا ص ۱۵۶ وشرح نووی علی صحیح مسلم ج۲ص۲۰وشذرات الذھب ج۳ص۱۸۰ونورالانوارص۲۱۹باب الاجماع وصحیح مسلم ج ا باب الحث علی اکرام الجاروسنگین فتنہ ص۹۵واصول تکفیر جدیدایڈیشن ص ۱۷۱ بحوالہ تفسیر الکاشف ج۵ص ۳۲ والتلویح میں ھے کہ فان الواجب علیہ ان یبین مذھبہ وماھوحق عندہ لئلایکون شیطانااخرس سکوتہ عن الحق اھ۔تلویح ص ۵۲۳وتذکرۃ الابراروالاشرارص۴طبع پشاوروحاشیہ تحفۃ النصائح ۔اذاالسکوت عن الحق حرام نامی شرح حسامی ص ۱۹۹،اصح المطابع نورمحمدکراچی وفصول الشاشی ص۳۷۷یعنی حق سے خاموشی حرام ھے اورحق سے خاموشی اختیار کرنے والاگنگاشیطان ھے۔اپنامذھب اورجواس کے ھاں حق میں ھووہ اس پرواجب ھے کہ بیان کرے اورمعدن الاصول شرح اصول الشاشی ص ۳۵۲طریقہ محمدیہ ج۲ ص ۸۶)

[3](الدعامۃ ص ۴۲،کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ ج ا ص ۲۰۰)

اللہ تعالٰی نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں سے مشابہت اختیار کریں، اور ان مردوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں۔ ائمہ کرام مثلاً امام احمد، بخاری، ابو داؤد، ترمذی، اور ابن ماجہ نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالہ سے روایت کیا ہے۔ اس بارے میں بہت سی احادیث مروی ہیں جو تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔[1]

رسولِ اکرم، نُورِ مُجَسَّم صلَّی اللّٰہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِالرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ وَلَا مَنْ تَشَبَّهَ بِالنِّسَاءِ مِنَ الرِّجَالِ۔

یعنی جو عورت مردوں کی اور جو مرد عورتوں کی مشابہت اختیار کرے وہ ہم سے نہیں۔[2]

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب صلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان ہے:

"چار قسم کے لوگ ایسے ہیں جو صبح بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی میں کرتے ہیں اور شام بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی میں کرتے ہیں۔" راوی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی: "یارسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! وہ کون لوگ ہیں؟" تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مرد اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتیں اور چوپایوں اور مردوں سے وطی کرنے والا۔"[3]

عورتوں کو مردوں کا لباس پہن کر مردوں جیسی شکل و صورت بنانا اور مردوں کو عورتوں کا لباس پہن کر عورتوں کی شکل میں اپنے کو ظاہر کرنا حرام اور گناہ ہے ان دونوں پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں اور ان مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔[4]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلم نے مخنث مردوں پر لعنت فرمائی اور ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی جو عورتیں اپنی صورت مردوں جیسی بنائے رکھتی ہیں۔[5]

حضور نبی کریم صلَّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عبرت نشان ہے: تین شخص جنت میں داخل نہ ہوں گے:

(۱) والدین کا نافرمان (۲) دیوّث اور (۳) مردانی عورتیں۔[6]

---

[1] (مسند امام احمد بن حنبل مرویات ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الفکر بیروت ۱/۳۳۹)

[2] (مسند احمد، مسند عبداللہ بن عمرو، ۲/۲۴۰، حدیث: ۲۸۹۲)

[3] (المعجم الاوسط، الحدیث: ۲۸۵۸، ج۵، ص ۱۴۳)

[4] (سنن الترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء فی المتشبہات بالرجال.....الخ، الحدیث: ۲۷۹۳، ج۴، ص ۳۶۰)

[5] (سنن الترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء فی المتشبہات بالرجال.....الخ، الحدیث: ۲۷۹۴، ج۴، ص ۳۶۰)

[6] (مسند الفردوس للدیلمی، باب الثاء، الحدیث: ۲۳۲۹، ج ۱، ص ۳۱۹)

رسول اللہ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم کی خدمت میں ایک مخنّث (یعنی ہیجڑے) کو لایا گیا، اس نے اپنے ہاتھ پاؤں مہندی سے رنگے ہوئے تھے، آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم نے دریافت فرمایا: اس کا کیا معاملہ ہے؟ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی: یہ عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے تو آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم نے اسے نقیع (مدینے سے دور ایک مقام) کی طرف جلاوطن کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔[1]

ایک عورت گلے میں کمان لٹکائے رسول اللہ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم کے قریب سے گزری تو آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل مردوں کی مشابہت کرنے والی عورتوں اور عورتوں کی مشابہت کرنے والے مردوں پر لعنت فرماتا ہے۔[2]

رسول اللہ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسَلَّم نے عورت کا لباس پہننے والے مرد اور مرد کا لباس پہننے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔[3]

سرکارِ مدینۂ منوّرہ، سردارِ مکّۂ مکرّمہ صَلَّی اللّٰہ تعالٰی علیہ والہٖ وسَلَّم نے فرمایا: عورتوں سے مُشابہت اختیار کرنے والے مرد اور مردوں سے مشابہت کرنے والی عورتیں صبح شام اللّٰہ تعالٰی کی ناراضی اور اس کے غضب میں ہوتے ہیں۔[4]

اُمُّ المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا سے ایک عورت کے بارے میں پوچھا گیا جو مردانہ جوتا پہنتی تھی، اس پر حدیث روایت فرمائی کہ مَردوں سے تَشَبُّہ کرنے والیاں ملعون ہیں۔[5]

امامِ اہلِسنّت، مجدّدِ دین وملّت، مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ الرَّحۡمٰن فرماتے ہیں:

سینہ تک بال رکھنا شرعاً مرد کو حرام، اور عورتوں سے تشبّہ اور بحکمِ احادیثِ صحیحہ کثیرہ معاذاللہ باعثِ لعنت ہے۔[6]

فتاوی رضویہ جلد ۲۱ صفحہ ۶۰۰ میں ہے:

(مرد کو) شانوں سے نیچے ڈھلکے ہوئے عورتوں کے سے بال رکھنا حرام ہے۔ مرد کو زنانی وضع کی کوئی بات اختیار کرنا حرام ہے۔ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی ہے۔

---

[1] (سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی حکم المخنثین، الحدیث: ۴۹۲۸، ص ۱۵۸۴)

[2] (المعجم الاوسط، الحدیث: ۴۰۰۳، ج ۳، ص ۱۰۶)

[3] (سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لباس النساء، الحدیث: ۴۰۹۸، ص ۱۵۲۲)

[4] (شعب الایمان، باب فی تحریم الفروج، ۳۵۶/۴، الحدیث: ۵۳۸۵)

[5] (ابو داؤد، کتاب اللباس، باب فی لباس النساء، ۸۴/۴، حدیث: ۴۰۹۹)

[6] (فتاوی ضویہ، ۶۱۰/۲)

آج کل لڑکوں پر جو ہپی کٹ بال کی وبا پھوٹ پڑی ہے اور لڑکے عموماً ہپی کٹ بال کے ساتھ رنگین چھینٹ کے بوشرٹ اور قمیصیں پہن کر نکلتے ہیں تو ان پر لڑکی ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے اسی طرح بہت سی لڑکیاں مردوں کی طرح سوٹ اور کوٹ پہن کر نکلتی ہیں تو ان پر لڑکا ہونے کا شبہ ہونے لگتا ہے۔ اس لئے اس قسم کا لباس پہننا عورتوں اور مردوں دونوں کیلئے ممنوع و باعث لعنت ہے۔ مردوں کو مردوں کا لباس پہننا چاہیے اوران کی وضع قطع مردوں جیسی ہونی چاہیے اور عورتوں کو عورتوں کا لباس پہننا چاہیے اور ان کو اپنی وضع قطع عورتوں جیسی رکھنی چاہیے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

(۸۶) مسئلہ نمبر چھیاسی: اپنا مذہب چھوڑنا اور خواہشات کی تابعداری کرنا

اپنا مذہب چھوڑنا اور اپنی خواہش کی تابعداری کرنا گناہ ہے اس پر فقہائے کرام کی تصریحات یہ ہیں۔

۱۔ قالوا المنتقل من مذهب الى مذهب باجتهاد و برهان اثم يستوجب تعزير و بلا اجتهاد و برهان اولى۔[1]

۲۔ لم يجز للحنفى ان ياخذ بقول مالک و شافعى فى ما خالف مذهبه۔[2]

۳۔ لا تقبل شهادة من انتقل من مذهب ابى حنيفة الى مذهب شافعى۔[3]

۴۔ لا يفتى بغير قول ابى حنيفة و ان صححه المشائخ۔[4]

۵۔ رجل قال انا لا اعمل بفتوىٰ الفقهاء او ليس کما قال الفقهاء يعذر۔[5]

۶۔ قالوا لا يعدل عن قول الامام۔[6]

(۸۷) مسئلہ نمبر ستاسی: اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماء حسنیٰ سُن کر جل جلالہٗ کہنا

وفى الحديث من سمع اسماً من اسماء الله تعالىٰ وقال جل جلاله کتب الله له سبعين حسنة ومحىٰ مثلها سيئة ولو قال بالشوق غفر الله له ذنوبه ولم يصلب ايمانه۔[7]

(۸۸) مسئلہ نمبر اٹھاسی: سخی آدمی کے طعام میں دوا ہے

وفى الحديث طعام الجواد دواء و طعام البخيل داء۔[8]

---

[1] (جامع الفصولین ص ۱۲)
[2] (جامع الفصولین ص ۱۳)
[3] (تکملة ص ۱۴۷)
[4] (الفتاویٰ الخیریة ص ۵۳ ج ۲)
[5] (قاضی خان ص ۳۸۱)
[6] (شرح المجله ص ۱۱۶۹)
[7] (فتاویٰ برهنه ص ۳۳)
[8] (فتاویٰ برهنه ص ۴۳)

(۸۹)مسئلہ نمبر نواسی: مسلمان بھائی سے ہاتھ ملانے پر گناہ جھڑنا

وفی الحدیث من صافح اخاہ المسلم وحرّک یدہ تناثرت ذنوبہ۔[1]

(۹۰)مسئلہ نمبر نوے: عاشورا کے دن اثمد سرمہ لگانے کی فضیلت

وفی الحدیث من اکتحل یوم عاشوراء بالاثمد المروج لم ترمد عیناہ ابداً۔[2]

(۹۱)مسئلہ نمبر اکیانوے: قیلولہ عقل میں اضافہ کرتا ہے

وفی الحدیث القیلولۃ تزید فی العقل۔[3]

(۹۲)مسئلہ نمبر بانوے: اتوار کے روز حجامہ کرنے میں شفاء

وفی الحدیث الحجامۃ یوم الاحد شفاء۔[4]
وفی الحدیث مامررت بملأ بالملئکۃ الاقالوا ابشر وامتک بالحجامۃ۔[5]

(۹۳)مسئلہ نمبر ترانوے: بدھ کے دن کی فضیلت اور اس کی نمازِ ظہر اور عصر کے درمیان دعا کی مقبولیت

وفي فتاوی البرهنة:

وفی الحدیث مامن شئی بدی فی الیوم اربعاً الا وقدتمّ۔[6]

وفي المقاصد الحسنة للسخاوي:

حديث: مابدئ بشيء يوم الأربعاء إلا تم، لم أقف له على أصل، ولكن ذكر برهان الإسلام في كتابه تعليم المتعلم عن شيخه المرغيناني صاحب الهداية في فقه الحنفية، أنه كان يوقف بداية السبق على يوم الأربعاء، وكان يروي في ذلک بحفظه ويقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما من شيء بدئ به يوم الأربعاء إلا وقدتم، قال: وهكذا كان يفعل أبي فيروي هذا الحديث بإسناده عن القوام أحمد بن عبد الرشيد، انتهی۔[7]

---

[1] (فتاویٰ برهنه ص ۵۲)
[2] (فتاویٰ برهنه ص ۵۵)
[3] (فتاویٰ برهنه ص ۵۶)
[4] (فتاویٰ برهنه ص ۵۷)
[5] (فتاویٰ برهنه ص ۵۷)
[6] (فتاویٰ برهنه ص ۳۶)
[7] (المقاصد الحسنۃ للسخاوی، ص ۵۷۴، رقم الحدیث: ۹۴۳ ط: دار الکتاب العربی)

وفي تنزيه الشريعة المرفوعة لابن عراق الكناني:

(ومما) اشتهر على الألسنة في نقيض هذا حديث ما ابتدئ بشيء يوم الأربعاء إلا تم لا أصل له وينسب لصاحب هداية الحنفية أنه كان يوقف بداية الدروس على يوم الأربعاء، ويحتج بهذا الحديث، وكذا كان جماعة من أهل العلم يتحرون البداية يوم الأربعاء، والأولى أن يلحظ في ذلك ما في الصحيح من أن الله عز وجل خلق النور يوم الأربعاء والعلم نور فيتفاءل لتمامه ببداءته يوم خلق النور، إذ يأبى الله إلا أن يتم نوره كما قال جل شأنه وفي جزء أبي بكر بن بندار الأنباري من جهة عطاء بن ميسرة عن عطاء بن أبي رباح عن عائشة رضي الله عنها قالت: أحب الأيام أن يخرج فيه مسافري وأنكح فيه واختتن فيه الصبي يوم الأربعاء والله أعلم۔[1]

وفي الفوائد البهية في تراجم الحنفية:

وروي عنه صاحب الهداية بسنده إلى رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وسلم أنه قال ما من شيء بدئ يوم الأربعاء إلا تم وكان صاحب الهداية يوقف بداية السَّبَق على يوم الأربعاء لهذا الحديث (قال الجامع) الحديث الذي رواه صاحب الهداية قد تكلم فيه المحدثون حتى قال بعضهم أنه موضوع۔[2]

وفيها أيضاً:

وقد اعتمد من أئمتنا صاحب الهداية على هذا الحديث وكان يعمل به في ابتداء درسه وقد قال العسقلاني بلغني عن بعض الصالحين ممن لقيناه أنه اشتكت الأربعاء إلى الله تشاؤم الناس بها فمنحها أنه ما ابتدئ بشيء فيها إلا ثم انتهى كلام القارى. قلت قد استخرجت لذلك أصلا آخر لطيفا وهو ما أخرجه البخاري في الأدب وأحمد والبزار عن جابر بن عبد الله قال دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم في هذا المسجد مسجد الفتح يوم الاثنين ويوم الثلاثاء ويوم الأربعاء فاستجيب له بين الصلاتين أي الظهر والعصر من الأربعاء قال جابر ولم ينزل بي أمر مهم إلا توخيت تلك الساعة فدعوت الله فيه بين الصلاتين يوم الأربعاء في تلك الساعة إلا عرفت الإجابة: قال جلال الدين السيوطي فى رسالة سهام الإصابة فى الدعوات المستجابة إسناده جيد انتهى وقال نور الدين علي بن أحمد السمهودي في وفاء الوفا بإخبار دار المصطفى بعد عزوه إلى مسند أحمد رجاله ثقات انتهى. فاستفيد من هذا الحديث إن في الأربعاء ساعة يجاب فيها الدعاء فمن ثم استحبوا أن يبدأ السبق فيها إذ المبتدى بشيء لا يخلو غالباً عن دعاء لتيسر الاختتام وتعجل الإتمام فيجاب دعاؤه في ذلك اليوم فيتم۔[3]

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، حَدَّثَنِي جَابِرٌ، يَعْنِي: ابْنَ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَعَا فِي مَسْجِدِ الْفَتْحِ ثَلَاثًا: يَوْمَ الِاثْنَيْنِ، وَيَوْمَ الثُّلَاثَاءِ، وَيَوْمَ الْأَرْبِعَاءِ، فَاسْتُجِيبَ لَهُ يَوْمَ الْأَرْبِعَاءِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ، فَعُرِفَ الْبِشْرُ فِي وَجْهِهِ، قَالَ جَابِرٌ: فَلَمْ يَنْزِلْ بِي أَمْرٌ مُهِمٌّ غَلِيظٌ، إِلَّا تَوَخَّيْتُ تِلْكَ السَّاعَةَ، فَأَدْعُو فِيهَا فَأَعْرِفُ الْإِجَابَةَ.

---

[1] (تنزيه الشريعة المرفوعة لابن عراق الكناني، رقم الحديث: ۲۴، ج۲، ص۵۵، ط: دار الكتب العلمية)

[2] (الفوائد البهية في تراجم الحنفية، ص: ۲۴، ط: دار السعادة)

[3] (الفوائد البهية في تراجم الحنفية، ص: ۱۴۴، ط: دار السعادة)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد الفتح میں تین دن (پیر، منگل اور بدھ) تک دعا مانگی، بالآخر بدھ کے روز دو نمازوں (ظہر اور عصر) کے درمیان آپ کی دعا قبول ہو گئی، دعا کی قبولیت پر آپ کے چہرہ انور پر خوشی کے آثار دیکھے گئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جب بھی مجھے کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا، تو میں اسی گھڑی کا انتظار کرتا (بدھ کے دن ظہر اور عصر کی درمیانی گھڑی) اور اس وقت میں دعا مانگتا تھا، تو میری دعا قبول ہو جاتی تھی۔[1]

حدیث کا حکم

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "مجمع الزوائد" میں اس حدیث کے تمام راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے، لہذا مذکورہ بالا حدیث صحیح ہے۔

دلائل:

۲۔البخاري-الأدب ص ۲۴۶ (۷۰۴) باب الدعاء عند الاستخارة۔

۳۔البزار-م (کشف) ۱/ ۲۱۶ (۴۳۱) کتاب الصلاة/باب في مسجد الفتح، بثلاثة طرق۔

۴۔البیهقي-شعب ۵/ ۳۸۷ (۳۵۹۱) باب في الصيام/صوم شوال والأربعاء والخميس والجمعة، وفي أوله: دَعَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي مَسْجِدِ الأَحْزَابِ يَوْمَ الاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الثُّلَاثَاءِ وَيَوْمَ الأَرْبِعَاءِ، فَاسْتُجِيبَ لَهُ يَوْمَ الأَرْبِعَاءِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ الظُّهْرِ وَالعَصْرِ....

وله شاهد من حديث المطلب بن عبد الله بن حنطب رحمه الله أخرجه ابن شبة في أخبار المدينة۔

۵۔ابن شبة أخبار المدينة ۱/ ۵۸ ذكر المساجد والمواضع التي صلى فيها رسول الله ﷺ، مرسلًا و ۱/ ۶۰ ذكر المساجد والمواضع التي صلى فيها رسول الله ﷺ، مرسلًا۔

۶۔وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی۔ المحدث: السهمودی، الراوی: جابر، المجلد: ۳، الصفحه: ۵۳، الطبع: دار الكتب العلميه، بيروت لبنان

(۹۴) مسئلہ نمبر چورانوے: مؤمنِ قوی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے نزدیک محبوب ہے مؤمنِ ضعیف سے

وفی الحدیث المؤمن القوی احب الی اللہ من المؤمن الضعیف۔[2]

---

[1] (مسند احمد: ۲۲/ ۴۲۵ (۱۴۵۶۳)، وأورده الهيثمي في «المجمع» ۳/ ۶۸۴ (۵۹۱) كتاب الحج/باب في مسجد الفتح، وقال: رواه أحمد، والبزار، ورجال أحمد ثقات)

[2] (فتاویٰ برهنه ص ۵۰)

(۹۵)مسئلہ نمبر پچانوے: نیک مال نیک آدمی کے لئے

وفی الحدیث نعم المال الصالح للرجل الصالح۔[1]

(۹۶)مسئلہ نمبر چھیانوے: حرام کا ذرہ چھوڑنا عبادتِ ثقلین سے بہتر

وفی الحدیث ترک ذرۃ من الحرام خیر من عبادۃ الثقلین۔[2]

(۹۷)مسئلہ نمبر ستانوے: میت کو اپنے گھر میں دفن کرنا منع ہے

أن الأنبیاء یدفنون حیث یموتون, وهذه سنة خاصة بالأنبیاء۔[3]

أورد أبو داود حديث أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: [(لا تجعلوا بيوتكم قبوراً)] يحتمل معنيين وكل منهما صحيح: يعني: لا يدفنون الموتى فيها؛ لأن الدفن في البيت من خصائص النبي صلى الله عليه وسلم وغيره من الأنبياء عليهم الصلاة والسلام؛ لأن النبي عليه الصلاة والسلام قال: (الأنبياء يدفنون حيث يموتون) فدفن في بيته صلى الله عليه وسلم, والناس ليس لهم أن يدفنوا في بيوتهم وإنما يدفنون في المقابر۔[4]

وقد دُفن الرسول صلى الله عليه وسلم في البنيان, وهذا من خصائصه عليه الصلاة والسلام؛ لأن الأنبياء يدفنون في المكان الذي ماتوا فيه, وقد جاء في الحديث: (إن الأنبياء يدفنون حيث يموتون), فلما مات النبي صلى الله عليه وسلم في البنيان دُفن في المكان الذي مات فيه, فيكون ذلک من خصائصه۔[5]

مَا لَا تجوز الْوَصِيَّة فِيهِ وَلَا تجوز الْوَصِيَّة فی سَبْعَة اشياء وان اجازها الْوَرَثَة ومنها ان يُوصي بِأَن يدْفن فِي دَاره فَلَا يجوز الا ان يَجْعَل دَاره مَقْبرَة لِقَرَابَتِهِ وللمسلمين فَيجوز الْوَصِيَّة بِأَكْثَر من الثُّلُث۔[6]

أَوْصَى بِأَنْ يُدْفَنَ فِي دَارِهِ فَوَصِيَّتُهُ بَاطِلَةٌ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي وَصِيَّتِهِ مَنْفَعَةٌ لَهُ وَلَا لِأَحَدٍ مِنْ الْمُسْلِمِينَ فَلَوْ دُفِنَ فِيهَا فَهُوَ كَدَفْنِهِمْ بِغَيْرِ وَصِيَّةٍ يَرْفَعُ الْأَمْرَ إلَى الْقَاضِي فَإِنْ رَأَى الْأَمْرَ بِرَفْعِهِ فَعَلَ وَإِنْ أَوْصَى أَنْ يُدْفَنَ فِي دَارِهِ فَهُوَ بَاطِلٌ إلَّا أَنْ يُوصِيَ أَنْ تُجْعَلَ دَارُهُ مَقْبَرَةً لِلْمُسْلِمِينَ۔[7]

---

[1] (فتاویٰ برھنہ ص ۶۱)

[2] (فتاویٰ برھنہ ص ۱۴۸)

[3] (شرح صحيح مسلم ج ۱۳ ص ۱۴ المؤلف: أبو الأشبال حسن الزهيري آل مندوه المنصوري المصري)

[4] (الكتاب: شرح سنن أبي داود ج ۲۳۴ ص ۲۲ المؤلف: عبد المحسن بن حمد بن عبد المحسن بن عبد الله بن حمد العباد البدر, دروس صوتية قام بتفريغها موقع الشبكة الإسلامية)

[5] (شرح سنن أبي داود, ج ۱۷۳ ج ۱۰ ,عبد المحسن بن حمد بن عبد المحسن بن عبد الله بن حمد العباد البدر, دروس صوتية قام بتفريغها موقع الشبكة الإسلامية)

[6] (النتف في الفتاوى, ج ۲ ص ۸۱۷, المؤلف: أبو الحسن علي بن الحسين بن محمد السُّغْدي, حنفي (المتوفى: 461هـ, المحقق: المحامي الدكتور صلاح الدين الناهي الناشر: دار الفرقان/مؤسسة الرسالة - عمان الأردن/بيروت لبنان)

[7] (البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ۸ ص ۵۱۷, المؤلف: زين الدين بن إبراهيم بن محمد, المعروف بابن نجيم المصري (المتوفى: 970هـ, الناشر: دار الكتاب الإسلامي)

وَسُئِلَ أَحْمَدُ عَنْ الرَّجُلِ يُوصِي أَنْ يُدْفَنَ فِي دَارِهِ قَالَ: يُدْفَنُ فِي الْمَقَابِرِ مَعَ الْمُسْلِمِينَ، إنْ دُفِنَ فِي دَارِهِ أَضَرَّ بِالْوَرَثَةِ۔[1]

وفی زاداللبیب ولاینبغی ان یدفن فی دارہ لان ذلک سنۃ الانبیاء خاصۃ۔[2]

ولو اوصی ان یدفن فی دارہ فوصیۃ باطلۃ لانہ لیس فی وصیتہ منفعۃ لہ ولا لاحد من المسلمین۔[3]

ویکرہ دفن المیت فی دارہ ولو صغیرا۔[4]

(۹۸)مسئلہ نمبر اٹھانوے: خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ

(مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ) وَلَوْ (عَمْدًا يُغَسَّلُ وَيُصَلَّى عَلَيْهِ) بِهِ يُفْتَى وَإِنْ كَانَ أَعْظَمَ وِزْرًا مِنْ قَاتِلِ غَيْرِهِ۔[5]

(۹۹)مسئلہ نمبر ننانوے: نماز جنازہ میں سلام سے پہلے ہاتھ چھوڑنا چاہیئے

تکبیرات ختم ہونے پر سلام سے قبل ہاتھ چھوڑ دیے جائیں۔

فی صفۃ الصلوۃ من التنویر وھو سنۃ القیام لہ قرار فیہ ذکر مسنون وفی الشرح فیدعوا حالۃ الثناء وفی القنوت وتکبیرات الجنازۃ۔[6]

اس کلیے سے ثابت ہوتا ہے کہ سلام سے قبل ہاتھ چھوڑ دیے جائیں علاوہ ازیں، وتکبیرات الجنازۃ کی تخصیص یہ بھی مفہوم ہوتا ہے اور جزئیات ذیل ہیں اس کی تصریح ہے:

فی خلاصۃ الفتاویٰ ولا یعقد بعد التکبیر الرابع لانہ لایبقی ذکر مسنون حتی یعقد فالصحیح انہ یحل الیدین ثم یسلم تسلیمتین۔[7]

وقال العلامۃ اللکھنوی ومن ھھنا یخرج الجواب عما سئلت فی سنۃ ست وثمانین ایضاًمن انہ ھل یضع مصلی الجنازۃ بعد التکبیر الآخر من تکبیراتہ ثم یسلم ام یرسل ثم یسلم وھو انہ لیس بعد تکبیر الآخر ذکر مسنون فیسن فیہ الارسال۔[8]

---

[1] (المغني لابن قدامة ج۲ ص ۳۸۱المؤلف: أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة الجماعيلي المقدسي ثم الدمشقي الحنبلي، الشهير بابن قدامة المقدسي (المتوفى: 620هـ) الناشر: مكتبة القاهرة)

[2] (زاداللبیب ص ۲۵)

[3] (زاداللبیب ص ۲۵)

[4] (زادالفقیہ ص ۱۴۸)

[5] (ردالمحتار ج۲ ص ۲۱۱)

[6] (ردالمحتار ج ۱ ص ۴۵۵)

[7] (عزیز الفتاویٰ ۲۶۴ ج۲)

[8] (سعایۃ ص ۱۵۹ ج۲)

كتاب الآثار للامام الحافظ المجتهد الربانی ابی عبدالله محمد بن الحسن الشيبانی میں ہے:

وبعد التكبيرة الرابعة يحل يديه ثم يسلم قال فی ج ١، ص ٢٢٥، خلاصة الفتاوىٰ: ولا يعقد بعد التكبير الرابع لأنه لا يبقى ذكر مسنون حتى يعقد، فالصحيح أنه يحل اليدين ثم يسلم تسليمتين هكذا فی الذخيرة، اهـ.[1]

سندھ کے ایک معروف مفتی مولانا احمد ہالائی کے فتاویٰ محمدیہ قلمی میں یہ جزئیات ہیں:

ولاعقد بعد التكبير الرابعة فالصحيح ان يحلل اليدين ثم يسلم كذافی الظهيرية والخانية والذخيرة اهـ جواهر القلوب، ويرسل بعد الرابعة يذيه لانه ليس بعدها ذكر كمافی الجلابی اهـ روح البيان، ولا عقد بعد التكبير الرابعة لانه لايبقى ذكر مسنون فالصحيح ان يحلل اليدين ثم يسلم تسليمتين كذافی فتاوى الحسامی والوجيز، اهـ.

رسالۂ مستقلہ، فتاویٰ محمدیہ کے ان حوالہ جات میں سے خانیہ میں سرسری تلاش سے صریح جزئیہ نہیں ملا اور دوسری کتب دستیاب نہیں۔

واما وجهه فی عزيز الفتاوىٰ بقوله لكن قد يقال ان التسليمتين بعد التكبير الرابع ذكر مسنون فجوابه ان الوضع سنة قيام له قرار ولذا الاوضع فی القومة مع اشتمالها على ذكر مسنون۔ فقط والله تعالىٰ اعلم۔[2]

(١٠٠) مسئلہ نمبر ایک سو: حاجی کے استقبال کے لئے نکلنا اور خیر وخیرات

السؤال: جرت العادة عندنا أنَّ الحاجَّ إذا أراد الذَّهاب إلى الحجِّ ورجوعه من الحج صنع طعامًا ودعا الأقارب والأحباب والجيران إليه، ويفعل الشَّيءَ نفسه عند عودته، والسوال الثانی ان اكثر الناس يخرجون من البيوت لإستقبال الحاجی والتهنئ للحاج۔

فنرجو منكم بيانَ حكم صنع هذا الطَّعام، والإستقبال وبارك الله فيكم۔

الجواب:

الحمدُ لله ربِّ العالمين، والصلاةُ والسلامُ على مَنْ أرسله اللهُ رحمةً للعالمين، وعلى آله وصَحْبِهِ وإخوانِه إلى يوم الدِّين

أمّا بعد:

فالطَّعامُ المُعدُّ عند قدومِ المسافر يُقال له: «النقيعة»، وهو مُشتقٌّ مِنَ النَّقْع ـ وهو الغبار ـ لأنَّ المسافر يأتي وعليه غبارُ السفر، وقد صحَّ عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم أنَّهُ: «لَمَّا قَدِمَ المَدِينَةَ نَحَرَ جَزُورًا أَوْ بَقَرَةً».[3]

والحديثُ يدلُّ على مشروعية الدعوة عند القدوم مِنَ السفر۔[4]

---

[1] (كتاب الآثار، ج٢، ص١٠٨، باب صلاة على الجنازة، دار الكتب العلمية، لبنان)

[2] (احسن الفتاویٰ ج ٤ ص ٢٣٨)

[3] (أخرجه البخاريُّ في «الجهاد والسِّيَر» باب الطَّعام عند القدوم (٣٠٨٩) مِنْ حديثِ جابرٍ رضي الله عنه)

[4] («عون المعبود» للعظيم آبادي (١٠/٢١١))

وقد بوّب له البخاريُّ: «باب الطَّعام عند القدوم، وكان ابنُ عمرَ رضي الله عنهما يُفطِر لمَنْ يغشاه»۔[1]

أي: يَغْشَوْنه للسّلام عليه والتّهنئة بالقدوم، قال ابنُ بطّالٍ في الحديث السابق: «فيه إطعام الإمامِ والرئيسِ أصحابَه عند القدوم مِنَ السفر، وهو مُستحَبٌّ عند السّلف، ويُسمَّى النقيعة»، ونَقَل عن المهلّب أنّ «ابنَ عمر رضي الله عنهما كان إذا قَدِم مِنْ سفرٍ أَطعمَ مَنْ يأتيه ويُفطِر معهم ويترك قضاءَ رمضان؛ لأنه كان لا يصوم في السفر، فإذا انتهى الطعام ابتدأ قضاءَ رمضان۔[2]

هذا، ومذهبُ جمهور الصحابة والتابعين وجوبُ الإجابة إلى سائر الولائم، وهي على ما ذَكَره القاضي عياضٌ والنوويُّ ثمانٍ[3] منها: «النقيعة»، مع اختلافهم: هل الطعام يصنعه المسافرُ أم يصنعه غيرُه له؟ ومِنَ النصِّ السابقِ والأثرِ يظهر ترجيحُ القول الأوّل۔

التَّهْنِئَةُ بِتَمَامِ الْحجّ

أَخْرَجَ الْبَزَّارُ «عَنْ عروة بن مضرس قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى فَقَالَ: (أَفْرَخَ رَوْعُکَ يَا عروة)» قَالَ فِي الصِّحَاحِ: أَفْرَخَ الرَّوْعُ أَيْ ذَهَبَ الْفَزَعُ، يُقَالُ: لِيَفْرَخْ رَوْعُکَ أَيْ لِيَخْرُجْ عَنْکَ فَزَعُکَ كَمَا يَخْرُجُ الْفَرْخُ عَنِ الْبَيْضَةِ، وَأَفْرَخَ رَوْعُکَ يَا فُلَانُ أَيْ سَكَنَ جَأْشُکَ، قَالَ الميداني: وَهُوَ فِي هَذَا مُتَعَدٍّ وَفِي الْأَوَّلِ لَازِمٌ، وَأَخْرَجَ الشَّافِعِيُّ فِي الْأُمِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ قَالَ: حَجَّ آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَتَلَقَّتْهُ الْمَلَائِكَةُ فَقَالُوا: بَرَّ نُسُکُکَ يَا آدَمُ.

التَّهْنِئَةُ بِالْقُدُومِ مِنَ الْحجّ

أَخْرَجَ ابْنُ السُّنِّيِّ وَالطَّبَرَانِيُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: («جَاءَ غُلَامٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنِّي أَحُجُّ فَمَشَى مَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا غُلَامُ زَوَّدَکَ اللّٰهُ التَّقْوَى وَوَجَّهَکَ الْخَيْرَ وَكَفَاکَ الْهَمَّ، فَلَمَّا رَجَعَ الْغُلَامُ سَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا غُلَامُ قَبِلَ اللّٰهُ حَجَّکَ وَغَفَرَ ذَنْبَکَ وَأَخْلَفَ نَفَقَتَکَ») وَأَخْرَجَ سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ فِي سُنَنِهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ لِلْحَاجِّ إِذَا قَدِمَ: تَقَبَّلَ اللّٰهُ نُسُکَکَ وَأَعْظَمَ أَجْرَکَ وَأَخْلَفَ نَفَقَتَکَ۔[4]

يقول الإمام الغزالی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ:

وقد كان من سنة السلف رضي الله عنهم أن يشيعوا الغزاة وأن يستقبلوا الحاج ويقبلوا بين أعينهم ويسألوهم الدعاء ويبادرون ذلک قبل أن يتدنسوا بالآثام۔[5]

---

[1] («فتح الباري» لابن حجر (٦/١٩٤))

[2] (المصدر السابق)

[3] (انظر: «شرح مسلم» للنَّووي (٩/١٧١)، «تحفة المودود» لابن القيِّم (١٢٧)، «نيل الأوطار» للشَّوكاني (٦/٢٣٨))

[4] (الحاوی للفتاوی، ج ۱، ص ۹۲، الناشر: دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان)

[5] (احیاء علوم الدین، ج ۱، ص ۲۴۱، الناشر: احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان)

(۱۰۱)مسئلہ نمبر ایک سو ایک: والدہ کے دونوں قدموں کو بوسہ دینا بیت اللہ شریف کی زیارت اور چوکھٹ کو بوسہ دینے کے مترادف ہے

علامہ بدر الدین عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (جو کہ محدثین کے امام ہیں) نے اپنی تصنیف لطیف عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں حدیث شریف درج فرمائی ہے جو کہ سید المفسرین عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں:

یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم!

إني نذرت إن فتح الله عز وجل عليک مكة أن آتي البيت، فأقبل أسفل الأسكفة فقال: قبل قدمي أمک، وقد وفيت نذرک۔

میں نے نذر مانی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ مکرمہ کی فتح دی تو میں بیت اللہ شریف کے پاس جاؤں گا اور اس کی چوکھٹ کو بوسہ دوں گا۔ نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنی والدہ کے دونوں پاؤں کو بوسہ دو تمہاری نذر پوری ہو جائے گی۔[1]

روی ان رجلا جاء الی النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقال انا حلفت ان اقبل عتبة باب الجنة وحور العین فامر النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان تقبل رجل الام وجبهة الاب او يروى انه قال يا رسول اللہ ليس لی ابوان فقال اقبل قبرهما ثم قال لم اعرف قبرهما قال حظ خطوتين احدهما قبر الام والاخر قبر الاب فاقبلهما۔

روایت کی گئی ہے کہ ایک شخص نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ میں جنت کے در شل (دہلیز) کو چوموں گا۔ پس امر فرمایا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ آپ والدہ کے قدم اور والد کے ماتھے کو چوم لو۔ پس اس شخص نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے والدین (حیات) نہیں ہیں۔ پس آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جاؤ اور ان کی قبر کو چوم لو۔ پھر اُس شخص نے کہا کہ مجھے اُن کی قبر معلوم نہیں ہے۔ پس آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ دو لکیریں کھینچ لو، ان میں سے ایک اپنی ماں کی قبر کو تصور کر لو اور ایک اپنے باپ کی قبر کو تصور کر لو اور ان دونوں کو چوم لو۔[2]

---

[1] (عمدة القاری شرح صحیح البخاری، ج۲۲، ص۸۲، مطبوعه بیروت)

[2] (شرح الیاس، ج۲، کتاب الکراهیة، ص۲۸۷، ابو المکارم، گیس پرنٹنگ ورکس، لاهور)

(۱۰۲)مسئلہ نمبر ایک سو دو: مرغی کا انڈا کھانا حلال ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین وفقہاء شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

بیضۂ مرغ جس کا استعمال عام ہے اس کے کھانے کا شرعی حکم کیا ہے صحابہ کرام کے گھروں میں مرغیوں کی پرورش کا تذکرہ موجود ہے مگر یہ نظر سے نہیں گزرا کہ ان حضرات نے انڈا کھایا ہے اگر نقل موجود ہو تو تشویش ختم ہو جاتی ہے۔ براہ کرم اگر نظر سامی سے گزری ہے مع حوالہ ارقام فرمائیں۔ وجہ تشویش یہ ہے کہ بیضۂ مادہ ولادت ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ آج چوزہ ضوری عمل کے بعد انڈے سے برآمد ہوتا ہے اس جگہ میں آپ کی اجازت سے بعض لوگوں کا یعنی امجدیہ والوں کا جواب من و عن نقل کرتا ہوں۔

امت مسلمہ کا کھانا حلت کی دلیل ہے۔ نقل کی ضرورت نہیں۔ وھٰذا لیس بشیٔ یعنی اس لئے کہ امت مسلمہ قدوہ نہیں ہے اور جو اس امت میں قدوہ ہیں انہیں کے عمل کی تلاش ہے تو نقل کی ضرورت تو ہے وہ آپ کے تعاون سے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے۔

محمد رفعت اللہ صدیقی

۱۹--L-D-۵، لانڈھی نمبر ۱۹، کراچی

الجواب ھو الموفق للصواب

ہر حلال پرندے کا انڈا کھانا جائز ہے اور اس پر احادیث شریف میں دلائل موجود ہیں۔ احادیث کے علاوہ فقہائے کرام کی تصریحات بھی بکثرت موجود ہیں۔

امام بخاری اپنی صحیح میں روایت فرماتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال من اغتسل یوم الجمعۃ غسل الجنابۃ ثم راح فکانما قرب بدنۃ ومن راح فی الساعۃ الثانیۃ فکانما قرب بقرۃ ومن راح فی الثالثۃ فکانما قرب کبشا اقرن ومن راح فی الساعۃ الرابعۃ فکانما قرب وجاجۃ ومن راح فی الساعۃ الخامسۃ فکانما قرب بیضۃ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص نے دن کو غسل فرمایا، پھر مسجد میں جمعہ پڑھنے گیا اس نے گویا اونٹنی کا صدقہ کیا، اور جو شخص دوسری ساعت میں گیا اس نے گویا گائے کا صدقہ کیا، اور

جو تیسری ساعت میں گیا اس نے گویا سینگھوں والے مینڈھے کا صدقہ کیا، اور جو چوتھی ساعت گیا اس نے گویا مرغی کا صدقہ کیا، اور جو پانچویں ساعت میں گیا اس نے گویا انڈے کا صدقہ کیا۔[1]

اس حدیث شریف میں انڈے کا صدقہ کرنے اور اس سے تقریب حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اگر انڈا احرام اور نجس ہوتا تو اس کے صدقہ کرنے کا حضور ﷺ کبھی ذکر نہ فرماتے۔ حضور اکرم ﷺ نے انڈے کا ذکر ان تمام جانوروں کے ساتھ فرمایا ہے جو حلال ہیں اور دور رسالت میں ان کے کھانے کا عام رواج تھا۔

اور یہ اس بات پر ظاہر قرینہ ہے کہ مرغی کے انڈے کے کھانے کا بھی اس دور میں عام رواج تھا علاوہ ازیں علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ زہری کی روایت میں **کانما** قرب کی جگہ **کالذی یھدی** کے الفاظ ہیں اور **ھدی** کے معنی قربانی کے بھی ہیں۔[2]

اور مرغی اور انڈے کی قربانی اگرچہ متعارف اور مشروع نہیں ہے تاہم اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ انڈا بھی مرغی کی طرح حلال اور کھانے کی چیز ہے نیز امام احمد بن حنبلؒ اپنی مسند میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ:

عن علی ان النبی علیہ السلام اتی بیض النعام فقال انا ترم حرم الطعمرہ اھل الحل۔

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں شتر مرغ کے انڈے لائے گئے آپ ﷺ نے فرمایا میں محرم ہوں جو لوگ غیر محرم ہیں ان کو یہ کھلا دو۔

شتر مرغ کا انڈا تمام پرندوں میں سب سے بڑا ہوتا ہے اور جب اس کے کھانے کے بارے میں حضور ﷺ کا حکم موجود ہے تو باقی حلال پرندوں کے انڈے بطریق اولیٰ جائز قرار پائے۔

علاوہ ازیں امام بیہقی شعب الایمان میں حدیث مرفوع بیان کرتے ہیں:

ان نبیا من الانبیاء شکیٰ الی اللہ سبحانہ الضعف فامرہ باکل البیض و فی ثبوتہ نظر و یختار من البیض الحدیث علی العتیق و بیض الدجاجۃ علی سائر بیض الطیر۔

یعنی انبیاء سابقین سے ایک نبی نے اللہ تعالیٰ سے اپنی کمزوری کا ذکر فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو انڈے کھانے کا حکم فرمایا۔ اور یہ روایت محل نظر ہے، اور تازہ انڈوں کو باسی انڈوں پر اور مرغی کے انڈوں کو دیگر پرندوں کے انڈوں پر ترجیح دینی چاہیئے۔[3]

---

[1] (صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۲۱)
[2] (فتح الباری جلد ۳ ص ۱۸)
[3] (زاد المعاد جلد ۳ ص ۱۵۸)

اور جب مردہ مرغی کے پیٹ سے انڈا نکال کر کھالینا جائز ہے تو زندہ سے حاصل شدہ انڈے بطریق اولیٰ جائز قرار پائیں گے۔

حیات الحیوان الکبریٰ میں ہے:

"ان سليمان بن عبد الملك رحمه الله تعالى كان نهما في الأكل، وقد نقل عنه فيه أشياء غريبة، فمنها أنه اصطبح في بعض الأيام بأربعين دجاجة مشوية وأربعين بيضة وأربع وثمانين كلوة بشحهما، وثمانين جردقة ثم أكل مع الناس على السماط العام۔ ومنها أنه دخل ذات يوم بستاناً له وكان قد أمر قيمة أن يجني ثماره ويستطيب له، وكان معه أصحابه فأكل القوم حتى اكتفوا، واستمر هو يأكل، فأكل أكلاً ذريعاً، ثم استدعى بشاة مشوية فأكلها، ثم أقبل على الفاكهة فأكل أكلاً ذريعاً، ثم أتى بدجاجتين مشويتين فأكلهما، ثم مال الى الفاكهة فأكل اكلاً ذريعاً، ثم أتى بقعب يقعد فيه الرجل مملوء سمناً وسويقاً وسكراً، فأكله أجمع، ثم سار الى دار الخلافة وأتى بالسماط فما نقص من أكله شيء، ومنها أنه حج، فأتى الطائف فأكل سبعمائة رمّانة وخروفاً وست دجاجات، وأتى بمكوك زبيب طائفي فأكله أجمع۔ وقيل انه كان له بستان فجاء رجل ليضمنه ودفع له قدراً من المال، فاستؤذن في ذلك، فدخل البستان لينظره وجعل يأكل من ثماره، ثم أذن في ضمانه فلما قيل للضامن احمل المال قال: كان ذلك قبل أن يدخله أمير المؤمنين۔ قيل كان سبب مرضه أنه أكل أربعمائة بيضة وثمانمائة حبةتين، وأربعمائة كلوة بشحهما وعشرين دجاجة، فحم وفشت الحمى في عسكره، وكان موته بالتخمة رحمه الله تعالىٰ عليه في مرج دابق"۔

ترجمہ: حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ خلیفہ سلیمان بن عبد الملک بن مروان کھانے کا بہت حریص تھا۔ چنانچہ اس کے بارے میں عجیب و غریب واقعات منقول ہیں۔ ان میں سے بعض کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ بعض دن وہ صبح کو ناشتے میں چالیس تلی ہوئی مرغیاں، چالیس انڈے، چوراسی کلیجیاں معہ ان کی چربی کے اور اسی گردے کھاجاتا اور پھر اس کے بعد بھی عام دستر خوان پر بیٹھ کر لوگوں کے ساتھ بھی کھاتا تھا۔ ایک مرتبہ خلیفہ اپنے باغ میں گیا اور باغ کے داروغہ کو حکم دیا کہ عمدہ قسم کے ذائقہ دار پھل توڑ کر پیش کئے جائیں۔ چنانچہ داروغہ نے پھل پیش کر دیئے تو خلیفہ اور اس کے مصاحب کھانے لگے۔ کچھ دیک کے بعد خلیفہ کے تمام مصاحب کھا کر سیر ہو گئے مگر خلیفہ برابر کھاتا رہا۔ اس کے بعد اس نے ایک تلی ہوئی بکری طلب کی اور تمام کی تمام اکیلا کھا گیا۔ اس کے بعد پھر پھل منگائے اور کھانے شروع کر دیئے۔ جب تمام پھل ختم ہوگئے تو اسکے سامنے ایک قاب لائی گئی جو اتنی بڑی تھی کہ اس کے اندر ایک آدمی بیٹھ سکتا تھا۔ اس قاب میں گھی اور ستو وغیرہ بھرا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ پوری قاب بھی خلیفہ نے کھا کر ختم کر دی۔ اس کے بعد اٹھا اور دار الخلافہ پہنچ گیا وہاں پہنچتے ہی دستر خوان بچھوادیا گیا تو خلیفہ نے یہاں بھی بعض چیزیں کھائیں۔ ایک مرتبہ خلیفہ حج کرنے گیا اور حج کرنے کے بعد طائف پہنچا وہاں اس نے سات سوانار، مرغی کے چوڑے اور ایک ٹوکرا کشمش کا کھایا۔ کہتے ہیں کہ سلیمان کے پاس ایک شخص آیا اور سلیمان کے باغ

کی فصل خریدنے کا ارادہ ظاہر فرمایا، اور کچھ پیشگی رقم سلیمان کو دی۔ سلیمان باغ کے معائنے کے لئے گیا اور باغ میں جا کر پھل کھانا شروع کر دیئے یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ پھر فصل خریدنے والے کو بلا کر مزید رقم کا مطالبہ کیا تو اس شخص نے کہا کہ آپ کی مطلوبہ رقم آپ کو باغ میں داخل ہونے سے پہلے مل سکتی تھی اب باغ میں کیا رکھا ہے جو میں مزید رقم دوں۔ کہتے ہیں کہ اس کی موت کا سبب یہ ہوا تھا کہ ایک دن اس نے چار سو انڈے اور آٹھ سو دانے انجیر اور چار سو عدد کلیجیاں معہ ان کی چربی کے اور بیس عدد مرغیاں کھالی تھیں۔ چنانچہ اس کو ہیضہ ہو گیا اور اسی بیماری میں بمقام مرج دابق اس کا انتقال ہو گیا۔[1]

اور امام ابن بزار کردری فرماتے ہیں:

ماتت الدجاجة وفی بطنها بیضة توکل۔

یعنی مرغی مر جائے اور اس کے پیٹ میں انڈا ہو تو نکال کر کھالیا جائے۔[2]

"الفتاویٰ السراجیہ" میں ہے:

لا بأس به البیضة اذا خرجت من دجاجة میتة اکلت۔

یعنی کوئی حرج نہیں کہ اگر مرغی مر جائے تو اس میں سے انڈا نکال کر کھالیا جائے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

البیضة اذ خرجت من دجاجة اکلت۔

یعنی اگر مرغی مر جائے اور اس میں سے اندا نکال لیا جائے تو اس کو کھایا جاسکتا ہے۔[3]

بہر حال ان تمام تصریحات سے آفتاب سے زیادہ واضح ہو گیا کہ مرغی اور دیگر حلال پرندوں کے انڈے کھانا جائز ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

(۱۰۳) مسئلہ نمبر ایک سو تین: زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پینا

ملا علی قاری رحمہ اللہ مشکاۃ المصابیح کی شرح مرقاۃ المفاتیح میں لکھتے ہیں کہ:

آب زمزم کھڑے ہو کر پینے کی وجہ یہ ہے کہ زمزم کے پانی میں مطلوب یہ ہے کہ خوب سیر ہو کر پانی پیا جائے اور اس پانی کی برکت جسم کے تمام اعضاء تک پہنچ جائے، اور یہ دونوں مقصد کھڑے ہو کر پانی پینے سے حاصل ہوں گے۔

---

[1] (حیات الحیوان، جلد ۱ صفحہ ۳۱۵)(نفحۃ العرب، ص ۲۴)

[2] (بحوالہ فتاوی بزازیہ علی ھامش الھندیہ، جلد ۶ ص ۲۶۵)

[3] (عالمگیری جلد ۵ ص ۳۳۹)

آبِ زمزم پیٹ بھر کر پینے کے متعلق متدرک حاکم میں روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آئے تو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان سے دریافت کیا: کہاں سے آرہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: میں زمزم پی کر آرہا ہوں، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا: کیا تم نے اس طریقہ پر زمزم پیا ہے جیسا کہ پینا چاہیے تھا؟ انہوں نے سوال کیا کہ وہ طریقہ کیا ہے؟ تو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: جب تم زمزم پیو تو قبلہ رخ ہو جاؤ، اللہ کا نام لو، اور تین سانسوں میں پانی پیو اور پیٹ بھر کر زمزم پیو، جب پانی پینے سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کی تعریف کرو، اس لیے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ: ہمارے اور منافقین کے درمیان فرق کرنے والی چیز یہ ہے کہ وہ زمزم سے پیٹ بھر کر پی نہیں سکتے۔

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں ہے:

" أو النهي عنده ليس على إطلاقه فإنه مخصص بماء زمزم، وشرب فضل الوضوء كما ذكره بعض علمائنا. وجعلوا القيام فيهما مستحباً وكرهوه في غيرهما، إلا إذا كان ضرورةً. ولعل وجه تخصيصهما أن المطلوب في ماء زمزم التضلع ووصول بركته إلى جميع الأعضاء، وكذا فضل الوضوء مع إفادة الجمع بين طهارة الظاهر والباطن، وكلاهما حال القيام أعم، وبالنفع أتم. ففي شرح الهداية لابن الهمام: ومن الأدب أن يشرب فضل ماء وضوئه مستقبلاً قائماً، وإن شاء قاعداً اهـ. وظاهر سياق كلام علي -رضي الله تعالى عنه- أن القيام مستحب في ذلك المقام؛ لأنه رخصة"۔[1]

المستدرک علی الصحیحین للحاکم میں ہے:

"عن عثمان بن الأسود قال: جاء رجل إلى ابن عباس فقال: من أين جئت؟ فقال: شربت من زمزم فقال له ابن عباس: أشربت منها كما ينبغي؟ قال: وكيف ذاك يا أبا عباس؟ قال: إذا شربت منها فاستقبل القبلة واذكر اسم الله وتنفس ثلاثاً وتضلع منها، فإذا فرغت منها فاحمد الله؛ فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: آية بيننا وبين المنافقين أنهم لا يتضلعون من زمزم۔

هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه إن كان عثمان بن الأسود سمع من ابن عباس". فقط والله اعلم۔[2]

[1] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج۷، ص۲۷۴۷)

[2] (المستدرک علی الصحیحین للحاکم، ج ۱، ص۶۴۵)

دلائل:

صحیح بخاری میں ہے:

حدثنا أبو نعيم، حدثنا سفيان، عن عاصم الأحول، عن الشعبي، عن ابن عباس، قال: "شرب النبي صلى الله عليه وسلم قائما من زمزم"۔ [1]

ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں ہے:

ويجوز الاغتسال والتوضؤ بماء زمزم ولا يكره عند الثلاثة خلافا لأحمد على وجه التبرک أي لا بأس بما ذكر الا انه ينبغي أن يستعمله على قصد التبرک بالمسح أو الغسل أو التجديد في الوضوء...الخ۔ [2]

مسند احمد میں ہے:

عن الشعبي عن ابن عباس: أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - دعا بشراب، قال: فأتيته بدلو من ماء زمزم، فشرب قائما۔ [3]

المحیط البرہانی میں ہے:

ومن الأدب: أن يشرب فضل وضوئه أو بعضه مستقبل القبلة إن شاء قائما، وإن شاء قاعدا، هكذا ذكره شمس الأئمة الحلواني رحمه الله. وذكر شيخ الإسلام المعروف بخواهر زادة رحمه الله أنه يشرب ذلک قائما قال: ولا يشرب الماء قائما، إلا في موضعين أحدهما: هذا، والثاني: عند زمزم۔ [4]

حاشیہ الشمائل الترمذی میں ہے:

تحت الحديث (عن ابن عباس أن النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ شرب من زمزم وهو قائم) قال القاري: يمكن التوفيق بينهما: أن يكون القيام مختصا بماء زمزم، وبفضل ماء الوضوء، ونكتة التخصيص في ماء زمزم هي الاشارة إلى استحباب التضلع من ماء اه۔ [5]

فتاویٰ شامی میں ہے:

وفي الفتاوى الشامية: تحت (قوله: ثم شرب من ماء زمزم الخ) أي قائما مستقبلا القبلة متضلعا منه، متنفسا فيه، مرارا، ناظرا في كل مرة إلى البيت، اهـ۔ [6] والله أعلم بالصواب

---

1 (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵٦١٧، ط: دار طوق النجاة)

2 (ارشاد الساری، ص: ٣٣٠، ط: دار الفکر)

3 (مسند احمد، ج٣، ص ٣٢، رقم الحدیث: ٢١٨٣، ط: دار الحدیث)

4 (المحیط البرهانی: ج ١، ص ۴٩، ط: دار الکتب العلمية)

5 (حاشیة الشمائل الترمذی، ج٢، ص ١۵)

6 (فتاویٰ شامی، ج٢، ص ۵٢۴)

(۱۰۴) مسئلہ نمبر ایک سو چار: صائم (روزہ دار) کا انجکشن لگانا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب الوریٰ و الصلوٰۃ و السلام علیٰ رسولہ المجتبیٰ

و علیٰ اٰلہٖ و اصحابہٖ ائمۃ الھدیٰ

اما بعد

فیقول المولوی الحاج شائستہ گل المتوی المردانوی السرحدی لما رأیت الاستفتأات الثلٰثۃ الاٰتیۃ، و الفتاویٰ الثلاثۃ من مولوی محمد شفیع و من اکوڑہ خٹک و من سہارنپور فرتبت ھذہ الرسالۃ علی مقدمۃ مشتملۃ علی اقوال الاطباء و بحثین۔

پس کہتے ہیں مولوی الحاج شائستہ گل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوی مردانوی سرحدی، جب میں نے درج ذیل تین استفتاء دیکھے اور ان تینوں فتاویٰ میں سے ایک فتویٰ مولوی محمد شفیع کا، دوسرا اکوڑہ خٹک والوں کا اور تیسرا سہارنپور کا ہے۔ تو میں نے اس رسالے کو مرتب کیا جو کہ اقوال اطباء و بحثین پر مشتمل ہے۔

البحث الاول فی فساد الصوم بادویۃ انجکشن و قضاء الصوم فقط۔

پہلی بحث انجکشن کی دواؤں سے روزہ کے ٹوٹنے اور اس کی قضاء میں ہے۔

و الثانی فی اجوبۃ الاقوال بعدم فساد الصوم بانجکشن۔

بحث ثانی انجکشن سے روزہ نہ ٹوٹنے سے متعلق اقوال کے جوابات۔

و سمیتھا بالحجج القویہ لاثبات فساد الصوم بانجکشن الادویۃ بتوفیقہ و فضلہ تعالیٰ بلا حسد و لا اعتیاف۔

اور میں نے اس رسالہ کا نام "الحجج القویہ لاثبات فساد الصوم بانجکشن الادویۃ" رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی توفیق سے بغیر کسی حسد و بغض کے۔

استفتاء

جناب حاجی حامی سنت قامع الوہابیہ مولانا مولوی شائستہ گل صاحب متہ حام اقبالکم

السلام علیکم بعد ما ھو المسنون!

آج کل انجکشن کا استعمال عام ہے۔ روزہ میں بھی اس سے کوئی پرہیز نہیں کرتا۔ ڈاکٹر یہی کہتے ہیں کہ انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا، لیکن بعض علماء کہتے ہیں کہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور بعض علماء کہتے ہیں کہ انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اس کی مثال

غسل کی سی ہے،اس وجہ سے عوام پریشان ہیں۔ یہ عریضہ ہے کہ مہربانی فرما کر اس مسئلہ کو مفصل باحوالہ کتب واضح فرمادیں کہ انجکشن کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

سوال نمبر ا: انجکشن بروئے شریعت مفطر روزہ ہے کہ نہیں؟

سوال نمبر ۲: عضلی، جلدی، وریدی فخاعی انجکشنوں کا ایک سا حکم ہے یا مختلف؟

سوال نمبر ۳: اگر انجکشن سے روزہ ٹوٹتا ہے تو قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہو جاتے ہیں یا ایک؟

مندرجہ بالا سوالات کے جوابات سے مشکور فرمائیں۔

فقط والسلام

المستفتی: شمس الضحیٰ

اول مدرس گورنمنٹ پرائمری سکول قاسم ڈاکخانہ، ہوتی، مردان

استفتاء نمبر ۲

چہ می فرمائیند علماء کرام خصوصًا مولانا شائستہ گل الساکن لنڈی شاہ، متہ، اندرین مسئلہ کہ انجکشن ڈاکٹران مفطر صوم ہست یانہ کہ حکیمان افغانستان قائل بافطار اند زیرا کہ سرایت دوا الی الجوف لازم انجکشن میدانند وآن فتویٰ کہ از خدام الدین در اخبارات است قابل اعتماد ندانند لہٰذا استفتاء ضروری میدارم کہ بذریعہ دع می یربیک الی مالا یربیک انکشاف امر حق کردہ شود۔ بینوا وتوجروا۔

المستفتی: مولوی گل منیر مہتمم، مدرسہ منیر الاسلام مقام خیور شریف، شمالی وزیرستان، ضلع علاقہ توچی

استفتاء نمبر ۳

استفتاء: کیا فرماتے ہیں مولانا صاحب مولوی شائستہ گل مفتی اعظم سرحد، ضلع مردان، مقام لنڈی شاہ متہ۔ اندریں مسئلہ کہ رمضان شریف کے دن میں صائم کو انجکشن کرنا مفسد صوم ہے یا کہ نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

المستفتی: مولانا صاحب پور دل خان

ساکن کویت شہر، ملک ایران

الجواب بقوۃ اللہ تعالیٰ ومنہ

یہی انجکشن مفسد صوم ہے۔ اس لئے کہ اس کی دوائی جوف بطن کو پہنچتی ہے۔

۱۔ لِوُجُودِ مَعْنَی الْفِطْرِ وَهُوَ وُصُولُ (الدواء) مَافِيهِ صَلَاحُ الْبَدَنِ إِلَى الْجَوْفِ، اھ۔

وجود معنیٰ افطار اور وہ ہے دوا کا بدن کے ذریعے پیٹ کی طرف پہنچنے کی صلاحیت کا حامل ہونا۔[1]

۲۔ عن سَلْمَى مِنْ بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا تَقُولُ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ هَلْ مِنْ كِسْرَةٍ؟ فَأَتَيْتُهُ بِقُرْصٍ فَوَضَعَهُ عَلَى فِيهِ، فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ هَلْ دَخَلَ بَطْنِي مِنْهُ شَيْءٌ؟ (الیٰ قولہٖ) إِنَّمَا الْإِفْطَارُ مِمَّا دَخَلَ، الخ۔

اخرجہ ابو یعلی الموصلی فی مسندہ۔

اے عائشہ کیا کوئی ٹکڑا ہے روٹی کا جو میں لایا ہوں، پھر اس کو اپنے منہ میں رکھا اور فرمایا اے عائشہ کیا اس میں سے کوئی شے میرے منہ میں داخل ہوئی ہے؟ ''تا'' بے شک افطار اس وقت ہے جب داخل ہو۔[2]

۳۔ فَفِي الْبُخَارِيِّ تَعْلِيقًا: وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَعِكْرِمَةُ الْفِطْرُ مِمَّا دَخَلَ، الخ۔[3]

وَلَا شَكَّ فِي ثُبُوتِهِ مَوْقُوفًا عَلَى جَمَاعَةٍ، اھ۔[4]

حررہ: مولوی الحاج شائستہ گل الساکن متہ، ضلع مردان، سرحد، مغربی پاکستان بقلم خود

تفصیل

مقدمہ میں ڈاکٹروں کا بیان ہے

۱۔ انجکشن بک مصور مصنفہ ڈاکٹر عبدالحمید چغتائی اور ڈاکٹر عبدالقیوم ایم۔ بی۔ بی۔ ایس طبع ششم مطبوعہ دین محمدی پریس، لاہور کے مقدمہ کے ص ۹ پر ڈاکٹر ایس اے ہاشمی، ایم۔ بی۔ بی۔ ایس، دہلی نے لکھا ہے کہ:

اس ذریعہ سے جو دواء قلیل مقدار میں ہوتی ہے فوراً کیون اور مادۂ حیات اور کیون کے درمیان خلاؤں میں جو مائیت اور عرق سے لبریز ہوتی ہیں پہنچ کر چاروں طرف باریک وریدوں اور شریانوں کے باریک جال میں جذب ہو کر دورانِ خون میں مل جاتی ہے۔

---

[1] (ہدایہ وفتح القدیر، ج ۱، ص ۳۹۴، زیلعی الکنز وشلبی، ج ۲، ص ۳۲۹، برجندی، ج ۱، ص ۲۱۷، شامی، ج ۲، ص ۱۴۰)

[2] (فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۹۴، ہدایہ ونصب الرایۃ، ج ۱، ص ۴۴۴)

[3] (ابن ابی شیبۃ، فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۹۴، نصب الرایۃ، ج ۱، ص ۴۴۴، ورواہ البیہقی وقال النووی ہو صحیح)

[4] (شلبی، ج ۲، ص ۳۲۲ وغیرھا)

۲۔ اور اسی کتاب میں مصنفین نے لکھا ہے دوار سانی کے دواء ہضم و جذب کے مراحل سے بچ کر براہِ راست دورانِ خون یا مقام ماؤف تک پہنچ جاتی ہے اور معدہ پر اس کے انخلال انجذاب اور انہضام کا بار نہیں۔

اور مقام ماؤف عام ہے جو دماغ یا جوف ہے۔

دورانِ خون کی تفصیل

خان صاحب ڈاکٹر حکیم غلام جیلانی شمس الاطباء اپنی کتاب مخزن الحکمت کے ص ۱۶ پر لکھتے ہیں کہ:

۳۔ بالوں، ناخن، جلد کے اوپر کے باریک پرت کریوں اور آنکھ کے پردہ قرینہ کے سوا باقی تمام جسم میں رگوں کا ایسا جال پھیلا ہوا ہے کہ اگر جسم میں کسی جگہ سوئی چبھوئیں تو وہ ضرور کسی نہ کسی باریک رگ پر لگے گی اور وہاں خون نکلے گا۔ [1]

۴۔ اس (انجکشن) کے ذریعہ جو دوائیں داخلِ بدن کی جاتی ہیں وہ مقدار میں کم ہوتی ہیں لیکن ان کا اثر اعضائے بعیدہ اور عام نظام جسم پر بہت جلد ہو جاتا ہے (الیٰ قولہ) چونکہ جلد کے نیچے خلائیں اور عروق جاذبہ بکثرت موجود ہیں اس لئے ان خلاؤں اور عروق جاذبہ کے ذریعے دوا بہت جلد جذب ہو کر خون میں پہنچ جاتی ہے۔ [2]

۵۔ قبض، قبض الامعاء، کانٹی پیشن (الیٰ قولہ) علاماتِ مرض: رفع حاجت کے وقت زیادہ دیر لگتی ہے۔ خشک سیاہی مائل اور متعفن براز مشکل سے خارج ہوتا ہے (الیٰ قولہ) مندرجہ ذیل دواؤں کے ٹیکے ازالۂ مرض کے لئے مفید ہیں۔ [3]

۶۔ حمل کا گر جانا: اسقاطِ حمل، ابورشن (الیٰ قولہ) ازالہ مرض کے لئے مندرجہ ذیل دواؤں کے ٹیکے مفید ہیں۔ [4]

۷۔ جریان، خون بعد از ولادت (الیٰ قولہ) مندرجہ ذیل دواؤں میں سے کسی ایک کا ٹیکہ کریں۔ [5]

میں کہتا ہوں کہ یہ اقوال سبعہ (سات) معتبر ڈاکٹروں کے اپنے تخلیقی اوقات کے ہیں اور اس بات کی صراحتاً توضیح کرتی ہیں کہ انجکشن کے ذریعہ دوا لازمی طور پر جوف البطن اور جوف الدماغ تک پہنچتی ہے تو اس سے انکار باطل ہے کہ یہ دماغ تک نہیں پہنچتی یا جوف بطن تک نہیں جاتی۔

علاوہ ازیں نمبر ۶ اور نمبر ۷ بیانات قبض الامعاء اور اسقاط حمل تو بہت اونچے درجے کے ہیں۔

---

[1] (مخزن الحکمت، ص ۱۶)

[2] (انجکشن بک، ص ۱۵)

[3] (انجکشن بک مصور، ص ۲۷۹)

[4] (انجکشن بک مصور، ص ۳۰۱)

[5] (انجکشن بک مصور، ص ۳۰۲)

احادیث یہ ہیں

رَوَى أَبُو يَعْلَى الْمُوصِلِيُّ فِي مُسْنَدِهِ: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ عَنْ رَزِينٍ الْبَكْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَتْنَا مَوْلَاةٌ لَنَا يُقَالُ لَهَا سَلْمَى مِنْ بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا تَقُولُ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ هَلْ مِنْ كِسْرَةٍ؟ فَأَتَيْتُهُ بِقُرْصٍ فَوَضَعَهُ عَلَى فِيهِ، فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ هَلْ دَخَلَ بَطْنِي مِنْهُ شَيْءٌ؟ كَذَلِكَ قُبْلَةُ الصَّائِمِ۔ إِنَّمَا الْإِفْطَارُ مِمَّا دَخَلَ وَلَيْسَ مِمَّا خَرَجَ۔

سلمٰی بنت بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سنا کیا کوئی ٹکڑا ہے روٹی کا جو میں لایا ہوں، پھر اس کو اپنے منہ میں رکھا اور فرمایا اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیا اس سے کوئی چیز میرے پیٹ میں داخل ہوئی ہے، اسی طرح صائم (روزہ دار) کا معاملہ ہے، روزے کا ٹوٹنا دخول پر منحصر ہے نہ کہ کسی چیز کے خروج پر۔[1]

وروی ھذا الحدیث عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ولا یثبت۔

یہ حدیث عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کر کے روایت کی گئی ہے جو کہ ثابت نہیں ہے۔[2]

قلنا فی الجواب بوجوہ۔

ہم نے کہا اس کے جواب میں کئی ہا وجوہ ہیں۔

الوجہ الاول ان قول صاحب الفتح لم یثبتہ بعض اھل الحدیث افاد ان اکثر المحدثین اثبتوہ ولا عبرۃ للبعض فی مقابلۃ الاکثر۔

وجہ اول: یہ کہ صاحب فتح القدیر کا قول بعض اصحاب حدیث سے ثابت نہیں اور یہی اکثر محدثین سے ثابت ہے تو اکثر کے مقابلے میں بعض قابل اعتبار نہیں۔

الوجہ الثانی انہ لاشک فی ثبوتہ لقولھم ففی صحیح البخاری تعلیقًا۔

وجہ ثانی: ان کے اس قول کے ثبوت میں کہ یہ صحیح بخاری میں تعلیقًا ہے کوئی شک ہی نہیں ہے۔[3]

الثالث: ان قول بعض اھل الحدیث المنقول فی فتح القدیر کما مر وبجھالۃ المولاۃ غیر صحیح لانہ قد مر فی مسند ابی یعلیٰ الموصلی ان اسم المولاۃ سلمیٰ واسم ابیھا بکر واسم جدھا وائل ولا شک ان التعریف مستم بالجد کما فی کتب الفقہ فی بحث دعویٰ العقار۔

وجہ ثالث: بعض اصحاب حدیث کے اقوال فتح القدیر میں منقول ہیں۔

---

[1] (نصب الرایۃ، ج ۱، ص ۴۲۴، فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۹۴)

[2] (نصب الرایۃ، ج ۱، ص ۳۹۴)

[3] (فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۹۴، نصب الرایۃ، ص ۴۴۵، ج ۱)

وبجهالة المولاة: مولاۃ نام مجہول ہے؟ یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ پیچھے مسند ابویعلیٰ میں گزر چکا ہے کہ مولاۃ کا نام سلمٰی تھا اس کے باپ کا نام بکر دادا کا نام وائل اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تعریف جد تک ہی تمام ہوتی ہے جیسا کہ کتب فقہ کی بحث عقار میں ہے۔

الرابع: انه قال النووی هو صحيح او حسن ورفعه فی الهداية ثم السلبی صوم۔

الرابع: نووی نے کہا کہ وہ صحیح ہے یا حسن ہے۔

الجواب الخامس: رواية هذا الحديث عن جماعة من الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم فقال البخاری رحمة الله تعالیٰ عليه وقال ابن عباس وعكرمة رضی الله تعالیٰ عنهم الفطر فی الصوم مما دخل لا مما خرج۔

خامس: یہ حدیث صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت نے روایت کی ہے۔ بخاری، حضرت ابن عباس اور حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا ہے کہ روزے کا ٹوٹنا کسی چیز کے داخل ہونے پر ہے نہ کہ خارج ہونے پر۔[1]

وَأَسْنَدَ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فَقَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي ظَبْيَانَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: الْفِطْرُ مِمَّا دَخَلَ وَلَيْسَ مِمَّا خَرَجَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب کوئی چیز داخل ہو جائے تب روزہ ٹوٹتا ہے نہ کہ خارج ہونے پر۔[2]

وَوَقَفَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِي "مُصَنَّفِهِ" عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: إنَّمَا الْوُضُوءُ مِمَّا خَرَجَ، وَلَيْسَ مِمَّا دَخَلَ، وَالْفِطْرُ فِي الصَّوْمِ مِمَّا دَخَلَ وَلَيْسَ مِمَّا خَرَجَ، انْتَهَى۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وضو کسی چیز کے خروج پر فاسد ہوتا ہے نہ کہ دخول پر جب کہ روزے کا ٹوٹنا دخول پر ہے نہ کہ خروج پر۔[3]

وَرُوِيَ أَيْضًا مِنْ قَوْلِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَهُ الْبَيْهَقِيُّ، اهـ۔[4]

ومن طريق عبد الرزاق رواه الطبرانی فی معجمه اهـ۔[5]

وكذالک رواه البيهقی، اهـ۔[6]

---

[1] (فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۹۵، نصب الرایۃ، ج ۱، ص ۴۴۵)

[2] (فتح القدیر، ج ۱، ص ۲۹۵، نصب الرایۃ، ج ۱، ص ۴۴۵)

[3] (فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۹۴، نصب الرایۃ، ج ۱، ص ۴۴۵)

[4] (نصب الرایۃ، ج ۱، ص ۴۴۵، فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۹۵)

[5] (نصب الرایۃ، ج ۱، ص ۴۴۵)

[6] (نصب الرایۃ، ج ۱، ص ۴۴۵)

فان قیل انه قال ابن الهمام: وَعَلَى كُلِّ حَالٍ يَكُونُ (ای هذا الحدیث المروی مرفوعا وموقوفا) مَخْصُوصًا بِحَدِيثِ الِاسْتِقَاءِ، اھ۔

اگر کوئی کہے کہ یہ تو ابن ہمام نے کہا ہے اور ہر حال پر "یعنی یہ حدیث مرفوعًا مروی ہو یا موقوفًا" یہ حدیث استقاء پر مخصوص ہے۔[1]

اقول لان المفطر فی الاستقاء هو الخارج دون الداخل۔

میں کہتا ہوں کہ بے شک روزہ توڑنے والا استقاء میں وہ بہ سبب خارج کے ہے نہ داخل کے۔

فاجاب عنه ابن الهمام انه لا یرد هذا الاعتراض لقوله أَوْ الْفِطْرِ فِيهِ بِاعْتِبَارِ أَنَّهُ يَعُودُ شَيْءٌ وَإِنْ قَلَّ حَتَّى لَا يُحِسّ بِهِ، كَمَا ذَكَرْنَا مِنْ قَرِيبٍ۔

ابن ہمام نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ اعتراض اس قول کی وجہ سے وارد نہیں ہو سکتا کہ روزہ اس اعتبار سے ٹوٹا ہے کہ وہ اس شے کا اعادہ کرتا ہے اگر وہ اتنی قلیل ہو کہ وہ اس کو محسوس بھی نہ کر سکے۔[2]

جیسا کہ ہم نے پچھلے باب میں ذکر کیا ہے۔

اما اقوال الفقهاء الکرام رحمهم الله تعالیٰ اقول بعونه تعالیٰ اعلم ان فساد الصوم مبنی علی اربعة امور۔

اب اقوال فقہاء کرام بانصرت الٰہی میں کہتا ہوں جان لے کہ روزے کا ٹوٹنا چار امور پر مبنی ہے۔

امر اول: وصول حقیقی ہے ذاتِ دواء کا جوفِ بطن یا جوفِ دماغ میں نہ کہ اثرِ دواء، بدلائل اقوال علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ جو احادیث مذکورہ کی شرح ہیں۔

المعتبر حقيقة الوصول، اھ۔

حقیقتًا پیٹ تک پہنچنا ہی معتبر ہے۔[3]

أَوْ دَاوَى جَائِفَةً أَوْ آمَّةً فَوَصَلَ الدَّوَاءُ حَقِيقَةً - إلَى جَوْفِهِ وَدِمَاغِهِ، اھ۔

دوا چاہے خشک ہو یا تر بس دوا پیٹ تک یا دماغ تک حقیقتًا پہنچ جائے۔[4]

لوصول المفطر دماغه بفعله فلا عبرة بصلاح البدن وعدمه قاله قاضیخان وحققه الکمال، اھ۔

روزہ توڑنے والا بالفعل اسے اپنے دماغ تک پہنچائے لیکن اس سے بدن کا نفع حاصل کرنے کا کوئی اعتبار نہیں یہ قاضی خان کا قول ہے اور کمال نے اسے محقق کیا ہے۔[1]

---

[1] (فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۹۵)

[2] (فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۹۵)

[3] (ردالمحتار شامی، ج ۱، ص ۱۰۲، ابو المکارم، ج ۱، ص ۱۳۴)

[4] (تنویر الابصار، والدر والشامی)

مسائل متفرقہ کے بیان میں

۴۔ وفي دواء الجائفة والآمة أكثر المشايخ على أن العبرة للوصول إلى الجوف والدماغ لا لكونه رطبا أو يابسا حتى إذا علم أن اليابس وصل يفسد صومه ولو علم أن الرطب لم يصل لم يفسد هكذا في العناية۔

دوائے جائفہ اور آمہ۔ اکثر مشائخ کے نزدیک دوا کا پیٹ یا دماغ میں پہنچنا ہی معتبر ہے نہ کہ اس کے خشک و تر ہونے کا اعتبار ہے یہاں تک کہ جب وہ جان لے دوائے یابس پہنچ گئی ہے تو اس کا روزہ ٹوٹ گیا، اور اگر معلوم ہوا کہ دوائے رطب نہیں پہنچی تو پھر روزہ فاسد نہیں ہو گا۔[2]

أَيْ مَعْنَى الْفِطْرِ وَهُوَ إيصَالُ مَا فِيهِ نَفْعُ الْبَدَنِ إلَى الْجَوْفِ سَوَاءٌ كَانَ مِمَّا يُتَغَذَّى بِهِ أَوْ يُتَدَاوَى بِهِ۔

فطر کے معنی: وہ ہے دوائی کا بدن کے راستے پیٹ تک پہنچنے کی صلاحیت کا حامل ہونا چاہیئے وہ از قبیلِ غذا ہو یا از قبیل دوا ہو۔[3]

الْفِطْرُ لِوُجُودِ مَعْنَى الْفِطْرِ، وَهُوَ وُصُولُ مَا فِيهِ صَلَاحُ الْبَدَنِ إلَى الْجَوْفِ۔

بوجہ معنی وجود فطر کے افطار کیا، وہ ہے بدن کے راستے پیٹ تک پہنچنے کی صلاحیت کا ہونا۔[4]

وإذا لم يعلم أحدهما، وكان الدواء رطبا فعند أبي حنيفة - رحمه الله تعالى يُفْطِرُ لِلْوُصُولِ عَادَةً، وَقَالَا: لَا لِعَدَمِ الْعِلْمِ بِهِ فَلَا يُفْطِرُ بِالشَّكِّ۔

اور اگر کسی ایک دوا کی کیفیت خشک و تر اسے معلوم نہ تھی مگر دوا خشک تھی تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک عادۃ اس دوا کے پہنچتے ہی روزہ ٹوٹ جائے گا، صاحبین فرماتے ہیں عدم علم کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ اس میں فائدہ شک ہے۔[5]

وَإِنْ كَانَ يَابِسًا (فی صورة عدم العلم باحدهما) فَلَا فِطْرَ اتِّفَاقًا هَكَذَا فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ۔

اور اگر تر ہو (بوجہ عدم علم کسی ایک سے) تو بالاتفاق روزہ نہیں ٹوٹے گا۔[6]

(او وصل دواء الی جوفه) وهو داخل تنور البدن، اهـ۔

"یا پہنچے دوا اس کے پیٹ کی طرف" وہ بدن کے تنور "پیٹ" میں داخل ہونا ہے۔[7]

(او وصل دواء الیٰ جوفه) وجوف الانسان بطنه۔

---

[1] (مراقی الفلاح، ص ۴۰۶)

[2] (هندية، ج ۱، ص ۲۸۷، تنویر، درمختار، ردمحتار، ج ۱، ص ۱۰۳، زیلعی، ص ۳۲۹، مجمع الانهار، ج ۱، ص ۲۳۴، الجوهرة واللباب، ج ۱، ص ۱۴۱)

[3] (هداية، فتح القدير، ج ۱، ص ۱۰۳)

[4] (هدايه مع الفتح، ج ۱، ص ۲۳۴)

[5] (درمختار، شامی، ج ۲، ص ۱۰۲)

[6] (هنديه، ص ۲۸۷)

[7] (برجندی، ج ۱، ص ۲۱۷)

"یا پہنچے دوا اس کے پیٹ کی طرف" انسان کا جوف اس کا پیٹ ہے۔[1]

والضابط وصول مافیه صلاح بدنه لجوفه۔

اور ضابطہ یہ ہے کہ دوائی پیٹ میں پہنچ کر بدن کی اصلاح کرے۔[2]

وَالَّذِي ذَكَرَهُ الْمُحَقِّقُونَ أَنَّ مَعْنَى الْفِطْرِ وُصُولُ مَا فِيهِ صَلَاحُ الْبَدَنِ إلَى الْجَوْفِ أَعَمُّ مِنْ كَوْنِهِ غِذَاءً أَوْ دَوَاءً۔

اور محققین کی تحقیق کے مطابق فطر کا معنی ہے دوائی کا پیٹ میں پہنچنا اصلاح بدن کے لئے۔ یہ بات عام ہے چاہے وہ بطور غذا کے ہو یا بطور دوا کے۔[3]

قوله (أو دماغه) أي وإذا وصل دماغه وصل جوفه لأن التحقيق أن بين جوف الرأس وجوف المعدة منفدا أصليا فمتى وصل إلى جوف الرأس يصل إلى جوف البطن۔

(اس کا قول یا اس کے دماغ میں) یعنی پہنچے اس کے دماغ تک یعنی جب اس کے دماغ تک پہنچ گئی تو گویا اس کے پیٹ تک پہنچ گئی، تحقیق یہ ہے کہ جوف سر اور جوف معدہ کے مابین نفوذ اصلی ہے۔ جب جوف سر میں پہنچ گئی تو گویا جوف بطن میں پہنچ گئی۔[4]

امر دوم: یہ ہے کہ وہی وصول دواءِ مذکور انسانی فعل انسانی ہو، بدلائل اقوال علماء کرام۔

فَالْأَوْلَى تَفْسِيرُ الصُّورَةِ بِالْإِدْخَالِ بِصُنْعِهِ كَمَا هُوَ فِي عِبَارَةِ الْإِمَامِ قَاضِي خَانْ۔

اول تفسیر صورت ادخال بالفعل ہے جیسا کہ قاضی خان کی عبارت میں ہے۔[5]

وُجُودِ الصُّنْعِ مِنْهُ فِي الْإِدْخَالِ, اھ۔

وجود صنعہ سے مراد ادخال ہے۔[6]

لِأَنَّهُ مُوَصِّلٌ إلَى الْجَوْفِ بِفِعْلِهِ, اھ۔

اس کا جوف تک پہنچنا بالفعل۔[7]

لو وصول المفطر دماغه بفعله فلا عبرة بصلاح البدن وعدمه قاله قاضيخان وحققه الكمال, اھ۔

مفطر کا دماغ تک پہنچنا بالفعل یہ قاضی خان کا قول ہے اور کمال نے اس کو محقق کیا ہے۔[1]

---

1 (جامع الرموز، ج ۱، ص ۱۵۹)
2 (الدر المختار، ج ۱، ص ۱۱۷)
3 (ردالمحتار، ج ۲، ص ۱۱۷)
4 (طحطاوی، ص ۴۰۶)
5 (شلبی، ص ۳۲۹، فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۹۵، والکافی ثم المراقی والطحطاوی، ص ۴، ۲)
6 (ھدایہ، ج ۱، ص ۳۹۱)
7 (فتح القدیر لکمال ابن الہمام، ج ۱، ص ۱۳۴)

وحاصلہ ان الافساد منوط بما اذا کان بفعلہ وفیہ صلاح بدنہ۔

حاصل مفہوم یہ ہے کہ فساد صوم موقوف ہے اس کے ساتھ کہ جب وہ بالفعل ہو اور اس سے اس کے بدن کی اصلاح بھی ہو۔[2]

(أو دخل حلقه دخان بلاصنعه) الی قوله وفیما ذکرنا إشارة إلی أنه من أدخل بصنعه دخانا حلقه بأي صورة کان الإدخال فسد صومه سواء کان دخان عنبر أو عودا أو غیرهما۔

(یا بغیر کسی ارادے کے دھواں حلق میں ڈالا) الیٰ قولہٖ اور اس بات کا جو ہم نے اشارتاً ذکر کیا ہے کہ جس نے بھی بالفعل کسی بھی صورت میں اپنے حلق میں دھواں داخل کیا تو یہی ادخال ہی اس کے روزے کو توڑ دے گا چاہے دھواں عنبر کا ہو یا عود کا یا ان کے علاوہ کسی اور چیز کا۔[3]

امر سوم: وصول وہی چیز ہے جس میں صلاح بدن ہو۔

أَيْ مَعْنَى الْفِطْرِ وَهُوَ إِيصَالُ مَا فِيهِ نَفْعُ الْبَدَنِ إِلَى الْجَوْفِ سَوَاءٌ كَانَ مِمَّا يُتَغَذّٰى بِهِ أَوْ يُتَدَاوٰى بِهِ۔

معنی افطار وہ ہے کسی چیز کا جوف تک پہنچنا کہ جس سے بدن کو نفع حاصل ہو۔[4]

أَفْطَرَ لِوُجُودِ مَعْنَى الْفِطْرِ، وَهُوَ وُصُولُ مَا فِيهِ صَلَاحُ الْبَدَنِ إِلَى الْجَوْفِ، اھ۔

روزہ ٹوٹنے کا سبب پا کر افطار کیا، اور وہ ہے پیٹ تک کسی چیز کا پہنچنا بغرض اصلاح۔[5]

أَنَّ الْإِفْسَادَ مَنُوطٌ بِمَا إِذَا كَانَ فِيهِ صَلَاحُ بَدَنِهِ۔

بے شک روزے کا ٹوٹنا موقوف ہے اس دوا پر جو بدن کی اصلاح کی قوت رکھتی ہو۔[6]

وَالضَّابِطُ وُصُولُ مَا فِيهِ صَلَاحُ بَدَنِهِ لِجَوْفِهِ۔

اور ضابطہ یہ ہے کہ وہ پیٹ تک پہنچے اور اس سے بدن کی اصلاح ہو۔[7]

وَالَّذِي ذَكَرَهُ الْمُحَقِّقُونَ أَنَّ مَعْنَى الْفِطْرِ وُصُولُ مَا فِيهِ صَلَاحُ الْبَدَنِ إِلَى الْجَوْفِ أَعَمُّ مِنْ كَوْنِهِ غِذَاءً أَوْ دَوَاءً۔

محققین کے نزدیک روزہ ٹوٹنے کا معنی یہ ہے کہ دوائی پیٹ تک پہنچ کر بدن کی اصلاح کرے اور یہ بات عام ہے کہ وہ دوائی بطور غذاء کے ہو یا دواء کے۔[1]

---

[1] (المراقی الفلاح، ص ۴۰۶)
[2] (ردالمحتار، ج ۱، ص ۱۰۷)
[3] (طحطاوی، ص ۴۰۶)
[4] (ھدایہ مع الفتح، ج ۱، ص ۳۹۱)
[5] (ھدایہ، ج ۱، ص ۳۹۴، شامی، ج ۲، ص ۱۰۳، مجمع الانھار، ج ۱، ص ۱۳۴)
[6] (ردالمحتار، ج ۳، ص ۱۰۷)
[7] (درمختار، ج ۲، ص ۱۱۷)

امر چہارم: استقرار شیئ داخل ہے جوف میں۔

وَيُشْتَرَطُ أَيْضًا اسْتِقْرَارُهُ دَاخِلَ الْجَوْفِ۔[1]

اور یہ شرط بھی ہے کہ پیٹ میں داخل ہو کر رک بھی جائے۔[2]

وَمُفَادُهُ أَنَّ اسْتِقْرَارَ الدَّاخِلِ فِي الْجَوْفِ شَرْطٌ لِلْفَسَادِ بَدَائِعُ۔

فائدہ: اس کا پیٹ میں داخل ہو کر ٹھہر جانا فساد روزہ کے لئے شرط ہے۔[3]

وعلیٰ هذا (ای علیٰ شرط الاستقرار) لو ابتلع عنها مربوطا نجیط ثم اخرجه لا یفسد صومه۔

اور اسی پر "یعنی ٹھہر جانے کی شرط پر" اگر دھاگے سے باندھ کر نگل لیا پھر اس کو نکال لیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔[4]

وَمَنْ ابْتَلَعَ لَحْمًا مَرْبُوطًا عَلَى خَيْطٍ ثُمَّ انْتَزَعَهُ مِنْ سَاعَتِهِ لَا يَفْسُدُ، وَإِنْ تَرَكَهُ فَسَدَ كَذَا فِي الْبَدَائِعِ۔

اور اگر اس نے گوشت کا ٹکڑا دھاگے میں باندھ کر نگل لیا پھر اس کو نکال لیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر اس کو چھوڑ دیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔[5]

اور جو دوائی بذریعہ انجکشن بدن تک پہنچائی جاتی ہے اس میں یہ چاروں امور پائے جاتے ہیں۔ دوائی کا جوف بطن یا جوف دماغ تک بذات خود اصلاحِ بدن اور فعل انسانی اور استقرار فی الجوف موجود ہیں بطریقہ کمال۔ تو دوائی کا بذریعہ انجکشن بدن تک پہنچانا لازماً مفسد صوم ہے اور واجب القضاء ہے۔ اس لئے کہ یہی امور اربعہ یقیناً ہر قسم کے انجکشن کے کام میں موجود ہیں۔ اس لئے کہ جلد کے نیچے خلا اور عروق جاذبہ بکثرت موجود ہیں۔ اور دوائی انجکشن کے ذریعہ انہی خلاؤں اور عروق (رگوں) کے ذریعہ خون کے ساتھ مل جاتی ہے اور عام بدن میں پھیلتی ہے تو پھر یہ جوف البطن اور جوف تک بھی پہنچتی ہے جیسا کہ ہم نے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔

وجوب القضاء والکفارة فلاقو الهم ان مفسد الصوم موجب للقضاء والکفارة افعال شیئ من الخارج الی الباطن سواء کان ذلک الشیئ مما یمکن الاحتراز عنه او لا کما بالفم فی اعادة القئی ملأ الگم بالاجماع وابتلا الدموع کما فی المواتی ومجمع الانهار والدر المختار۔

---

[1] (ردالمحتار، ج۲، ص۱۰۷)

[2] (ردالمحتار، ج۲، ص۱۰۷)

[3] (ردالمحتار، ج۲، ص۱۰۷)

[4] (خلاصۃالفتاویٰ، ج۱، ص۲۶۰)

[5] (الفتاویٰ الھندیۃ، ج۵، ص۲۸۱)

وجوب قضاء اور کفارہ پر ان کے اقوال کے لئے یہ ہے کہ روزے کے ٹوٹنے پر قضاء اور کفارہ واجب ہے جب باہر سے کوئی چیز اندر داخل ہو جائے چاہے وہ چیز ایسی کیوں نہ ہو جس سے بچنا ممکن ہو جیسا کہ منہ سے قے کا لوٹنا جب کہ منہ بھر کر آئے بالاجماع، اور آنسوؤں کا نکلنا۔[1]

وَفِي دَوَاءِ الْجَائِفَةِ وَالْآمَّةِ أَكْثَرُ الْمَشَايِخِ عَلَى أَنَّ الْعِبْرَةَ لِلْوُصُولِ إِلَى الْجَوْفِ وَالدِّمَاغِ لَا لِكَوْنِهِ رَطْبًا أَوْ يَابِسًا حَتَّى إِذَا عَلِمَ أَنَّ الْيَابِسَ وَصَلَ يُفْسِدُ صَوْمَهُ، وَلَوْ عَلِمَ أَنَّ الرَّطْبَ لَمْ يَصِلْ لَمْ يُفْسِدْ هَكَذَا فِي الْعِنَايَةِ۔

خشک وتر دوا سے متعلق اکثر مشائخ کے نزدیک فساد روزہ کے لئے پیٹ یا دماغ تک پہنچنا ہی معتبر ہے نہ کہ اس کا خشک وتر ہونا۔ البتہ جب جان لیا کہ وہ تر ہے اور پہنچ بھی گئی تو روزہ ٹوٹ گیا اور اگر جان لیا کہ وہ خشک تھی اور نہیں پہنچی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔[2]

بیان صورۃ القضاء وصورۃ الکفارۃ

فَأَمَّا صَوْمُ رَمَضَانَ فَيَتَعَلَّقُ بِفَسَادِهِ حُكْمَانِ أَحَدُهُمَا وُجُوبُ الْقَضَاءِ وَالثَّانِي وُجُوبُ الْكَفَّارَةِ۔

رمضان کے روزے کے توڑنے کے متعلق دو حکم ہیں ایک وجوب قضاء، دوم وجوب کفارہ۔

أَمَّا وُجُوبُ الْقَضَاءِ فإنه يَثْبُتُ بِمُطْلَقِ الْإِفْسَادِ سَوَاءٌ كان صُورَةً وَمَعْنًى أو صُورَةً لَا مَعْنًى أو مَعْنًى لَا صُورَةً وَسَوَاءٌ كان عَمْدًا أو خَطَأً وَسَوَاءٌ كان بِعُذْرٍ أو بِغَيْرِ عُذْرٍ لِأَنَّ الْقَضَاءَ يَجِبُ جَبْرًا لِلْفَائِتِ فَيَسْتَدْعِي فَوَاتَ الصَّوْمِ لَا غير۔

قضاء تو مطلق روزہ ٹوٹنے پر ہی واجب ہو جاتی ہے چاہے وہ صورۃً ہو یا معنیً یا صورۃً ہو معنیً نہ ہو یا معنیً ہو صورۃً نہ ہو چاہے عمداً ہو یا خطاءً، چاہے عذر کے ساتھ ہو یا بغیر عذر کے۔ بے شک واجب ہو جاتی ہے اور یہ زخم پر لگائی جانے والی مرہم کی طرح فوت شدہ روزے کو بھر دیتی ہے نہ اس کے علاوہ کو۔

وَالْفَوَاتُ يَحْصُلُ بِمُطْلَقِ الْإِفْسَادِ فَتَقَعُ الْحَاجَةُ إلَى الْجَبْرِ بِالْقَضَاءِ لِيَقُومَ مَقَامَ الْفَائِتِ فَيَنْجَبِرُ الْفَوَاتُ مَعْنًى۔

اور فوات مطلق فساد پر حاصل ہوتا ہے تو قضاء کے لئے مرہم پٹی کی حاجت ہو جاتی ہے تاکہ اس کو قائم مقام فوات کے رکھا جائے تو وہ معنی فوت شدہ روزوں کی مرہم پٹی ہوگی۔

وَأَمَّا وُجُوبُ الْكَفَّارَةِ فَيَتَعَلَّقُ بِإِفْسَادٍ مَخْصُوصٍ وهو الْإِفْطَارُ الْكَامِلُ بِوُجُودِ الْأَكْلِ أو الشُّرْبِ أو الْجِمَاعِ صُورَةً وَمَعْنًى مُتَعَمِّدًا من غَيْرِ عُذْرٍ مُبِيحٍ ولا مرخص وَلَا شُبْهَةَ الْإِبَاحَةِ۔

---

[1] (ترویح الجنان، ص ۳۲)

[2] (الفتاوی الهندیة، ج ۱، ص ۲۸۷، تنویر الابصار ودر المختار، ج ۲، ص ۱۰۲، الهدایة والفتح، ج ۱، ص ۳۹۴، زیلعی، ج ۱، ص ۳۳۹، مجمع الانهار، ج ۱، ص ۲۳۴، جوهرة النیرة، ص ۱۴۱، ابو المکارم وبرجندی، ص ۲۱۷)

اور وجوب کفارہ مخصوص صورتوں پر روزہ توڑنے سے متعلق ہے اور وہ افطار کامل کھانے، پینے یا جماع کے وجود پر موقوف ہے۔ صورۃً ہو یا معنیً مگر جان بوجھ کر بغیر کسی عذر مباح کے اور اس میں نہ رخصت ہے اور نہ شبہ بالاباحت۔

وَنَعْنِي بِصُورَةِ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَمَعْنَاهُمَا إِيصَالَ مَا يُقْصَدُ بِهِ التَّغَذِّي أَوِ التَّدَاوِي إِلَى جَوْفِهِ مِنَ الْفَمِ، الخ۔

بالصورت سے میری مراد کھانا پینا ہے اور ان کا معنیٰ بھی یہی ہے کہ وہ اس کے ساتھ بطور غذا یا دواء کا ارادہ کرے منہ سے پیٹ کی طرف۔[1]

صورۃ الافطار

صورۃ الفطر وھو الابتلاع۔

فالأولی تفسیر الصورۃ بالإدخال بصنعہ کما ھو في عبارۃ الإمام قاضي خان، الخ۔

روزہ ٹوٹنے کی صورت محض نگلنا ہے اس صورت کی اولیٰ تفسیر ہے بالفعل داخل کرنا جیسا کہ قاضی خان کی عبارت ہے۔[2]

ابْتِلَاعُ مَا لَا يَتَغَذّٰى بِهٖ عَادَةً كَالْحَجَرِ وَالتُّرَابِ لَا تَجِبُ كذافي التبيين۔

اور اگر نگل تو لیا ہے مگر عادۃً اس سے غذا حاصل نہیں کی جیسے پتھر مٹی تو قضاء واجب نہیں ہوگی۔[3]

وَلَوِ ابْتَلَعَ حَصَاةً أَوْ نَوَاةً أَوْ حَجَرًا أَوْ مَدَرًا أَوْ قُطْنًا أَوْ حَشِيشًا أَوْ كَاغِدَةً فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ، وَلَا كَفَّارَةَ كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ۔

اور اگر کنکری، گٹھلی، پتھر، ڈھیلا، پنبہ، گھاس یا کاغذ نگل لیا تو اس پر قضاء ہے کفارہ نہیں۔[4]

وَلَوِ ابْتَلَعَ جَوْزَةً يَابِسَةً أَوْ لَوْزَةً يَابِسَةً لَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ، وَلَوِ ابْتَلَعَ بَيْضَةً بِقِشْرِهَا أَوْ رُمَّانَةً بِقِشْرِهَا لَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ۔

اور اگر اخروٹ یابس یا لوزہ یابس نگل لیا تو اس پر کفارہ نہیں اور اگر پوست سمیت انڈا یا انار پوست سمیت نگل لیا تو بھی اس پر کفارہ نہیں ہے۔[5]

فاما الافطار فی ھذہ الصور فلوجود صورۃ الفطر۔

پس اس صورت میں افطار صورتِ فطر کے وجود پر موقوف ہے۔[6]

وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ لِعَدَمِ الْمَعْنَى۔

---

[1] (بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۹۷)

[2] (ھدایۃ شرح البدایۃ، ج ۱، ص ۳۹۱، شلبی، ج ۲، ص ۳۲۹، فتح کافی ثم المراقی، ص ۴۰۶)

[3] (تبیین، ج ۱، ص ۳۲۶، ھندیۃ، ج ۱، ص ۲۸۴، فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۹۱، مجمع الانھار، ج ۱، ص ۲۳۵، جوھرہ ولباب، ج ۱، ص ۱۴۰)

[4] (خلاصۃ الفتاویٰ، ج ۱، ص ۲۱۳، ھندیۃ، ج ۱، ص ۲۸۴، فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۹۱، زیلعی، ج ۱، ص ۲۱۷، جامع الرموز، ج ۱، ص ۱۵۸)

[5] (خلاصۃ، ج ۱، ص ۲۱۳، ھندیۃ، ج ۱، ص ۲۸۴، جوھرۃ، ج ۱، ص ۱۴۰)

[6] (ھدایہ، ص ۳۹۳، شامی، ج ۲، ص ۱۰۳)

عدم معنی پر کفارہ نہیں ہے۔[1]

ولو أكل كافورا أو مسكا أو زعفرانا أو غالية كفر لأنه يتداوى بها, اهـ. دراية۔

اور اگر کافور، مشک، زعفران یا غالیہ کھایا تو کفارہ دے گا اس لئے کہ یہ اشیاء بطور دواء استعمال ہوتی ہیں۔[2]

وفي المحيط الصحيح أنه لا يفطر لأن الماء يضر الدماغ فانعدم المفطر صورة ومعنى۔

اور محیط صحیح میں ہے کہ بے شک یہ مفسد صوم نہیں کیونکہ پانی مضر دماغ ہے تو وجہ مفطر بھی صورت و معنی معدوم ہو گئی۔[3]

وَمَا يَدْخُلُ مِنْ مَسَامِّ الْبَدَنِ مِنْ الدُّهْنِ لَا يُفْطِرُ هَكَذَا فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ۔

اور وہ چیز جو مسام بدن سے داخل ہوتی ہے مثلاً تیل تو افطار نہیں کرے گا۔[4]

وَمَنْ اغْتَسَلَ فِي مَاءٍ وَجَدَ بَرْدَهُ فِي بَاطِنِهِ لَا يُفْطِرُ هَكَذَا فِي النَّهْرِ الْفَائِقِ۔

اور وہ شخص جو پانی میں غسل کرتا ہے اور اس کی ٹھنڈک باطن میں محسوس کرتا ہے تو افطار نہیں کرے گا۔[5]

بحث دوم مخالفین کے جوابات میں

قول اول مولوی محمد شفیع صاحب ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انجکشن کے ذریعہ دوا جوف عروق میں پہنچ جاتی ہے اور خون کے ساتھ شرائین یا اوردہ بین اس کا سریان ہوتا ہے۔

اقول: مولوی صاحب کا یہ قول چند جملوں کا اس بات کا اقرار ہے کہ یہی دواضر ور جوفِ معدہ اور جوفِ دماغ کو پہنچتی ہے کیونکہ خون کا سریان تمام بدن میں ہوتا ہے تو لازمًا خون کا ساتھی بھی تمام بدن میں سریان کرتا ہے۔ تو ظاہر ہو گیا کہ انجکشن کی دوا جوف معدہ اور جوف دماغ تک پہنچتی ہے اور روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

وجہ دوم: یہ ہے کہ یہی دو جملۂ مذکورہ کو ڈاکٹروں سے معلوم کرنا تحقیق ناقص ہے اس لئے کہ ڈاکٹروں نے اس مسئلہ میں تین جملے کہے ہیں۔ دو جملے وہی جو ذکر ہو چکے ہیں اور تیسرا جملہ یہ کہ یہی دوا سریانِ خون میں جوفِ معدہ اور جوفِ دماغ کو پہنچتی ہے جیسا کہ رسالہ کے مقدمہ میں گذرا۔

---

[1] (هدايه، ج ۱، ص ۳۹۳، ۳۹۴، مجمع الانهار، ج ۱، ص ۳۳۴)
[2] (شلبى، ج ۱، ص ۳۲۶، خلاصة، ص ۳۱۳)
[3] (مراقى الفلاح، ص ۴۰۶)
[4] (هندية، ج ۱، ص ۲۸۶)
[5] (هندية، ج ۱، ص ۲۸۶)

وجہ سوم: یہ ہے کہ یہ قول کہ جوف دماغ یا بطن میں براہ راست دوا نہیں پہنچتی اقرار اس بات پر ہے کہ یہی دوا جوف دماغ اور جوف بطن کو پہنچتی ہے مگر واسطہ تو ظاہر ہو گیا کہ یہی دوا جو فین مذکورین کو پہنچتی ہے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور قید واسطہ یا بلاواسطہ خود ساختہ ہے فقہائے کرام سے نقل نہیں کیا ہے۔

وجہ چہارم: یہ قول ہے کہ فساد صوم کے لئے مفطر کا جوف دماغ یا جوف بطن میں پہنچنا ضروری ہے، الخ۔ یہ اقرار ہے اسی بات پر کہ بلاواسطہ کی قید نہیں ہے۔ تمام فقہائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ نے قید ذکر نہیں کی یعنی بالواسطہ یا بلاواسطہ کی۔

وجہ پنجم: یہ ہے کہ فقہائے کرام نے یہاں الفاظ مطلقاً ذکر کئے ہیں اور علم اصولِ فقہ متون و شروح و حواشی میں یہ ہے کہ مطلق جاری ہوتا ہے اپنے اطلاق پر بدیں طریقہ کہ تمام افراد مطلق کو شامل ہوتا ہے۔ تو ظاہر ہو گیا کہ وصول دوا بذریعہ انجکشن جوفِ دماغ یا جوفِ بطن میں (پہنچنے سے) مفسد صوم ہے بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ۔ لہٰذا اس کی تعریف بدیں قول: لہٰذا انجکشن کے ذریعہ سے جو دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے مفسد صوم نہیں، الخ باطل ہو گیا بلکہ صحیح تصریح یہ ہے کہ یہی دوا مفسد صوم ہے۔

وجہ ششم: یہ ہے کہ یہ قول فقہاء کی عبارتیں دو طرح پر تقریباً بلکہ حقیقتاً اسی دعویٰ کی تصریح کرتی ہیں اول تو یہ کہ فقہاء نے زخم پر دوا ڈالنے کو مطلقاً مفسد نہیں فرمایا بلکہ جائفہ یا آمہ کی قید لگائی ہے، غلط ہے۔ اس لئے کہ تمام متداول کتابوں میں تقیید یا حصر کا لفظ نہیں ہے بلکہ یہ خود ساختہ قید ہے۔

وجہ ہفتم: یہ ہے کہ صاحب بدائع نے مخارق کو دو قسم بیان کرتے ہوئے فرمایا مخارق اصلیہ اور مخارق غیر اصلیہ پھر جائفہ اور آمہ کو ذکر کیا **کمایاتی عبارۃ البدائع**۔ تو صاف ظاہر ہو گیا کہ جائفہ اور آمہ تمثیلاً ہے نہ کہ قید ہے۔

وجہ ہشتم: یہ ہے کہ یہی لفظ جائفہ اور آمہ تمثیل ہے قید نہیں۔ اس لئے کہ عبارت مختصر الوقایہ میں صریح عموم ہے اور وہ یہ ہے: **لو وصل دواء الیٰ جوفہ و دماغہ من غیر المسام**۔ یعنی منفذ اصلی ہو یا غیر اصلی۔

وجہ نہم: یہ قول ہے کیونکہ انہی دو قسم کے زخموں سے دوا جوف دماغ یا جوف بطن کے اندر پہنچتی ہے، الخ۔ اقرار ہے اسی بات پر کہ اگر ایسا اور کوئی زخم معلوم ہو جائے کہ اس زخم سے دوائی جوفِ بطن یا جوفِ دماغ تک پہنچتی ہے تو وہ بھی معتبر ہے فساد صوم کے لئے۔

وجہ دہم: یہ قول ہے جو مسائل و عبارات ہیں۔ سب سے مراد یہ ہے **حیث قال**۔ کہ اسی سے معلوم ہوا کہ مطلقاً جوف بطن میں مفطر چیزوں کا پہنچنا مفطر صوم نہیں، الخ۔ تو یہی صاحب کا زعم فاسد ہے کہ شرائین و اوردوں کا یہی حکم ہے یعنی عروق میں مفطر چیزوں کا پہنچنا مفسد صوم نہیں ہے۔

اقول: یہی خیال عام غلط ہے اس لئے کہ اسی باب میں معتبر اطباء وڈاکٹروں کا قول معتبر ہے۔ دیکھو مولوی محمد شفیع صاحب نے خود ہدایہ سے یہی الفاظ نقل کئے ہیں:

١۔ فَكَأَنَّهُ وَقعَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَوْفِ مَنْفَذًا، وَلِهَذَا يَخْرُجُ مِنْهُ الْبَوْلُ, وَوَقعَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْمَثَانَةَ بَيْنَهُمَا حَائِلٌ وَالْبَوْلُ يَتَرَشَّحُ مِنْهُ، وَهَذَا لَيْسَ مِنْ بَابِ الْفِقْهِ۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اس کے اور جوف کے مابین نفوذ واقع ہوا اس لئے وہ بذریعہ بول نکلتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک مثانے اور جوف کے درمیان حائل ہوتا ہے اور بول اس سے مترشح ہے، اسی لئے یہ باب فقہ سے نہیں۔[1]

٢۔ وقال صاحب الهداية وَهَذَا لَيْسَ مِنْ بَابِ الْفِقْهِ ای فقه الشرع بل يرجع الیٰ معرفة فقه الطب۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ یہ باب فقہ سے نہیں یعنی فقہ الشرع سے بلکہ وہ رجوع کرتا ہے فقہ الطب کی معرفت کی طرف۔[2]

اور میں نے ڈاکٹروں کے شعبہ اقوال کو مقدمہ میں نقل کیا ہے جن کا خلاصہ و مقصود یہ ہے:

١۔ انجکشن کے ذریعہ دوا جو عروق میں پہنچائی جاتی ہے۔

٢۔ اور خون کے ساتھ شرائین یا اوردہ میں اس کا سریان ہوتا ہے، اھ۔

كما صرح بهذين الامرين مولوی محمد شفيع صاحب فی ابتداء جوابه۔

٣۔ یہی دوا سریان خون میں جوفِ بطن و جوفِ دماغ میں پہنچتی ہے۔

كما مرت هذاه الهمل الثلاثة من اقوال الاطباء فی مقدمة هذه الرسالة فظهر بطلان زعم المذكور۔

وجہ یازدہم: یہ ہے کہ سطور بالا مولوی صاحب سے یہ ثابت ہوا کہ وصول دوا جوف بطن میں بواسطہ جوف الدماغ جیسا کہ عبارۃ بحر الرائق و شامی، ج ٢، ص ١٦ اور بالواسطہ اُذن و انف و دبر و جائفہ و آمہ جیسا کہ عبارۃ خلاصۃ الفتاویٰ ہے اور عالمگیری میں بھی ج ١، ص ٢٠٧۔

وجہ دوازدہم: یہ ہے کہ اسی صاحب نے نقل عبارۃ البدائع میں قطع و برید کرتے ہوئے بہت زیادہ ضروری حصہ عبارت کو چھوڑ دیا۔

وما وَصَلَ إِلَى الْجَوْفِ أو إِلَى الدِّمَاغِ من الْمَخَارِقِ الْأَصْلِيَّةِ كَالْأَنْفِ وَالْأُذُنِ وَالدُّبُرِ بِأَنْ اسْتَعَطَ أو احْتَقَنَ أو أَقْطَرَ في أُذُنِهِ فَوَصَلَ إِلَى الْجَوْفِ أو إِلَى الدِّمَاغِ فَسَدَ صَوْمُهُ أَمَّا إذَا وَصَلَ إِلَى الدِّمَاغِ لأن له منفذا إِلَى الْجَوْفِ فَكَانَ بِمَنْزِلَةِ زَاوِيَةٍ من زَوَايَا الْجَوْفِ (الی قوله) وَأَمَّا ما وَصَلَ إِلَى الْجَوْفِ أو إِلَى الدِّمَاغِ عن غَيْرِ الْمَخَارِقِ الْأَصْلِيَّةِ بِأَنْ دَاوَى الْجَائِفَةَ

---

[1] (الهداية شرح البداية، ج ١، ص ١٧٥)

[2] (مستخلص، ص ٢٢٦)

وَالْآمَةَ فَإِنْ دَاوَاهَا بِدَوَاءٍ يَابِسٍ لَا يُفْسِدُ لِأَنَّهُ لم يَصِلْ إِلَى الْجَوْفِ وَلَا إِلَى الدِّمَاغِ وَلَوْ عَلِمَ أَنَّهُ وَصَلَ يُفْسِدُ في قَوْلِ أبي حَنِيفَةَ۔

مخارق اصلیہ کے ذریعہ جوف یا دماغ تک وہ پہنچے جیسے ناک، کان، دبر وغیرہ کے ذریعے چاہے وہ انڈیل کر ہو، حلق سے اتار کر یا کان میں قطرے ٹپکانے سے ہو، اگر وہ جوف یا دماغ تک پہنچی تو اس کا روزہ ٹوٹ گیا اور پھر وہ دماغ کی طرف پہنچی کیونکہ وہ بطرف جوف منفذ ہے تو وہ زاویہ بمنزلہ زاویہ جوف کے ہوگا۔ "الی قولہ" اور جب مخارق اصلیہ کے بغیر جوف یا دماغ کی طرف پہنچے اگرچہ وہ دواء خشک ہو یا تر اور اگر اس نے دوا کیا دوائے یابس سے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اس لئے کہ وہ نہ تو جوف تک پہنچتی ہے اور نہ دماغ تک، اور اگر جان لیا کہ دوائی پہنچ گئی ہے تو بقول ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روزہ فاسد ہو جائے گا۔[1]

اور وہی ضروری قطعہ عبارت جو مولوی مذکور نے چھوڑ دیا ہے وہ یہ ہے:

وَإِنْ دَاوَاهَا بِدَوَاءٍ رَطْبٍ يُفْسِدُ عِنْدَ أبي حَنِيفَةَ وَعِنْدَهُمَا لَا يُفْسِدُ هُمَا اعْتَبَرَا الْمَخَارِقَ الْأَصْلِيَّةَ لِأَنَّ الْوُصُولَ إِلَى الْجَوْفِ من الْمَخَارِقِ الْأَصْلِيَّةِ مُتَيَقَّنٌ بِهِ وَمِنْ غَيْرِهَا مَشْكُوكٌ فيه فَلَا نَحْكُمُ بِالْفَسَادِ مع الشَّكِّ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أن الدَّوَاءَ الرطب يصل غالبا فالحكم على الغالب ۱ھ۔

اور اگر اس نے دوائے رطب استعمال کی تو ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا۔ لیکن مخارق اصلیہ کا اعتبار کرتے ہوئے صاحبین کے نزدیک نہیں ٹوٹے گا اس لئے کہ اس کے ساتھ مخارق اصلیہ میں دواء کا وصول یقینی ہے اور اس کے ماسواء میں مشکوک ہے تو شک کی بناء پر فسادِ روزہ کا حکم نہیں ہوگا اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک غالب یہ ہے۔[2]

اقول: اسی لئے میں نے کہا تھا کہ یہی قطعہ بہت زیادہ ضروری ہے کہ اس میں دواء رطب کے وصول جوف بطن یا جوف دماغ میں غالب فرما کر بمذہب امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فساد صوم کا حکم صادر فرمایا اور شک نہیں کہ انجکشن کی دوا ضرور رطب (گیلی) ہوتی ہے۔ تو اس کا وصول جوف بطن یا جوف دماغ میں غالب ہو کر فساد صوم کا حکم ضروری ہو گیا اور چونکہ یہی مضمون مولوی مذکور کے غرض فاسد کے منافی ہے اسی لئے عبارت کا یہی ٹکڑا چھوڑ دیا۔

مولوی محمد شفیع نے کتاب آلات جدیدہ کے شرعی احکام میں بعد نقل ناقص عبارۃ بدائع لکھا ہے:

بقولہ قول دوم بدائع کی مذکور الصدر عبارۃ سے دو باتیں ثابت ہوئیں اول یہ کہ کسی چیز کا بدن کے کسی حصہ کے اندر داخل ہو جانا مطلقاً روزہ کو فاسد نہیں کرتا بلکہ اس کے لئے دو شرطیں ہیں: اول یہ کہ وہ چیز جوف معدہ میں یا دماغ میں پہنچ جائے دوسرے یہ کہ یہی پہنچانا بھی مخارق اصلیہ یعنی منفذ اصلی کے راستے سے ہو اگر کوئی چیز مخارق اصلیہ کے علاوہ کسی دوسری کیمیاوی

---

[1] (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۹۳)

[2] (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۹۳)

طریق سے جوف معدہ یا دماغ میں پہنچ جائے تو وہ بھی مفسد صوم نہیں انجکشن کے ذریعہ بلاشبہ دوا یا اس کا اثر پورے بدن کے ہر حصہ میں پہنچ جاتا ہے مگر یہ پہنچنا منفذ اصلی کے راستہ سے نہیں بلکہ عروق (رگوں) کے راستہ سے پہنچنا یہ راستہ منفذ اصلی نہیں، الخ۔

اقول: اس صاحب کا یہ قول وجوہات کی بناء پر مردود ہے۔

وجہ اول: یہ ہے کہ اس صاحب نے بدائع الصنائع کی عبارت کا وہ ٹکڑا حذف کر دیا ہے نہ اللہ تعالیٰ سے حیاء اور خوف اور نہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور صاحب بدائع سے کچھ شرم وحیا۔ اور اس حذف شدہ حصہ کو ہم نے وجہ دوازدہم میں بیان کر دیا۔

وجہ دوم: یہ ہے کہ اسی صاحب نے اقرار کیا بقولہ: انجکشن کے ذریعہ بلاشبہ دوا یا اس کا اثر پورے بدن کے ہر حصہ میں پہنچ جاتا ہے۔

معلوم ہوا انجکشن کے دواء کا اثر جوف بطن اور جوف دماغ تک بلاشبہ پہنچتا ہے تو لازمًا روزہ فاسد ہو گیا۔ اور منفذ اصلی و منفذ غیر اصلی بمذہب امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابو حنیفہ دواء رطب میں بذریعہ انجکشن کے کوئی فرق فساد صوم میں نہیں رکھتا۔

وجہ سوم: یہ ہے کہ مولوی صاحب نے دوسری شرط بدین الفاظ بیان کی ہے کہ دوسری شرط یہ ہے کہ یہی پہنچانا بھی مخارق اصلیہ یعنی منفذ اصلی کے راستہ سے ہو۔ یہ بھی مردود ہے اس لئے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب اسی مسئلہ میں جو بدائع الصنائع میں بدیں الفاظ مفردًا مخلصًا مذکور ہے:

وَإِنْ دَاوَاهَا رَطْبٍ فَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ يُفْسِدُ صومه (الی قوله) ولابی حنیفة رحمة اللّٰہ تعالیٰ علیه ان الدواء الرطب یصل غالبًا فالحکم علی الغالب۔

اگر دوائے رطب یعنی گیلی استعمال کی تو ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ "الیٰ قولہ" ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک غالب یہ ہے کہ تر دوا پہنچ جاتی ہے اور حکم غالب پر ہے۔[1]

اقول وَاللَّازِمُ بَاطِلٌ فَالْمَلْزُومُ مِثْلُهُ۔

میں کہتا ہوں لازم باطل تو ملزوم بھی باطل ہے۔[2]

---

[1] (العنایة شرح الهدایة، ج٦، ص ٢٨١)

[2] (العنایة شرح الهدایة، ج٦، ص ٢٨١)

وجہ چہارم: یہ ہے کہ اگر منفذ اصلی اسی مسئلہ میں شرط ہو جائے:

کما قال فیلزم بطلان مسئلۃ الجائفۃ و الأمۃ التی نقلھا ھٰذا الصاحب من البدائع کما مرت و علیھا الاجماع فعلیہ یلزم بطلان الاجماع و اللازم باطل فالملزوم مثلہ۔

تو پھر مسئلہ منقول جائفہ اور آمہ کا بطلان لازم ہو جائے گا۔ یہ بدائع میں سے ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور اسی پر اجماع ہے اور اسی پر اجماع کا بطلان لازم آتا ہے، لازم باطل تو ملزوم بھی باطل۔

وجہ پنجم: یہ ہے کہ یہی شرط منفذ اصلی کی باطل ہے اس لئے کہ مختصر الوقایہ (جو متون معتبرہ میں سے ایک ہے) کی عبارت ہذا سے مختلف ہے۔

او وصل دواء الیٰ جوفہ و دماغہ من غیر المسام، اہ۔

یعنی وصول دواء جوف بطن یا جوف دماغ میں بغیر مسام بہر طریقہ وہر منفذ اصلی ہو یا منفذ غیر اصلی ہو مفسد صوم ہے۔[1]

اور چونکہ یہی دواء عروق کے ذریعہ سے جوفِ بطن میں پہنچتی ہے جیسے کہ مولوی صاحب نے اقرار کیا تو ضرور مفسد صوم ہے تو مولوی صاحب کی شرط تباہ ہو گئی۔

دار العلوم حقانیہ کا فتویٰ اور اس کا جواب

فدوی المحترم! مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ تحقیق انجکشن سے معلوم ہوا کہ اس میں بذریعہ عروق و مسامات بدن کے درون دواء پہنچائی جاتی ہے۔ اس لئے ناقض صوم نہیں ناقض صوم وہ ہے جو بذریعہ کسی منفذ کے درون بدن پہنچے نہ کہ بذریعہ مسامات کے۔ فقہاء کی تصریحات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوتی ہے۔

در مختار میں لکھا ہے:

الكحل أو الدهن او احتجم او وجد طعمه في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن و المفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على أن من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر۔

سرمہ پہننا، تیل ڈالا، مساج کرایا یا ان کا ذائقہ حلق میں محسوس کیا اس لئے کہ ان کا اثر بدن کے خلیات یعنی مسام سے داخل ہوتا ہے اور روزہ اس وقت ٹوٹتا ہے جب کوئی چیز اپنے منافذ سے داخل ہو بالاتفاق، جیسا کہ کوئی شخص غسل کرے پانی میں اور اس کی ٹھنڈک کو پیٹ میں پائے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔[2]

---

[1] (مختصر الوقایہ، ص ۱۱۳)

[2] (الدر المختار، ج ۲، ص ۳۹۶)

اور داخل بدن میں دواء کا اثر بذریعہ عروق یا مسامات پہنچ جانے سے فساد صوم لازم نہیں آتا جیسے کہ غسل کا اثر اور زہریلے جانور کے کاٹنے کا اثر اگر بدن میں سرایت کر جاتا ہے مگر وہ باتفاق مفسدِ روزہ نہیں، اسی طرح انجکشن بھی مفسد روزہ نہیں، الخ۔

قائم مقام مفتی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

قول سوم: اس لئے گرمی کے موسم میں کوئی شخص اگر ٹھنڈے پانی سے غسل کرتا ہے تو پیاس کم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ پانی کے اجزاء مسامات کے راستہ سے اندر جاتے ہیں مگر اس کو کسی نے مفسد صوم قرار نہیں دیا۔

اقول: جواب یہ ہے کہ لفظ کیونکہ پانی کے اجزاء مسامات کے راستہ سے اندر جاتے ہیں غلط فاحش ہے۔ اس لئے کہ مسامات سے صرف اثر ورطوبت وبخارات اندر جاتے ہیں۔ بنفسہ کوئی چیز پانی ہو یا دواء یا غذاء مسامات کے راستے اندر نہیں جاسکتی۔

کماقالوا:

۱۔ قوله (ای المختصر) من غیر المسام فلو وصل شیئ منها الی الجوف لم یفسد بلا خلاف۔

اور کوئی چیز اس سے بغیر مسام کے پیٹ میں پہنچے تو بلا اختلاف روزہ ٹوٹ جائے گا۔[1]

۲۔ وهو منفذ دقیق فی الجلد تمر علیه البخارات فلو وصل شیئ منه رطوبة الی الباطن لا یفسد صومه۔

وہ باریک منفذ خلیات جلد میں ہیں اسی پر بخارات کے دانے ہوتے ہیں اگر اس کے ذریعے کوئی شے رطوبت کی پہنچ جائے اندر کی طرف تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہو گا۔

۳۔ لانه اثر داخل من المسام الذی هو خلل البدن۔

اس لئے کہ اس کا اثر بذریعہ مسام خلیات بدن داخل ہوتا ہے۔[2]

قول چہارم: یہ ہے اس سے یہ شبہ بھی رفع ہو گیا کہ گلوکوز وغیرہ کے انجکشن ایسے ہیں کہ ان کے ذریعہ بدن کو غذا جیسی قوت پہنچتی ہے اس لئے ان کا حکم غذا کا سا ہونا چاہیئے۔

جواب: واضح ہے کہ قوت پہنچانا مطلقاً مفسد نہیں جیسے ٹھنڈک پہنچانا مفسد نہیں بلکہ منفذ اصلی کے راستہ سے کسی چیز کا جوف معدہ یا دماغ میں پہنچنا مفسد صوم ہے۔ وہ انجکشن میں نہیں پایا جاتا اگرچہ قوت اس سے پہنچ جائے۔

یہ قول مردود بوجوہ مردود ہے اس لئے کہ گلوکوز ذات ہے اثر نہیں ہے تو اس کا قیاس کرنا اثر پر (جو کہ برودت ورطوبت ہے) محض غلط ہے۔

---

[1] (جامع الرموز)

[2] (ردالمحتار، ج۳، ص۱۰۶)

وجہ دوم: یہ ہے کہ وہی اثر برودۃ ورطوبت جیسا کہ عبارت جامع الرموز اور شامی وغیرہما سے واضح ہے کہ وہ مسام سے داخل ہو فساد صوم لازم نہ ہوگا اور گلوکوز تو مخارق غیر اصلیہ سے داخل ہو کر جوفِ بطن وجوفِ دماغ کو پہنچتا ہے۔

جیسا کہ حکماء فرماتے ہیں:

قال شیخ ابو علی سینا فی کتابه قانونچه، ص ۱۰ اعلم ان الغذاء (جیسا کہ گلوکوز) وهو الجسم الذی من شانه ان یصیر جز من بدن الانسان اذا ورد علی المعدة استحال فیها الی جوهر شبیه بماء الکشک الثخین الذی یسمیٰ کیلوسا وینجذب الصافی عنه الی الکبد فیندفع من طریق العروق المسواة بماساء بقا وینضبح فی العروق ویسمیٰ کیلوسا۔

شیخ بو علی سینا نے اپنی کتاب قانونچہ ص۱۰ میں لکھا ہے: جان لے کہ غذا کا اپنی شان "حیثیت" کے اعتبار سے جسم ہوتا ہے اور بدنِ انسان کا جز ہو جاتی ہے جب وہ معدہ پر پہنچتی ہے تو اس کے لئے اپنے جوہر کی اصلی شکل رکھنا محال ہو جاتا ہے جس طرح کہ ماء کشک ہے۔ الثخین جسے کیلوسا کہا جاتا ہے وہ صاف طور پر کبد فضلات وغیرہ میں جذب ہو جاتا ہے اور عروق کے ذریعے نکلتا ہے اسے ماساء بقا کہتے ہیں اور جو رگوں میں گھل جائے تو اسے کیلوسا کہتے ہیں۔

وایضا قال فی قانونچه، ص ۳۶ واما العروق الغیر الضواءب التی تسمی الاوردة فهی اجسام عصبانیة غیر مضاعفة ثابتة من الکبد مجوفة لیس لها حس ولا حرکة بنفسها فیها دم کثیر وروح قلیل ومنفعتها ان تسقی الاعضاء لدم الذی تحمله الکبد۔

اور قانونچہ کے ص۳۶ پر یہ بھی ہے کہ عروق غیر ضواء جن کا نام اوردہ ہے یہ باریک اجسام عصبانیہ ہیں جو کہ کبد کے ساتھ لپٹی ہوئی ہیں بنفسہ ان میں حس ہے اور نہ حرکت، ان میں خون زیادہ ہے اور روح کم ہے۔ ان کی منفعت یہ ہے کہ حامل کبد اعضاء دم کو سیراب کرتی ہیں۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ جس حصہ میں خون چلتا ہے اسی حصہ میں یہ دواء بھی خون کے ساتھ چلتی ہے اس لئے کہ گوشت دم صفاء ہے۔

وجہ سوم: یہ ہے کہ گلوکوز کی ذات دواء رطب ہے اور دواء رطب مخارق غیر اصلیہ سے غالبًا پہنچتا ہے جوف دماغ میں پس بمذہب امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روزہ فاسد ہو گیا۔

کما مر من البدائع وقال الشامی ایضا (قَوْلُهُ: فَوَصَلَ الدَّوَاءُ حَقِيقَةً) أَشَارَ إلَى أَنَّ مَا وَقَعَ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ مِنْ تَقْيِيدِ الْإِفْسَادِ بِالدَّوَاءِ الرَّطْبِ مَبْنِيٌّ عَلَى الْعَادَةِ مِنْ أَنَّهُ يَصِلُ وَإِلَّا فَالْمُعْتَبَرُ حَقِيقَةُ الْوُصُولِ، حَتَّى لَوْ عَلِمَ وُصُولَ الْيَابِسِ أَفْسَدَ أَوْ عَدَمَ وُصُولِ الطَّرِيِّ لَمْ يُفْسِدْ وَإِنَّمَا الْخِلَافُ إذَا لَمْ يَعْلَمْ يَقِينًا فَأَفْسَدَ بِالطَّرِيِّ حُكْمًا بِالْوُصُولِ نَظَرًا إلَى الْعَادَةِ وَنَفَيَاهُ كَذَا أَفَادَهُ فِي الْفَتْحِ، اه۔

جیسا کہ بدائع میں گزر چکا ہے اور شامی نے بھی کہا ہے اس کا قول حقیقتًا دوا پہنچ گئی یہ اشارہ ہے اس طرف کہ وہ ظاہر الروایۃ میں واقع ہے، گیلی دوا سے افساد روزہ کی قید عادت پر مبنی ہے جب کہ وہ پہنچ جائے ورنہ اعتبار حقیقت میں پہنچنے کا ہے، اگر جان لے خشک دوائی پہنچ گئی ہے تو روزہ ٹوٹ گیا اور گیلی دوائی کے عدم وصول کا علم ہے تو نہ ٹوٹا۔ اختلاف یہ ہے کہ جب یقینی علم نہیں تو تری کے حکمًا پہنچتے ہی ٹوٹ جائے گا۔ عادتًا دیکھتے ہوئے اس کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ [1]

وجہ چہارم: یہ ہے کہ مولوی موصوف نے حنفی مذہب چھوڑ دیا اس لئے کہ اس نے صرف منافذ اصلیہ کو معتبر قرار دیا ہے جیسا کہ اس کے فتویٰ سے ظاہر ہے وهو باطل بوجوه۔

اول: وجزم المصنف بأن القاضي المقلد إذا خالف مشهور مذهبه لا ينفذ حكمه في الأصح۔

مصنف کا جزم یہ ہے کہ قاضی مقلد جب مذہب مشہور کے خلاف حکم دے تو حقیقتًا اس کا حکم نافذ نہیں ہو گا۔ [2]

دوم: وليس للقاضي المقلد إلا اتباع مشهور المذهب۔

قاضی مقلد پر مشہور مذہب کی اتباع لازمی ہے۔ [3]

وجہ سوم: المعتمد من أن القاضي (المقلد) ليس له الحكم بخلاف مذهبه, ولا سيما قضاة زماننا المأمورين بالحكم بأصح أقوال أبي حنيفة۔

معتمد یہ ہے کہ قاضی مقلد اپنے مذہب کے خلاف حکم نہ دے اور ہمارے زمانے کے مامورین قضاۃ پر لازمی ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صحیح تر اقوال پر حکم دیں۔ [4]

وجہ چہارم: المقلد إذا خالف إمامه في مسألة لا ينفذ حكمه فيها على الأصح, ومراد من قال بنفاذ حكم القاضي في هذه المسألة القاضي المجتهد كما نص عليه المحققون, اه۔

قاضی مقلد جب کسی مسئلہ میں اپنے امام کے خلاف حکم دے تو صحیح یہ ہے کہ اس کا حکم نہیں ہو گا اور اس مسئلہ میں جس نے قاضی کے حکم کے نفاذ کا کہا ہے اس سے مراد قاضی مجتہد ہو گا جیسا کہ محققین نے اس پر نص کیا ہے۔ [5]

وجہ پنجم: قال الشيخ حافظ الدين: لا خفاء أن علم قضاتنا ليس بشبهة فضلا عن الحجة. قاله عن قضاة زمانه وبلاده, فكيف اليوم وأكثرهم جاهلون, اه۔

---

[1] (ردالمحتار، ج۲، ص ۱۱۲)

[2] (درالمختار، ج۲، ص ۴۱۶)

[3] (ردالمحتار، ج۳، ص ۵۲۶)

[4] (ردالمحتار، ج۳، ص ۴۸۹)

[5] (ردالمحتار، ج۳، ص ۵۲۶)

شیخ حافظ الدین نے کہا کوئی خوف نہیں جب جان لیں ہمارے قاضی تو اس میں کوئی فضلا عن الحجۃ اس نے ہمارے زمانے اور شہروں کے قاضیوں سے متعلق کہا کہ یہ آج جیسے کس طرح ہو سکتے ہیں ان کی اکثریت تو جاہل ہے۔[1]

قول پنجم مولوی محمد شفیع دیوبندی کا (انجکشن کی ایک واضح نظیر)

یہ ظاہر ہے کہ انجکشن کا طریقہ نہ عہد رسالت میں موجود تھا نہ ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں اس لئے اس کا کوئی صریح حکم نہ تو کسی حدیث میں مل سکتا ہے، نہ آئمہ دین کے کلام میں، البتہ فقہی اصول و قواعد اور نظائر پر قیاس کر کے ہی اس کا حکم شرعی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

مفتی صاحب کے یہ اقوال بوجوہ مردود ہیں۔

وجہ اول: یہ ہے کہ یہ الفاظ کہ قیاس کر کے، الخ غلط ہے۔

لقولهم ان الْقِيَاسِ مَسْدُودٌ فِي زَمَانِنَا وَإِنَّمَا لِلْعُلَمَاءِ النَّقْلُ مِنْ الْكُتُبِ الْمُعْتَمَدَةِ كَمَا صَرَّحُوا بِهِ۔

ان کا یہ قول کہ قیاس ہمارے زمانے میں مسدود ہے یہ تو کتب معتمدہ سے علماء نے نقل کیا ہے جیسا کہ شامی نے اس کی تصریح کی ہے۔[2]

تو مفتی صاحب کا قیاس کا دعویٰ باطل ہو گیا جناب۔

القیاس مسدود فی زماننا وانما للعلماء النقل من صاحب المذهب من الكتب المعتمدة على انه نفسه صرح فی بعض رسائله بان القياس بعد او بعمائة منقطع فليس لاحد ان يقيس مسئلة على مسئلة اه۔

قیاس ہمارے زمانے میں مسدود ہے صاحب مذہب کی کتب معتمدہ سے علماء نے نقل کیا ہے یہ تو نفس مسئلہ پر ہے جس کی انہوں نے اپنے بعض رسائل میں تصریح کی ہے کہ قیاس چوتھی صدی کے بعد منقطع ہے پس کوئی بھی ایک مسئلہ کو دوسرے مسئلہ پر قیاس نہیں کر سکتا۔[3]

وجہ دوم: یہ ہے کہ یہ قول کہ فقہی اصول و قواعد، الخ بھی دلیل ہے اس بات پر کہ قیاس غلط ہے:

علیٰ ما فی حاشیة شرح العقائد النسفية المسماة بالخيالی۔ الفقه علم الاحكام الكلية لمعرفة الاحكام الجزية فان علم وجوب الصلوٰة مطلقًا يفيد معرفة وجوب صلوٰة زيد وعمر مثلاً۔

---

[1] (ردالمحتار، ج۳، ص ۵۲۶)

[2] (ردالمحتار، ج۳، ص ۳۸۷)

[3] (حموی فن ثالث قواعد، ص ۴۰۰)

فقہ احکام کلیہ کا علم ہے جس سے احکام جزئیہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے بے شک وجوب صلوٰۃ کا مطلق علم زید و عمر پر وجوبِ صلوٰۃ کی معرفت کا فائدہ دیتا ہے۔[1]

ولهذا قال علامة دهره مولانا صاحب لاله كاله فى شرح الزرادى المسمى بالفوائد الحقية، ص ٦ : قول المتن هر فى ايراده اشارة الى اطلاق هذه القاعدة وكليتها لان كلمة هر فى الفارسية لاحاطة جميع الافراد ككلمة كل فى العربية والقانون والضابطة والقاعدة الفاظ مترادفة وهو امر كلى ينطبق على الجزئيات، اه۔

صاحب متن کے قول ہَرْ کے ورود میں اشارہ ہے اس قاعدہ کے اطلاق پر، اور کلیہ یہ ہے کہ لفظ ہَرْ فارسی میں جمیع افراد کو محیط ہے۔ عربی کے لفظ ''کُل'' کی طرح، پھر قانون ضابطہ اور قاعدہ باہم مترادف الفاظ ہیں اور امر کلی منطبق ہوتا ہے جزئیات پر۔[2]

وجہ سوم: یہ ہے کہ یہی مولوی صاحب موصوف قیاس کا اہل نہیں ہے اس لئے کہ قیاس ادلہ اربعہ میں سے ہے اور مولوی موصوف کا وعدہ ہے کہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقلد ہوں۔

وقدقالوا الادلة الاربعة انما يتوصل بها المجتهد لا المقلد والمقلد فمستنده قول مجتهده لا ظنه ولا ظنه۔

اور کہتے ہیں کہ ادلہ اربعہ تک رسائی مجتہد کی ہے نہ کہ مقلد کی، مقلد کا مستند قول اپنے مجتہد کا قول ہے نہ کہ صرف ظن ہی ظن۔

مسلم الثبوت مقدمه، ص ٢ وكذا فى التوضيح والتلويح مقدمه وغيرها فبطل دعوى القياس۔

مسلم الثبوت کا مقدمہ، ص ۲ اور اسی طرح توضیح تلویح وغیرہ کے مقدمہ میں ہے، پس قیاس کا دعویٰ باطل ہو گیا۔

فائدة معتمده عجيبه

ان قول الصاحبين رحمهم الله تعالىٰ وصول الدواء الرطب فى غير المخارق الاصلية الى البطن والدماغ مشكوك فلانحكم بالفساد مع الشك وعند ابى حنيفة رضى الله تعالىٰ عنه الوصول غالب فحكم الفساد على الغالب، اه۔

صاحبین کا قول ہے کہ گیلی دوا مخارق اصلیہ کے علاوہ پیٹ اور دماغ کی طرف پہنچے تو مشکوک ہے اور شک کی بناء پر فساد روزہ کا حکم ہم نہیں دیں گے جب کہ ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک وصول غالب ہے تو فساد کا حکم بھی غالب پر ہے۔[3]

اقول بعونه وقوته تعالیٰ

---

[1] (خیالی، ص ۱۵)

[2] (الفوائد الحقية)

[3] (بدائع، ج ۲، ص ۹۳۷)

ان عدم الفساد علی قولھما مبنی علی الشک۔ والشک ھو استواء الطرفین الوصول وعدم الوصول۔ ومذھب الامام الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبی علی الغالب کما صرح بہ ولا شک ان وصول الدواء الرطب غالب لا مشکوک لا سیما فی صورۃ انجکشن فالوصول متیقن بہ فظھر بھا حررناہ ان فساد الصوم فی صورۃ انجکشن متفق علیہ بینھم۔

صاحبین کے قول پر عدم فساد شک پر مبنی ہے اور شک دونوں طرفین یعنی پہنچنے اور نہ پہنچنے کو برابر مفید ہے۔ جب کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب غالب پر مبنی ہے جیسا کہ اس کی تصریح ہو چکی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دوا گیلی کا پہنچنا غالب ہے مشکوک نہیں، ضروری ہے کہ انجکشن کی صورت میں دوائی کا پہنچنا یقینی ہو پس جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ ظاہر ہے کہ انجکشن کی صورت میں روزے کا ٹوٹ جانا صاحبین کے نزدیک متفق علیہ بات ہے۔

نام نہاد احسن الفتاویٰ کے جوابات

احسن الفتاویٰ کا یہ قول کہ روزہ اس چیز سے فاسد ہوتا ہے جو بذریعہ کسی منفذ کے درون بدن پہنچے نہ کہ بذریعہ مسامات و عروق کے۔ فقہاء کی تصریحات سے یہ بات اس طرح واضح ہوتی ہے۔

در مختار میں لکھا ہے:

أو ادھن أو اکتحل أو احتجم وإن وجد طعمه في حلقه۔ وفی الشامی لِأَنَّ أَثَرَ دَاخِلٌ مِنْ الْمَسَامِّ الَّذِي هُوَ خَلَلُ الْبَدَنِ وَالْمُفْطِرُ إنَّمَا هُوَ الدَّاخِلُ مِنْ الْمَنَافِذِ لِلِاتِّفَاقِ عَلَى أَنَّ مَنْ اغْتَسَلَ فِي مَاءٍ فَوَجَدَ بَرْدَهُ فِي بَاطِنِهِ أَنَّهُ لَا يُفْطِرُ، اھ۔

یا سرمہ ڈالے یا تیل یا مساج کرائے اور اس کا ذائقہ حلق میں محسوس کرے۔ اور شامی میں ہے کہ اثر مسام یعنی خلیات بدن سے داخل ہوتا ہے، روزہ تب فاسد ہوگا جب وہ منافذ سے داخل ہو بالاتفاق، جس نے پانی سے غسل کیا اور اس کی ٹھنڈک کو پیٹ میں محسوس کیا تو روزہ نہ ٹوٹا۔[1]

اور داخل بدن میں دواء کا اثر بذریعہ عروق و مسامات پہنچ جانے سے فساد صوم لازم نہیں آتا، جیسے غسل کا اثر۔ فتویٰ اولیٰ۔

اقول فی الجواب بوجوہ الاول: قول الشامی لانہ دَاخِلٌ مِنْ الْمَسَامِّ الَّذِي هُوَ خَلَلُ الْبَدَنِ کما مر من الشامی۔

شامی کا قول کہ خلیات بدن یعنی مسام سے داخل ہو جیسا کہ شامی کی عبارت گزر چکی ہے۔[2]

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مفطر دواء ہے نہ کہ دواء کا اثر۔

او داوی جائفۃ او أمۃ فوصل الدواء حقیقۃ الیٰ جوفہ او دماغہ۔ عام کتب فقہ

---

[1] (ردالمحتار، ج۷، ص۳۹۵)

[2] (ردالمحتار، ج۲، ص۹۸)

وجہ دوم: قول الشامی وَ الْمُفْطِرُ إنَّمَا هُوَ الدَّاخِلُ مِنَ الْمَنَافِذِ۔

قول شامی جب وہ بذریعہ منافذ داخل ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔[1]

اور اس میں شک نہیں کہ منفذ دو قسم ہے۔ ایک منفذ اصلی جیسے کہ منہ اور کان وغیرہما اور دوسرا منفذ غیر اصلی ہے جیسے کہ جائفہ اور آمہ وغیرہما جیسے کہ انجکشن لما صرح فی البدائع وغیرہ کما سیأتی۔

وجہ سوم: ذکر الشامی لفظ المنافذ فی مقابلة المسام۔ پس ظاہر ہو گیا کہ منافذ سے مراد غیر مسام سے عموماً منفذ اصلی ہو یا غیر اصلی جیسا کہ جائفہ اور آمہ اور انجکشن۔

وجہ چہارم: یہ ہے کہ لفظ منافذ مطلق ہے اور مطلق اپنے اطلاق پر بدیں طور پر شامل ہوتا ہے کہ سب افراد مطلق پر شامل ہو۔ تو یہ منافذ اصلی و غیر اصلی کو بھی شامل ہو گیا جیسا کہ ٹیکہ تو لازمًا انجکشن کا حکم فساد صوم ہے۔

وجہ پنجم: یہ ہے کہ اسی مفتی نے مسامات اور عروق دونوں کا دعویٰ کیا ہے اپنے اس قول سے، نہ کہ بذریعہ مسامات و عروق کے کما مر اور اس قول سے کہ داخل بدن میں دوا کا اثر بذریعہ مسامات و عروق، الخ اور اس نے صرف مسامات کا مسئلہ در مختار سے نقل کیا ہے عروق کے متعلق اس کے پاس کوئی مسئلہ ہی نہیں خالص جھوٹ اپنی طرف سے بنایا تو پھر اس فتویٰ کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ یہ فتویٰ مقبول ہی نہیں۔

وجہ ششم: یہ ہے کہ بفرض محال لفظ منافذہ سے مراد اگر شامی میں منافذ اصلیہ ہوں تو یہ مقبول نہیں۔ اس لئے مختصر الوقایہ کے متن میں ان الفاظ سے صراحتًا ذکر ہے:

او وصل دواء الی جوفه او دماغه من غیر المسام، اه۔

جبکہ متون شروح پر مقدم ہوتے ہیں اس دلیل سے کہ:

قالوا ان ما فی المتون والشروح مقدم علی ما فی الفتاویٰ لکن هذا عند التصریح بتصحیح کل من القولین او عدم التصحیح اصلاً اما لو ذکرت مسئلة فی المتون ولم یصرحوا بتصحیحها بل صرحوا بتصحیح مقابلها فقد افاد العلامة قاسم بترجیح الثانی لانه تصحیح صریح وما فی المتون تصحیح التزامی والتصحیح الصریح مقدم علی التصحیح الالتزامی ای التزام المتون ذکر ما هو الصحیح فی المذهب کما تقدم فی رسم المفتی او الکتاب، اه۔

کہتے ہیں کہ جو کچھ متون اور شروح میں ہے وہ فتاویٰ پر مقدم ہے لیکن یہ تصریح پر دو قولوں کی تصحیح یا عدم تصحیح پر ہے بالکل، اور اگر کوئی مسئلہ متون میں مذکور ہو مگر اس کی صحت کی تصریح نہ ہو بلکہ اس کے مقابل کی صحت کی تصریح ہو تو علامہ

---

[1] (ردالمحتار، ج۲، ص۹۸)

قاسم نے ثانی کو ترجیح دی ہے۔ اس لئے کہ یہ تصحیح صریح ہے اور جو متون میں ہے وہ تصحیح التزامی ہے اور تصحیح صریح تصحیح التزامی پر مقدم ہے اور یہی مذکورہ قول مذہب میں صحیح ہے۔[1]

أَنَّ أَصْحَابَ الْمُتُونِ عَلَى قَوْلِ الْإِمَامِ، وَمَعْلُومٌ أَنَّ الْمُتُونَ مَوْضُوعَةٌ لِنَقْلِ مَاهُوَ الْمَذْهَبُ، فَلَايَعْدِلُ عَمَّا فِيهَا، اه۔

بے شک اصحاب متون قول امام پر ہیں اور معلوم ہے کہ متون موضوعة منقول ہیں تو کیا ہے وہ مذہب پس اس میں جو کچھ ہے اس سے انصاف نہیں کیا گیا۔[2]

وَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ هَذَا عِنْدَ عَدَمِ ذِكْرِ أَهْلِ الْمُتُونِ لِلتَّصْحِيحِ، وَإِلَّا فَالْحُكْمُ بِمَا فِي الْمُتُونِ كَمَا لَا يَخْفَى؛ لِأَنَّهَا صَارَتْ مُتَوَاتِرَةً، اه۔

اور لائق ہے کہ یہ اہل متون کی تصحیح کے عدم ذکر پر موقوف ہو ورنہ متون میں جو کچھ ہے اس کا حکم مخفی نہیں اس لئے کہ وہ تو متواتر ہیں۔[3]

پس ارادہ تخصیص منافذ اصلیہ کا باطل ہو گیا تو معلوم ہوا کہ یہاں مراد منافذ اصلی وغیر اصلی دونوں ہیں۔

وجہ ہفتم: یہ ہے کہ بہ فرض محال اگر منافذ سے مراد منافذ مخصوصہ ہوں خصوصًا اصلیات مشہورہ اشیاء جیسے کہ منہ، کان اور ان کے علاوہ تو یہ ارادہ مردود ہے بقول صاحب البدائع:

وماوَصَلَ إِلَى الْجَوْفِ أوإِلَى الدِّمَاغِ من الْمَخَارِقِ الْأَصْلِيَّةِ كَالْأَنْفِ وَالْأُذُنِ وَالدُّبُرِ بِأَنْ اسْتَعَطَ أو احْتَقَنَ أو أَقْطَرَ في أُذُنِهِ فَوَصَلَ إِلَى الْجَوْفِ أو إِلَى الدِّمَاغِ فَسَدَ صَوْمُهُ وأَمَّا إذَا وَصَلَ إِلَى الدِّمَاغِ لأن له منفذا إِلَى الْجَوْفِ فَكَانَ بِمَنْزِلَةِ زَاوِيَةٍ من زَوَايَا الْجَوْفِ (الی قوله) وَأَمَّا ما وَصَلَ إِلَى الْجَوْفِ أو إِلَى الدِّمَاغِ عن غَيْرِ الْمَخَارِقِ الْأَصْلِيَّةِ بِأَنْ دَاوَى الْجَائِفَةَ وَالْآمَةَ فَإِنْ دَاوَاهَا بِدَوَاءٍ يَابِسٍ لَا يُفْسِدُ لِأَنَّهُ لم يَصِلْ إِلَى الْجَوْفِ وَلَا إِلَى الدِّمَاغِ وَلَوْ عَلِمَ أَنَّهُ وَصَلَ يُفْسِدُ عِنْدَ أبي حَنِيفَةَ وَعِنْدَهُمَا لَا يُفْسِدُ هُمَا اعْتَبَرَا الْمَخَارِقَ الْأَصْلِيَّةَ لِأَنَّ الْوُصُولَ إِلَى الْجَوْفِ من الْمَخَارِقِ الْأَصْلِيَّةِ مُتَيَقَّنٌ بِهِ وَمِنْ غَيْرِهَا مَشْكُوكٌ فيه فَلَا نَحْكُمُ بِالْفَسَادِ مع الشَّكِّ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الدَّوَاءَ إذَا كان رَطْبًا فَالظَّاهِرُ هو الْوُصُولُ لِوُجُودِ الْمَنْفَذِ إِلَى الْجَوْفِ فَيَبْنِي الْحُكْمُ على الظَّاهِرِ۔

اور وہ جو جوف بطن یا دماغ تک مخارق اصلیہ مثلاً ناک، کان اور دبر کے ذریعے پہنچے چاہے ڈالنے سے، مساج کے ذریعے یا کان میں قطرے ٹپکا کر جیسے ہی وہ جوف یا دماغ تک پہنچے گی تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، جب وہ دماغ تک پہنچ گئی جو کہ جوف کا منفذ ہے تو گویا وہ بمنزل روایائے جوف کے ہے "الی قولہ" جب وہ جوف یا دماغ تک بغیر راستہ مخارق اصلیہ کے پہنچے چاہے وہ دوا خشک

---

[1] (تکملہ، ج ۱، ص ۳۳۱)

[2] (ردالمحتار، ج۱۶، ص ۲۱۰)

[3] (ردالمحتار، ج ۱، ص ۵۲)

ہو یا تر، اگر اس نے دوا کیا دوائے خشک سے تو وہ جوف اور دماغ تک نہیں پہنچتی اور اگر معلوم ہو گیا کہ وہ پہنچ گئی ہے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جائے گا جب کہ صاحبین کے نزدیک نہیں ٹوٹے گا مخارق اصلیہ پر اعتبار کرتے ہوئے اس لئے کہ جوف تک مخارق اصلیہ کے ذریعے پہنچنا یقینی ہے اس کے علاوہ وصول مشکوک ہے تو شک پر فساد روزہ کا حکم نہیں ہو گا اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جب دوا رطب یعنی گیلی ہو تو ظاہر ہے وہ وجود منفذ کے ذریعے جوف تک پہنچے گی پس حکم ظاہر پر مبنی ہے۔[1]

وجہ ہشتم: یہ ہے کہ اس سے پہلے قول میں مفتی صاحب نے کہا ہے بلفظہ بلکہ عروق (اور مسامات) کے ذریعہ معدہ میں پہنچ جاتی ہے، الخ۔ یہ اقرار ہے اس پر کہ دواء مصلح بدن جوف معدہ کو بذریعہ انجکشن پہنچتی ہے تو لازمًا حکم فساد قائم ہوا۔ اور منفذ اصلی کے قید کا کوئی اعتبار نہیں جیسا کہ بدائع کی عبارت سے ثابت ہوا۔

وجہ نہم: یہ ہے کہ مقدمہ میں سات ڈاکٹروں کے اقوال سے ثابت ہو گیا کہ دواء بذریعہ ٹیکہ عام بدن کے رگوں میں دورانِ خون سے ملتی اور شامل ہو جاتی ہے تو دماغ کی رگوں اور پیٹ کی رگوں، معدہ اور جگر کی رگوں میں شامل ہوتی ہے اور اس شمول میں دوائی کا پہنچنا مصلح بدن ہے۔ تو روزہ دار کا روزہ خواہ مخواہ لازمًا فاسد ہو گیا اور قضاء لازم ہو گئی۔ جیسا کہ ہم نے بحث اول میں ذکر کیا۔

وجہ دہم: یہ ہے کہ مفتی صاحب نے قول اول میں کہا بقولہ: انجکشن کی دوا بذریعہ منفذ نہیں جاتی بلکہ (عروق) اور مسامات کے ذریعہ معدہ میں پہنچ جاتی ہے، الخ۔ یہ غلط ہے دیکھو مسام کا معنی: مسام بالفتح و تشدید میم، سوراخ ہائے بن موئی بدن۔[2]

۲۔ مسام بالفتح سوراخ ہائے بغایت باریک کہ در تمام بدن آدمی وغیرہ زیر بن موئی باشد۔[3]

۳۔ المسام وهو منفذ دقيق في الجلد تمر عليه البخار فلو وصل عنه رطوبة الى الباطن لا يفسد صومه، اه۔

مسام جلد میں باریک سوراخ کو کہا جاتا ہے اس پر بخارات کے دانے نمودار ہوتے ہیں اگر ان سے بدن میں رطوبت پہنچے تو روزہ فاسد نہیں ہو گا۔[4]

۴۔ ای المنافذ الدقيقة في البدن لقوله عليه الصلوٰة والسلام الفطر مما دخل وهو ليس مما خرج، اه۔

یعنی بدن میں باریک سوراخ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان عالی شان ہے فساد روزہ دخول پر ہے نہ کہ خروج پر۔[5]

---

[1] (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۹۳)

[2] (منتخب اللغات، ص ۴۶۰)

[3] (غیاث اللغات، ص ۴۲۱)

[4] (ابو المکارم)

[5] (شرح الیاس)

چمڑے کے باریک پوسٹ میں رگیں نہیں جیسا کہ نمبر ۳ میں گذرا مقدمہ میں تو پہنچنا دواء کا معدہ کو بذریعہ مسامات صحیح نہیں اس لئے کہ تمام بدن رگوں سے بھرا ہوا ہے جیسا کہ ہم نے مقدمہ میں ذکر کیا۔ عروق کے ذریعہ دواء معدہ کو پہنچتی ہے بخلاف مسامات کے اس لئے کہ مسامات بدن کے سطح ظاہری پر سوراخوں کو کہا جاتا ہے۔ اس سے دواء بعینہ نہیں پہنچ سکتی اور اثر دواء پہنچتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس عبارت میں مسامات کا لفظ صحیح نہیں۔

دوسرا فتویٰ اور اس کا جواب بتوفیقہٖ تعالیٰ یہ ہے

استفتاء من جانب ڈاکٹر محمد عمر فاضل، دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، مقام شہباز گڑھ، ضلع مردان، مغربی پاکستان

باسمہ سبحانہ مکرم جناب محترم المقام حضرت مفتی صاحب دامت عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ! کیا فرماتے ہیں علمائے دین لطیف وفقہاء مذہب مینف اس مسئلہ میں کہ انجکشن سے روزہ کو نقصان پہنچتا ہے یا نہیں، اگر نہیں پہنچتا تو کیوں؟ حالانکہ دوائی بذریعہ انجکشن بذاتِ خود جوف تک نہیں پہنچ سکتی اور اگر یہ وجہ ہو کہ بعض انجکشنوں کا اثر جوف تک پہنچتا ہے تو نیش عقرب وغیرہ سے روزہ ٹوٹنا چاہیئے اس لئے کہ انجکشن جیسی کیفیات مثلاً قے آنا وغیرہ بعض دفعہ نیش عقرب سے رونما ہو جاتے ہیں۔ اگر فرق اختیاری اور غیر اختیاری سے ہو تو ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ قصداً بڑے بچھو کو ہاتھ لگا کر ڈنگ لگوایا جائے اور ایسے بھی ہو سکتا ہے کہ نیند کی حالت میں یا بے ہوشی کی حالت میں انجکشن لگا دیا جائے لہٰذا معلوم ہوا کہ دونوں اختیاری بھی ہو سکتے ہیں اور غیر اختیاری بھی تو حکم بھی ایک ہونا چاہیئے اور اگر مطلق انجکشن سے روزہ کو نقصان نہیں پہنچتا ہے تو کیا وجہ ہے حالانکہ بعض انجکشنوں کا اثر فوراً جوف تک پہنچتا ہے مثلاً انجکشن لگاتے ہی قے آنا شروع ہو جاتی ہے۔ بینوا بالتفصیل توجروا عندالجمیل۔

فقط والسلام

مؤرخہ ۱۳۷۷ھ

پتہ: ڈاکٹر محمد عمر مقام شہباز گڑھ، ضلع مردان، مغربی پاکستان

الجواب

انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے کے سبب یہ امر ثابت ہوا کہ انجکشن کے ذریعہ دواء جوف عروق میں پہنچائی جاتی ہے۔ جوفِ دماغ یا جوفِ بطن میں دواء نہیں پہنچتی حالانکہ فساد صوم کے لئے مفطر کا جوف دماغ یا جوف بطن کو پہنچنا ضروری ہے۔ مطلق کسی عضو کے جوف یا عروق کے جوف میں پہنچنا مفطر نہیں ہے۔ فقہاء کی بہت سی جزئیات جس میں دواء وغیرہ مطلق جوف بطن میں نہیں پہنچتے اس لئے اس کو مفسد صوم نہیں قرار دیا گیا۔ جیسے مرد کے پیشاب گاہ کے اندر

دواء یا تیل وغیرہ چڑھے باتفاق ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ کما صرح بہ الشامی حیث قال: وَأَفَادَ أَنَّهُ لَوْ بَقِيَ فِي قَصَبَةِ الذَّكَرِ لَا يُفْسِدُ اِتِّفَاقًا وَلَا شَكَّ۔[1]

اس کی مزید تحقیق فتاویٰ امدادیہ، جلد دوم سے معلوم ہو سکتی ہے۔

فقط: ۵ رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ دارالافتاء مدرسہ مظاہر العلوم، سہارنپور

اقول فی الجواب بوجوہ بان کل واحد من الاستفتاء و الفتویٰ غلط علی مذہب الامام ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وجہ اول: یہ ہے کہ ڈاکٹر محمد عمر کا یہ قول بلفظہٖ حالانکہ دوائی بذریعہ انجکشن بذات خود جوف (بطن) تک نہیں پہنچ سکتی، الخ۔ یہ قول غیر مقبول بلکہ مردود ہے۔ اس لئے کہ ڈاکٹر موصوف کا یہ قول ظاہر دلیل ہے کہ یہ بے چارہ ڈاکٹری فن کی کتب جو معتبر ڈاکٹروں کی ہیں ان سے بے خبر ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ باخبر ہوتا تو یہ خط کشیدہ الفاظ نہ لکھتا اس لئے کہ ان کتابوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ دواء ٹیکہ کے ذریعہ بدن کے عام نظام کو پہنچتی ہے، اور دورانِ خون میں شامل ہوتی ہے اور بدن کے ہر حصہ کو پہنچتی ہے۔ تو یہی دواء جوف بطن، جوف دماغ، معدہ اور جگر کو بھی پہنچتی ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹروں کے اقوال سے مقدمۂ رسالہ میں گزرا۔

وجہ دوم: یہ ہے کہ ڈاکٹر موصوف کا یہ قول بلفظہٖ اور اگر یہ وجہ ہو کہ بعض انجکشنوں کا اثر جوف تک پہنچتا ہے تو نیش عقرب (بچھو کا ڈنگ) وغیرہ سے روزہ ٹوٹنا چاہیئے، الخ غلط ہے اور دلیل یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب مذہب کی کتابوں سے بے خبر ہیں۔ جیسا کہ ہم نے بحث اول امر سوم میں کتابوں کے حوالے دیئے ہیں۔

أن الفساد منوط بما اذا کان فیہ صلاح بدنہ۔

تو مصلح بدن (دواء) کے ساتھ تشبیہ مضر بدن (زہر نیش عقرب) کا صحیح نہیں۔[2]

اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ صاحبِ عالم نہیں ہے۔ اور یہ کہنا کہ انجکشن کی واضح مثال یہ ہے کہ اگر کسی کو بچھو یا سانپ نے کاٹ لیا تو یہ مشاہدہ ہے کہ زہر بدن کے اندر جاتا ہے یقیناً مگر دنیا کے کسی فقیہہ عالم نے اس کو مفسد صوم قرار نہیں دیا۔

غلط ہے کما مر من سبعۃ کتب فی الامر الثالث من البحث الاول۔

---

[1] (ردالمحتار، ج۷، ص ۴۱۱)

[2] (ردالمحتار، ج۲، ص۱۰۷ وبمعناہ فتح القدیر، ج۱، ص ۳۹۱، ھدایۃ، ج۱، ص ۳۹۴، ردالمحتار، ج۲، ص۱۰۳، مجمع الانہار، ج۱، ص ۱۳۴، در مختار،، ج۲، ص۱۱۷ وغیرھا)

وجہ دوم: اس کا یہ کہنا کہ واضح مثال، الخ غلط ہے اس لئے کہ مثال ممثل کے افراد سے ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ دواء انجکشن کی اصلاح بدن کے لئے ہوتی ہے اور ان چیزوں کا زہر بدن کے لئے ضرر ہے تو لفظ مثال یہاں غلط ہے۔

وجہ سوم: کہ لفظ واضح بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ بطریق صفت یا اضافت کے۔

وجہ چہارم: یہ ہے:

أن الفساد منوط بما اذا کان بفعله۔

روزہ کا ٹوٹنا موقوف ہے اس بات پر جبکہ یہ اس کا فعل ہو۔[1]

معلوم ہوا کہ انجکشن فعل انسانی ہے اور زہر فعل انسانی کے اختیار میں نہیں ہے۔ تو وہ فعل جو یہاں پر فعل انسانی نہیں (جیسا کہ زہر) تو فساد روزہ نہیں۔

وجہ پنجم: یہ ہے کہ مفتی صاحب کا یہ کہنا بالفاظہ۔ اس کی وجہ وہ ہو سکتی ہے جو بدائع سے گزری ہے کہ یہ زہر اگر چہ بدن کے سب حصوں میں پہنچ گیا مگر مخارق اصلیہ یعنی منفذ اصلی کے راستہ سے نہیں پہنچا اس لئے مفسد صوم نہیں، اھ۔ یہ قول مفتی کا مردود ہے بمذہب امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لئے کہ صاحب بدائع نے دونوں مخارق کو یعنی اصلیہ اور غیر اصلیہ کو معتبر کہا ہے علی مذہب ابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدائع کی تمام عبارات پر فکر کریں۔

وما وَصَلَ إلَى الْجَوْفِ أو إلَى الدِّمَاغِ من الْمَخَارِقِ الْأَصْلِيَّةِ كَالْأَنْفِ وَالْأُذُنِ وَالدُّبُرِ بِأَنْ اسْتَعَطَ أو احْتَقَنَ أو أَقْطَرَ في أُذُنِهِ فَوَصَلَ إلَى الْجَوْفِ أو إلَى الدِّمَاغِ فَسَدَ صَوْمُهُ۔

اور جو چیز مخارق اصلیہ یعنی ناک، کان اور دبر کے ذریعے جوف بطن یا دماغ کی طرف پہنچے کسی بھی طرح ہوا خارج ہونے، چھینکنے یا کان میں قطرے ٹپکانے سے جوف معدہ یا دماغ تک پہنچتی ہے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

و إذا وصل إلى الدماغ لانه له منفذا إلى الجوف فكان بمنزلة زاوية من زوايا الجوف (الى قوله) وَأَمَّا ما وَصَلَ إلَى الْجَوْفِ أو إلَى الدِّمَاغِ عن غَيْرِ الْمَخَارِقِ الْأَصْلِيَّةِ بِأَنْ دَاوَى الْجَائِفَةَ وَالْآمَةَ فَإِنْ دَاوَاهَا بِدَوَاءٍ يَابِسٍ لَا يُفْسِدُ لِأَنَّهُ لم يَصِلْ إلَى الْجَوْفِ وَلَا إلَى الدِّمَاغِ وَلَوْ عَلِمَ أَنَّهُ وَصَلَ يُفْسِدُ في قَوْلِ أبي حَنِيفَةَ وَإِنْ دَاوَاهَا بِدَوَاءٍ رَطْبٍ يُفْسِدُ عِنْدَ أبي حَنِيفَةَ وَعِنْدَهُمَا لَا يُفْسِدُ هُمَا اعْتَبَرَا الْمَخَارِقَ الْأَصْلِيَّةَ لِأَنَّ الْوُصُولَ إلَى الْجَوْفِ من الْمَخَارِقِ الْأَصْلِيَّةِ مُتَيَقَّنٌ بِهِ وَمِنْ غَيْرِهَا مَشْكُوكٌ فيه فَلَا نَحْكُمُ بِالْفَسَادِ مع الشَّكِّ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أن الدَّوَاءَ إذَا كان رَطْبًا فَالظَّاهِرُ هو الْوُصُولُ لِوُجُودِ الْمَنْفَذِ إلَى الْجَوْفِ فيبني الْحُكْمُ على الظَّاهِرِ، اھ۔

[1] (ردالمحتار، ج۲، ص۱۰۷، وبمعناہ شلبی، ص ۳۲۹، فتح القدیر، ج۱، ص۳۹۵، الکافی ثم المراقی والطحطاوی، ص۴۰۶، ھدایہ، ج۱، ص ۳۹۱، ابو المکارم، ج۱، ص۱۳۴، قاضی خان والکمال ثم المراقی، ص۴۰۶، ردالمحتار، ج۲، ص۹۸)

اور جب دماغ میں پہنچے گا تو یہی جوف کی طرف پہنچنے کے لئے منفذ ہو گا، پھر یہ بمنزلہ زوایا جوف کے ہو گا" الیٰ قولہ " اور جب مخارق اصلیہ کے بغیر جوف اور دماغ تک پہنچ جائے چاہے وہ دوا خشک ہو یا تر، اور اگر دوائے خشک استعمال کی تو روزہ فاسد نہ ہو گا اس لئے کہ وہ جوف اور دماغ تک پہنچی ہی نہیں ہے اور اگر معلوم ہو گیا کہ پہنچ گئی تو ابو حنیفہ کے نزدیک فاسد ہو جائے گا اور اگر دوائے رطب استعمال کی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک فاسد ہو جائے گا مگر صاحبین کے نزدیک مخارق اصلیہ پر اعتبار کرتے ہوئے روزہ نہ ٹوٹے گا۔ اس لئے کہ مخارق اصلیہ کے ذریعے جوف تک وصولی یقینی ہے، اس کے علاوہ مشکوک ہے اور شک پر فساد روزہ کا حکم نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جب دوا گیلی ہو تو اس کا پہنچنا ظاہر ہے کیونکہ جوف کے لئے منفذ کا وجود ہے تو حکم ظاہر پر ہی مبنی ہے۔[1]

وجہ ششم: یہ ہے کہ میں مانتا ہوں کہ مفتی مظفر حسین سہارنپوری نے ڈاکٹروں سے ضرور تحقیق کی ہو گی مگر وہ ڈاکٹر ایسے ہوں گے جیسا کہ ڈاکٹر محمد عمر صاحب۔

اگر مفتی صاحب نے ایسے ڈاکٹروں سے تحقیق کی ہوتی جیسے کہ مصنفین انجکشن بک اور مخزن الحکمۃ تو مفتی صاحب پر ظاہر ہو جاتا کہ دواء بذریعہ مذکورہ عام نظام بدن تک پہنچ کر دوران خون سے شامل ہو جاتی ہے اور جوف دماغ اور جوف بطن معدہ کو پہنچتی ہے جیسا کہ فم۔

وجہ ہفتم: یہ ہے کہ مستفتی اور مفتیان نے جو کہا ہے کہ دوا بذریعہ انجکشن جوف بطن اور جوف دماغ کو نہیں پہنچتی یہ دعویٰ نفی بلا دلیل ہے۔ اور دعویٰ نفی بلا دلیل مقبول نہیں ہے۔

دیکھو اللہ تعالیٰ نے پہلے پارہ میں آیت نمبر ۱۱۱ اہل کتاب کے دعویٰ کی نفی میں فرمایا:

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَى تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ (البقرۃ ۱۱۱)

یہاں اہل کتاب مسلمانوں کے جنت میں دخول کی نفی کے مدعی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (البقرۃ ۱۱۱)

اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ مدعی نفی کے لئے بھی سند و دلیل لانا ضروری ہے۔ دعویٰ بلا دلیل باطل اور غیر مسموع ہے۔

---

[1] (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۹۳)

باقی تفصیل انجکشنوں کا انجکشن کی کتاب انجکشن بک میں ہے اور رگوں کا بیان اور اس کے مواقع کا بیان مخزن الحکمۃ میں ہے جو مطالعہ کرنا چاہے تو ان دونوں کا مطالعہ کرلے۔

وجہ ہشتم: یہ ہے کہ مفتی مظفر حسین سہارنپوری کا یہ قول کہ جیسے مرد کی پیشاب گاہ کے اندر دواء یا تیل وغیرہ سے باتفاق ائمہ ثلاثہ روزہ فاسد نہیں ہوا۔

كما صرح به الشامي حيث قال وَأَفَادَ أَنَّهُ لَوْ بَقِيَ فِي قَصَبَةِ الذَّكَرِ لَا يُفْسِدُ اتِّفَاقًا وَلَا شَكَّ فِي ذَلِكَ، اه۔[1]

یہ استدلال غلط ہے اس لئے کہ مثانہ اور جوف بطن کے درمیان کوئی راستہ نہیں۔

كما قال الشامي وَالْأَظْهَرُ أَنَّهُ لَا مَنْفَذَ لَهُ وَإِنَّمَا يَجْتَمِعُ الْبَوْلُ فِيهَا بِالتَّرَشِيحِ كَذَا يَقُولُ الْأَطِبَّاءُ زَيْلَعِيٌّ، اه۔[2]

ڈاکٹر محمد عمر نے دیوبند سے بھی فتویٰ منگایا اور وہاں کے مفتی نے جواب دیا:

الجواب نمبر ۸۳۸: اگر انجکشن کے ذریعہ سے دوا جوف معدہ یا جوف دماغ میں پہنچ جائے تو بے شک ایسا انجکشن مفسد صوم ہے لیکن ہر ایک انجکشن ایسا نہیں ہوتا بلکہ انجکشن کے ذریعہ سے دوا جوف عروق میں پہنچائی جاتی ہے، اس لئے اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

در مختار میں ہے:

أَوْ احْتَقَنَ أَوْ اسْتَعَطَ فِي أَنْفِهِ أَوْ أَقْطَرَ فِي أُذُنِهِ دُهْنًا أَوْ دَاوَى جَائِفَةً أَوْ آمَّةً فَوَصَلَ الدَّوَاءُ حَقِيقَةً - إلَى جَوْفِهِ وَدِمَاغِهِ (الى قوله) قَضَى فِي الصُّوَرِ كُلِّهَا۔[3]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ دوا کا حقیقتاً جوف معدہ اور جوف دماغ میں پہنچنا مفسد ہے، والسلام۔

(مسعود احمد عفی عنہ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۷۷/۹۲۳، مہر دارالافتاء مدرسہ دیوبند)

مفتی مسعود احمد صاحب نے فتویٰ کی ابتداء میں کہا کہ اگر انجکشن کے ذریعہ سے دوا جوف معدہ یا جوف دماغ میں پہنچ جائے تو بے شک ایسا انجکشن مفسد صوم ہے، الخ۔ اقول یہ جملہ مفتی صاحب نے بالکل حق کہا ہے اور شامی کی منقولہ روایت بھی حق ہے اور اس پر تفریع بدیں قول (اسی روایت سے معلوم ہوا کہ دواء حقیقتاً جوف معدہ اور جوف دماغ میں پہنچائی جاتی تو بے شک مفسد صوم ہے) یہ بھی حق کہا البتہ مفتی صاحب کا یہ قول (لیکن ہر ایک انجکشن ایسا نہیں ہے بلکہ انجکشن کے ذریعہ سے دوا جوف عروق میں پہنچائی جاتی ہے اس لئے اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا) مردود ہے بنا پر وجوہ کے۔

---

[1] (ردالمحتار، ج۷، ص ۴۱۱)

[2] (ردالمحتار، ج۲، ص ۱۰۹)

[3] (الدر المختار، ج ۲، ص ۴۰۶)

وجہ اول: یہ ہے کہ حق تحقیق یہ ہے کہ جب مفتی صاحب نے یہ مان لیا کہ انجکشن کے ذریعہ دوا جوف عروق تک پہنچتی ہے تو ثابت ہو گیا کہ جوف بطن اور جوف دماغ کو ضرور پہنچتی ہے۔ اس بات کا ثبوت ڈاکٹروں کے سات اقوال میں ذکر ہو چکا رسالہ کے مقدمہ میں۔ اور پہنچنا مصلح بدن کا بدن میں مفسد صوم ہے کما مر فی البحث الاول۔

وجہ دوم: یہ ہے کہ بناء اقوال ڈاکٹروں کا یہ قول بھی اسی پر مبنی ہے کہ بلکہ انجکشن کے ذریعہ سے جو دوا جوف عروق میں پہنچائی جاتی ہے۔ یہ اقرار اس بات کا ہے کہ انجکشن کے ذریعہ دواء جوف بطن اور جوف دماغ تک پہنچتی ہے۔ تو مفتی صاحب کا یہ قول باطل ہو گیا بالفاظہٖ اس لئے اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ اقول بلکہ لازمًا فساد صوم واقع ہو گیا۔

وجہ سوم: مفتی صاحب کا یہ قول لیکن ہر ایک انجکشن ایسا نہیں ہے۔

اقول یہ غلط ہے خلاف تحقیق ہے اس لئے کہ اپنے زمانہ کے معتبر ڈاکٹروں کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ انجکشن کی دوائی جو کہ رگوں کو پہنچتی ہے دوران خون میں شامل ہوتی ہے تو حقیقتًا تمام بدن کو پہنچتی ہے اور اس سے روزہ فاسد ہوتا ہے۔ تو ظاہر ہو گیا کہ تمام اقسام انجکشن کے مفسد صوم ہیں۔

وجہ چہارم: یہ ہے کہ یہ مستفتی محمد عمر اور یہ مفتیان اکوڑہ خٹک اور سہارنپور اور مفتی دیوبند عدم وصول کے مدعی ہیں بذریعہ انجکشن دواء کا یعنی بذریعہ انجکشن دواء جوف بطن اور جوف دماغ کو یہ دوا ان کے ہاں نہیں پہنچتی اور یہ دعویٰ نفی ہے اور یہ دعویٰ نفی بلا دلیل مسموع نہیں ہے اور اس دعویٰ کی دلیل ان کے پاس نہیں ہے، تو ان کا دعویٰ باطل ہو گیا۔

دیکھو اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا دعویٰ نفی بیان کیا ہے:

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَى تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ (البقرۃ ۱۱۱)

اہل کتاب مسلمانوں کے جنت میں عدم دخول کے مدعی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (البقرۃ ۱۱۱)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ مدعی نفی کے لئے برائے دعویٰ نفی دلیل لانا لازم ہے، دعویٰ بلا دلیل مسموع نہیں ہے۔

(الحجج القویہ لاثبات فساد الصوم بانجکشن الادویہ)

(۱۰۵)مسئلہ نمبر ایک سو پانچ: انجکشن سے روزہ ٹوٹنے کا مسئلہ

جان لو کہ انجکشن سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں ٹوٹتا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔کچھ علماء کہتے ہیں کہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جبکہ کچھ علماء کہتے ہیں کہ روزہ نہیں ٹوٹتا۔چونکہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے، نہ قرآن عظیم الشان میں اس کا ذکر ہے نہ ہی احادیث نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں اس کا ذکر موجود ہے۔تو یہ مجتہدین کے قواعد سے معلوم ہو گا۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔جو دوائی انجکشن کے ذریعے بدن میں پہنچتی ہے، اس کی مثال شہد کی مکھی کی طرح یا سانپ اور بچھو کے ڈسنے کی ہے، کیونکہ ان کے ڈسنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، حالانکہ زہر جسم میں داخل بھی ہو جاتا ہے، لہٰذا انجکشن سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

لیکن اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ یہ قیاس درست نہیں۔کہ یہ جو آفت ہے یہ سماوی اور غیر اختیاری ہے، اور انجکشن ایک اختیاری فعل ہے، لہٰذا اختیاری فعل سے روزہ ٹوٹے گا۔

اور بعض علماء کہتے ہیں اگر انجکشن رگ میں لگ جائے تو روزہ ٹوٹتا ہے اور بغیر رگ کے جسم کے کسی بھی حصہ میں انجکشن لگنے کی صورت میں روزہ نہیں ٹوٹتا۔لیکن یہ بات بھی غلط ہے، اس لئے کہ وصول تحت الجلد منافذ تمام بدن میں ہے۔جیسے کہ یہ بات علم طب سے ثابت ہے، اور یہ مسئلہ منفذ اور عدم منفذ علم طب کا ہے۔

جیسے کہ مستخلص میں ذکر ہے:

قال صاحب النہایۃ وھذا لیس من باب الفقہ ای فقہ الشرع بل یرجع الی معرفتہ فقہ الطب۔

صاحب نہایہ نے فرمایا ہے کہ یہ مسئلہ فقہ کے باب میں سے نہیں ہے، بلکہ اس کے سمجھنے کے لئے طب کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔[1]

اور فتویٰ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر ہو گا۔کہ منافذ تحت الجلد کا ثبوت جوف تک ہے۔

اور یہ عبارت قانونچے کی ہے:

واما العروق الغیر الضوارب التی تسمی اوردہ فھی نابتۃ من الکبد فیھا دم کثیر او روح قلیل و منفعتھا ان تسقی الاعضاء الدم الذی تحملہ من الکبد، اھ۔

---

[1] (المستخلص، ص ۲۲۶)

وہ رگیں جو حرکت نہیں کرتیں ان کو اوردہ کہتے ہیں۔ اور یہ جگر سے نکلتی ہیں اور ان میں خون زیادہ ہوتا ہے جبکہ روح قلیل ہوتی ہے۔ اور ان کا فائدہ یہ ہے کہ یہ تمام اعضاء کو سیراب کرتی ہیں اس خون کے ذریعے جو جگر سے تعلق رکھتا ہے۔[1]

توجب یہ معلوم ہوا کہ یہ خون تمام اندا موں، دماغ اور معدہ کو پہنچتا ہے، تو دوائی بھی اسی ذریعے سے پہنچتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ رگ میں انجکشن لگنے سے بھی دوائی معدہ تک پہنچتی ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ آج کل بڑے قیمتی اور طاقت والے انجکشن باآسانی دستیاب ہیں جن کا ایک انجکشن لگانے سے کھانے اور پینے کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ اگر یہ فتویٰ دے دیا جائے کہ رگ میں انجکشن لگنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا تو مالدار اور سرمایہ دار لوگ روزہ کی حالت میں بھی طاقت کے انجکشن لگائیں گے جس سے ان کو نہ بھوک لگے اور نہ ہی پیاس محسوس ہوگی۔

حاصل یہ ہوا کہ جو روزہ کا مقصد ہے وہ فوت ہو جائے گا تو لہٰذا اللہ تعالیٰ سے خوف رکھنا چاہیئے کہ غلط فتویٰ نہ دیا جائے۔ اور رطب دوائی کا پہنچنا یہ تو یقیناً منفذ معتاد کے ساتھ ہو جیسا کہ منہ، شرمگاہ وغیرہ۔ اور غیر معتاد جیسے کہ انجکشن منفذ بن جائے۔ جیسے کہ یہ مسئلہ کفایۃ شرح ہدایۃ میں مذکور ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسام کے ذریعے اگر کوئی شے جسم میں داخل ہو جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

جیسے کہ یہ عبارت شامی میں مذکور ہے:

لانہ اثر داخل المسام و المفطر انما ھو الداخل من المنافذ، اھ۔

پس اس کا جواب یہ ہے کہ منفذ کو قیاس کرنا مسام پر صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ مسام میں عین دواء داخل نہیں ہوتی بلکہ اس کا اثر داخل ہوتا ہے، اور انجکشن کے ذریعے عین دواء داخل ہوتی ہے۔[2]

جیسے کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعہ میں ذکر ہے:

وصول شئي الی المعدۃ مفسد اذا وصل الی المعدۃ من منفذ فلا یفسد الصوم بسریان الزیت و نحوہ من المسام، اھ۔

کسی چیز کا معدہ کی طرف پہنچنا مفسد صوم ہے جب وہ منفذ کے ذریعے معدہ تک پہنچ جائے۔ اور روزہ نہیں ٹوٹتا تیل کے مسام کے ذریعے داخل ہونے سے۔

اور انجکشن پیٹ کی شہوات کو ختم کرنے والا بھی ہوتا ہے۔ چاہیئے کہ اس سے کفارہ بھی لازم ہو جائے، کیونکہ لوگ پھر اس کو عادت بنا کر رمضان المبارک میں انجکشن لگائیں گے۔ جیسے کہ یہ بات مشہور ہے کہ ہندوستان میں ایک ہندو نے تقریباً بیس یا

---

[1] (قانونچہ، ص ۲۶)

[2] (شامی، ج ۲، کتاب الصوم)

تیس دن خلوت میں بیٹھ کر نہ کچھ کھایا اور نہ ہی پیا۔ اور وہ انجکشن لگاتا تھا۔ تو معلوم ہوا کہ انجکشن لگانے سے خوراک کی حاجت نہیں رہتی۔ اس وجہ سے حقانی علماء کرام فتویٰ دیتے ہیں کہ انجکشن کے ذریعے روزہ ٹوٹتا ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔

اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ نسوار سے روزہ نہیں ٹوٹتا، یہ بات بھی غلط ہے۔ اس لئے کہ منہ میں نمک ڈالنا روزہ خراب کر دیتا ہے، اور نسوار میں تو اس کا اثر دماغ تک چلا جاتا ہے، چاہیئے تو یہ کہ اس پر کفارہ لازم ہو جائے۔

ہر وہ چیز جو دافع شہوات بطن ہو اور نافع بھی ہو تو اس سے کفارہ بھی لازم ہوتا ہے۔

جیسا کہ یہ مسئلہ شامی، جلد ۲ میں مذکور ہے۔

واللہ اعلم بالصواب!

(۱۰۶) مسئلہ نمبر ایک سوچھ: انجکشن کا بیان

انجکشن کے ذریعے بدن میں دوا یا غذا پہنچانے کا یہ طریقہ نہ عہد رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں تھا نہ ائمہ مجتہدین کے زمانے میں یہ طریقہ سامنے آیا نہ قدیم فقہاء کے دور میں یہ طریقہ ایجاد ہوا تھا بلکہ انجکشن کا یہ طریقہ بعد میں ماضی قریب کی ایجاد ہے۔ اس لئے اس نئے مسئلے کا واضح حکم نہ حدیث میں مل سکتا ہے نہ قدیم فقہاء کی ذکر کردہ جزئیات اور مسائل میں البتہ اصول فقہ کے قواعد ونظائر اور قدیم فقہاء کے ذکر کردہ جزئیات و مسائل کو سامنے رکھ کر اس مسئلہ کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔

الحمد للہ علمائے اسلام نے دوسرے جدید مسائل کے حل کی طرح اس اہم مسئلہ کے حل میں بھی بڑی عرق ریزی کے ساتھ کوشش کی ہے لیکن یہ مسئلہ چونکہ ایسا تھا کہ شرعی دلائل کی بنیاد پر اس میں دورائے ہو سکتی تھیں اس لئے عصر حاضر کے بڑے بڑے متبحرّ متقی اور جلیل القدر علماء کے درمیان اس مسئلہ کے بارے میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے اور ایسے مسائل جن میں دورائے ہو سکتی ہیں ان میں مخلصین اور سمجھداروں کی رائے میں اختلاف کا ہونا ایک فطری بات ہے اور مسائل میں علماء کا اس طرح کا اختلاف جس میں تفرقہ، پارٹی بازی اور لڑنے جھگڑنے سے پرہیز کیا جائے، امت کے لئے باعث رحمت اور آسانی کا سبب بنتا ہے اس مختصر تمہید کے بعد اب یہ معلوم کرنا چاہیں گے کہ انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

کیا انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

انجکشن لگوانے کے بارے میں بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ گوشت میں انجکشن لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا البتہ عروق اور رگ میں انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ

کسی بھی انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا خواہ رگ میں لگایا جائے یا گوشت میں، خواہ اس کے ذریعے بدن میں دوا پہنچائی جائے یا غذا بہر حال روزہ قائم رہتا ہے۔

انجکشن لگوانے سے روزہ نہ ٹوٹنے کے دلائل

جو علمائے کرام انجکشن لگوانے سے روزہ نہ ٹوٹنے کے قائل ہیں وہ اپنی رائے کے حق میں جو دلائل پیش کرتے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ کتب فقہ میں صراحت کے ساتھ یہ حکم موجود ہے کہ اگر کوئی روزہ دار ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کرے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ غسل کا یہ اثر اور ٹھنڈک مسامات کے ذریعے بدن میں پہنچ جاتی ہے۔

۲۔ فقہ کی کتابوں میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ اگر کسی روزہ دار نے اپنی آنکھوں میں دوا ڈالی یا سرمہ لگایا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اگرچہ وہ اس دوائی یا سرمہ کا مزہ بھی حلق میں محسوس کرے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ مزہ یا رنگ مسامات کے ذریعے پہنچتا ہے۔

۳۔ سانپ بچھو وغیرہ زہریلے جانور اپنے نیش اور ڈنگ کے ذریعے اپنا زہر بدن میں داخل کرتے ہیں اور وہ زہر بدن کے اندر یقینی طور پر پہنچ جاتا ہے اور اس کا اثر بھی اکثر بدن کے اندر سرایت کر جاتا ہے مگر اس سے بالاتفاق روزہ نہیں ٹوٹتا اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ زہریلے جانور کا یہ زہر مسامات کے ذریعے بدن میں پہنچتا ہے۔

۴۔ روزہ اس وقت ٹوٹ جاتا ہے جب کوئی غذا یا دوا کسی اصلی منفذ (یعنی قدرتی سوراخ) کے ذریعے معدہ میں پہنچ جائے اور دماغ کے بارے میں بھی فقہاء نے جو یہ لکھا ہے کہ جب دماغ تک کوئی غذا یا دوا پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ دماغ سے ایک قدرتی منفذ یعنی سوراخ معدہ کو گیا ہے اور جو چیز بھی دماغ کو پہنچ جاتی ہے تو وہ اس منفذ کے ذریعے معدہ میں پہنچ جاتی ہے اور انجکشن کے ذریعے جو دوا بدن میں داخل کی جاتی ہے اس کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ وہ معدہ کو پہنچتی بھی ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ معلوم ہو بھی جائے کہ وہ دوا یا غذا معدہ میں پہنچ جاتی ہے تو پھر بھی وہ کسی اصلی منفذ یعنی قدرتی سوراخ کے ذریعے معدہ تک نہیں پہنچتی۔ بلکہ ڈاکٹروں کی تحقیق سے اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ دوا یا غذا مسامات اور رگوں کے ذریعے بدن میں پہنچتی ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ جیسا کہ غسل کے ذریعے ٹھنڈک حاصل کرنے یا آنکھ میں سرمہ اور دوا ڈالنے یا بچھو وغیرہ کے ڈسنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جن علمائے کرام کے نزدیک انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا ان کے نزدیک روزہ فاسد ہونے کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی غذا یا دوا وغیرہ معدہ یا دماغ میں پہنچ جائے۔ دوسرا یہ کہ یہ دوا وغیرہ کا پہنچنا بھی بدن کے قدرتی سوراخوں جیسے منہ، حلق، ناک اور کان وغیرہ کے ذریعے ہو۔ ان دونوں شرائط پر

بعض فقہاء کی تصریحات بھی موجود ہیں۔[1] اور وہ ان شرائط کو صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔[2] لیکن صحیح یہ ہے کہ صاحبین نے ان شرائط کی تصریح نہیں فرمائی بلکہ "آمّہ اور جائفہ" جیسے مسائل سے بعض فقہاء نے یہ سمجھ لیا ہے کہ صاحبین کے نزدیک روزہ ٹوٹنے کے لئے ضروری یہ ہے کہ دوا یا غذا قدرتی سوراخوں کے ذریعے بدن میں داخل ہو۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک قدرتی راہ اور سوراخ ضروری نہیں بلکہ ان کے نزدیک جس راہ اور جس طریقے سے بھی دوا یا غذا بدن میں پہنچ جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے حالانکہ یہ انتساب صحیح نہیں جیسا کہ آنے والے بیان سے انشاء اللہ اس بات کی وضاحت ہو جائے گی۔ بلکہ اگر یقین سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ غذا یا دوا بدن کے اندر پہنچ گئی خواہ وہ قدرتی سوراخوں کے ذریعے پہنچے یا کسی مصنوعی سوراخ سے تو سب کے نزدیک اس سے بالاتفاق روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد ہو جانے کے دلائل

جن علماء کے نزدیک انجکشن سے روزہ فاسد ہوتا ہے اور انہوں نے اپنی اس رائے کے حق میں جو دلائل لکھے ہیں نیز وہ دلائل جو اس رائے کے حق میں فقہ کی کتابوں کے مطالعہ سے ذہن میں آتے ہیں ان کو اختصار کے ساتھ آسان لفظوں میں یہاں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں تاکہ عام مسلمانوں کے لئے بھی اس کا سمجھنا آسان ہو۔

انجکشن لگوانے کے باوجود روزے کا قائم رہنا مقصدِ روزہ کے خلاف ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے روزہ کی حکمت اور اس کا ثمرہ تقویٰ بیان فرمایا ہے اور تقویٰ کی حقیقت اس وقت پیدا ہو سکتی ہے کہ جب روزہ دار کچھ مجاہدہ اور نفس کے ساتھ مقابلہ کرے مثلاً اگر اس کو بھوک پیاس لگی ہو اور اس کے سامنے غذا وغیرہ اور حلال پاک سامان بھی موجود ہو مگر پھر بھی وہ اس لئے نہیں کھاتا پیتا کہ اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے کیونکہ کھانے پینے

---

[1] وما وَصَلَ إِلَى الْجَوْفِ أو إِلَى الدِّمَاغِ من الْمَخَارِقِ الْأَصْلِيَّةِ كَالْأَنْفِ وَ الْأُذُنِ۔۔۔فَسَدَ صَوْمُهُ أَمَّا إذَا وَصَلَ إِلَى الْجَوْفِ فَلَا شَكَّ فيه لِوُجُودِ الْأَكْلِ من حَيْثُ الصُّورَةِ وَكَذَا إذَا وَصَلَ إِلَى الدِّمَاغِ لأن له منفذا إِلَى الْجَوْفِ فَكَانَ بِمَنْزِلَةِ زَاوِيَةٍ من زَوَايَا الْجَوْفِ۔ (بدائع الصنائع، ج۲، ص ۹۳)

وفی البحر لِأَنَّ الِادِّهَانَ غَيْرُ مُنَافٍ لِلصَّوْمِ لعدم وُجُودِ الْمُفْطِرِ صُورَةً وَمَعْنًى وَ الدَّاخِلُ من الْمَسَامِّ لَا من الْمَسَالِكِ فَلَا يُنَافِيهِ كما لو اغْتَسَلَ بِالْمَاءِ الْبَارِدِ وَوَجَدَ بَرْدَهُ۔ (البحر الرائق، ج۲، ص ۲۷۳)

[2] وَأَمَّا ما وَصَلَ إِلَى الْجَوْفِ أو إِلَى الدِّمَاغِ عن غَيْرِ الْمَخَارِقِ الْأَصْلِيَّةِ بِأَنْ دَاوَى الْجَائِفَةَ وَ الْآمَةَ۔۔۔وَعِنْدَهُمَا لَا يُفْسِدُهُمَا اعْتَبَرَا الْمَخَارِقَ الْأَصْلِيَّةَ لِأَنَّ الْوُصُولَ إِلَى الْجَوْفِ من الْمَخَارِقِ الْأَصْلِيَّةِ مُتَيَقَّنٌ بِهِ وَمِنْ غَيْرِهَا مَشْكُوكٌ فيه فَلَا نَحْكُمُ بِالْفَسَادِ مع الشَّكِّ۔ (بدائع الصنائع، ج۲، ص ۹۳)

وفی الکفایة ناقلًا عن الایضاح "وما وصل الی الجوف او الی الدماغ من غیر المخارق المعتاد نحو ان یصل من جراحة فانه یفطر عند ابی حنیفة رحمة اللہ تعالیٰ علیه وقالا لا یفطر لان الصوم هو الامساک انما یقع عن المخارق المعتاد و ما لیس بمعتاد لا یعد امساکًا و ابو حنیفة رحمه اللہ تعالیٰ یعتبر الوصول"۔ (الکفایة، فتح القدیر، ج۲، ص ۲۶۶، ۲۶۷)

وغیرہ سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے تو ایسا شخص جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں حلال چیزوں سے پرہیز کرتا ہے تو وہ یقیناً دائمی حرام چیزوں سے بطریق اولیٰ پرہیز کرے گا۔

اب اگر انجکشن کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا تو جب بھی کسی کو بھوک یا پیاس ستائے گی تو وہ ڈرپ کے ذریعے بدن کو غذا پہنچا کر بھوک کو مٹائے گا اگر تھوڑا سا بدن یا سر میں درد ہو تو وہ اس کے لئے درد کا انجکشن لگوائے گا اور اگر کوئی شخص نشہ کا عادی ہو تو وہ روزہ کی حالت میں نشہ آور انجکشن لگائے گا۔ اس طرح تو روزہ میں نہ کوئی مجاہدہ اور ریاضت ہوگی اور نہ کوئی روزہ دار روزہ کی حالت میں نشہ کو چھوڑے گا اور نہ اس سے تقویٰ پیدا ہوگا لہٰذا انجکشن مقصد روزہ کے خلاف ہے اس لئے اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

انجکشن معنوی کھانا پینا ہے

کھانا پینا تین طرح کا ہوتا ہے۔ اس کی ایک قسم صوری اور معنوی ہے، دوسری قسم صرف صوری ہے، تیسری قسم صرف معنوی ہے۔

کھانے پینے کی صوری و معنوی قسم یہ ہے کہ کوئی غذا یا دوا منہ سے کھائی یا پی جائے اور وہ معدہ میں پہنچ کر وہاں قرار پکڑ لے۔ اور صرف صوری کھانے پینے سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز کھا پی لی جائے جو بدن کے لئے نہ مفید ہو اور نہ روزہ دار کے لئے لذت بخش۔ مثلاً کوئی کنکر وغیرہ جیسی چیز منہ کی راہ سے کھا پی لے اور معدہ میں پہنچ جائے اور وہاں قرار پکڑ لے اور صرف معنوی کھانے پینے کا مطلب یہ ہے کہ بدن کے لئے مفید یا روزہ دار کو لذت بخش چیز حلق کے علاوہ کسی دوسری راہ خواہ وہ قدرتی سوراخ ہو یا مصنوعی انسان کے بدن میں اس طرح داخل کی جائے کہ وہ اس میں چھپ جائے اور جلدی نکلنے کا احتمال نہ ہو مثلاً کان وغیرہ کے ذریعے سے یا کسی گہرے زخم کے ذریعے دوا بدن کے اندر داخل کی جائے۔ ان تینوں صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ البتہ کفارہ صرف صوری اور معنوی طور پر کھانے پینے سے لازم ہوگا۔ صرف صوری یا صرف معنوی کھانے پینے سے صرف قضا لازم آتی ہے اور انجکشن معنوی قسم میں داخل ہے، اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے بدن کے اندر غذا یا دوا یا کسی نشہ آور چیز کو داخل کیا جاتا ہے۔ جس سے نشہ کا عادی اس سے لذت اور عارضی قوت و نشاط حاصل کرتا ہے یا وہ بدن کے لئے مفید ہوتی ہے۔

انجکشن سے کھانے پینے، دوا یا غذا کا مقصد حاصل ہوتا ہے

شریعت اسلامی میں صرف الفاظ اور صورت کا اعتبار نہیں بلکہ معانی اور مقاصد کا بھی بڑا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ مثلاً روزے کے کچھ مسائل ایسے ہیں جو بظاہر ایک قسم کے معلوم ہوتے ہیں مگر معانی اور مقاصد کے لحاظ کی وجہ سے ان کے احکام مختلف ہوتے ہیں اس کی چند مثالیں یہ ہیں:

۱۔ اگر کوئی کان میں تیل ٹپکا دے تو اس سے بالاتفاق روزہ ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ اس سے بدن کی اصلاح مقصود ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اگر کسی نے قصداً کان میں پانی ڈال دیا تو اس میں علماء کا اختلاف ہے اور بہت سے علماء کے نزدیک اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

۲۔ اگر کوئی شخص عام مٹی کھائے تو اس سے صرف قضا لازم آتی ہے، کفارہ واجب نہیں۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص ارمنی مٹی یا وہ مٹی کھائے جس کے کھانے کی اسے عادت ہے تو کفارہ لازم ہوتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ پہلی قسم کے کھانے سے مقصود بدن کی اصلاح یا لذت نہیں جبکہ دوسری قسم میں بدن کو مزہ حاصل ہوتا ہے۔

۳۔ اگر کسی نے لعاب تھوک کر چاٹا یا کسی دوسرے کا تھوک نگل گیا تو صرف قضا واجب ہے کفارہ لازم نہیں۔ لیکن اگر کسی شخص نے اپنے محبوب کے تھوک کو چاٹ لیا یا کسی بزرگ شخصیت کے تھوک کو چاٹا تو کفارہ لازم ہو گا۔ کیونکہ پہلی صورت سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا جبکہ دوسری صورت میں لذت وغیرہ جیسا مقصد حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح بہت سی مثالیں صرف روزے کے مسائل میں ملتی ہیں جن میں بظاہر ایک قسم کے مسائل کے احکام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

اس اختلاف کی وجہ معنی و مقصد کا حاصل ہونا یا نہ ہونا ہے لہٰذا انجکشن لگانے سے بھی بدن کی اصلاح یا نشہ کی لذت مقصود ہوتی ہے اس لئے اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

بدن کے اندر غذا یا دوا کسی بھی طریقے سے پہنچ جائے اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

کتب فقہ میں یہ بات بھی صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک روزے کے فاسد ہونے کے لئے صرف اتنی بات ضروری ہے کہ کوئی غذا یا دوا وغیرہ بدن کے اندر کسی طرح بھی پہنچائی جائے اور وہ بدن میں ٹھہر جائے خواہ وہ غذا یا دوا کسی اصلی منفذ اور قدرتی سوراخ کے ذریعے پہنچائی جائے یا کسی مصنوعی طریقے اور سوراخ کے ذریعے سے۔

لٰہذا ان کے نزدیک روزے کے ٹوٹنے کا دارومدار صرف غذا یا دوا کے پہنچنے پر ہے۔[1] یہ تو ظاہر ہے کہ انجکشن کے ذریعے معدہ بلکہ پورے بدن میں دوا اور غذا پہنچائی جاتی ہے۔

روزہ فاسد ہونے کے لئے ضروری نہیں کہ کھانا پینا خِلقی اور قدرتی سوراخوں کے ذریعے بدن میں داخل ہو

فقہ کی کتابوں میں آمہ اور جائفہ یعنی کھوپڑی اور پیٹ کے زخم کی دوا کے متعلق حکم صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ اگر اس کے بارے میں یہ علم ویقین ہو جائے کہ ان زخموں کے ذریعے دوا پیٹ یا دماغ کے اندر پہنچ گئی ہے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے خواہ زخم پر ڈالی گئی دوا خشک ہو یا تر۔ البتہ اگر دوا کا پہنچنا غیر یقینی ہو تو ایسی صورت میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر دوا خشک ہے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا کیونکہ خشک دوا زخم کے منہ میں رہتی ہے اور تر دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں غالب احتمال یہی ہے کہ وہ دوا اندر پہنچ جاتی ہے۔ حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تک غیر یقینی صورت ہو خواہ دوا تر ہو یا خشک۔ کسی صورت میں بھی روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ ایسی صورت میں غذا اور دوا وغیرہ کے پہنچنے میں تردد اور شک ہوتا ہے کہ یہ دوا وغیرہ اندر پہنچی ہے یا نہیں اور شک کی بنیاد پر روزہ نہیں ٹوٹتا۔

خلاصہ یہ کہ آئمہ ثلاثہ حضرت امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ جب یہ یقین اور علم حاصل ہو جائے کہ وہ اندر کو پہنچ گئی خواہ دوا یا غذا منہ و حلق وغیرہ کسی قدرتی سوراخ کے ذریعے پہنچ جائے یا کسی زخم وغیرہ کے ذریعے اس سے بہر حال روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔[2] اور یہ تو ظاہر ہے کہ انجکشن کے ذریعے سے دوا یقینی طور پر سرعت کے ساتھ پورے بدن کے اندر پہنچ جاتی ہے لٰہذا انجکشن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

---

[1] قال العلامة شمس الدين السرخسی رحمة اللّٰہ تعالیٰ علیه وأبو حنيفة - رحمه الله تعالى - يقول: المفسد للصوم وصول المفطر إلى باطنه فالعبرة للواصل لا للمسلک۔ (المبسوط للسرخسی، ج۳، ص ۶۸، الناشر: دار المعرفة - بيروت)

وقال ايضًا وأكثر مشايخنا - رضي الله عنهم - أن العبرة بالوصول، الخ۔ (المبسوط للسرخسی، ج۳، ص ۶۸، الناشر: دار المعرفة - بيروت)

وفی العناية واکثر مشايخنا على ان العبرة للوصول، الخ۔ (العناية بهامش فتح القدير، ج ۲، ص ۲۶۶)

[2] ولو داوى جائفة أو آمة بدواء فوصل إلى جوفه أو دماغه أفطر عند أبي حنيفة رحمه الله والذي يصل هو الرطب وقالا لا يفطر لعدم التيقن بالوصول لانضمام المنفذ مرة واتساعه أخرى كما في اليابس من الدواء، الخ۔ (الهداية شرح البداية، ج ۱، ص ۱۲۵، الناشر المكتبة الإسلامية)

وقال ابن الهمام وَحِينَئِذٍ فَلَا تَحْرِيرَ فِي الْعِبَارَةِ لِأَنَّهُ بَعْدَ أَنْ أَخَذَ الْوُصُولَ فِي صُورَةِ الْمَسْأَلَةِ يَمْتَنِعُ نَقْلُ الْخِلَافِ فِيهِ، وَإِذًا لَا خِلَافَ فِي الْإِفْطَارِ عَلَى تَقْدِيرِ الْوُصُولِ، إنَّمَا الْخِلَافُ فِيمَا إذَا كَانَ الدَّوَاءُ رَطْبًا فَقَالَ: يُفْطِرُ لِلْوُصُولِ عَادَةً، وَقَالَا: لَا لِعَدَمِ الْعِلْمِ بِهِ۔ (فتح القدير، ج ۲، ص ۲۶۷)

وفی الدر المختار: فوصل الدواء حقيقة إلى جوفه ودماغه، الخ۔ (الدر المختار، ج ۲، ص ۴۴۲)

وفی رد المحتار: أَشَارَ إلَى أَنَّ مَا وَقَعَ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ مِنْ تَقْيِيدِ الْإِفْسَادِ بِالدَّوَاءِ الرَّطْبِ مَبْنِيٌّ عَلَى الْعَادَةِ مِنْ أَنَّهُ يَصِلُ وَإِلَّا فَالْمُعْتَبَرُ حَقِيقَةُ الْوُصُولِ، حَتَّى لَوْ عَلِمَ وُصُولَ الْيَابِسِ أَفْسَدَ أَوْ عَدَمَ وُصُولِ الطَّرِيِّ لَمْ يُفْسِدْ وَإِنَّمَا الْخِلَافُ إذَا لَمْ يَعْلَمْ يَقِينًا فَأَفْسَدَ بِالطَّرِيِّ حُكْمًا بِالْوُصُولِ نَظَرًا إلَى الْعَادَةِ وَنَفَيَاهُ۔ (كذا فی الفتح (رد المحتار، ج ۲، ص ۴۰۲)

ایک اشکال کا جواب

اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ پیٹ یا دماغ کے زخم میں دوا تو براہ راست معدہ یا دماغ میں پہنچ جاتی ہے اور انجکشن میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ وہ تو خون میں مل کر بدن اور معدہ میں پہنچتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ اشکال ہی درست نہیں کہ پیٹ کے زخم سے مراد صرف وہی زخم ہے جو معدہ تک پہنچ گیا ہو اگر بالفرض اس سے ایسا زخم مراد لیا جائے تو پھر بھی اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ جب وہ دوا بغیر کسی اختلاط کے بدن اور معدہ میں پہنچ جائے تو پھر اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے ورنہ نہیں۔ اور اگر اس سے یہ مراد لیا جائے پھر تو یہ مسئلہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صاحبین کے درمیان اختلافی نہ رہتا، بلکہ سب کے نزدیک بالاتفاق روزہ ٹوٹ جاتا۔ اختلاف اس لئے پیدا ہوا کہ صاحبین کے نزدیک اس زخم کے ذریعے معدہ یا دماغ میں دوا کا پہنچنا مشکوک ہے۔ بلکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی خشک اور تر دوا میں اس لئے فرق کرتے ہیں کہ خشک دوا اندر جانے کی بجائے زخم کی رطوبت کو گاڑھا اور جمع کر لیتی ہے اور زخم کو خشک کر کے اس کے منہ کو بند کر دیتی ہے اور تر دوا کے بارے میں یہ غالب گمان ہوتا ہے کہ وہ زخم کے اندر خون یا پیپ وغیرہ کی رطوبت کے ساتھ مل کر معدہ میں پہنچ جاتی ہے جیسا کہ اس کی پوری وضاحت کتب فقہ میں موجود ہے۔[1]

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ کسی دوا کے بارے میں جب یہ غالب گمان ہو جائے کہ وہ خون وغیرہ میں خلط ملط ہو کر بدن کے اندر پہنچ گئی تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو انجکشن کے ذریعے جو غذا یا دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے اس سے تو بالاتفاق روزہ ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ انجکشن کے ذریعے تو یقینی طور پر دوا بدن کے اندر پہنچائی جاتی ہے۔

کھانے پینے کی قدرتی اور فطری راہ صرف ایک ہی ہے اور وہ حلق ہے

بدن کے اندر رگوں، نسوں کا معلوم کرنا یا ان قدرتی راہوں کو معلوم کرنا جو معدہ کو پہنچتی ہیں یا کسی چیز کا معدہ وغیرہ میں پہنچنا یہ تمام امور ایسے ہیں جن کا تعلق بدن کے علم و تجربہ اور مشاہدہ سے ہے اور اس میں ماہرین فن کے تجربہ اور مشاہدہ کو معتبر مانا جاتا ہے۔[2]

---

[1] قال العلامة شمس الدين السرخسی رحمة اللہ تعالیٰ علیه: فاليابس إنما يستعمل في الجراحة لاستمساك رأسها به فلا يتعدى إلى الباطن، والرطب يصل إلى الباطن عادة فلهذا فرق بينهما والدليل على أن العبرة لما قلنا أن اليابس يترطب برطوبة الجراحة، الخ۔ (المبسوط للسرخسی، ج ۲، ص ۶۸)

وفی الهداية: وَلَهُ أَنَّ رُطُوبَةَ الدَّوَاءِ تَلَاقِي رُطُوبَةَ الْجِرَاحَةِ فَيَزْدَادُ مَيْلًا إلَى الْأَسْفَلِ فَيَصِلُ إلَى الْجَوْفِ، بِخِلَافِ الْيَابِسِ لِأَنَّهُ يُنَشِّفُ رُطُوبَةَ الْجِرَاحَةِ فَيَنْسَدُّ فَمُهَا۔

(الهداية شرح البداية، ج ۱، ص ۱۲۵)

[2] مرد کے آلہ تناسل میں دوا، تیل وغیرہ ٹپکانے کی بحث میں صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ:

”وهذا ليس من باب الفقه“۔

لہٰذا اہل فن یعنی علم الابدان کے ماہرین بلکہ تجربہ سے یہ بات معلوم ہے کہ معدہ میں دوا یا غذا کے پہنچنے کی فطری اور قدرتی راہ صرف ایک ہی ہے اور وہ حلق ہے عام طور پر منہ کے دروازے سے ہی کوئی چیز حلق کے اندر چلی جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ضرورت کے تحت حلق میں کسی چیز کے داخل ہونے کے لئے ایک ایمر جنسی قدرتی راہ ناک کے سوراخ کو بنایا ہے جس کے ذریعے حلق میں براہ راست کوئی چیز پہنچ سکتی ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسری قدرتی راہ اور سوراخ سے معدہ میں کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی یہاں تک کہ ستر کے مقامات سرین اور شرمگاہ کی راہ سے بھی کوئی چیز خود بخود اوپر جاکر معدہ میں نہیں پہنچ سکتی۔ کیونکہ نیچے کے راستے قدرت نے فضلہ خارج ہونے کے لئے بنائے ہیں اور ان راہوں سے پیشاب، پاخانہ خارج ہوتا ہے اور معدہ اور جائے پاخانہ کے درمیان اوپر سے نیچے تک کافی فاصلہ ہے، پھر ان دونوں کے درمیان پیچ در پیچ انتڑیاں ہیں اور وہ بھی فضلہ سے بھری رہتی ہیں، اور اوپر سے اس کا بھی دباؤ ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں ایک قطرہ تیل یا پانی یا انگلی کی تری کا خود بخود معدہ میں پہنچنا صرف مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ حالانکہ کتب فقہ میں یہ بات صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ ان ستر کے مقامات میں تر انگلی یا روئی وغیرہ کا پھنبہ داخل کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور انجکشن کے ذریعے تو دوا کا صرف اثر نہیں بلکہ خود دوا کے اجزاء پورے بدن میں سرایت کرتے ہیں اور معدہ میں بھی پہنچتے ہیں تو اس سے روزہ فاسد ہو جانے میں کیا شک رہ جاتا ہے۔ واللہ اعلم!

روزہ ٹوٹنے کے لئے ضروری نہیں کہ دوا معدہ یا دماغ میں پہنچے

فقہ کی کتابوں سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ دوا وغیرہ کا معدہ اور دماغ میں پہنچنا ضروری نہیں بلکہ روزہ دار جب کسی کو بدن کے اندر داخل کر دے اور وہ چیز بدن کے اندر ٹھہر بھی جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

اس سے متعلق چند مسائل کو بطور نمونہ پیش کر دیتا ہوں:

(الف) اگر کسی عورت نے مخصوص عضو میں روئی کا پھایہ سار کھا اور وہ فرجِ داخل میں پہنچ گیا تو فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا۔

اور اس کی تشریح میں صاحب عنایہ لکھتے ہیں:

ای فقہ الشریعۃ بل یرجع الی معرفۃ فقہ الطب"۔

اور ابن الھمام اس عضو کی بحث میں لکھتے ہیں:

"یفید انہ لا خلاف لو اتفقوا علی تشریح ھذا العضو"۔ (دیکھئے فتح القدیر، ج ۲، ص ۲۶۷)

(ب) اگر کسی وسوسے والے شخص نے استنجاء کے وقت پانی سے تر انگلی کو اندر داخل کیا تو اس کا روزہ ٹوٹ گیا۔[1] حالانکہ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ان مذکورہ دونوں صورتوں میں انگلی کی تری یا پھایہ تو معدہ میں کسی طرح بھی نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن پھر بھی ان چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ حالانکہ ایسی صورت میں ان چیزوں سے کوئی غذائیت حاصل ہوتی ہے نہ لذت، نہ یہ معدہ کو پہنچتی ہیں، نہ دماغ کو پھر بھی اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو آخر انجکشن جس کے ذریعے غذا بھی بدن کو پہنچائی جاتی ہے اور دوا بھی بلکہ اس کے ذریعے غذا یا دوا صرف معدہ اور دماغ میں نہیں بلکہ پورے بدن میں پہنچتی ہے تو اس سے روزہ کیونکر نہیں ٹوٹتا؟۔

دشوار ترین اور غیر مشکل امور میں فرق

شریعت اسلامیہ دشوار ترین اور غیر دشوار مسائل کے احکام میں بھی فرق کرتی ہے اور جن چیزوں سے عادۃً بچنا انتہائی مشکل ہے اور جن سے بچنا مشکل نہیں ان دونوں کے مسائل کے احکام میں بھی فرق کرتی ہے۔ اور روزے کی ایک ہی نوع کے بہت سے مسائل میں یہی فرق فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

ہم یہاں چند ایسی مثالوں کو بطور نمونہ پیش کرتے ہیں جو کتب فقہ میں صراحت کے ساتھ موجود ہیں اور وہ معروف و مشہور مسائل بھی ہیں:

۱۔ دھواں یا غبار حلق میں جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ ان چیزوں سے عادتاً بچنا انتہائی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو آٹا پیسنے، آٹا چھاننے یا غلہ صاف کرنے کی بھی ضرورت پڑتی ہے اور روٹی وغیرہ پکانے اور آگ جلانے کی ضرورت بھی، اور ظاہر ہے کہ ایسی صورتوں میں دھواں یا گرد و غبار سے بچنا انتہائی مشکل اور دشوار ہے۔ اس لئے شریعت میں یہ معاف ہے اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اس کے برعکس اگر کسی نے اگربتی وغیرہ کے دھویں کو ناک سے کھینچا تو روزہ جاتا رہا بلکہ اگر سگریٹ اور حقہ پیا تو کفارہ بھی لازم آئے گا کیونکہ اس سے بچنا کوئی دشوار نہیں۔

۲۔ غسل کرتے وقت خود پانی کان کے اندر چلا گیا تو اس سے بالاتفاق روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگر کسی روزہ دار نے خود اپنے فعل سے پانی کو کان میں ٹپکا دیا تو اس سے بعض فقہاء کے نزدیک روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کی وجہ وہ یہی بتاتے ہیں کہ پہلی صورت میں بچنا دشوار ہے جبکہ دوسری صورت میں بچنا کوئی مشکل نہیں۔

---

[1] وفي الإقطار في الأذن لم يشترط محمد رحمه الله الوصول إلى الدماغ حتى قال مشياخنا: إذا غاب في أذنه كفى ذلک لوجوب القضاء، وبعضهم شرطوا الوصول۔ (المحيط البرهانی، ج۲، ص۵۵۷)

وفيه ايضًا إذا رمت المرأة القطنة في قبلها إن انتهت إلى الفرج الداخل، وهو رحمها انتقض صومها، لأنه تم الدخول۔ (المحيط البرهانی، ج۲، ص۵۵۷)

وفی الدر المختار: (أو أدخل أصبعه اليابسة فيه) أي دبره أو فرجها ولو مبتلة فسد۔ وفی رد المحتار لِبَقَاءِ شَيْءٍ مِنْ الْبِلَّةِ فِي الدَّاخِلِ، الخ۔ (رد المحتار، ج۲، ص۹۹)

۳۔ اگر مکھی اڑ کر حلق میں چلی گئی تو روزہ باقی ہے۔ لیکن اگر منہ کے اندر گئی اور قصداً نگلی تو روزہ جاتا رہا۔[1]

۴۔ آنسو کے ایک دو قطرے منہ میں چلے گئے یا چہرے سے ایک دو قطرے پسینے کے منہ میں چلے گئے اور انہیں نگل گیا تو ایسی صورت میں روزہ باقی رہا کیونکہ اس قدر عام اور معمولی چیزوں سے بچنا دشوار ہے اگر اس سے زیادہ مقدار میں آنسو یا پسینہ منہ میں چلا گیا اور نگل گیا کہ اس کی نمکینی پورے منہ میں محسوس ہوئی تو روزہ جاتا رہا کیونکہ اس سے بچنا دشوار نہیں۔ اسی طرح اگر آنسو یا پسینے کا ایک قطرہ قصداً منہ میں ڈال کر نگل لیا تو روزہ جاتا رہا۔[2]

۵۔ کلی کے وقت ضرور بالضرور کچھ نہ کچھ پانی کی تری منہ میں رہ جاتی ہے اور منہ کے لعاب کے ساتھ مل کر حلق کے اندر چلی جاتی ہے۔ چونکہ اس سے بچنا انتہائی مشکل ہے اس لئے پانی کی ایسی تری معاف ہے۔ اس کے برعکس ایک دو قطرے پانی قصداً حلق کے اندر ٹپکانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، چونکہ انجکشن لگانا ایک اختیاری امر ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ اختیاری امر سے بچنا کوئی دشوار نہیں اس لئے انجکشن کے ذریعے دوائی جسم کے اندر داخل کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

اثر و اجزاء کے حکم میں فرق

فقہ کی کتابوں میں یہ بات بھی بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ اگر کسی چیز کے اجزاء بدن کے اندر پہنچ جائیں تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اگر کسی چیز کے اجزاء بدن میں داخل نہ ہوں بلکہ صرف اس چیز کا بدن پر پڑ جائے یا اس کا اثر بدن کے اندر محسوس ہو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ مثلاً اگر کوئی روزہ دار غسل کرے یا ایئر کنڈیشن کمرے میں لیٹ جائے یا پنکھا چلائے اور اس سے جسم ٹھنڈا ہو جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی پھول کو سونگھے یا گلاب مشک وغیرہ کے عطر کو سونگھے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ ایسی صورت میں پھول یا عطر کے اجزاء بدن میں داخل نہیں ہوتے۔ بلکہ صرف خوشبو کا اثر بدن میں پہنچتا ہے۔ اس کے برعکس کسی نے اپنے فعل سے اگر بتی یا کسی اور چیز کے دھوئیں کو اپنے اندر داخل

---

[1] وفی الدر المختار أَوْ دَخَلَ غُبَارٌ أَوْ ذُبَابٌ أَوْ دُخَانٌ وَلَوْ ذَاكِرًا اسْتِحْسَانًا لِعَدَمِ إمْكَانِ التَّحَرُّزِ عَنْهُ، وَمُفَادُهُ أَنَّهُ لَوْ أَدْخَلَ حَلْقَهُ الدُّخَانَ أَفْطَرَ أَيَّ دُخَانٍ كَانَ وَلَوْ عُودًا أَوْ عَنْبَرًا لَهُ ذَاكِرًا لِإِمْكَانِ التَّحَرُّزِ عَنْهُ وفی رد المحتار أَيْ بِأَيِّ صُورَةٍ كَانَ الْإِدْخَالُ، حَتَّى لَوْ تَبَخَّرَ بِبَخُورٍ وَآوَاهُ إلَى نَفْسِهِ وَاشْتَمَّهُ ذَاكِرًا لِصَوْمِهِ أَفْطَرَ لِإِمْكَانِ التَّحَرُّزِ عَنْهُ۔۔۔۔ وَلَا يُتَوَهَّمُ أَنَّهُ كَشَمِّ الْوَرْدِ وَمَائِهِ وَالْمِسْكِ لِوُضُوحِ الْفَرْقِ بَيْنَ هَوَاءٍ تَطَيَّبَ بِرِيحِ الْمِسْكِ وَشِبْهِهِ وَبَيْنَ جَوْهَرِ دُخَانٍ وَصَلَ إلَى جَوْفِهِ بِفِعْلِهِ إمْدَادٌ وَبِهِ عُلِمَ حُكْمُ شُرْبِ الدُّخَانِ وَنَظَمَهُ الشُّرُنْبُلَالِيُّ فِي شَرْحِهِ عَلَى الْوَهْبَانِيَّةِ بِقَوْلِهِ: وَيُمْنَعُ مِنْ بَيْعِ الدُّخَانِ وَشُرْبِهِ وَشَارِبُهُ فِي الصَّوْمِ لَا شَكَّ يُفْطِرُ وَيَلْزَمُهُ التَّكْفِيرُ لَوْ ظَنَّ نَافِعًا كَذَا دَافِعًا شَهَوَاتِ بَطْنٍ فَقَرِّرُوا۔ (ردالمحتار، ج۲، ص۹۷، ۹۸)

[2] الدموع اذا دخل فم الصائم ان كان قليلاً كالقطرة و القطرتين و نحو ذک لا يفسد صومه لانه لا يمكن التحرز عنه و ان كان كثيرًا حتى وجد ملوحته فی جميع فمه۔۔۔ يفسد صومه لانه لا يمكن لا احتراز عنه و كذلک الجواب فی عرق الوجه لو دخل فم الصائم۔ (الولولجية، ج۲، ص۲۱۸)

کیا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، کیونکہ اس صورت میں دھوئیں کا اثر نہیں بلکہ خود دھوئیں کے اجزاء کو اندر داخل کر دیا۔[1] اور انجکشن کے ذریعے بھی خود دوا یا غذا کے اجزاء کو داخل کیا جاتا ہے لہٰذا اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

جن طریقوں اور راستوں سے بدن میں کوئی چیز داخل ہوتی ہے ان کے اقسام اور ان کے متعلق روزہ کے احکام کا خلاصہ

جن راستوں طریقوں اور سوراخوں کے ذریعے انسانی بدن میں کوئی چیز داخل ہوتی ہے وہ کئی قسم کے ہیں۔ اور فقہ کی کتابوں میں مختلف منافذ و مخارق یعنی سوراخوں کے متعلق مسائل روزہ کے احکام مختلف ہوتے ہیں۔ یہاں آسانی کی خاطر ان کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان میں سے تین قسمیں قدرتی منافذ و سوراخ ہیں اور ایک قسم مصنوعی ہے اب یہاں ان کی تفصیل اور ہر ایک قسم کے متعلق احکام کو پڑھ لیجئے۔

۱۔ کھانے پینے کے لئے فطری اور قدرتی راہ اور سوراخ منہ اور حلق ہے۔ اس سوراخ اور راہ سے جو چیز بھی یاد کے ساتھ قصداً بدن کے اندر داخل کی جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے خواہ وہ چیز کھانے پینے کے قابل ہو یا نہ ہو۔ خواہ وہ چیز زیادہ ہو یا تھوڑی اس سے بدن کی اصلاح مقصود ہو یا نہ ہو بہر حال اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے مثلاً روزہ یاد ہونے کے باوجود تھوڑا سا پانی پی لیا یا کنکر کھا لیا یا دھواں منہ کے اندر داخل کیا تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے بلکہ بعض صورتوں میں کفارہ بھی واجب ہوتا ہے جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

۲۔ وہ قدرتی راستے اور سوراخ جو منہ اور حلق کے علاوہ ہیں وہ ناک، کان اور ستر کے مقامات ہیں ان راستوں کے ذریعے بھی بدن کے اندر تیل پانی وغیرہ داخل ہوتا ہے اور ان راستوں میں جب تیل دوا وغیرہ کو داخل کیا جاتا ہے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ البتہ کان میں پانی قصداً ٹپکانے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک روزہ ٹوٹ جاتا ہے، بعض کے

---

[1] وفی الهداية مع العناية: وَلَوْ اكْتَحَلَ لَمْ يُفْطِرْ وَإِنْ وَجَدَ طَعْمَهُ فِي حَلْقِهِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بَيْنَ الْعَيْنِ وَالدِّمَاغِ مَنْفَذٌ فَمَا وَجَدَ فِي حَلْقِهِ مِنْ طَعْمِهِ إنَّمَا هُوَ أَثَرُهُ لَا عَيْنُهُ۔۔۔ كَمَا إذَا اغْتَسَلَ بِالْمَاءِ الْبَارِدِ فَوَجَدَ بُرُودَةَ الْمَاءِ فِي كَبِدِهِ، اه۔ (العناية بهامش فتح القدير، ج ۲، ص ۲۵۷)

وفی الدر المختار: ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر۔

ولا يتوهم أنه كشم الورد ومائه والمسک لوضوح الفرق بين هواء تطيب بريح المسک وشبهه وبين جوهر دخان وصل إلى جوفه بفعله، اه۔ (رد المحتار، ج ۲، ص ۹۷)

وایضًا فی الدر المختار: لا) يكره دهن شارب ولا كحل۔

وذكر في الإمداد أول الباب أنه يؤخذ من هذا أنه لا يكره للصائم شم رائحة المسک والورد ونحوه مما لا يكون جوهرا متصلا كالدخان، الخ۔ (رد المحتار، ج ۲، ص ۱۱۳)

وفی البدائع: وَكَذَا لو دَهَنَ رَأْسَهُ أو أَعْضَاءَهُ فَتَشَرَّبَ فيه أَنَّهُ لَا يَضُرُّهُ لِأَنَّهُ وَصَلَ إلَيْهِ الْأَثَرُ لَا الْعَيْنُ۔ (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۹۳)

نزدیک نہیں۔ جو علماء کان میں پانی ٹپکانے سے روزہ ٹوٹنے کے قائل نہیں وہ حضرات اس کی ایک وجہ بیان کرتے ہیں کہ کان میں پانی ڈالنا بدن کے لئے مفید نہیں جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے اور اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پانی عام طور پر کان کے پردوں میں جذب ہو کر اندر نہیں ٹھہرتا بلکہ باہر آجاتا ہے، اس کے برعکس تیل وغیرہ جذب ہو کر بدن کے اندر ٹھہر جاتا ہے۔ واللہ اعلم!

اسی طرح کا اختلاف مرد کے آلہ تناسل کے متعلق بھی ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مرد کے آلۂ تناسل کی نالی میں پانی نہیں ٹھہرتا بلکہ واپس گر جاتا ہے۔ واللہ اعلم!

بہرحال مذکورہ بالا دوسری قسم کے راستوں سے اگر بدن کے اندر کوئی چیز داخل کی جائے اور وہ چیز بدن کے اندر ٹھہر جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ کان اور آلۂ تناسل کی نالی میں پانی ٹپکانے کے بارے میں علماء کا جو اختلاف ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ بدن کے لئے مفید نہیں بلکہ اس کی درست وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان راہوں سے داخل ہونے والی چیز کے بارے میں یہ یقین نہیں ہوتا کہ وہ بدن کے اندر ٹھہرتی ہے یا نہیں لیکن جہاں یہ یقین ہو جائے تو وہاں صحیح یہ ہے کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔[1]

اگر ان قدرتی سوراخوں میں صلاح بدن کی قید لگائی جائے پھر تو جائے پاخانہ میں پانی داخل کرنے سے روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ اس راہ سے بدن کے لئے پانی مفید ہونے کی بجائے سخت نقصان دہ ہے۔[2]

۳۔ بدن میں تیسری قسم کے قدرتی سوراخ وہ ہیں جن کو مسام کہتے ہیں اور یہ وہ چھوٹے چھوٹے سوراخ ہیں جو بالوں کی جڑوں میں دکھائی دیتے ہیں چونکہ یہ مسام بالوں کی جڑوں کی حد تک بالکل جلد کے ابتدائی اوپر کے حصے میں ہوتے ہیں پھر انتہائی

---

[1] وفی البحر: وَأَطْلَقَ فِي الْإِقْطَارِ فِي الْأُذُنِ فَشَمِلَ الْمَاءَ وَالدُّهْنَ بِلَا خِلَافٍ أما الْمَاءُ فَاخْتَارَ الْهِدَايَةِ عَدَمَ الْإِفْطَارِ بِهِ سَوَاءٌ دخل بِنَفْسِهِ أو أَدْخَلَهُ وَصَرَّحَ الْوَلْوَالِجِيُّ بِأَنَّهُ لَا يُفْسِدُ صَوْمَهُ مُطْلَقًا على الْمُخْتَارِ مُعَلِّلًا بِأَنَّهُ لم يُوجَدْ الْفِطْرُ صُورَةً وَلَا مَعْنًى لِأَنَّهُ مِمَّا لَا يَتَعَلَّقُ "الْمُحِيطِ" وفي فَتَاوَى قاضيخان أَنَّهُ إنْ خَاضَ الْمَاءَ فَدَخَلَ أُذُنَهُ لَا يُفْسِدُ وَإِنْ صَبَّ الْمَاءَ فِي أُذُنِهِ فَالصَّحِيحُ أَنَّهُ يُفْسِدُ لِأَنَّهُ وَصَلَ إلَى الْجَوْفِ بِفِعْلِهِ وَرَجَّحَهُ الْمُحَقِّقُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ۔ وفى منحة الخالق على البحر وَالْأَوْلَى تَفْسِيرُهَا بِالْإِدْخَالِ بِصُنْعِهِ كَمَا عَلَّلَ بِهِ الْإِمَامُ قَاضِي خَانْ الْفَسَادَ بِإِدْخَالِ الْمَاءِ أُذُنَهُ بِأَنَّهُ مُوَصِّلٌ إلَيْهِ بِفِعْلِهِ فَلَا يُعْتَبَرُ فِيهِ صَلَاحُ الْبَدَنِ كَمَا لَوْ أَدْخَلَ خَشَبَةً وَغَيَّبَهَا إلَى آخِرِ كَلَامِهِ اھ۔ (البحر الرائق، ج۲، ۲۷۹)

وفى الهداية: لَوْ أَقْطَرَ فِي إحْلِيلِهِ لَمْ يُفْطِرْ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : يُفْطِرُ ، وَقَوْلُ مُحَمَّدٍ : مُضْطَرِبٌ فِيهِ فَكَأَنَّهُ وَقَعَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَوْفِ مَنْفَذًا وقال المحقق الامام بن الهمام رحمة الله تعالىٰ عليه يُفِيدُ أَنَّهُ لَا خِلَافَ لَوْ اتَّفَقُوا عَلَى تَشْرِيحِ هَذَا الْعُضْوِ فَإِنَّ قَوْلَ أَبِي يُوسُفَ بِالْإِفْسَادِ إنَّمَا هُوَ بِنَاءً عَلَى قِيَامِ الْمَنْفَذِ بَيْنَ الْمَثَانَةِ وَالْجَوْفِ ، فَيَصِلُ إلَى الْجَوْفِ مَا يَقْطُرُ فِيهَا ، وَقَوْلُهُ بِعَدَمِهِ بِنَاءً عَلَى عَدَمِهِ۔۔۔۔۔ وَهَذَا اتِّفَاقٌ مِنْهُمْ عَلَى إنَاطَةِ الْفَسَادِ بِالْوُصُولِ إلَى الْجَوْفِ وَيُفِيدُ أَنَّهُ إذَا عَلِمَ أَنَّهُ لَمْ يَصِلْ بَعْدُ بَلْ هُوَ فِي قَصَبَةِ الذَّكَرِ لَا يُفْسِدُ ، وَبِهِ صَرَّحَ غَيْرُ وَاحِدٍ . قَالَ فِي شَرْحِ الْكَنْزِ : وَبَعْضُهُمْ جَعَلَ الْمَثَانَةَ نَفْسَهَا جَوْفًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ۔ (فتح القدير، ج۲، ص ۲۶۷ تا ۲۶۸)

[2] قال المحقق الامام ابن الهمام رحمة الله تعالىٰ عليه لا يقام فِيهِ صَلَاحُ الْبَدَنِ۔ لِأَنَّا نَقُولُ : ذَكَرُوا أَنَّ إيصَالَ الْمَاءِ إلَى هُنَاكَ يُوَرِّثُ دَاءً عَظِيمًا ، الخ۔ (فتح القدير، ج۲، ص ۲۶۶)

باریک ہونے کے ساتھ ساتھ بالوں کی جڑوں پر ہوتے ہیں اس لئے ان مسام کے ذریعے پہلے تو عموماً جلد کے اوپر ابتدائی حصے میں کسی چیز کے اجزاء داخل نہیں ہوسکتے بلکہ صرف اس کا اثر اندر محسوس ہوتا ہے۔ مثلاً غسل کے وقت پانی کی ٹھنڈک محسوس کرنا یا ٹھنڈی ہواؤں سے بدن کا ٹھنڈا ہو جانا یا تیل کی مالش سے بدن کو راحت و سکون ملنا۔ اگر ان مسام کے ذریعے تیل وغیرہ کے قلیل اجزاء بھی ہوتے ہیں تو وہ اوپر اوپر صرف بالوں کی جڑوں کی حد تک ہوتے ہیں جن کا کوئی اعتبار نہیں۔ خلاصہ یہ کہ بدن کے اندر جو اثر پہنچتا ہے یا جو تیل وغیرہ کے قلیل اجزاء جذب ہو کر ختم ہو جاتے ہیں وہ شریعت اسلامی میں معاف ہیں اور یہی حکم آنکھوں میں پانی دوا ڈالنے یا سرمہ لگانے کا ہے جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

۴۔ چوتھی قسم کے راستے اور سوراخ وہ ہیں جو قدرتی نہیں بلکہ کسی زخم کی وجہ سے بدن میں کوئی گڑھا یا سوراخ ہو جاتا ہے یا کوئی موذی جانور بچھو وغیرہ کسی کو ڈس لیتا ہے یا کوئی شخص خود اپنے بدن کے اندر کوئی سوئی وغیرہ داخل کر دیتا ہے۔

۵۔ غرض قدرتی سوراخوں کے علاوہ بدن کے اندر جتنے سوراخ پیدا ہوتے ہیں ان کو مصنوعی منافذ اور سوراخ اور راستے کہیں گے۔ ان مصنوعی راستوں اور سوراخوں کے ذریعے اگر کوئی چیز بدن کے اندر جبرًا داخل کی جاتی ہے اور اس سے بدن کی اصلاح اور لذت وغیرہ مقصود نہ ہو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اس کے متعلق چند مثالیں یہ ہیں:

۱۔ کسی روزہ دار کے بدن میں چھری، نیزہ یا تیر وغیرہ داخل کیا جائے اور اس چھری وغیرہ کی نوک ٹوٹ کر بدن کے اندر رہ جائے یا کسی روزہ دار کو گولی لگ جائے اور وہ گولی بدن کے اندر پھنس جائے۔

۲۔ روزہ دار کو کسی بچھو یا بھڑ وغیرہ نے ڈس لیا اور اس نے اپنے ڈنگ کے ذریعے اس کے بدن میں اپنا زہر پہنچایا۔

اسی طرح ہر وہ چیز جس سے بدن کی اصلاح مقصود نہ ہو وہ چیز جب روزہ دار کے جسم میں مصنوعی راہ سے جبرًا داخل کی جائے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اس کے برعکس اگر کوئی روزہ دار کسی چیز کو خودبخود بدن کے اندر کسی مصنوعی سوراخ سے داخل کر دے اور وہ وہاں ٹھہر جائے خواہ بدن کے لئے مفید ہو یا نہ ہو بہر حال اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ کسی روزہ دار کے پیٹ یا سر میں گہرا زخم ہو گیا اور اس نے اس میں خشک یا تر دوا ڈالی اور اس دوا کے بارے میں یہ یقین ہو جائے کہ وہ پیٹ یا دماغ کے اندر چلی گئی تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اگر یہ یقین نہ ہو پھر بھی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک تر دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ اس میں غالب احتمال اندر پہنچنے کا ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا کیونکہ اس کے پہنچنے میں شک ہے اور شک سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ علمائے احناف نے اس مسئلہ میں

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو پسند کیا ہے اور اسی پر عمل ہے۔ یاد رہے اگر کسی روزہ دار کی مرضی کے بغیر جبرًا اس کے ان زخموں میں دوا ڈالی گئی تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ اس سے مقصود بدن کی اصلاح اور علاج ہے۔

۲۔ اگر کسی روزہ دار نے خود بخود اپنے بدن میں چھری یا نیزہ وغیرہ گھونپ دیا اور چھری وغیرہ نکالنے کے بعد چھری کی نوک بدن کے اندر رہ گئی یا اس نے خود بخود بدن پر گولی چلائی اور گولی اس کے بدن کے اندر پھنس گئی تو ایسی صورت میں اگر گولی اور چھری کی نوک وغیرہ بدن کے لئے مفید نہیں بلکہ ضرر دہ ہے لیکن چونکہ اس نے قصدًا اس کو اپنے بدن کے اندر داخل کیا اس لئے اس سے اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔[1]

مذکورہ بالا مناخذ اور سوراخوں کے اقسام سمجھنے کے بعد یہ بات اچھی طرح کھل جاتی ہے کہ انجکشن کے ذریعے بدن کو غذا یا دوا یا نشہ پہنچانا چوتھی مصنوعی قسم میں داخل ہے۔ انجکشن کی سوئی کے ذریعے بدن کے اندر غذا یا دوا پہنچائی جاتی ہے لہٰذا انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے البتہ اس سے صرف قضا لازم ہے جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

انجکشن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

مذکورہ بالا دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے خواہ وہ گوشت میں لگوایا جائے یا عروق، نسوں اور رگ میں۔ اس سے بہر حال روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اسی میں احتیاط ہے۔

لہٰذا روزہ کی حالت میں ہر قسم کے انجکشن لگوانے سے پرہیز کرنا چاہیئے، اگر کسی شدید ضرورت کے تحت انجکشن لگوانا پڑے تو یہ سمجھ کر لگوائیں کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور بعد میں اس روزہ کی قضا کریں۔ لیکن ایسی صورت میں یہ احتیاط بھی ضروری ہے کہ انجکشن لگوانے کے بعد مغرب تک کھانے پینے اور روزہ توڑنے والی چیزوں سے پرہیز کریں کیونکہ بہت سے علماء کرام جن میں سے بعض علم کے پہاڑ ہیں، ان کے نزدیک انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا لہٰذا جس طرح ماہِ رمضان میں دن کے وقت گھر واپس آنے والا مسافر پرہیز کرتا ہے اسی طرح اپنے آپ کو اس مسافر کی طرح سمجھیں جس نے سفر کی وجہ سے رمضان المبارک کا روزہ نہ رکھا ہو اور سفر کی حالت میں صبح سے کھا پی رہا ہو لیکن جب وہ دن کے کسی بھی وقت اپنے گھر پہنچتا ہے تو اس

---

[1] وفي فتاوى قاضي خان: وإن طعن برمح لا يفسد صومه وإن بقي الزج في جوفه لأنه لم يوجد منه الفعل و لا إصلاح البدن۔ (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاویٰ الهندية، ج ۱، ص ۲۰۹)

فی الدر المختار: أَوْ طُعِنَ بِرُمْحٍ فَوَصَلَ إِلَى جَوْفِهِ وَإِنْ بَقِيَ فِي جَوْفِهِ۔

وفی رد المحتار: أَيْ بَقِيَ زُجُّهُ وَهَذَا مَا صَحَّحَهُ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ قَاضِي خَانَ۔۔۔۔۔۔۔۔ وَاخْتَلَفُوا فِيهِ قَالَ بَعْضُهُمْ: يُفْسِدُهُ كَمَا لَوْ أَدْخَلَ خَشَبَةً فِي دُبُرِهِ وَغَيَّبَهَا وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا يَفْسُدُ وَهُوَ الصَّحِيحُ، لِأَنَّهُ لَمْ يُوجَدْ مِنْهُ الْفِعْلُ وَلَمْ يَصِلْ إِلَيْهِ مَا فِيهِ صَلَاحُهُ، اهـ. وَحَاصِلُهُ أَنَّ الْإِفْسَادَ مَنُوطٌ بِمَا إِذَا كَانَ بِفِعْلِهِ أَوْ فِيهِ صَلَاحُ بَدَنِهِ، وَيُشْتَرَطُ أَيْضًا اسْتِقْرَارُهُ دَاخِلَ الْجَوْفِ۔ (رد المحتار، ج ۲، ص ۹۸)

کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ بقیہ دن میں مغرب تک کھانے پینے وغیرہ سے پرہیز کرے اور بعد میں اس روزے کی قضا بھی اس پر لازم ہوتی ہے۔

اسی طرح روزہ دار کے لئے بھی انجکشن لگوانے کے بعد مغرب تک کھانے اور پینے جیسی چیزوں سے سخت پرہیز کرنا چاہیئے بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ جب تک کھانے پینے کی چیزوں کی کوئی ایسی سخت ضرورت پیش نہ آئے جس کی وجہ سے اس کو روزہ توڑنا جائز ہو اس وقت تک انجکشن لگوانے کے بعد بھی مغرب تک ایسی چیزوں سے پرہیز کرے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور بعد میں اس روزے کی قضا بھی ضرور کرے۔(واللہ اعلم)

(۱۰۷)مسئلہ نمبر ایک سو سات: خبردار اپنے قیمتی روزے کو انجکشن سے بچائیں

سوال : محترم استاذ جی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! عرض گزار ہوں کہ انجکشن رگ کا ہو یا گوشت کا روزہ کیوں توڑ دیتا ہے؟

جبکہ دوائی **فم معتاد**(منہ) یا **فم غیر معتاد**(بدن کے باقی قدرتی سوراخوں) سے نہیں ڈالی جاتی الگ بدن میں سوراخ کر کے ڈالی جاتی ہے جبکہ **دعوتِ اسلامی کے مفتیانِ گرامی انجکشن سے روزے کو فاسد نہیں کہتے** اور ٹیکے کے سوراخ کو قدرتی مساموں کے سوراخوں جیسا کہتے ہیں اور تمام فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے لکھا ہوا ہے کہ مسامات کے ذریعے تیل یا دوائی مَلی جائے تو اندر اثر جانے کے باوجود روزہ فاسد نہیں ہوتا اور بعض علماء ٹیکہ کو مثل سانپ کے کاٹنے یا بچھو اور بھڑ کے ڈنگ مارنے کے مشابہ بھی کہتے ہیں اور روزہ فاسد نہیں کہتے۔ آپ اور آپ کے اساتذہ کس بنیاد پر روزہ کو انجکشن سے فاسد کہتے ہیں؟

سائل: حافظ محمد صفدر حضرو ضلع اٹک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون اللہ تعالیٰ الملک الوھاب للصدق والصواب

محترم حافظ صاحب! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ! یادرکھیں کہ اصولی اوراعتقادی اختلاف اہلسنت کے لئے نقصان کا باعث بنتا ہے فرعی عملی اختلاف جماعت کا نقصان نہیں کرتا جیسے فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہزاروں مسائل میں اختلاف منقول ہے **ثانیاً** یہ بھی یادرکھیں کہ اصولِ فقہ کا قاعدہ **"بناءالفاسدعلی الفاسد"** علمائے کرام میں معروف ہے یعنی جب بنیاد غلط ہو گی تو ساری تعمیر غلط ہو گی۔ ہمارے نزدیک انجکشن کے حکم کے لئے مسامات یا مُوذیات کے ڈنگ مارنے کو بنیاد بنانا غلط ہے اس لئے کہ مسامات بدنِ انسانی میں قدرتی سوراخ ہیں جن کے نیچے باریک جھلی ہے جو گوشت میں جاری خون اور رطوبتوں کو خارج ہونے سے روکتی ہے زخم سے جھلی پھٹتی ہے تو خون یا رطوبت خارج ہونے لگتی ہے جسم کی گرمائش سے پسینہ کے اخراج

کے لئے قدرت نے ان سوراخوں کو رکھا ہے اور ان پر تیل یادوائی کی مالش کریں تو براہِ راست تیل یادوائی بدن میں داخل نہیں ہوتی بلکہ اثر اندر جاتا ہے جیسا کہ ٹھنڈے پانی کے ساتھ غسل کرنے سے بھی دل و دماغ تک اثر پہنچتا ہے یہ اثر پہنچانے کے لئے جھلی کو پھاڑا نہیں جاتا اس لئے اس اثر کے اندر جانے سے روزہ فاسد نہ ہوگا اس کے برعکس مُوذیات کے ڈنگ مارنے سے جھلی پھٹتی ہے یا سوراخ پڑتا ہے اور زہر اندر جاتی ہے کوئی ذی شعور انسان ان مُوذی چیزوں کا ڈنگ مارنا پسند نہیں کرتا اور نہ ہی ان کے ڈنگ کو علاج یا بدن کی اصلاح سمجھتا ہے اور اس سے موت بھی واقع ہو جاتی ہے اور سانپ کا ڈسنا یا بچھو اور بھڑ کا ڈنگ مارنا یہ ایک حادثہ ہوتا ہے انسان کا یہ اپنا فعل نہیں ہوتا لہٰذا ڈنگ لگنا یہ انسان کے لئے ضرر ہے اصلاح اور علاج نہیں اس لئے روزہ فاسد نہیں ہوگا اور اس کے برعکس ٹیکہ میں انسان کا اپنا کسب اور فعل ہوتا ہے اور بدن کی اصلاح اور نفع مقصود ہوتا ہے لہٰذا ٹیکہ کو مثلِ مسامات اور مثلِ ڈنگ قرار دینا "بناء الفاسد علی الفاسد" ہوگی جب بناء فاسد ہوئی تو حکم بھی فاسد ہوا۔ لہٰذا ہمارے نزدیک ٹیکہ کو مثلِ مسامات کہنا یا مثلِ ڈنگ قرار دینا عقلاً نقلاً صحیح نہیں ہے عقلاً یوں کہ اولاً ٹیکہ کو مسامات اور مُوذی شئے کے ڈنگ کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے دوم یہ کہ پھر نشہ کے ٹیکہ کا جواز نکلے گا اور سوم یہ کہ نسوار صرف منہ میں رکھنے سے روزہ فاسد نہ ہونے کا جواز نکلے گا اس لئے کہ کسی چیز کے محض منہ میں رکھنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا بلکہ جبکہ نسواری حلق سے نیچے نسوار کا تھوک بھی جانے نہیں دیتا اور دماغ کی طرف منفذ یعنی صاف راستہ بھی کوئی نہیں اور محض اثر روزہ فاسد نہیں کرتا لہٰذا نسوار بھی مفطرِ صوم نہ ہوگی اور نقلاً یوں کہ ٹیکہ کی سوئی سے محض سوراخ کرنا مقصود نہیں بلکہ رگ اور گوشت میں دوائی ڈال کر بیماری کا علاج مقصود ہوتا ہے مرض دماغ میں ہو یا پیٹ میں ہو یا سارے بدن میں ہو دوائی کو بدن کی رگوں کے خون میں اور گوشت کی رطوبتوں میں ملایا جاتا ہے خون اور رطوبتوں کی سرکولیشن پورے جسم میں عندالاطبّاء مسلّم ہے اور دوائی کا بعینہٖ جوفِ دماغ یا جوفِ بدن و معدہ تک پہنچنا نصِ ظنی و قطعی سے مفہوم سمجھا جا سکتا ہے جیسا کہ متفق علیہ حدیث میں موجود ہے۔

إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا سُوءًا، أَوْ قَالَ – شَيْئًا۔

ترجمہ: شیطان انسان کے جسم میں خون بہنے کی جگہوں میں چلتا ہے میں خوف کرتا ہوں کہ وہ تم دونوں کے دل میں کوئی برائی ڈال دے یا فرمایا کوئی شئے ڈال دے۔ (متفق علیہ)[1]

اور قرآن کریم میں ہے:

الْخَنَّاسِ (۴) الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ (الناس ۵)

---

[1] (صحیح البخاری کتاب بدء الخلق باب صفة ابلیس و جنوده قدیمی کتب خانه کراچی ۱/ ۴۶۴)

ترجمہ: خناس شیطان لوگوں کے سینوں میں وسوسے ڈال دیتا ہے۔

اب یہ خود شارع جل جلالہ وشارع علیہ السلام کا واضح اور صریح بیان ہے کہ شیطان بعینہٖ اوراس کی جنس کے باقی جنات انسان کے اندر خون بہنے والی جگہ میں خون کی طرح چل سکتے ہیں معلوم ہو گیا خون بہنے والی جگہیں منفذ یعنی صاف راستے ہیں جن کے ذریعے دوائی خون کے بہاؤ کے ساتھ پورے جسم میں بعینہٖ پہنچ سکتی ہے۔

ہدایہ شریف کی شرح البنایہ میں مرقوم ہے:

بدواء فوصل إلى جوفه أو دماغه أفطر عند أبي حنيفة وبه وقال الشافعي واحمد رَحِمَهُمُ اللّٰہ تعالیٰ وله ای دليل لابی حنيفة رحمه الله تعالى أن رطوبة الدواء تلاقي رطوبة الجراحة فيزداد ميلا إلى الأسفل۔

ترجمہ: دوائی جوفِ بطن اور جوفِ دماغ تک پہنچ سکتی ہے توروزہ ٹوٹ جائے گا امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ بھی امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول سے متفق ہیں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ دوائی کی رطوبت خون کی رطوبت سے مل جاتی ہے بس رطوبت زیادہ ہو جاتی ہے تو نیچے کی طرف ضرور جاتی ہے۔[1]

صاحبِ بنایہ اس پر لکھتے ہیں:

لأن ما كان مبطناً في نفسه وله سبب ظاهر يدار الحكم على السبب الظاهر, والوصول إلى الجوف هو الموجب للفطر۔

ترجمہ: جو چیز باطن میں چلی جائے اس کا کوئی سبب ظاہر ہو گا جس پر حکم کا دارومدار ہو گا اور وہ سبب ظاہری جوف تک دوائی کا پہنچنا ہے جو روزہ توڑنے کا سبب ہے اور جوف میں پہنچنے کی علامت یہ ہے۔[2]

ولوجود معنى الفطر وهو وصول ما فيه صلاح البدن إلى الجوف۔

ترجمہ: شئے جوفِ بدن میں پہنچ کر بیماری کی اصلاح کر دے (تو یہ دوائی پہنچنے کی علامت ہے) جو مفطرِ معنوی کہلائے گی اس سے کفارہ نہیں صرف قضاء لازم آئے گی۔[3]

وذكر في الأصل أنه يفسد الصوم مطلقاً بناء على الغالب والغالب هو الوصول إلى الجوف۔

ترجمہ: فقہ کی کتاب اصل مبسوط میں مذکور ہے کہ مطلقاً دوائی غالب خیال کے مطابق روزے کو فاسد کر دے گی اور غالب یہی ہے کہ دوائی جوفِ بطن یا جوفِ دماغ میں پہنچ جاتی ہے۔[1]

---

[1] (البناية شرح الهداية ج۴ ص ٦٦)

[2] (البناية شرح الهداية ج۴ ص ٦٦)

[3] (البناية شرح الهداية ج۴ ص ٦٦)

اوپر کی نصوص کا مضمون اوران عبارات فقہیہ کے تطابق وتوافق سے معلوم ہوتا ہے کہ دوائی بعینہٖ جوفِ دماغ اور جوفِ بطن تک پہنچ سکتی ہے لہذا قوی خیال یہ ہے کہ انجکشن سے روزہ فاسد ہوجائے گا احتیاط بھی اسی میں ہے کیونکہ روزہ رکھنا عزیمت ہے طاقت نہ ہونے کے باوجود حکم ہے۔

وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ۔(البقرۃ ۱۸۴)

ترجمہ: اگر تم روزہ رکھنے کی اہمیت کا علم رکھتے ہو تو روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے۔

ٹیکہ لگاکر روزہ رکھنا عزیمت ہے نہ کہ رخصت، اگر بیماری اس حد تک ہو کہ روزہ نہ رکھ سکتا ہو تو روزہ چھوڑنے کی رخصت قرآن وسنت سے ثابت ہے بعد میں صحت ہونے پر قضاء کرنے کا حکم بھی موجود ہے اوراگر روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو فدیہ بھی دیا جاسکتا ہے۔

هذا ما عندی والله تعالىٰ اعلم ورسوله اعلم صَلى الله تعالىٰ عليه وَاٰله واصحابه وَسلَّم۔

(۱۰۸) مسئلہ نمبر ایک سو آٹھ: نماز جنازہ میں وجل ثناؤک اور درود ابراہیمی میں اضافت

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: (وقرأ) كما كبر (سبحانك اللهم تاركا) وجل ثناؤك إلا في الجنازة. قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: قوله (تاركا إلخ) هو ظاهر الرواية, بدائع؛ لأنه لم ينقل في المشاهير كافي, فالأولى تركه في كل صلاة محافظة على المروي بلا زيادة, وإن كان ثناء على الله تعالى, بحر وحلية. وفيه إشارة إلى أن قوله في الهداية لا يأتي به في الفرائض لا مفهوم له, لكن قال صاحب الهداية في كتابه مختارات النوازل: وقوله: وجل ثناؤك لم ينقل في الفرائض في المشاهير, وما روي فيه فهو في صلاة التهجد۔[2]

قال العلامة السرخسي رحمه الله: ولم يذكر: وجل ثناؤك؛ لأنه لم ينقل في المشاهير, وذكر محمد رحمه الله في كتاب الحجة عن أهل المدينة: ويقول المصلي أيضا وجل ثناؤك, وعن أبي يوسف في الأمالي قال: أحب إلي أن يزيد في الافتتاح: وجهت وجهي للذي فطر السموات والأرض حنيفا وما أنا من المشركين, إن صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين لا شريك له, وبذلك أمرت وأنا من المسلمين, لحديث عبد الله بن عمر رضي الله عنهما, أن النبي ﷺ كان يقول عند افتتاح الصلاة: وجهت وجهي للذي فطر السموات والأرض حنيفا۔[3]

قال العلامة علاء الدين رحمه الله: وجل ثناؤك, وليس ذلك في المشاهير۔[4]

قال العلامة المرغيناني رحمه الله: وقوله (وجل ثناؤك) لم يذكر في المشاهير فلا يأتي به فالفرائض۔[1]

---

[1] (فتاوی قاضي إمام فخر الدين خان ج ۱ ص ۱۸۴)

[2](الدر المختار مع رد المحتار, ج ۱, ص ۴۸۷: دار الفكر, بيروت)

[3](المبسوط: 22/1: دار المعرفة بيروت-لبنان)

[4](بدائع الصنائع 202/1: الناشر دار الكتاب العربي)

قال العلامة ابن الهمام رحمه الله:قوله(لم يذكر من المشاهير) وإن كان روي في الجملة عن ابن عباس في حديث طويل من قوله، ذكره ابن أبي شيبة وابن مردويه في كتاب الدعاء له، ورواه الحافظ أبو شجاع في كتاب الفردوس عن ابن مسعود رضي الله عنه :إن من أحب الكلام إلى الله عز وجل أن يقول العبد: سبحانک اللهم وبحمدک، وتبارک اسمک وتعالى جدک، وجل ثناؤک ولا إله غيرک۔[2]

احادیث میں "وجلّ ثناؤک" کا ثبوت ملتاہے، اگرچہ وہ روایات غیر مشہور ہیں

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثناء سے متعلق جو الفاظ منقول ہیں ان میں اس کا اضافہ ہے:

عن ابن مسعود رضي الله عنه "إن من أحب الكلام إلى الله عز وجل أن يقول العبد: سبحانک اللهم وبحمدک، وتبارک اسمک وتعالى جدک، وجل ثناؤک ولا إله غيرک، وأبغض الكلام إلى الله أن يقول الرجل للرجل: اتق الله فيقول عليک نفسک"۔

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ترین کلام یہ ہے کہ بندہ کہے "سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالى جدک وجل ثناءک ولا إله غيرک" (اے اللہ! تو پاک ہے، (ہم) تیری حمد کے ساتھ (تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں)۔ تیرا نام بڑی برکت والا ہے اور تیری بزرگی بلند ہے۔ اور تیری حمد و ثنا بلند ہے، اور تیرے سوا کوئی سچا اور حقیقی معبود نہیں ہے) اللہ کے یہاں بدترین کلام یہ ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کو یہ کہے (اتق الله) اللہ سے ڈر؟ تو وہ کہے تو اپنی فکر کر۔[3]

اور اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن ابن عباس رضي الله عنه قال: إذا كان على أحدكم إمام يخاف تغطرسه وظلمه فليقل: اللهم رب السماوات ورب العرش العظيم! كن لي جارا من فلان وأحزابه وأشياعه؟ عن يفرطوا علي وأن يطغوا، عز جارک وجل ثناؤک، ولا إله غيرک۔

ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا اے اللہ تو میرا محافظ بنجا ان کے شر سے، تیری حمد بلند ہے، تیرا پڑوسی باعزت ہے، تیرا نام بابرکت ہے، تیرے سوا معبود حقیقی کوئی نہیں ہے۔[4]

ترمذی شریف میں ہے:

شَكَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ الْمَخْزُومِيُّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا أَنَامُ اللَّيْلَ مِنَ الْأَرَقِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِکَ، فَقُلِ: اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَمَا أَظَلَّتْ، وَرَبَّ الْأَرَضِينَ وَمَا

---

[1] (الهداية:49/1:الناشر المكتبة الإسلامية)
[2] (فتح القدير:ج ۱،ص ۲۵۱:المكتبة النوريه الرضويه)
[3] (مسند الفردوس للديلمي الهمذاني ج ۱،ص ۵۹،رقم الحديث: ۸۱۹ المكتبة الوقفية)
[4] (مصنف ابن أبي شيبة كتاب الدعاء،باب الرجل يخاف السلطان مايدعو، ج ۱۰ ص ۲۰۳،رقم الحديث:۲۹۷۸۷)

أَقَلَّتْ، وَرَبَّ الشَّيَاطِينِ وَمَا أَضَلَّتْ، كُنْ لِي جَارًا مِنْ شَرِّ خَلْقِكَ كُلِّهِمْ جَمِيعًا ؛ أَنْ يَفْرُطَ عَلَيَّ أَحَدٌ مِنْهُمْ، أَوْ أَنْ يَبْغِيَ، عَزَّ جَارُكَ، وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ" الخ۔[1]

عن عبد الله بن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا تخوف أحدكم سلطاناً فليقل: اللهم رب السماوات السبع ورب العرش العظيم، كن لي جاراً من شر فلان بن فلان - يعني الذي يريد - وشر الجن والإنس وأتباعهم، أن يفرط علي أحد منهم، عز جارك وجل ثناؤك ولا إله غيرك. رواه الطبراني، ورجاله رجال الصحيح غير جنادة بن سلم، وقد وثقه ابن حبان، وضعفه غيره۔[2]

ہمارے ہاں یہ مسئلہ بھی اُن مسائل میں سے ہے جو کہ عوام میں اور حتی کہ بعض اَہل علم میں بھی غلط العام ہے

پہلے درج ذیل میں بعض کتب فقہیہ کی عبارات نقل کرتا ہوں کہ نماز جنازہ میں کونسا درود پڑھا جانا چاہیے؟

امام عینی فرماتے ہیں صاحب ہدایہ کے قول کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الصلاة المعروفة في التشهد۔[3]

ملاخسرو فرماتے ہیں:

كما يصلى فى سائر الصلوات بعد التشهد۔[4]

محقق علی الاطلاق ابن ہمام فرماتے ہیں:

ويصلى بعد التكبيرة الثانية كما يصلي في التشهد وهو الأولى۔[5]

ابن نجیم فرماتے ہیں:

والمراد بالصلاة الصلاة عليه في التشهد وهو الأولى كما في فتح القدير۔[6]

عربی عبارات کا مفہوم:

ان ساری عبارات کا مفہوم ہے کہ نماز جنازہ میں وہی درود پڑھنا چاہیے جو نماز میں حالت تشہد میں پڑھتے ہیں۔

---

[1] (سنن الترمذي | أَبْوَابُ الدَّعَوَاتِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رقم الحديث ٣٥٢٣)

[2] (مجمع الزوائد للهيثمي كتاب الأدعية، ج ١٠ ص ١٤٦)

[3] (البنايه شرح الهدايه، فصل كيفية صلاة الجنازة، ج3، ص216: دار الكتب العلمية - بيروت، لبنان)

[4] (درر الحكام شرح غرر الأحكام، باب صلاة الجنازة، ج1، ص163: الناشر: دار إحياء الكتب العربية)

[5] (فتح القدير شرح الهدايه، فصل فى الصلاة على الميت، ج2، ص85: الناشر: المكتبة النورية الرضوية)

[6] (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، فصل السلطان أحق بصلاته، ج2، ص197: الناشر دار المعرفة)

تشہد میں جو درود پڑھا جاتا ہے اسکے الفاظ کیا ہیں؟

ابن عابدین فرماتے ہیں:

قال في شرح المنية : والمختار في صفتها ما في الكفاية والقنية والمجتبى قال سئل محمد عن الصلاة على النبي -صلى الله عليه وسلم- فقال: يقول: اللهم صلى على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد، وهي موافقة لما في الصحيحين۔

ترجمہ: منیۃ کی شرح میں فرمایا: درود شریف میں جو الفاظ مختار ہیں وہ جو کفایہ قنیہ اور مجتبی میں ہیں، فرمایا: امام محمد رحمہ اللہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے متعلق پوچھا تو فرمایا: یہ کہو: (آگے وہ درود کے الفاظ بیان کیے)۔

اور صحیحین کی احادیث سے موافقت ہے (یعنی درود کے ان الفاظ کی)۔[1]

اسکے بعد پھر علامہ ابن عابدین نے درود کے بعض الفاظ کے متعلق کچھ اختلافات ذکر کیے۔۔۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

فإذا كبر الأولىٰ أثنى على الله تعالىٰ وهو أن يقول: سبحانك اللّٰهم وبحمدك إلىٰ آخره۔ وذكر الطحاوي أنه لا استفتاح فيه، ولكن النقل والعادة أنهم يستفتحون بعد تكبيرة الافتتاح، كما يستفتحون في سائر الصلوات، وإذا كبر الثانية يأتي بالصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم وهي الصلاة المعروفة، وهي أن يقول: "اللّٰهم صلِّ على محمدٍ وعلى آل محمدٍ"-إلى قوله-"إنك حميد مجيدٌ"۔[2]

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(۱۰۹) مسئلہ نمبر ایک سو نو: جنازہ صرف ایک مرتبہ پڑھنا مشروع ہے

از روئے شریعت جنازہ صرف ایک ہی دفعہ پڑھنا مشروع ہے، ایک سے زیادہ دفعہ پڑھنا درست نہیں، لیکن اگر میت کے ولی کی اجازت کے بغیر کسی اجنبی شخص نے نماز پڑھائی تو ولی کو اعادہ کا حق ہے، البتہ فرض ادا ہو گیا ہے، دوبارہ پڑھنا ضروری نہیں ،ولی کے علاوہ دیگر لوگوں کو اس کی اجازت نہیں اور نہ ضرورت ہے۔

---

[1] (حاشیہ ابن عابدین، مطلب مهم فی عقد الأصابع عند التشهد، ج1، ص512: الناشر دار الفكر للطباعة والنشر)

[2] (بدائع الصنائع ۲/ ۵۱)

بہتر تو یہ ہے کہ جہاں انتقال ہو، وہیں میت کو دفن کیا جائے، تاہم نماز جنازہ ایک ہی مرتبہ پڑھی جائے، دوبارہ نہ پڑھنا چاہیے جس نے پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو کسی کے لیے جائز نہیں، البتہ اگر ولی نے نہیں پڑھی تھی تو اس کے ساتھ وہ لوگ شریک ہو سکتے ہیں جنھوں نے پہلے نہ پڑھی ہو، لہٰذا میت کے ساتھ جانے والے گاؤں میں دوبارہ نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتے۔

مجمع الانھر میں ہے:

"(ولا يصلي) أي لا يجوز أن يصلي (غير الولي) الأحق (بعد صلاته): أي الولي الأحق؛ لأن الفرض تؤدى بالأولى والتفل بها غير مشروع"۔[1]

قال العلامة المرغيناني: "وإن صلى الولي لم يجز لأحد أن يصلي بعده؛ لأن الفرض يتأدى بالأول، والتنفل بها غير مشروع، ولهذا رأينا الناس تركوا عن آخرهم الصلاة على قبر النبي عليه الصلاة والسلام وهو اليوم كما وضع۔[2]

قال العلامة البابرتي في شرحة على الهداية: وقال الإمام الولواجي في فتاواه: رجل صلى على جنازة والولي خلفه ولم يرض به، إن تابعه وصلى معه لا يعيد، لأنه صلى مرة، وإن لم يتابعه فإن كان المصلي السلطان أو الإمام الأعظم في البلدة أو القاضي أو الوالي على البلدة أو إمام حي ليس له أن يعيد؛ لأن هؤلاء هم الأولون منه وإن كان غيرهم فله الإعادة۔۔۔ وقال في قوله: وإن صلى الولي لم يجز لأحد أن يصلي بعده، تخصيص الولي ليس بقيد لما أنه لو صلى السطان أو غيره من هو أولى من الولي في الصلاة على الميت ممن ذكرنا ليس لأحد أن يصلي بعده أيضاً على ماذكرنا من رواية الولوالجي والتجنيس، وهذا الذي ذكره بقوله لم يجز لأحد أن يصلي بعده مذهبنا۔[3]

قال العلامة الكاساني: "ولا يصلى على ميت الإمرة واحدة، لا جماعة ولا وحدانا عندنا، إلا أن يكون الذين صلوا عليها أجانب بغير أمر الأولياء، ثم حضر الولي فحينئذ له أن يعيدها"۔[4]

قال فی الهندية وَلَا يُصَلَّى عَلَى مَيِّتٍ إلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً وَالتَّنَفُّلُ بِصَلَاةِ الْجِنَازَةِ غَيْرُ مَشْرُوعٍ، كَذَا فِي الْإِيضَاحِ، وَلَا يُعِيدُ الْوَلِيُّ إنْ صَلَّى الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ أَوْ السُّلْطَانُ أَوْ الْوَالِي أَوْ الْقَاضِي أَوْ إمَامُ الْحَيِّ؛ لِأَنَّ هَؤُلَاءِ أَوْلَى مِنْهُ وَإِنْ كَانَ غَيْرُ هَؤُلَاءِ لَهُ أَنْ يُعِيدَ۔[5]

امامِ اہلِ سُنت عظیم البرکت امام الشاہ احمد رضا خان نور اللہ مرقدہٗ سے بھی نمازِ جنازہ کی تکرار کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس کے جواب میں ایک مستقل رسالہ لکھا، جس کا نام "النھی الحاجز عن تکرار صلاۃ الجنائز" ہے۔

---

[1] (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت: ١٨٣/١، دار إحياء التراث العربي)

[2] (الهداية: كتاب الصلاة: باب الجنائز، فصل في الصلوة على الميت: ١٨٠/١، شركت علمية، ملتان)

[3] (العناية على هامش فتح القدير: كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت: ٨٣/١، رشيدية)

[4] (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنازة: ٤٧/٢، رشيدية كوئٹه)

[5] (ص ٦٣ ١ ج ١ فصل الخامس فى الصلوة على الميت)

جس میں آپ نے اپنے جواب میں ارشاد فرمایا کہ:

نمازِ جنازہ کی تکرار ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک تو مطلقاً ناجائز ونامشروع ہے، مگر جب کہ اجنبی غیر احق نے بلا اذن وبلا متابعت ولی پڑھ لی ہو تو ولی اعادہ کر سکتا ہے۔

امام اجل برہان الملۃ والدّین ابو بکر ہدایہ میں فرماتے ہیں:

ان صلی غیر الولی والسلطان اعاد الولی ان شاء لان الحق للاولیاء وان صلی الولی لم یجز لاحدٍ ان یصلی بعدہ لان الفرض یتادی بالاول والتنفل بھا غیر مشروع ولھذا رأینا الناس ترکوا من اٰخرھم الصلٰوۃ علی قبر النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم وھو الیوم کما وضع۔

یعنی اگر ولی وحاکم اسلام کے سوا اور لوگ نمازِ جنازہ پڑھ لیں تو ولی کو اعادہ کا اختیار کہ حق اولیاء کا ہے اور اگر ولی پڑھ چکا تو اب کسی کو جائز نہیں کہ فرض تو پہلی نماز سے ادا ہو چکا اور یہ نماز بطور نفل پڑھنی مشروع نہیں ولہذا ہم دیکھتے ہیں کہ تمام جہان کے مسلمانوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مزار اقدس پر نماز چھوڑدی حالانکہ حضور آج بھی ویسے ہی ہیں جیسے جس دن قبر مبارک میں رکھے گئے تھے۔[1]

امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

لوکان مشروعا لما اعرض الخلق کلھم من العلماء والصالحین والراغبین فی التقریب الیہ علیہ الصلٰوۃ والسلام بانواع الطرق عنہ فھذا دلیل ظاھر علیہ فوجب اعتبارہ۔

یعنی اگر نمازِ جنازہ کی تکرار مشروع ہوتی تو مزار اقدس پر نماز پڑھنے سے تمام جہان اعراض نہ کرتا جس میں علماء وصلحاء اور وہ بندے ہیں جو طرح طرح سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنے کی رغبت رکھتے ہیں تو یہ تکرار کی مشروعی پر کھلی دلیل ہے پس اس کا اعتبار واجب ہوا۔[2]

اقول حاصل کلام یہ کہ نماز جنازہ جیسی قبل دفن ویسی بعد دفن قبر پر۔ ولہذا اگر کوئی شخص بے نماز پڑھے دفن کر دیا گیا تو فرض ہے کہ اس کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھیں جب تک ظن غالب رہے کہ بدن بگڑ نہ گیا ہو گا اور نماز جنازہ ایک تو ہر مسلمان کا حق ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حق المسلم علی المسلم خمس وذکر منھا اتباع الجنائز۔

---

[1] (الھدایہ فصل فی الصّلٰوۃ علی المیت مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۶۰)

[2] (فتح القدیر فصل فی الصلٰوۃ علی المیت مطبوعہ المکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۸۴)

مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں، ان میں نمازِ جنازہ کو بھی ذکر فرمایا، حدیث آگے آرہی ہے۔(ت)[1]

دوسرے مقبول بندوں کی نماز میں وہ فضل ہے کہ پڑھنے والوں کی مغفرت ہوجاتی ہے۔ ہم عنقریب انس بن مالک وعبد اللہ بن جابر وسلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے متعدد احادیث ذکر کریں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:"مومن صالح کو پہلا تحفہ یہ دیا جاتا ہے کہ جتنے لوگوں نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی سب بخش دئے جاتے ہیں۔ اللہ عزوجل حیا فرماتا ہے کہ اُن میں کسی پر عذاب کرے"اب اگر حق کا لحاظ کیجئے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حق کے برابر تمام جہان میں کس کا ہوسکتا ہے، اور فضل کو دیکھئے تو افضل المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کے برابر کس مقبول پر نماز پڑھنی ہوسکتی ہے، ہاں قبر پر نماز پڑھنے سے مانع یہ ہوتا ہے کہ اتنی مدت گزر جائے جس میں میّت کا بدن سلامت ہونا مظنون نہ رہے، اسی کو بعض روایات میں دفن کے بعد تین دن سے تقدیر کیا، اور صحیح یہ کہ کچھ مدّت معین نہیں، جب سلامت وعدمِ سلامت مشکوک ہوجائے نماز ناجائز ہوجائیگی، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں معاذ اللہ اس کا اصلاً احتمال نہیں وہ آج بھی یقیناً ایسے ہی ہیں جیسے روزِ دفن مبارک تھے۔ وہ خود ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان اللہ حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔

رواہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ وابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم و الدارقطنی و ابونعیم و صححہ ابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم والدارقطنی وابن دِحیۃ وحسنہ عبدالغنی المنذری وغیرھم۔

بیشک اللہ تعالٰی نے زمین پر حرام فرمادیا ہے انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کا جسم مبارک کھانا۔ اسے امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمۃ، ابن حبان، حاکم، اور ابونعیم نے روایت کیا۔ ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم دارقطنی اور ابن دحیہ نے صحیح کہا، اور اسے عبدالغنی اور منذری وغیرہم نے حسن کہا(ت)[2]

جب مانع مفقود اور مقتضی اس درجہ قوت سے موجود، تو اگر نمازِ جنازہ کی تکرار شرع میں جائز ہوتی تو صحابہ وتابعین سے لے کر آج تک تمام جہان تمام طبقات کے تمام علماء اور اولیاء وصلحا اور عاشقانِ مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اُس کے ترک پر اجماع کیا معنی، جن میں لاکھوں بندے خدا کے وُہ گزرے اور اب بھی ہیں جنہیں دن رات یہی فکر رہتی ہے کہ جہاں تک مل سکیں وُہ طریقے بجالائیں کہ مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں تقرب پائیں، لاجرم تیرہ سوبرس کا یہ اجماع کلی دلیل ظاہر ہے کہ تکرارِ نماز جنازہ جائز نہیں، اس لئے مجبوراً سب باقیماندہ کو اس فضل عظیم سے محروم ہونا پڑا۔

---

[1] (مسند احمد بن حنبل مروی از ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۲/ ۵۴۰)

[2] (سنن ابن ماجہ ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۹)

امام اجل نسفی وافی اوراس کی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

لم یصل غیرہ بعدہ ای ان صلی الولی لم یجز لغیرہ ان یصلی بعدہ لان حق المیت یتادی بالفریق الاول وسقط الفرض بالصلٰوۃ الاولٰی فلو فعلہ الفریق الثانی لکان نفلا واذا غیر مشروع کمن صلی علیہ مرۃ، الخ۔

اگر ولی نے نمازِ جنازہ پڑھ لی تو اس کے بعد دوسرے کو پڑھنا جائز نہیں، اس لئے کہ میّت کا حق پہلے فریق سے ادا ہو چکا، اور پہلی نماز سے فرض ساقط ہو گیا، اب اگر کوئی دوسرا فریق ادا کرے تو یہ نفل ہو گی اور یہاں نفل مشروع نہیں، جیسے وہ جس کی ایک بار نماز پڑھی جا چکی ہو الخ۔(ت)[1]

امام محمد بن حلبی ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں:

قال علماؤنا اذا صلی علی المیّت من لہ ولایۃ ذلک لاتشرع الصلٰوۃ علیہ ثانیا لغیرہ۔

ہمارے علماء نے فرمایا جب میت پر صاحب حق نماز پڑھ چکے پھر اور کوئی اس پر نماز مشروع نہیں۔[2]

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

لایصلی علیہ لئلا یودی الی تکرار الصلٰوۃ علی میت واحد فانہ غیر مشروع۔

اُس پر نماز نہ پڑھی جائے کہ ایک میت پر دوبار نماز نہ ہو کہ یہ نامشروع ہے۔[3]

درر شرح غرر و مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

الفرض یتادی بالاولٰی والتنفل بھا غیر مشروع۔

فرض تو پہلی نماز سے ادا ہو گیا اور یہ نماز نفلی طور پر مشروع نہیں۔[4]

دُر مختار و فتح اللہ المعین میں ہے:

لیس لمن صلی علیھا ان یعید مع الولی لان تکرارھا غیر مشروع۔

جو پہلے پڑھ چکا وُہ ولی کے ساتھ بھی اعادہ کا اختیار نہیں رکھتا کہ اس کی تکرار غیر مشروع ہے۔[5]

مراقی الفلاح میں ہے:

لایعید مع لہ حق التقدم من صلی مع غیرہ لان التنفل بھا غیر مشروع۔

جو اور کے ساتھ پڑھ چکا صاحبِ حق کے ساتھ نہ پڑھے کہ اس نماز میں نفل مشروع نہیں۔[1]

---

[1] (کافی شرح وافی)
[2] (حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی)
[3] (غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجنائز مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۹۰)
[4] (الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام باب الجنائز مطبوعہ احمد کامل الکائنہ فی دار السعادت بیروت ۱/۱۶۵)
[5] (درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دھلی ۱/۱۲۳)

ایضاح وعالمگیریہ میں ہے:

لایصلی علی میت الامرۃ واحدۃ والتنفل بصلٰوۃ الجنازۃ غیر مشروع۔

کسی میّت پر ایک بار کے سوا نماز نہ پڑھی جائے اور نمازِ جنازہ نفل ادا کرنا غیر مشروع ہے۔[2]

فتاوٰی امام قاضی خان وظہیریہ وشرح نقایہ برجندی وخلاصہ وولوالجیہ وتجنیس وواقعات وبحر الرائق وغیرہا میں ہے:

ان کان المصلی سلطانا اوالامام الاعظم اوالقاضی اووالی المصر امام حیہ لیس للولی ان یعید۔

یعنی اگر بادشاہِ اسلام یا امیر المومنین یا قاضی شرع یا اسلامی حاکم مصر یا امام الحی نماز پڑھ چکا تو اب ولی کو بھی اعادہ کا اختیار نہیں۔[3]

شرح نقایہ علامہ قہستانی میں ہے:

لایصلی علی میت الاّمرّۃ۔

کسی مردے پر ایک سے زیادہ نماز نہ پڑھی جائے۔[4]

سراج وہاج وبحر الرائق وردالمحتار وجامع الرموز وجوہرہ نیّرہ وہندیہ ومجمع الانہر وغیرہ میں ہے:

واللفظ للبحر عن السراج ان صلی الولی علیہ لم یجز ان یصلی احد بعدہ۔

سراج وہاج سے بحر الرائق کے الفاظ ہیں کہ اگر ولی نے اس پر نماز پڑھ لی تو اس کے بعد اب کسی کو جائز نہیں کہ نماز جنازہ پڑھے۔[5]

ان سب کتابوں میں بلفظ لم یجز، ولایجوز تعبیر میں فرمایا یعنی ناجائز ہے۔ ایسا ہی عبارات ہدایہ سے گزرا۔ اور یہی لایصلی ولایعید ولیس لہ کا مفاد اور یہی غیر مشروع سے مراد، مگر اس میں صاف تصریح ہے جس سے تمام اوہام منصرف اور باقی عبارات کی بھی مراد منکشف۔ یونہی قدوری۱، ہدایہ ۲، منیہ ۳، وقایہ ۴ نقایہ ۵، وافی ۶، کنز ۷، غرر ۸، اصلاح ۹، الملتقی ۱۰، تنویر ۱۱، نورالایضاح ۱۲۔ ان بارہ ۱۲ متنوں اور ان کی غیر سب میں تصریح ہے کہ نماز جنازہ جب ایک بار ہوچکی، فوت ہوگئی۔

مختصر: یجوز التیمم للصحیح المقیم اذاحضرت الجنازۃ والولی غیرہ فخاف ان اشتغل بالطہارۃ ان تفوتہ الصلٰوۃ۔

---

[1] (مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل السلطان احق بالصلٰوۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۲۴)

[2] (فتاوٰی ہندیہ الفصل فی الصلٰوۃ علی المیت مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۳)

[3] (بحر الرائق فصل السلطان احق بصلٰوتہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۸۱)

[4] (جامع الرموز فصل فی الجنازۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۸۵)

[5] (بحر الرائق فصل السلطان احق بصلٰوتہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۸۲)

مسائل متفرقہ کے بیان میں

مختصر قدوری: تندرست مقیم کے لئے تیمم جائز ہے جب جنازہ آجائے اور ولی دوسرا ہو، اندیشہ ہو اگر وضو میں لگے تو نماز جنازہ فوت ہو جائے گی۔[1]

هداية، تيمم الصحيح فی المصر اذا حضرت الخ وقال بالطهارة مكان بالوضوء وهو اشمل۔

ہدایہ: تندرست شہر میں تیمم کرلے جب جنازہ آجائے طہارت میں مشغول ہو تو فوت کا اندیشہ ہو۔صاحبِ ہدایہ نے "وضو" کی جگہ "طہارت" کہا، یہ زیادہ جامع ہے۔[2]

منية: الصحيح فی المصر تيمم لصلٰوة الجنازة اذا خاف الفوت جاز الا الولی۔

منیہ: تندرست شہر کے اندر نمازِ جنازہ کے لئے تیمم کرے گا جب فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو مگر ولی کے لئے یہ نہیں۔[3]

وقاية، هو لمحدث وجنب وحائض ونفساء لم يقدروا على الماء، لخوف فوت صلٰوة الجنازة، لغير الولی۔

وقایہ: تیمم بے وضو، جنب، حائض اور نفاس والی کے لئے ہے جب انہیں پانی پر قدرت نہ ہو اور غیر ولی کو نمازِ جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ کے وقت بھی ہے۔[4]

اصلاح، مثله وقال عجزوا عن الماء۔

اصلاح: اس کی عبارت بھی وقایہ کے مثل ہے فرق یہ ہے کہ اس میں کہا ہے جب یہ پانی سے عاجز ہوں۔[5]

نقاية، مايفوت لا الٰى خلف كصلاة الجنازة لغير الولی۔

نقایہ: جو فوت ہو اور اس کا کوئی بدل نہ ہو، جیسے غیر ولی کے لئے نماز جنازہ، کا کوئی بدل نہ ہو، (اس کے لئے تیمم روا ہے)۔[6]

كنز، صح لخوف فوت صلٰوة جنازة۔

کنز: نماز جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ کے وقت تیمم درست ہے۔[7]

تنوير، جاز لفوت۔

تنویر: نماز جنازہ فوت ہونے کے وقت تیمم جائز ہے۔[8]

وافی، مثل الكنز وزاد لم يكن وليها۔

---

1 (مختصر القدوری باب التیمم مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور ص ۱۱)

2 (الهدایة باب التیمم مطبوعہ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۳۸)

3 (منیۃ المصلی فصل فی التیمم مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۵۸)

4 (وقایہ مع شرح الوقایہ باب التیمم مطبوعہ المکتبۃ الرشید دھلی ۱/۹۵ تا ۹۷)

5 (اصلاح)

6 (نقایۃ مختصر الوقایۃ فصل التیمم مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب خانہ کراچی ص ۶)

7 (کنز الدقائق باب التیمم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷)

8 (درمختار شرح تنویر الابصار باب التیمم مطبوعہ مطبع مجتبائی دھلی ۱/۴۳)

وافی: اس کی عبارت کنز کے مثل ہے اور یہ اضافہ ہے جب خود ولیِّ جنازہ نہ ہو۔[1]

غرر، جاز لمحدثٍ و جنب و حائض عجز و امن الماء و لخوف فوت صلٰوۃ الجنازۃ لغیر الولی۔

غرر: تیمم جائز ہے بے وضو، جنب اور حائض کے لئے جو پانی سے عاجز ہوں اور غیر ولی کے لئے نماز جنازہ کے فوت ہونے کے اندیشہ سے۔

ملتقی، یجوز فی المصر لخوف فوت صلٰوۃ جنازۃ۔

ملتقی: نماز جنازہ کے فوت ہونے کے اندیشہ سے۔[2]

نور الایضاح، العذر المبیح للتیمم خوف فوت صلٰوۃ الجنازۃ۔

نورالایضاح: تیمم کو مباح کرنے والا عذر نمازِ جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ ہے(ت)[3]

ہدایہ و مجمع الانہر میں ہے:

لانہا لاتقضی فیتحقق العجز۔

اس لئے کہ اس کی قضاء نہیں ہوتی تو عجز متحقق ہے۔(ت)[4]

کافی امام نسفی میں ہے:

صلٰوۃ الجنازۃ و العید تفوتان لاالی بدل لانہما لاتقضیان فیتحقق العجز البحر۔

نمازِ جنازہ و عید فوت ہوں تو ان کا کوئی بدل نہیں اس لئے ان کی قضا نہیں ہوتی تو عجز متحقق ہے۔بحر۔(ت)[5]

مراقی الفلاح و برجندی میں ہے:

لانہا تفوت بلاخلف۔

اس لئے کہ جنازہ بلابدل فوت ہو جاتا ہے۔(ت)[6]

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لایجوز التیمم مع وجود الماء الافی موضع یخشی الفوات لاالی خلف کصلٰوۃ الجنازۃ۔

---

[1] (وافی)

[2] (ملتقی الابحر باب التیمم مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۳۲)

[3] (نورالایضاح باب التیمم مطبوعہ مطبع علیمی لاہور ص ۱۱)

[4] (مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب التیمم مطبوعہ داراحیاالتراث العربی بیروت ۱/۴۱)

[5] (کافی وشرح وافی)

[6] (مراقی الفلاح مع حاشیہ الطحطاوی باب التیمم مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۳، شرح النقایہ للبرجندی فصل التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۴۶)

پانی ہوتے ہوئے تیمم جائز نہیں مگر ایسی جگہ جہاں بلابدل فوت کا اندیشہ ہو جیسے نماز جنازہ۔(ت)[1]

عندالتحقیق ان سب عبارات کا بھی وہی حاصل کہ نماز جنازہ دوبارہ پڑھنی صرف مکروہ ہی نہیں بلکہ محض ناجائز ہے۔

برہان شرح مواہب الرحمن پھر شرح نظم الکنز للعلامۃ المقدسی پھر حاشیہ علامہ نوح آفندی پھر ردالمحتار شامی میں ہے:

مجرد الکراھۃ لایقتضی العجز المقتضی لجواز التیمم لانھالیست اقوی من فوات الجمعۃ والوقتیۃ مع عدم جوازہ لھما۔

محض کراہت اُس عجز کی مقتضی نہیں جو تیمم کا جواز چاہتا ہے اس لئے کہ وہ جمعہ اور نماز وقتیہ کے فوت ہونے سے زیادہ قوی نہیں باوجودیکہ ان دونوں کے لئے تیمم جائز نہیں(ت)[2]

یہ چالیس ۴۰ کتابوں کی عبارتیں ہیں اور خود کثرتِ نقول کی کیاحاجت کہ مسئلہ واضح اور ظاہر، اور تمام کتب مذہب متون وشرح وفتاوٰی میں دائروسائر صورتِ مستفسرہ میں کہ خود ولی پڑھ چکا تھا دوبارہ اعادہ نماز ہمارے سب ائمہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے اتفاق سے ناجائز وگناہ واقع ہوا، ایسی ناواقفی مانع گناہ نہیں کہ مسائل سے ناواقف رہنا خود گناہ ہے۔

اس لئے حدیث میں آیا:

ذنب العالم ذنب واحد وذنب الجاھل ذنبان قیل ولم یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم العالم یعذب علٰی رکوبہ الذنب والجاھل یعذب علٰی رکوبہ الذنب وترک التعلم۔

رواہ فی مسند الفردوس عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا عالم کا ایک گناہ اور جاہل کا گناہ دوگناہ کسی نے عرض کی: یارسول اللہ! کس لئے؟ فرمایا عالم پر وبال اسی کا ہے کہ گناہ کیوں کیا، اور جاہل پر ایک عذاب گناہ کا اور دوسرا نہ سیکھنے کا۔ اسے دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔(ت)[3]

عالم جس نے تاکید واصرار کرکے ان لوگوں سے نماز جنازہ کی تکرار کرائی اگر مدعی حنفیت ہے تو خود اپنے ہی مذہب کے حکم سے گنہگار ہے، اور فرقہ غیر مقلدین سے تو گنا ہگار درکنار بدمذہب وگمراہ ہے، اور ان دونوں صورتوں میں اس عالم پر اتنے گناہ لازم ہوئے جس قدر شمار حصارِ جماعت ثانیہ کا تھا، اور اس پر ایک زائد، مثلاً دوسری دفعہ اس کے اصرار سے سَو آدمیوں نے

---

[1] (فتاوٰی خیریہ باب التیمم مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۵)

[2] (ردالمحتار باب التیمم مطبوعہ مصطفی البابی ۱/۱۷۷)

[3] (الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۳۴۴۵ درالباز مکۃ المکرمۃ ۲/۲۴۸)

نماز پڑھی تو ان میں سے ہر ایک پر دو دو گناہ، ایک گناہِ فعل دوسرا گناہِ جہل۔ اور اس عالم پر ایک سوا یک گناہ، ایک اپنا اور سو ان کے فعل کے۔ آخری یہی داعی بگناہ ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من دعا الٰی ضلالۃ کان علیہ من الاثم مثل أثام من تبعہ لاینقص ذلک من أثامھم شیئاً۔

رواہ الائمۃ الاحمد و مسلم و الاربعۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

جو کسی ضلالت کی طرف بلائے سب ماننے والوں کے برابر گناہ اُس پر ہو اور ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہیں آئی۔ اسے امام احمد، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔[1]

یعنی یہ نہ ہوگا کہ اس کی ترغیب کے باعث گناہ ہونے کے سبب وہ گناہ سے بچ رہیں یا اس پر صرف اپنے ہی فعل کا گناہ ہو، بلکہ وہ سب اپنے اپنے گناہ میں گرفتار اور اُن سب کے برابر اس ترغیب دہندہ پر بار، والعیاذ باللہ العزیز الغفار۔

اور بالفرض شافعی المذہب بھی ہوتا تو سخت جاہل تھا کہ دوسرے مذہب والوں کو ایسے امر پر مصر ہُوا جو ان کے مذہب میں تو گناہ تھا اور اس کے اپنے مذہب میں بھی مکروہ۔

امام ابویوسف اردبیلی شافعی "کتاب الانوار لاعمال الابرار" میں فرماتے ہیں:

لایستحب لمن صلی جماعۃ او منفرداً اعادتھا جماعۃ او انفراداً بل یکرہ۔

یعنی جس نے نماز جنازہ جماعت سے خواہ تنہا پڑھ لی اس کے لئے دوبارہ جماعت میں خواہ تنہا پڑھنی پسندیدہ نہیں بلکہ مکروہ ہے۔ (ت)[2]

اور اگر کراہت نہ بھی لیجئے تو اس قدر تو ضرور کہ باجماع تمام امت مرحومہ کسی کے نزدیک ضروری نہ تھا۔ پھر آپ نے کس آیت وحدیث کس امام کے قول سے اختیار کیا تھا کہ غیر مذہب والوں سے باصرار ایسے امر کا ارتکاب کرائے جو اُن کے مذہب میں ناجائز اور اپنے نزدیک محض بے حاجت، شافعیہ وغیرہم بعض علماء اگرچہ اُس کے لئے جس نے ہنوز نمازِ جنازہ نہ پڑھی نماز اول ہوجانے کے بعد بھی اجازت نماز دیتے ہیں مگر اس مدعیِ علم کا پڑھ چکنے والوں پر یہ اصرار خصوصاً اس حالت میں کہ خود ولی اقرب بھی انہیں میں ہے اور اسکا وہ علٰی رؤس الاشہاد زعم واظہار کہ تین روز تک جتنی بار چاہے نماز پڑھے، جیسا کہ فاضل سائل نے اپنے خط میں ذکر فرمایا یہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اصلاً مذہب کے مطابق نہیں، نہ شرع مطہر سے اس پر کوئی دلیل، اگر سچّا ہے تو اس اصرار اور اس اظہار کی دلیل پیش کرے ورنہ اپنے جہل وسفاہت اور امرِ شرع میں بیباکی وجرأت کا مقر ہو۔

---

[1] (جامع الترمذی ابواب العلم امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دھلی ۲/ ۹۲)

[2] (کتاب الانوار لاعمال الابرار کتاب الجنائز فصل الصلٰوۃ الجنازۃ مطبعۃ جمالیہ مصر ۱/ ۱۲۳)

مسائل متفرقہ کے بیان میں

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (البقرۃ ۱۱۱)

کہو اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچّے ہو۔ (ت)

حضرات غیر مقلدین بلکہ تمام طوائف مبطلین کی عادت ہے کہ جب کچھ اپنے مفید مطلب نہیں پاتے **الغریق یتشبث بالحشیش** ڈوبتا سوار پکڑتا ہے نری بے علاقہ باتیں، جنہیں ان کے دعوٰی سے اصلاً مس نہیں بلکہ جوشِ غضب میں مدہوش ہو کر اپنے مضر و مخالف دلیلوں سے استناد کر بیٹھتے ہیں، جیسے ان کے شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب دہلوی سے ان کی سب سے بڑی تالیف معیار وغیرہ میں بکثرت و بے شمار واقع ہوا، نمونہ درکار ہو فقیر کا رسالہ ملاحظہ ہو **حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین** جس کا لقب تاریخی بعض ظر فانے حجۃ الحین عہ علٰی نذیر حسین رکھا۔

عہ حین بالفتح بمعنی مرگ ۱۲ منہ (م ۱۲)

دو برس ہوئے بعض غیر مقلدین نے سفر میں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء ملا کر پڑھنے پر زور دیا اور اس مسئلہ کی تقریر جو دہلوی صاحب نے معیار میں بہت چمک کر کی اُس پر ناز تھا، فقیر غفر اللہ تعالٰی سے سوال ہوا اس کے جواب میں یہ عجالہ لکھا گیا جس میں بحمد اللہ تعالٰی مذہب حنفیہ کا احقاق و اثبات اور خلاف و مخالفت کا ایہان و اسکات بعون باری روشن وجہ پر واقع ہُوا کہ اس رسالہ کے سوا کہیں نہ ملے گا۔ اُس کو دیکھنے سے ان محدث صاحب کی حدیث دانی کے جلوے کھلتے ہیں، ایک ہی مسئلہ کی بحث سے روشن ہوتا ہے کہ حضرت کو نہ احادیث پر نظر نہ اسانید سے خبر، نہ علمِ رجال نہ طریق استدلال۔ مفید و عبث میں تمیز درکنار، نافع و مضر میں فرق دشوار۔ مگر ائمہ امّت و کبرائے ملّت پر مُنہ آنے کو تیار۔

كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (غافر ۳۵)

خدا اس طرح ہر متکبر زبردستی والے کے دل پر مہر کر دیتا ہے۔ (ت)

بھلا اس مسئلہ میں شیخ صاحب کے لئے سلف موجود تھا کتبِ شافعیہ وغیرہ گداگری اجتہاد کا بھرت پورا کر لیا۔ اس مسئلہ میں یہ مدعی صاحب ایجاد بندہ بنانے کو کسی کا تیار مال نہ پائیں گے، ظاہر ہے جو کچھ جوہر علم و عقل دکھائیں گے فضول و بے معنی کلمات کے رد میں خواہی نخواہی تضیعِ اوقات ہوتی ہے لہذا قصر مسافت و دفع کثافت کے لئے پہلے ہی چند ہدایتیں مناسب کہ اگرچہ بعد تنبیہ بھی اُن سے عدول ہو تو ہمارا یہی کلام اُسکا پیشگی جواب معقول ہو۔ ان مجتہد صاحب کے دعوے یہ ہیں کہ نماز جنازہ اگرچہ بروجہ کامل ہوچکی اگرچہ ولی احق ادا کر چکا ہو مگر پھر اُسے اور سب پڑھ چکنے والوں کو چاہئے کہ دوبار پڑھیں، اصرار نہ ہو گا مگر کسی امر ضروری یا لااقل مستحب پر معہذا جو نماز شرعاً ماذون فیہا ہو گی کم از کم مستحبہ ہو گی، کہ یہ نماز مباح محض جس کے کرنے نہ کرنے میں کسی ثواب و فضل کی اصلاً امید نہ ہو، شرعاً زنہار معہود نہیں، اور یہ تکرار تین روز تک متواتر جائز اور تین روز پر شرعاً

محدود، پچھلے دعووں کے ثبوت میں جو کچھ درکار وہ خود آشکار، دلیل معتمد شرعی چاہئے جو تین روز کی اجازت دے اور اسی قدر تحدید کرے، بیچارے بے علم مسلمانوں کے سامنے جو منہ پر آئے کہہ دے آسان ہے، ثبوت دیتے حال کھلتا ہے۔ رہا پہلا دعوٰی اسکے لئے کوئی حدیث دکھائیں کہ حضور پر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہو نماز جنازہ کئی کئی بار پڑھا کرو، اتنا ہی ارشاد فرمایا ہو کہ جب نماز جنازہ پڑھ لو پھر اعادہ کرو، یا اسی قدر سہی کہ پڑھنے والو! جو ولی احق کے ساتھ یا اس کے اذن سے ادا کر چکے ہو پھر اعادہ کرو تو بہتر ہے یا اسی قدر کہ تمہارے لئے حرج نہیں یا نہ سہی، اتنا ہی آیا ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نمازِ جنازہ بار بار یا دو ۲ ہی بار پڑھا کرتے یا اس سے درگزر کرے اسی قدر ثابت ہو کہ ولی احق پڑھ چکا تھا بعدہ پھر اُسی نے اور دیگر پڑھ چکنے والوں یا صرف اُسی نے یا صرف اور بعض مصلیوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے دوبار پڑھی اور حضور نے منع نہ فرمایا، حضور کو خبر پہنچی اور حضور نے جائز رکھا۔ یہ سات صورتیں ثبوت کی ہیں جن میں چار پہلے ثبوت قولی اور پانچویں فعلی اور دو باقی تقریری۔ ان میں جس ہلکی سے ہلکی، آسان سے آسان صورت پر قدرت پاؤ پیش کرو اور جب جان لو کہ سب راہیں بند ہیں تو پھر شرع مطہر پر افترا یا اقل درجہ احکام اللہ میں بے باکی واجتزا کا اقرار کرنے سے چارہ نہیں۔ مسلمان ان مجتہد صاحب سے بے ثبوت لئے نہ مانیں۔

اگر ساتوں وجہ سے عاجز پائیں تو اتنا دریافت کر دیکھیں کہ حدیث سنن دارمی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اجرؤکم علی الفتیا اجرؤکم علی النار۔

جو تم میں فتوٰی دینے پر زیادہ جری ہے آتشِ دوزخ پر زیادہ جرأت رکھتا ہے۔[1]

اس میں آپ حضرات تو داخل نہیں؟

اگر بحکم آنکہ ع: وقتِ ضرورت چو نماند گریز۔

ضرورت پر بھاگنے کے سوا چارہ نہیں۔ (ت)

مجبوراً یہ کسی واقعہ حال کا دامن پکڑلے تو اتنا یاد رہے کہ واقعہ عین لا عموم لہا، وقائعِ خاصہ احکامِ عامہ نہیں ہوتے، وُہ ہر گونہ احتمال کے محل ہوتے ہیں۔

اوّلاً آپ کو ثابت کرنا ہو گا کہ پہلے اس جنازہ پر صلٰوۃ ہو چکی تھی، مجرد استبعاد کہ بھلا صحابہ اس وقت نہ پڑھتے۔

[1] (سنن الدارمی باب الفتیا وما فیہ من الشدۃ نشر السنۃ ملتان ۱/ ۵۳)

اقول و باللہ التوفیق

یہ کافی نہ ہوگا کہ نمازِ جنازہ ہمیشہ سے فرض نہ تھی۔

حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا کے جنازہ مقدس پر اس لئے نماز نہ ہوئی کہ اس وقت تک اس کی فرضیت ہی نہ تھی، تو ایک تو بہ سندِ صحیح یہ ثابت کیجئے کہ یہ کب، کس سال، کس ماہ میں اس کی فرضیت اتری۔ مجرد حکایات بے سند مسموع نہ ہوں گی کہ آپ مجتہد ہو کر قیل و قال کی تقلید نہیں کرسکتے، پھر بدلیل صریح یہ مبرہن کیجئے کہ یہ واقعہ عین بعد فرضیت ہی تھا، مجرد وقوع صلٰوۃ مفید فرضیت نہ ہوگا۔ شرع میں اس کی نظائر موجود کہ بعض افعال بلکہ خاص نماز کا قبل فرضیت وقوع ہُوا بعد کو فرضیت اتری، جیسے اسعد بن زرارہ وغیرہ انصار کرام اہل مدینہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا قبل فرضیتِ جمعہ، جمعہ پڑھنا۔

کمارواہ عبدالرزاق ومن طریقہ عبدبن حمیدفی تفسیرہ بسند صحیح وقد بیناہ فی رسالتنا لوامع البھافی المصر للجمعۃ والاربع عقیبھا۔

جیسا کہ اسے عبدالرزاق نے اور ان ہی کے طریق سے عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں بسند صحیح روایت کیا اور اسے ہم نے اپنے رسالہ "لوامع البھافی المصر للجمعۃ والابع عقیبھا" میں بیان کیا۔(ت)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جماعت تراویح اسی خیال سے ترک فرمادی کہ مداومت کئے سے فرض نہ ہوجائے۔[1]

کمارواہ السنۃ من زیدبن ثابت والشیخان عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنھا۔

جیسا کہ اسے اصحاب ستّہ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) نے حضرت زید بن ثابت سے اور شیخین (بخاری، مسلم) نے حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ (ت)[2]

اگر کہے نماز میں نفسِ وقوع ہی فرضیت بتادے گا کہ یہ نماز شرع میں فرض ہی ہو کر معہود ہوئی ہے نفلی طور پر اصلاً مشروع نہیں اقول اب راہ پر آگئے اسی لئے تو ائمہ کرام اس کی تکرار کو نامشروع فرماتے ہیں کہ شرع مطہر میں یہ نماز بروجہ تنفل نہیں اور اس کی فرضیت بالاجماع بسبیل الکفایہ ہے، اور فرض کفایہ جب بعض نے ادا کرلیا ادا ہوگیا، اب جو پڑھے گا نفل ہی ہوگا۔ اور اس میں تنفل مشروع نہیں۔

---

[1] (صحیح البخاری باب فضل من قام رمضان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۶۹)

[2] (صحیح مسلم الترغیب فی قیامِ رمضان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۹)

ثانیاً ثبوت دیجئے کہ اُس واقعہ میں صلاۃ بمعنی ارکان مخصوصہ تھی، صلاۃ علٰی فلاں بمعنی دعا نصوص شرعیہ میں شائع وذائع ہے۔

قال تعالٰی: خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ (التوبۃ ۱۰۳)

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے نبی! مسلمانوں کے مال سے زکوٰۃ تحصیل فرماکر اس کے سبب تُو ان کو پاک اور ستھرا کرے اور ان پر صلاۃ کر، بیشک تیری صلاۃ اُن کے لئے چین ہے۔

اسی آیت کے حکم سے جب لوگ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس زکوٰۃ حاضر کرتے حضور ان کے حق میں دُعا فرماتے:

اللھم صل علٰی فلان کما رواہ احمد والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ وغیرھم عن عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

اے اللہ! فلاں پر رحمت نازل فرما۔ جیسا کہ اسے امام احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہم نے حضرت ابی اوفٰی رضی اللہ عنہمارضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ (ت)[1]

اسی طرح آیہ کریمہ:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (الاحزاب ۵۶)

بیشک خدا اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود پڑھو اور خوب خوب سلام بھیجو۔ (ت)

اللھم صل وسلم وبارک علیہ وعلی الہ وصحبہ وکل منتم الیہ۔

اے اللہ! ان پر درود وسلام وبرکت نازل فرما اور ان کی آل واصحاب اور ان سے ہر نسبت وتعلق رکھنے والے پر بھی۔ (ت) کریمہ هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ (الاحزاب ۴۳)

وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے۔ (ت)

کریمہ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبَاتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ (التوبۃ ۹۹)

(اور کچھ گاؤں والے وُہ ہیں جو اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کریں اسے اللہ کی نزدیکیوں اور رسول سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھیں۔ (ت)

وغیرہ میں صلوٰۃ بمعنی دُعا ہے۔

---

[1] (صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ ۱/ ۲۰۳، وکتاب الدعوات ۲/ ۹۳۷ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حدیث مؤطائے امام مالک وسنن نسائی عن ام المومنین الصدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

انی بعثت الی اھل البقیع لاصلّ علیھم۔

میں اہل بقیع کی طرف بھیجا گیا کہ ان پر صلٰوۃ کروں۔[1]

صلٰوۃ کو بمعنی استغفار ودُعا لیا۔

اقول بلکہ سُنن نسائی کی دوسری روایت میں ہے:

ان جبریل اتانی (فذکر الحدیث قال) فامرنی ان أتی البقیع فاستغفر لھم قلت لہ کیف اقول یارسول اللہ قال قولی السلام علی اھل الدارمن المؤمنین والمسلمین ویرحم اللہ المستقدمین مناوالمستاخرین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔

یعنی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل میرے پاس آئے مجھے حکم فرمایا کہ بقیع جا کر اہل بقیع کے لئے دعائے مغفرت کروں، ام المومنین فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کس طرح کہوں، حضور نے دعاءِ زیارتِ قبور تعلیم فرمائی:

السلام علٰی اھل الدارمن المؤمنین والمسلمین ویرحم اللہ المستقدمین مناوالمستاخرین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔[2]

یہ تو خود حدیثِ بخاری ومسلم وابی داوٗد والنسائی میں ہے:

عن عقبۃ بن عامر ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خرج یوماً فصلی علی اھل احد صلٰوتہ علی المیّت۔

حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک دن احد تشریف لے جاکر اہلِ احد پر صلٰوۃ پڑھی جیسے میّت پر صلٰوۃ پڑھی جاتی ہے۔ (ت)[3]

میں بھی علماء نے صلٰوۃ بمعنی دُعا لی۔

ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں ہے:

زاد (البخاری) فی غزوۃ احد من طریق حَیْوَۃ بن شریح عن یزید بعد ثمان سنین والمراد انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دعاء لھم بدعاء صلٰوۃ المیّت ولیس المراد صلٰوۃ المیت المعھودۃ کقولہ تعالٰی وصل علیھم الاجماع یدل لہ لانہ لایصلی علیہ عندناوعندابی حنیفۃ المخالف لایصلی علی القبر بعدثلثۃ الایام۔

---

[1] (سنن النسائی کتاب الجنائز نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۸۷)

[2] (سنن النسائی کتاب الجنائز نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ۱/۲۸۷)

[3] (سنن النسائی کتاب الجنائز نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ۱/۲۷۷)

مسائل متفرقہ کے بیان میں

امام بخاری نے غزوہ اُحد کے بیان میں بطریق حَیوٰہ بن شریح عن یزید "آٹھ سال بعد" کا اضافہ کیا، یعنی اہلِ اُحد کے لئے صلٰوۃ مذکور کا واقعہ ان کی شہادت کے آٹھ سال بعد کا ہے۔۔۔ اور صلٰوۃ سے مراد یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے لئے وہی دعا کی جو نمازِ میّت میں ہوتی ہے، معروف نمازِ جنازہ مراد نہیں۔ جیسے ارشاد باری تعالٰی "صل علیھم" کا معنی ان کے لئے دعا کرو۔ اس مراد کی دلیل اجماع ہے اسلئے کہ ہمارے نزدیک شہید کی نماز جنازہ نہیں، اور امام ابو حنیفہ جو اس بارے میں ہمارے مخالف ہیں ان کے نزدیک تین دن کے بعد قبر پر نمازِ جنازہ نہیں۔ (ت)[1]

پھر امام نووی شرح مہذب پھر امام سیوطی مرقاۃ الصعود شرح سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں:

قال اصحابنا وغیرھم ان المراد من یھاں الصّلوۃ ھٰھنا الدعاء وقولہ صلوتہ علی المیّت ای دعاء لھم کدعاء صلٰوۃ المیت ولیس المراد صلاۃ الجنازۃ المعروفۃ بالاجماع، اھ مختصرا۔

ہمارے علماء اور دیگر حضرات نے فرمایا کہ یہاں صلٰوۃ سے مراد دعا ہے اور صلٰوتہ علی المیت کا معنی یہ ہے کہ جیسے نمازِ میّت میں دُعا ہوتی ہے وہی دعا ان کے لئے کی، اور معروف نمازِ جنازہ بالاجماع مراد نہیں، اھ مختصراً۔ (ت)[2]

اسی طرح وصالِ اقدس کے بعد حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جو صلٰوۃ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ادا کی ایک جماعتِ علماء اسے بھی بمعنی درود و دعا لیتی ہے اور حدیثِ امیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہی ظاہر ہے:

اخرج ابن سعد عن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ بن عمر بن علی بن ابن ابی طالب عن ابیہ عن جدّہ عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال لما وضع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی السریر قال الا یقوم علیہ احد ھو امامکم حیّاً و میّتاً فکان یدخل الناس رسلاً رسلا فیصلون علیہ صفا صفا لیس لھم امام ویکبرون وعلی قائم بحیال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اللھم انا نشھد ان قد بلغ ما انزل الیہ ونصح لامتہ وجاھد فی سبیل اللہ حتی اعز اللہ دینہ وتمّت کلمتہ اللھم فاجعلنا ممن تبع ما انزل الیہ وثبتنا بعدہ واجمع بیننا وبینہ فیقول الناس امین حتی صلی علیہ الرجال ثم النساء ثم الصبیان۔

ابن سعد نے عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر بن علی بن ابی طالب سے تخریج کی کہ انہوں نے اپنے والد سے بواسطہ اپنے دادا علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کیا یعنی جب حضور پُرنور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو غسل کے دے کر سریر منیر پر لٹایا حضرت مولٰی علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آگے کوئی امام بن کے کھڑا نہ ہو کہ وہ تمہارے امام ہیں اپنی زندگی دنیاوی میں اور بعد وصال بھی۔ پس لوگ گروہ در گروہ اور پرے کے پرے حضور پر صلٰوۃ کرتے کوئی ان کا امام نہ تھا۔ علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے کھڑے عرض کرتے تھے: سلام حضور پر

---

1 (ارشاد الساری شرح البخاری باب الصلٰوۃ علی الشہید دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۴۰)

2 (شرح المہذب للنووی فرع فی مذاہب العلماء فی غسل الشہید الخ المکتبہ السلفیہ مدینہ منورہ ۵۵/ ۱۲۹۵)

اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔ الٰہی! ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور نے پہنچادیا جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا اور ہر بات میں اپنی امّت کی بھلائی کی اور راہِ خدا میں جہاد فرمایا، یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے اپنے دین کو غالب کیا اور اللہ کا قول پُورا ہوا۔ الٰہی! تو ہم کو ان پر اتاری ہوئی کتاب کے پیرؤوں سے کر اور اُن کے بعد بھی اُن کے دین پر قائم رکھ اور قیامت ہمیں ان سے ملا۔ مولا علی یہ دعا کرتے اور حاضرین آمین کہتے، یہاں تک کہ اُن پر مردوں پھر عورتوں پھر لڑکوں نے صلوٰۃ کی، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ (ت)[1]

اور یہی ظاہر اس حدیث کا ہے جو ابن سعد و بیہقی نے محمد بن ابراہیم تیمی مدنی سے روایت کی:

لما کفن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ووضع علی سریرہ دخل ابوبکر وعمر فقالا السلام علیک ایھاالنبی ورحمۃ وبرکاتہ ومعھمانفر من المھاجرین والانصار قدرمایسع البیت فسلموا کماسلم ابوبکر وعمر وھمافی الصف الاول حیال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللھم اناانشھدان قد بلغ ماانزل الیہ ونصح لامتہ وجاھدفی سبیل اللہ حق اعز اللہ دینہ وتمت کلماتہ فاومن بہ وحدہ لاشریک لہ فاجعلنایاالٰھنا ممن یتبع القول الذی انزل معہ راجمع بینناوبینہ حتی نعرفہ وتعرفہ بنافانہ کان بالمؤمنین رؤفارحیمالانبغی بالایمان بدلاولانشتری بہ ثمناابدافیقول الناس اٰمین اٰمین ثم یخرجون ویدخل علیہ اٰخرون حتی صلوا علیہ الرجال ثم النساء ثم الصبیان۔

یعنی جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کفن دے کر سریر مبارک پر آرام دیا صدیق وفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما نے حاضر ہو کر عرض کی: سلام حضور پر اے نبی اور اللہ کی مہر اور اس کی افزونیاں، اور دونوں حضرات کے ساتھ ایک گروہ مہاجرین اور انصار کا تھا جس قدر حجرہ پاک میں سماجاتا اُن سب نے یوں ہی سلام عرض کیا اور صدیق و فاروق پہلی صف میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے کھڑے یہ دعا کرتے: الٰہی! میں گواہی دیتا ہوں کہ جو کچھ تونے اپنے نبی پر اتارا حضور نے امت کو پہنچایا اور اس کی خیر خواہی میں رہے اور راہِ خدا میں جہاد فرمایا، یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے اپنے دین کو غلبہ دیا اور اللہ کی باتیں پوری ہوئیں، تو ایک اللہ پر ایمان لایا گیا اُس کا کسی کو شریک نہیں تو اے معبود ہمارے! ہمیں ان کی کتاب کے پیروؤں میں کر جو اُن کے ساتھ اُتری اور ہمیں اُن سے ملا کہ ہم انہیں پہچانیں اور تو ہماری پہچان انہیں کرادے کہ وہ مسلمانوں پر رحم دل تھے۔ ہم نہ ایمان کسی چیز سے بدلنا چاہیں نہ اس کے عوض کچھ قیمت لینا۔ لوگ اس دُعا پر آمین آمین کہتے، پھر باہر چلے جاتے اور دوسرے آتے یہاں تک کہ مردوں، پھر عورتوں، پھر بچوں نے حضور پر صلوٰۃ کی۔ (ت)[2]

---

[1] (الطبقات الکبری لابن سعد ذکر الصلوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار صادر بیروت ۲/ ۲۹۱)

[2] (الطبقات الکبری لابن سعد ذکر الصلوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار صادر بیروت ۲/ ۲۹۰)

بزار و حاکم و ابن سعد و ابن منیع و بیہقی و طبرانی معجم اوسط میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

از غسلتمونی و کفنتمونی علٰی سیریری ثم اخرجوا عنی فان اول من یصلی علی جبرئیل ثم میکائیل ثم اسرافیل ثم ملک الموت مع جنودہ من الملٰئکۃ باجمعھم ثم ادخلوا علی فوجا فصلوا علی و سلموا تسلیما۔

جب میرے غسل و کفن مبارک سے فارغ ہو مجھے نعش مبارک پر رکھ کر باہر چلے جاؤ، سب میں پہلے جبرئیل مجھ پر صلٰوۃ کریں گے پھر میکائیل، پھر اسرافیل، پھر ملک الموت اپنے سارے لشکروں کے ساتھ، پھر گروہ گروہ میرے پاس حاضر ہو کر مجھ پر درود سلام عرض کرتے جاؤ۔[1]

امام جلاالدین سیوطی خصائص کبرٰی میں فرماتے ہیں:

قال البیھقی، تفرد بہ سلام الطویل عن عبدالملک بن عبدالرحمٰن و تعقبہ ابن حجر فی المطالب العالیۃ بان ابن منیع اخرجہ من طریق مسلمۃ بن صالح عن عبدالملک بہ فھذہ متابعۃ السلام الطویل و اخرجہ البزار من وجہ اٰخر عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

بیہقی نے کہا: عبدالملک بن عبدالرحمن سے اسکی روایت میں سلام طویل منفرد ہیں۔ اس پر علامہ ابن حجر نے "مطالب عالیہ" میں تعاقب فرمایا کہ اسے ابن منیع نے بطریق مسلمہ بن صالح، عبدالملک سے اسی سند سے روایت کیا ہے تو یہ سلام طویل کی متابعت ہوگئی اور اسے بزار نے ایک اور طریق سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)[2]

اس حدیث سے بھی ظاہر کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خود اپنے جنازہ اقدس کی نسبت اسی قدر تعلیم فرمائی کہ گروہ گروہ حاضر ہو کر درود و سلام پڑھتے جانا۔

شرح موطائے امام مالک للعلامۃ الزرقانی میں بعد ذکر حدیث مذکور امیر المومنین علی ہے:

ظاھر ھذا، ان المراد بالصلٰوۃ علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماذھب الیہ جماعۃ ان من خصائصہ انہ لم یصل علیہ اصلا و انما کان الناس یدخلون فیدعون ویفترقون، قال الباجی و لھذا وجہ و ھو انہ افضل من کل شھید و الشھید یغنیہ فضلہ عن الصلٰوۃ علیہ و انما فارق الشھید فی الغسل لانہ حذر من غسلہ ازالۃ الدم عنہ، و ھو مطلوب بقائہ لطیبہ و لانہ عنوان بشھادتہ فی الاٰخرۃ و لیس علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مایکرہ ازالتہ عنہ فافترقا انتھی ای ماافادالامام ابو الولید۔

---

[1] (المستدرک علی الصحیحین کتاب المغازی دار الفکر بیروت ۳/۶۰)

[2] (الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالصلٰوۃ علیہ افراداً الخ دار الکتب الحدیثیہ مصر ۲/۳۹۵)

اسکا ظاہر یہی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صلٰوۃ سے مراد وہی ہے جو ایک جماعت کا مذہب ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ ان کی نمازِ جنازہ بالکل نہ پڑھی گئی، پس یہ ہوا کہ لوگ داخل ہوتے اور دعا کرکے جدا ہو جاتے، باجی نے فرمایا: اس کی ایک وجہ ہے، وہ یہ کہ سرکار ہر شہید سے افضل ہیں اور شہید کو اس قدر فضیلت حاصل ہے کہ اس کی نماز جنازہ کی ضرورت نہیں۔ رہا یہ کہ غسل کے بارے میں سرکار کا معاملہ شہید سے الگ رہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ شہید کو غسل اس لئے نہیں دیا جاتا کہ اس پر جو خون لگا ہے وہ زائل ہو جائے گا جبکہ پاکیزگی کے باعث اس کا باقی رہنا مطلوب ہے، اور اس لئے بھی کہ آخرت میں وہ اس کی شہادت کا نشان ہوگا، اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جسم پر ایسی کوئی چیز نہیں جسے زائل کرنا پسندیدہ نہ ہو، اس لئے یہ حکم الگ الگ، امام ابوالولید باجی کا افادہ ختم ہوا۔

ثم نقل عنہ جوابا ان المقصود من الصلٰوۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم عود التشریف علی المسلمین مع ان الکامل یقبل زیادۃ التکمیل۔ ثم اثر عن القاضی عیاض تصحیح ان الصلٰوۃ کانت ھی المعروفۃ لامجرد الدعا فقط، اھ۔

پھر اس کا جواب نقل کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نماز پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو شرف حاصل ہو، دوسرے یہ کہ کامل مزید تکمیل کے قابل ہوتا ہے۔ پھر امام قاضی عیاض سے اس کی تصحیح نقل کی کہ وہ صلٰوۃ یہی معروف نمازِ جنازہ تھی محض دعا نہ تھی۔[1]

اقول اما الجواب فلا یمس ماینحو الیہ ابو الولید فانہ لایدعی احالتہ الصّلٰوۃ المعروفۃ علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانہا لاوجہ لہا حتی یثبت جوازھا ویذکر توجیہا وانما یقول ان لترکہا وجہا ان وقع وھو کذلک ولا ینافیہ ان لفعلہا ایضا وجہا او وجوھا۔

اقول امام ابوالولید کا جو مطمح نظر ہے اس سے جواب کو مس نہیں، اس لئے کہ وہ اسکے مدعی نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نماز جنازہ محال ہے، اور اس کی ادائیگی کوئی وجہ نہیں رکھتی، جواباً اس کا جواز ثابت کیا جائے اور اس کی کوئی وجہ ظاہر کی جائے، وُہ صرف یہ فرمارہے ہیں کہ اگر سرکار کی نماز نہیں پڑھی گئی تو اسکی ایک وجہ ہے --اور وہ اس طرح ہے-- اب اگر ادائے نماز کی بھی ایک وجہ یا چند وجہیں ہیں تو یہ ان کے بیان کے منافی نہیں۔

ان ماذکر المجیب متمش فی الشھید ایضا والکلام علی مذھب من یقول لایصلی علیہ اما قبول الزیادۃ فبدیھی واما انتفاع المسلیمین فکذلک وقدروی الامام الترمذی محمد بن علی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوّل تحفۃ المومن ان یغفر لمن صلی علیہ۔

[1] (شرح الزرقانی علی موطا الامام مالک ۱۴۹ باب ماجاء فی دفن المیت المکتبۃ التجاریۃ الکبری مصر ۲/ ۶۶)

اور مجیب نے جو ذکر کیا ہے وُہ شہید کے بارے میں بھی کہا جاسکتا ہے، یہ کلام ان لوگوں کے مذہب پر ہوگا جو شہید کی نمازِ جنازہ کے قائل نہیں شہید کا زیادتی کمال کے قابل ہونا تو بدیہی ہے، رہا مسلمانوں کا فائدہ پانا تو وہ بھی ایسا ہی تھا--امام ترمذی محمد بن علی حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مومن کا سب سے پہلا تحفہ یہ ہے کہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے والوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔[1]

ورواہ الدارقطنی فی الافراد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلفظ اوّل مایتحف بہ المومن اذادخل قبرہ ان یغفر لمن صلی علیہ۔

اور اسے دار قطنی نے افراد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایت سے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ: مومن جب قبر میں داخل ہوتا ہے تو اس کو سب پہلا تحفہ یہ دیا جاتا ہے کہ اس کی نماز پڑھنے والوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔[2]

ورواہ عبدبن حمید والبزار والبیھقی فی شعب الایمان عنہ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلفظ ان اوّل مایجازی بہ المومنین بعدموتہ ان یغفر لجمیع من تبع جنازۃ۔

اور اسے عبد بن حمید، بزار اور شعب الایمان میں بیہقی نے ان ہی (حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما) کی روایت سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ان الفاظ میں روایت کیا کہ: مومن کو بعد موت سب سے پہلا صلہ یہ دیا جاتا ہے کہ اس کے جنازہ کے پیچھے چلنے والے سب لوگوں کو بخش دیا جاتا ہے۔[3]

ورواہ ابن ابی الدنیافی ذکر الموت والخطیب عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلفظ ان اوّل تحفۃ المؤمن ان یغفر لمن خرج فی جنازتہ۔

اور ابن ابی الدنیا نے ذِکر موت میں اور خطیب نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ: مومن کا سب سے پہلا تحفہ یہ ہے کہ جو لوگ اس کے جنازہ میں نکلے ان کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔[4]

وروی الدیلمی فی مسند الفردوس عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذامات الرجل من اھل الجنۃ استحی اللہ عزوجل ان یعذب من حملہ ومن تبعہ ومن صلی علیہ۔

---

[1] (نوادر الاصول الاصل الرابع والخمسون دارصادر بیروت ص ۷۸)

[2] (کنز العمال بحوالہ الدارقطنی فی الافراد حدیث ۴۲۳۵۳ موسستہ الرسالۃ بیروت ۱۵/ ۵۹۵)

[3] (شعب الایمان باب فی الصلٰوۃ علی من مات حدیث ۹۲۵۸ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۷/ ۷)

[4] (تاریخ بغداد ترجمہ نمبر ۲۷۶۸ محمد بن راشد البغدادی دار الکتاب العربی بیروت ۵/ ۲۷۴)

اور دیلمی نے مسند الفردوس میں انہی (جابر بن عبد اللہ) کی روایت سے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ جب اہل جنت کا کوئی شخص انتقال کرتا ہے تو اللہ عزوجل حیا فرماتا ہے کہ ان لوگوں کو عذاب دے جو اس کا جنازہ لے کر چلے اور جو اس کے پیچھے چلے اور جنہوں نے اس کی نماز پڑھی۔[1]

وروی ابوبکر بن ابی شیبة وابو الشیخ وابن حبان فی کتاب الثواب عن سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان اول مایبشر به المومن ان یقال ابشر ولی اللہ برضاو الجنة قدمت خیر مقدم قدغفر اللہ لمن تبعک واستجاب لمن استغفر لک وقبل من شھد لک۔

اورابو بکر بن ابی شیبہ، ابوالشیخ اورابن حبان نے کتاب الثواب میں بروایت سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ: سب سے پہلے مومن کو جو بشارت دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس سے کہا جاتا ہے اے خدا کے ولی! تجھے اس کی خوشنودی کا مژدہ ہو، جنت تیرے خیر مقدم کو تیار ہے اور اللہ نے تیرے جنازے کے ساتھ چلنے والوں کی مغفرت فرمادی اور تیرے لئے استغفار کرنے والوں کی دُعا قبول کی اور تیرے لئے شہادت دینے والوں کو قبول فرمایا۔[2]

واما تصحیح عیاض اقول لامتمسک فیه للمخالف المدعی للاجتهاد وکیف یجوزله ان یقلد عیاضاوھو لایقلدمن یقلدہ عیاض اعنی الامام مالک ولامن ھو اکبر منه اعنی الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنهما۔

رہی قاضی عیاض کی تصحیح، تو میں کہتا ہوں اس میں مخالف مدعی اجتہاد کے لئے کوئی جائے تمسک نہیں، اس کے لئے قاضی عیاض کی تقلید کیسے روا ہوگی جب کہ وہ ان کی بھی تقلید نہیں کرتا جن کے قاضی عیاض مقلّد ہیں یعنی امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ، نہ ان کی جو ان سے بزرگ ہیں یعنی امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

ثم حسبنافی قبول التصحیح ان نقول نعم صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم صلٰوۃ الجنازۃ مرۃ وذلک حین تمت البیعته علٰی یدالصدیق رضی اللہ تعالٰی عنه صحت ولایته اماقبل ذلک فما کان الناس لایدعون وینصرفون ثم اذاصلی الصدّیق لم یصل علیه احدبعد کماسنذکر الجزم به عن الامام شمس الائمه السرخسی رحمة اللہ علیه۔

پھر ہمارے لئے قبول تصحیح کے معاملے میں یہ کہنا کافی ہے کہ ہاں ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی گئی، وُہ اس وقت جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاتھ پر بیعت تمام ہوئی اور ان کی ولایت صحیح ہوگئی۔ اس سے قبل صرف یہ تھا کہ لوگ آکر دعا کرتے اور لوٹ جاتے۔ پھر جب حضرت صدیق نے نماز ادا کی تو اس کے بعد کسی نے حضور کی نماز جنازہ نہ پڑھی۔۔ جیسا کہ شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے اس پر جزم ہم آگے نقل کریں گے۔

---

[1] (الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۱۱۰۸، دارالباز مکۃالمکرمہ ۱/ ۲۸۲)

[2] (کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ فی الثواب حدیث ۴۲۳۵۵ موسسۃالرسالۃ بیروت ۱۵/ ۵۹۶)

ثالثاً ثبوت دینا ہوگا کہ پہلی نماز ولی احق نے خود پڑھی تھی پھر اعادہ کی، قطع نظر اس سے کہ جب نماز اوّل نہ ولی احق نے خود پڑھی نہ اس کے اذن سے ہُوئی تو اُسے ہمارے نزدیک بھی اعادہ کا اختیار ہے۔ ان مجتہد صاحب کا وہ حکم واصرار صحیح ٹھہرانا خاص اسی صورت کے ثبوت پر موقوف کہ یہاں واقعہ یہی تھا۔

اقول وباللہ التوفیق

زمانہ اقدس حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں تمام مسلمین کے ولی احق واقدم خود حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ (الأحزاب ٦)

نبی مسلمانوں کے انکی جانوں سے زیادہ مالک ہیں۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا اولٰی بالمؤمنین من انفسھم۔

رواہ احمد والشیخان والنسائی وابن ماجۃ عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

میں مسلمانوں کا ان کی جانوں سے زیادہ مالک ہوں۔ اسے امام احمد، بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا۔ (ت)[1]

توجو نماز قبل اطلاع حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور لوگ پڑھ لیں پھر اگر حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعادہ فرمائیں تو یہ وہی صورت ہے کہ نمازِ اول غیر ولی احق نے پڑھی، ولی احق اختیارِ اعادہ رکھتا ہے اسے ان مجتہد صاحب کی صورت سے کچھ علاقہ نہ ہوگا خصوصاً جب کہ پہلے سے ارشاد فرمایا ہو کہ فلاں مریض جب انتقال کرے ہمیں خبر دینا کہ آخر یہ ارشاد اسی لئے تھا کہ خود نماز پڑھنے کا قصد تھا تو اگر اوروں کا پڑھنا ثابت ہو تو صرف بے اذنِ ولی نہیں بلکہ خلافِ اذن ولی ہوگا، اگرچہ اُن کا اطلاع نہ دینا بمقتضائے ادب ومحبت ہو جیسا کہ سکینہ سودا خادمہ مسجد اُم محجن رضی اللہ تعالٰی عنہما کے معاملہ میں واقع ہوا۔ موطائے امام مالک وغیرہ میں حدیث ابی امامہ اسعد بن سہل بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے، جب وُہ بیمار ہوئیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اذا ماتت فاذنونی جب اس کا انتقال ہو مجھے خبر کر دینا۔[2]

---

[1] (صحیح البخاری کتاب الکفالۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۰۸)

[2] (موطا امام مالک التکبیر علی الجنائز میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۰۸)

ان کا جنازہ شب کو تیار ہوا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جگانا خلافِ ادب جانا (ابن شیبہ کی روایت موصولہ میں حدیث سہل بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے) یہ بھی خوف ہُوا کہ رات اندھیری ہے زمین میں ہر طرح کے کیڑے ہوتے ہیں اس وقت حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تشریف لے جانا مناسب نہیں۔

قال فدفنھا۔

یہ خیال کرکے دفن کردیا۔[1]

صبح حضور کو خبر ہوئی فرمایا:

الم امرکم ان تؤذنونی بھا۔

کیا میں نے تم کو حکم نہ دیا تھا کہ مجھے اس کی خبر کردینا؟

عرض کی:

یارسول اللہ کرھنا ان نخرجک لیلا او نوقظک۔

یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! ہمارے دلوں کو گوارا نہ ہُوا کہ رات میں حضور کو باہر آنے کی تکلیف دیں یا حضور کو خوابِ راحت سے جگائیں (کہ حضور کا خواب بھی تو وحی ہے کیا معلوم کہ اس وقت حضور خواب میں کیا دیکھتے سنتے ہوں)۔[2]

صحیح بخاری شریف میں حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

فحقروا شانھا۔[3]

صحیح مسلم میں انہی سے ہے:

وکانھم صغروا امرھا۔

یعنی یہ خیال کیا کہ وہ اس قابل تھی کہ اس کے جنازہ کے لئے حضور کو جگاکر اندھیری رات میں باہر لے جائیں۔[4]

مسند امام احمد میں حدیث عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

فلاتفعلوا ادعونی لجنائزکم۔

ایسا نہ کرو مجھے اپنے جنازوں کے لئے بلایا کرو۔[5]

---

[1] (المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الجنائز ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۳/ ۳۶۱، التمہید لابن عبدالبر الصلٰوۃ علی القبر رویت علی ستتہ وجوہ المکتبہ القدوسیہ لاہور ۶/ ۲۶۳)

[2] (مؤطا الامام مالک التکثیر علی الجنائز میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۰۸)

[3] (صحیح البخاری کتاب الجنائز قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۸)

[4] (صحیح مسلم کتاب الجنائز نورمحمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۳۱۰)

[5] (مسند امام احمد بن حنبل حدیث عامر بن ربیعہ دارالفکر بیروت ۳/ ۴۴۴)

سنن ابن ماجہ میں حدیث زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے حضور نے فرمایا:

فلاتفعلو الا اعرفن مامات منکم میت ماکنت بین اظھر کم لا أذنتمونی بہ فان صلاتی لہ رحمۃ۔

ایسا کبھی نہ کرنا جب تک میں تم میں تشریف رکھوں جو شخص مرے مجھے خبر کردینا کہ میری نماز اس کے حق میں رحمت ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[1]

اقول وباللہ التوفیق

ابن حبان اپنی صحیح اور حاکم مستدرک میں حضرت یزید بن ثابت انصاری برادر اکبر زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں:

قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلما وردنا البقیع اذاھو بقبر فسأل عنہ فقالو فلانۃ فعرفھا فقال الا أذنتمونی بھا قالوا کنت قائلا صائما قال فلاتفعلوا الاعرفن مامات منکم میت ماکنت بین اظھر کم الا أذنتمونی بہ فان صلاتی علیہ رحمۃ۔

یعنی ہم ہمراہ رکابِ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باہر چلے جب بقیع پر پہنچے ایک قبر تازہ نظر آئی حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: لوگوں نے عرض کی: فلاں عورت۔ حضور نے انہیں پہچانا، فرمایا: مجھے کیوں خبر نہ دی؟ عرض کی: حضور دوپہر کو آرام فرماتے تھے اور حضور کا روزہ تھا۔ فرمایا: تو ایسانہ کرو جب تم میں کوئی مسلمان مرے مجھے خبر کردیا کرو کہ اُس پر میرا نماز پڑھنا رحمت ہے۔[2]

ظاہر ہے کہ یہ واقعہ واقعۂ حضرت سکینہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا غیر ہے، وہاں یہ تھا کہ اندھیری رات تھی ہمیں گوارا نہ ہوا کہ حضور کو جگائیں، یہاں یہ ہے کہ دوپہر کا وقت تھا حضور آرام فرماتے تھے حضور کو روزہ تھا اور دونوں حدیثوں میں وہی ارشاد اقدس ہے کہ ایسا نہ کرو ہمیں اطلاع دیا کرو۔ اب خواہ یُوں ہو کہ ایک واقعہ کے حضار اور تھے اور دوسرے واقعہ کے لوگوں کو اس حکم کی خبر نہ تھی خواہ یوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس امر کو ارشادی محض، بہ نظرِ رحمت تامہ حضور رؤف رحیم علیہ افضل الصّلوٰۃ والتسلیم خیال کیا، نہ ایجابی۔ لہذا جہاں تکلیف کا خیال ہوا ادب وآرام کو مقدم رکھا، بہرحال ایسے وقائع اُن سب وجوہ مذکور کے مورد ہیں۔ ایک بار کے فرمان سے، کہ خبر دے دیا کرو، باقی بار کا اطلاع اقدس ہونا ثابت نہیں ہوسکتا، کما لا یخفی لاجرم۔

---

[1] (سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی الصلٰوۃ علی القبر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۱، التمہید لابن عبدالبر اباحۃ الصلٰوۃ علٰی قبر الخ المکتبۃ القدوسیہ لاہور ۲۷۲/۶)

[2] (الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان حدیث ۳۰۸۶ موسستہ الرسالہ بیروت ۳۵/۶)

طبرانی نے حصین بن وَحوَح انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

ان طلحۃ بن البراء مرض، فاتاہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یعودہ فقال انی لاری طلحۃ الاقدحدث فیہ الموت فاذنونی بہ وعجلوا افلم یبلغ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بنی سالم بن عوف حتی توفی، وکان قال لاھلہ لمادخل اللیل اذامت فادفنونی ولاتدعو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فانی اخاف علیہ الیھود ان یصاب بسببی فاخبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حین اصبح ملخصا الحدیث۔

یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ تعالٰی عنہ کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور یہ فرماگئے کہ اب اُنکا وقت آیا معلوم ہوتا ہے، مجھے خبر کردینا اور تجہیز میں جلدی کرنا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم محلہ بنی سالم تک نہ پہنچے تھے کہ اُن کا انتقال ہوگیا اور انہوں نے رات آنے پر اپنے گھر والوں کو وصیت کردی تھی کہ جن میں مروں تو مجھے دفن کردینا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نہ بلانا، رات کا وقت ہے مجھے یہود سے اندیشہ ہے مبادا حضور کو میرے سبب سے کوئی تکلیف پہنچے۔ ان کے گھر والوں نے ایسا ہی کیا، صبح نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو خبر ہوئی۔ وباللہ التوفیق[1]

ثمّ اقول وباللہ استعین۔

پھر میں اللہ تعالٰی کی مدد سے کہتا ہوں۔ (ت)

حقیقتِ ولایت سے قطع نظر کرکے یہاں ایک لطیف تر تقریر ہے کہ فیضِ قدیر سے قلبِ فقیر پر فائز ہوئی، نمازِ جنازہ شفاعت ہے۔

کما صرحت بہ الاحادیث۔

جیسا کہ احادیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ (ت)

احمد ومسلم وابوداؤدوابن ماجہ کی حدیث میں عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

مامن رجل مسلم یموت فیقوم علی جنازتہ اربعون رجلا لایشرکون باللہ شیئا الا شفعھم اللہ فیہ۔

جس مسلمان کے جنازے میں چالیس مسلمان نماز میں کھڑے ہوں اللہ تعالٰی اس کے حق میں اُن کی شفاعت قبول فرمائے۔[2]

---

[1] (المعجم الکبیر حصین بن وحوح انصاری حدیث ۳۵۵۴ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۴/ ۲۸)

[2] (صحیح مسلم کتاب الجنائز، نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۳۰۸)

احمد و مسلم ونسائی نے ام المومنین وانس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما اور ترمذی نے صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

مامن میت تصلی علیہ أمة من المسلمین یبلغون مائة کلھم یشفعون لہ الا شفعوا فیہ۔

جس میّت پر سَو مسلمان نمازِ جنازہ میں شفیع ہوں ان کی شفاعت اُس کے میں قبول ہو۔[1]

اور مالکِ شفاعت صرف حضور شفیع یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں، اور جو کوئی شفاعت کرے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نیابت سے کرے گا۔

شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اعطیت الشفاعة۔

شفاعت مجھے عطا فرمادی گئی ہے۔[2]

رواہ البخاری ومسلم والنسائی عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنھا فی حدیث اعطیت خمسالم یطعھن احدٌمن الانبیاء قبلی۔

اسے بخاری، مسلم اور نسائی نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ اس حدیث میں کہ مجھے پانچ چیزیں دی گئیں جو مجھ سے پہلے کے انبیاء کو نہ ملیں۔[3]

حضور شافع شفیع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا کان یوم القیمة کنت امام النبین وخطیبھم وصاحب شفاعتھم غیر فخر۔

رواہ احمد والترمذی وابن ماجة والحاکم باسانید صحیحة عن ابی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

روزِ قیامت تمام انبیاء کا امام اوران کا خطیب اور اُن کی شفاعت کا مالک ہوں اور یہ بات کچھ براہ فخر نہیں فرماتا۔ اسے امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے صحیح سندوں سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔[4]

توجو شفاعت بے اذنِ والا کوئی کرے وہ فضولی کا تصرف ہے کہ اذنِ مالک پر موقوف رہے گا۔ مالک اگر جائز کردے جائز ہوجائے گا اور اگر آپ ابتدائے تصرف کرے تو باطل۔

فان البات اذطرء علٰی موقوف ابطلہ کمانص علیہ الفقھاء فی غیر مامسئلہ۔

---

[1] (صحیح مسلم کتاب الجنائز نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۳۰۸)

[2] (صحیح البخاری باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جعلت لی الارض مسجدا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۲)

[3] (صحیح البخاری باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جعلت لی الارض مسجدا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۲)

[4] (جامع الترمذی ابواب الجنائز، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دھلی ۱/ ۱۲۲)

اس لئے کہ قطعیت والا جب کسی موقوف پر طاری ہو تو اسے باطل کر دیتا ہے جیسا کہ فقہانے متعدد مسائل میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔(ت)

مثلاً عمرو ملک زید بے اذنِ زید بیع کر دے، زید خبر پا کر روار کھے رواہے، اور اگر خود از سر نو عقدِ بیع کرے تو ظاہر ہو گا کہ عقد فضولی پر قناعت نہ کی اب عقد یہی عقدِ مالک ہو گا، نہ عقد فضولی۔ تو صورتِ مذکور میں جس میّت پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خود نماز پڑھیں۔ یہ اعادۂ نماز نہ ہو گا، بلکہ نمازِ اوّل یہی قرار پانی چاہئے۔ بحمد اللہ تعالٰی یہی معنٰی ہیں ہمارے بعض ائمہ کے فرمانے کے کہ نمازِ جنازہ کا فرض حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں بے حضور کے پڑھے ساقط نہ ہوتا تھا یعنی حضور خود پڑھیں یا دوسروں کو اذن دیں۔

كما فعل في الغال وكان يفعل او لا في من مات مديونا ولم يترك وفاء۔

جیسا کہ مالِ غنیمت کے اندر خیانت کرنے والے کے ساتھ کیا پہلے اس مدیون کے ساتھ ایسا کرتے تھے جو ادائے عین کے لئے کچھ چھوڑ نہ جائے(ت)

اور اگر بے اطلاعِ حضور پُر نور لوگ خود پڑھ لیں، تو وہ شفاعت بے اذن کا مالک ہے کافی ومسقط فرض نہیں۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے:

رأيت السيوطي ذكر في انموذج اللبيب، انه ذكر بعض الحنفية ان في عهده عليه الصلوٰة والسلام لا يسقط فرض الجنازة الا بصلاته فيؤل الى ان صلاة الجنازة في حقه فرض عين وفي حق غيره فرض كفاية والله ولي الهداية۔

میں نے دیکھا کہ امام سیوطی نے انموذج اللبیب میں لکھا ہے کہ بعض حنفیہ نے بیان کیا کہ حضور اقدس علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے عہد پاک میں فرضِ جنازہ حضور کی نماز کے بغیر ساقط نہ ہوتا، اور خدا ہی ہدایت کا مالک ہے(ت)[1]

اقول لا يؤل اليه وكيف وقد ثبت ما ذكرنا من امر الغال والمديون ولم يقل للقائل، ان فرض الجنازة كان لا يسقط عنه الا بصلاته صلى الله تعالٰى عليه وسلم ولو اراد هذا لكان تقييده بعده صلى الله عليه وسلم عبثا مستغنى عنه انما المعنى ما قررنا ان الفرض لم يكن يسقط عن احد في عهده مالم يصل او يأذن، لكونه هو مالك الشفاعة صلى الله عليه وسلم۔

اقول یہ مآل نہ ہو گا، یہ کیسے ہو سکتا ہے جب وہ جو ہم نے خائن اور مدیون کا معاملہ ذکر کیا وُہ ثابت ہے، اُس قائل نے یہ نہیں کہا کہ حضور سے بغیر نمازِ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فرض ساقط نہ ہوتا، اگر اس کا مقصد یہ ہوتا تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہدِ مبارک کی قید لگانے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی، مقصود وہ ہے جو ہم نے بیان کیا کہ سرکار کے عہد مبارک میں

---

[1] (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ والصلوٰۃ علیہا مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۵۰)

کسی سے یہ فرض ساقط نہ ہو تا جب تک حضور خود نہ پڑھیں یا دوسرے کو اذن نہ دیں اس لئے کہ شفاعت کے مالک وہی ہیں، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ (ت)

اقول بنظرِ ارشاد مذکور کہ ہمیں خبر کر دینا، اور اطلاع واقع نہ ہوئی، شرع سے اس کیلئے ایک اور نظیر مل گئی، مسجدِ محلہ میں اہل محلہ جب جماعتِ صحیحہ غیر مکروہہ بالاعلانِ اذان ادا کرچکیں تو دوسروں کو باعادہ اذان وہاں جماعت کی اجازت نہیں، اور اگر پہلی جماعت بے اذان یا باخفائے اذان واقع ہوئی تو انہیں روا ہے کہ اذان بروجہ مسنون دے کر محراب میں جماعت قائم کریں کہ جب وہ جماعت برخلاف حکم سنّت تھی تو اب یہ اعادہ جماعت نہیں بلکہ یہی جماعتِ اولٰی ہے۔

كما بيّناه فی رسلتنا القطوف الدانية لمن حسن الجماعة الثانية۔

جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ "القطوف الدانية لمن احسن الجماعة الثانية" میں بیان کیا ہے۔ (ت)

یہی وجہ ہے ان تقریراتِ نفسیہ سے بحمد اللہ تعالٰی حدیثِ سکینہ اور اس کی نظراء کی بحث کا تصفیہ تمام ہو گیا اور نہ صرف ان مجتہد صاحب کے اختراع بلکہ تمسکِ شافعیہ کا بھی جواب تمام۔

وبه ظهر، ان لو ثبت ان الذين صلوا من قبل ان كانوا اهم المصطفين خلف المصطفى صلى الله تعالٰى عليه وسلم لم يكن فيه ماينكر به علٰى شيئ من مذهبنا ولا حاجة بنا الى الجواب الذى اورد العلامة القسطلانی فی ارشاد السارى وارتضاه المولى على القارى فى المرقاة وذكره الفاضل الزرقانى فى شرح الموطا ان صلٰوة غيره صلى الله عليه وسلم وقعت تبعاله صلى الله عليه وسلم وبه انحلت بحمد الله تعالٰى عقدة استصعبها المحقق حيث اطلق فى الفتح و الله سبحانه ولى التوفيق و الفتح والحمد لله رب العٰلمين۔

اور اسی سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اگر یہ بھی ثابت ہو جائے کہ جو لوگ جنازہ پہلے ادا کرچکے تھے وہی بعد کو سرکار مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیچھے صف بستہ تھے تو اس میں کوئی ایسی بات نہ ہو گی جو ہمارے مذہب پر گرد اعتراض بٹھا سکے--- اور ہمیں اس جواب کی ضرورت نہیں جو علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری میں ذکر کیا اور مولانا علی قاری نے مرقاۃ میں اسے پسند کیا اور فاضل زرقانی نے شرح موطاء میں اسے بیان کیا کہ "دوسرے حضرات کی نماز حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تبعیت میں تھی" اور اسی سے بحمد اللہ تعالٰی ایک اور عقدہ حل ہو گیا جسے محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں دشوار قرار دیا ہے۔ اور خدائے پاک ہی توفیق اور کشف کا مالک ہے، اور ساری خوبیاں اللہ کے لئے جو سارے جہانوں کا مالک ہے۔ (ت)

تنبیہ: اقول و باللہ التوفیق ولایتِ میّت یا بذریعہ وراثت مال ہے ولہذا جو وراثت میں مقدم، ولایت میں اقدم یا بطور نیابت ولی احق و والی مطلق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے یعنی خلافتِ امام و سلطنتِ اسلام بمعنی اول، حضور اقدس صلی تعالٰی علیہ وسلم کو کوئی ولی نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لانورث ماترکناہ صدقۃ۔

رواہ احمد والبخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی عن ابی بکر صدیق وابوداؤد عن ام المؤمنین ونحوہ عن الزبیر واحمد والشیخان وابوداؤد عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

ہمارا کوئی وارث نہ ہوگا ہم جو چھوڑ جائیں گے صدقہ ہے، اسے امام احمد، بخاری، مسلم اور ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ سے بھی روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہم۔[1]

حدیث اُمّ المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا میں ہے:

فاذامت فھو الٰی ولی الامر من بعدی۔

جب میں انتقال فرماجاؤں تو میرے ترکے کا اختیار اُسے ہے جو میرے بعد ولیِ امر و خلیفہ ہوگا۔[2]

رہی ولایتِ خلافت وہ ہنوز کسی کو نہ تھی، یہاں تک صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئی، اگر یہی مانئے کہ جنازہ اقدس پر نماز ہوئی تو غیر والی احق سے، بے اذن ولی احق تھی، ہاں یہ ثابت کیا جائے کہ صدیق اکبر نے بعد خلافت نماز ادا کی اور پھر اعادہ کی گئی، مگر حاشا اس کا ثبوت کہاں، الحمد اللہ تعالٰی اس تقریر کے بعد فقیر غفر اللہ تعالٰی نے مبسوط امام شمس ائمہ سرخسی سے پایا کہ بعینہٖ اسی جواب کی طرف اشارہ فرمایا۔

منحۃ الخالق میں مبسوط سے ہے:

لاتعاد الصلٰوۃ علی المیت الا ان یکون الولی ھو الذی حضر، فان الحق لہ ولیس لغیرہ ولایۃ اسقاط وھو تاویل فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فان الحق لہ قال اللہ تعالٰی النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم وھکذا تاویل فعل الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم فان ابابکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کان مشغولا بتسویۃ الامور وتسکین الفتنۃ فکانوا یصلون علیہ قبل حضورہ وکان الحق لہ لانہ ھو الخلیفۃ فلما فرغ صلی علیہ ثم لم یصل احد بعدہ علیہ، اھ۔

نمازِ جنازہ دوبارہ نہیں مگر یہ کہ ولی ہی بعد میں آیا تو اسے حق اور دوسرے کو اس کا حق ساقط کرنے کا اختیار نہیں---یہی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فعل کی تاویل ہے کیونکہ حق سرکار کا تھا، اللہ تعالٰی فرماتا ہے: نبی مسلمانوں کے ان کی جانوں سے زیادہ مالک ہیں، اور اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے فعل کی تاویل ہے اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق

---

[1] (صحیح مسلم شریف کتاب الجہاد باب حکم الفیئ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲ /۹۱، سنن ابوداؤد کتاب الخراج والفیئ آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۶۰)

[2] (سنن ابوداؤد کتاب الخراج والفیئ آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۶۰)

رضی اللہ تعالٰی عنہ معاملات درست کرنے اور فتنہ فرو کرنے میں لگے ہوئے تھے تو ان کی آمد سے پہلے لوگ صلٰوۃ پڑھتے جاتے اور حق صدیق کا تھا کیونکہ خلیفہ وہی ہوئے تو جب فارغ ہوئے سرکار کی نمازِ جنازہ پڑھی پھر کسی نے حضور کی نماز نہ پڑھی۔ [1]

اقول وبما قررنا ظھر لک سقوط ما وقع ھٰھنا فی المنحۃ فافھم وتثبت واللہ المنۃ۔

اقول ہماری تقریر سے وہ اعتراض ساقط ہوگیا جو یہاں منحۃ الخالق میں ہے۔ تو اسے سمجھو اور ثابت قدم رہو۔ اور احسان خدا ہی کا ہے۔ (ت)

رابعًا: ثبوت ہو کہ دوبارہ نماز پڑھنے والے خود وہی ہیں جو اول پڑھ چکے تھے کہ نئے لوگوں کا پڑھنا اگرچہ ولی احق کے بعد خلافیہ حنفیہ وشافعیہ ہو ان مجتہد صاحب کے مذہب وفتوٰی کا مصح نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے تو پڑھ چکنے والوں کو دوبارہ پڑھوائی۔

خامسًا: ہر تقدیر پر ضرور ہے کہ حدیث ہو صحیح فقہی ہو۔ مجرد وصحت حدیثی اثبات حکم کے لئے بس نہیں ہوتی، مجتہد صاحب اگر علم رکھتے ہوں گے صحت حدیثی وصحت فقہی کا فرق جانتے ہوں گے، ورنہ فقیر کا رسالہ "الفضل الموھبی فی معنی اذا اصح الحدیث فھو مذھبی ملقب بہ لقب تاریخی "اعز النکات بجواب سوال ارکات" جس کا سوال مقام ارکات سے آیا اس کے جواب میں لکھا گیا تھا ملاحظہ فرمائیں، نہ مثل حدیث تعدد الصلٰوۃ علی سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ:

اوّلا: حدیث صحیح بخاری شریف کے صریح خلاف جس میں حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری شاہد ومشاہد مشہد اُحد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے:

امر بدفنھم بدمائھم ولم یغسلوا ولم یصلوا علیھم۔

ورواہ ایضا احمد بسند جید والترمذی وصححہ والنسائی وابن ماجۃ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان شہدائے کرام کو ویسے ہی خون آلود دفن کرنے کا حکم فرمایا اور انہیں غسل نہ دیا گیا، نہ ان کی نماز ہوئی۔ اسے احمد نے سند جید کے ساتھ روایت کیا۔ ترمذی نے روایت کرکے صحیح قرار دیا۔ نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (ت)[2]

مجتہدین زمانہ کے مسلک کے بالکل خلاف ہے کہ حدیث صحیح بخاری کے رَد کے لئے ادھر کی روایات پر عمل حلال جانیں۔

ثانیًا: اُس کی خود حالت یہ کہ اس کی کوئی سند مسند مقال سے خالی نہیں اور متن بشدت مضطرب اگر اس کی تفصیل کیجئے ایک رسالہ مستقل ہوتا ہے، مجتہد صاحب کو ہوس ہوئی تو بعونہٖ تعالٰی تسکین کافی کی جائے گی، وباللہ التوفیق لا جرم.

---

[1] (منحۃ الخالق حاشیہ علی البحر الرائق فصل السلطان احق الصلٰوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۸۲)

[2] (صحیح البخاری باب الصلٰوۃ علی الشھید قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۹)

ان مجتہدین تازہ کے بزرگوار ابن تیمیہ کے جدِّ امجد نے منتقٰی میں کہا:

قدرویت الصلٰوۃ علیھم باسانید لاتثبت۔

شہدائے اُحد کی نماز ہونا ایسی سندوں سے مروی ہے جو ثابت نہیں۔(ت)[1]

ہاں تو ایک اثر مرسل ابوداؤد نے مراسیل میں بسند ثقات ابومالک غفاری تابعی سے روایت کیا:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلی علٰی قتلٰی اُحد، عشرۃ عشرۃ، فی کل عشرۃ حمزۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ حتی صلی علیہ سبعین صلٰوۃ۔

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شہدائے اُحد پر دس دس آدمی کر کے نماز پڑھی، ہر دس میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہوتے، یہاں تک کہ ان پر سترّ بار نماز پڑھی۔(ت)[2]

یہ ایک تو مرسل، اور مرسل ان صاحبوں کے نزدیک مہمل، اور دوسرے فی نفسہٖ مشکل۔ شہدائے اُحد رضی اللہ تعالٰی عنہم ۷۰ ستر تھے جب دس دس پر نماز ہوئی تو سات نمازیں ہوں گی سترّ کیونکر!

ثمّ اقول وباللہ التوفیق

بعد تسلیمِ صحتِ حدیث غایت درجہ جو ثابت ہوگا وہ اس قدر کہ شہداء پر نعشیں بدل کر نمازیں ہوا کیں اور نعش مبارک سید الشہداء رضی اللہ تعالٰی عنہم بدستور رکھی رہی، مجرد نہ اٹھایا جانا مستلزم اعادہ صلٰوۃ نہیں کہ یہ امر نیت حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم پر موقوف اور نیت غیبت ہے اور غیبت پر اطلاع نہیں، ممکن کہ اُن کی نعش ہر بار کے برکات نازلہ میں شمول کے لئے رکھی گئی ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی جگہ رویت کا مبلغ صرف صورتِ ظاہرہ تک ہے، نہ معنی باطن تک، اور مطلب مستدل کا ثبوت اُسی معنی باطن پر موقوف، اور اس کی دلیل نہیں، تو استدلال راساً ساقط۔ ہاں اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خود اپنی زبان مبارک سے ایسے بیان فرماتے تو احتجاج صحیح تھا واذلیس فلیس اور جب وُہ نہیں تو یہ بھی نہیں۔ (ت)

سادساً: ذرا بھی یہ ملحوظ رہے کہ وہ محل، متحمل اختصاص نہ ہو خصوصاً جہاں خصوص پر قرینہ قریبہ قائم ہو، جیسے حدیثِ خادمہ مسجد رضی اللہ تعالٰی عنہما وغیرہا جن کی قبر پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز پڑھ کر وجہ خود ارشاد فرمائی:

ان ھذہ القبور مملوۃ علٰی اھلھا ظلمۃ وانی انورھا بصلٰوتی علیھم صلی اللہ علیہ وسلم قدر نورہ وجمالہ وجودہ ونوالہ علیہ وعلٰی اٰلہ اجمعین رواہ مسلم وابن حبان عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ واصل احدیث متفق علیہ۔

---

[1] (منتقی الاخبار مع نیل الاوطار ترک الصَّلٰوۃ علی الشہید مصطفی البابی مصر ۴/ ۴۸)

[2] (السنن الکبرٰی کتاب الجنائز باب من زعم ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علٰی احد الخ دار صادر بیروت ۴/ ۱۲)

بیشک یہ قبریں اپنے ساکنوں پر اندھیرے سے بھری ہیں اور بیشک میں اپنی نماز سے انہیں روشن کر دیتا ہوں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ اللہ تعالٰی ان پر درود وسلام نازل فرمائے ان کے نور وجمال اور جودونوال کے اندازے سے اوران کی آل واصحاب سب پر۔ یہ حدیث مسلم اورابن حبان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔ اوراصل حدیث بخاری ومسلم کی متفق علیہ ہے۔(ت)[1]

زید بن ثابت ویزید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیثوں میں گزرا کہ بے میری اطلاع کے دفن نہ کر دیا کرو کہ میری نماز اس کے حق میں رحمت ہے۔

اقول خود بنظر ایمانی گواہ ہے کہ کروڑوں صلحاء واتقیاء کسی جنازہ کی نماز پڑھیں مگر وہ بات کہاں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پڑھنے میں ہے، وُہ برکات وہ درجات ومثوبات دوسرے کی نماز میں حاصل نہیں ہوسکتیں، اور حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بہ نص قطعی قرآنِ عظیم عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (التوبة۱۲۸) ہیں کہ ہر مسلمان کی کلفت اُن پر گراں، ایک ایک امتی کی بھلائی پر حریص، ہر مومن پر نہایت نرم دل مہربان۔

وُہ کیونکر گوارا فرمائیں کہ دُنیا میں اُن کے تشریف رکھتے ہوئے مسلمان سخت منزل کا سفر کرے اوران کی رحمت اُن کی برکت کا توشہ اُس کے ساتھ نہ ہو اوروں کی نماز اُن کی نماز سے کیا مانع ہوسکتی ہے تو اس فعل کا وجہ خاص ہی سے ناشی ہونا ظاہر ولامع، وزید وعمر کا مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر قیاس باطل وضائع۔

شرح موطائے امام مالک میں ہے:

والدلیل علی الخصوصیت مازادمسلم (فذکرہ قال) وھذا لایتحقق فی غیرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

خصوصیت کی دلیل وُہ ہے جو مسلم نے مزید روایت کیا (اس کے بعد حدیث مذکور بیان کی پھر کہا) اور یہ بات حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے میں متحقق نہیں(ت)[2]

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں علامہ ابن مالک سے ہے:

صلاتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کانت لتنویر القبر وذالایوجد فی صلٰوۃ غیرہ۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نماز قبر کو روشن کرنے کے لئے تھی اور یہ بات دوسرے کی نماز میں نہیں۔(ت)[3]

---

[1] (صحیح مسلم کتاب الجنائز نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۳۱۰)

[2] (شرح الزرقانی علی موطا الامام مالک لاتکبیر علی الجنائز التجاریۃ الکبرٰی مصر ۲/۲۰)

[3] (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ والصلٰوۃ علیھا مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/۵۱)

اقول اس سے زائد محل خصوص، خصوص واقعہ سید اہل خصائص ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ وہاں توان معاملات میں بہت باتیں خصوصیات سے واقع ہوئیں۔ نعش مبارک کا مقابر کی طرف نہ لے جانا، جہاں روح اقدس نے رفیق اعلٰی کی طرف رجوع فرمایا، خاص اس جگہ دفن ہونا، نہلانے میں قمیص مقدس بدنِ اقدس سے نہ جدا کیا جانا، سب صحابہ کے مشرف ہولینے کے لئے جنازہ مبارک کا پونے دو دن رکھا رہنا۔ جنازہ اقدس پر کسی کی امامت روانہ نہ ہونا انہیں خصوصیات میں، یہ بھی سہی۔

خصوصاً جبکہ حدیث میں وارد ہے کہ یہ صورت حسب وصیّت اقدس واقع ہوئی:

کماقدمنامن حدیث عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

جیسا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث سے ہم اس کو پیش کر چکے۔ (ت)

نمازِ جنازہ مسلمان کا حق مسلمان پر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حق المسلم علی المسلم خمس ردّالسلام وعیادۃ المریض واتباع الجنازۃ و اجابۃ الدعوۃ وتشمیت العاطس۔

رواہ الشیخان عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں (۱) سلام کا جواب دینا (۲) بیماری میں عیادت کرنا (۳) جنازہ کے پیچھے ہونا (۴) دعوت قبول کرنا (۵) چھینک پر تحمید کا جواب دینا۔ اسے بخاری ومسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کاکیا۔ (ت)[1]

عام مومنین کا حق ایسا ہونا آسان کہ حضار سے بعض نے ادا کر دیا ادا ہوگیا مگر مولائے نعمت ہر دو جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حق عظیم کہ بعد حضرتِ حق عزوجل اعظم حقوق ہے۔ اگر حضار پر لازم عین ہو، کیا مستبعد معہذا، اعظم مقاصد مہمہ سے ہر مسلمان حاضر کا بالذات اس شرفِ اجل واعظم سے مشرف ہونا ہے۔ ہم اوپر متعدد احادیث بیان کر چکے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بندہ مقبول کو بعد وفات پہلا تحفہ بارگاہِ عزّت سے ملتا ہے یہ ہے کہ جتنے لوگ اس کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں اللہ عزوجل سب کی مغفرت فرمادیتا ہے۔[2]

نہ کہ نبی کا جنازہ نہ کہ سیّد الانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلوٰۃ والثناء کا، اس کے فضل کی مقدار کون قیاس کر سکتا ہے! شریعت محمدیہ علٰی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ مسلمانان کے لئے خیر محض و نفعِ خاص لے کر آئی ہے نہ کہ معاذ اللہ انہیں ایسے فضل عظیم سے محروم کرنا تو حکمتِ شرعیہ اسی کی مقتضی تھی کہ یہاں اجازتِ عامہ دی جائے۔ حجرہ اقدس میں جگہ کتنی اور حضار تیس ہزار، کماورد فی حدیث جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے۔ (ت)، اب اگر یہ حکم ہوتا کہ اوّل بار جو پڑھ لیں پڑھ لیں تو ہزار صحابہ کی

---

[1] (الصحیح البخاری کتاب الجنائز قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۶)

[2] (نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول الاصل الرابع والخمسون الخ دار صادر بیروت ص ۷۸)

محرومی، دوسرے اس پر تنافس شدید واقع ہونا مظنون بلکہ یقینی، جب معلوم ہوتا کہ یہاں بھی مثل تمام جنائز ایک ہی بار کی اجازت ملے گی تو ہر ایک یہ چاہتا کہ میں ہی پڑھ لوں، لہٰذا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا علم عظیم وجودِ عمیم، مقتضی ہوا کہ اپنے معاملہ میں خود فوج فوج حاضری کی وصیّت فرمادی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ یہی سرِّ جلیل جنازہ اقدس پر جنازہ نہ ہونے کی بھی ایک حکمت نفسیہ ہے تاکہ تمام حضارِ بالذات بلاواسطہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے شرفیاب ہوں۔

امامِ اجل سُہیلی یہاں امامت نہ ہونے کی وجہ فرماتے ہیں:

اخبر اللہ انہ وملٰئکتہ یصلون علیہ صلی اللہ علیہ وسلم وامر کل واحد من المومنین ان یصلی علیہ فوجب علی کل واحد ان یباشر لصلٰوۃ علیہ منہ الیہ والصلٰوۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد موتہ من ھذا القبیل۔
نقلہ فی شرح الموطا۔

یعنی اللہ عزّوجل نے خبر دی کہ وہ اور اس کے فرشتے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں اور ہر مسلمان کو حکم فرمایا کہ ان پر درود بھیجے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی آلہٖ وبارک وسلم۔ تو ہر شخص پر واجب ہوا۔ کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے درود بھیجے کہ بلاتوسط دیگرے اُس شخص کی طرف سے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچے اللھم صل وسلم وبارک علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وامتہ اجمعین۔ اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر بعد وصال شریف صلٰوۃ بھی اسی قبیل سے ہے۔ یعنی تو اُس کا بھی بے وساطت احدے ہونا چاہئے۔ اسے شرح موطا میں نقل کیا۔[1]

بالجملہ یہ محل، اعلٰی مواطن خصوص سے ہے ولاجرم علامہ سید ابوالسعود محمد الزہری نے حواشی کنز میں فرمایا:

تکرار الصلاۃ علی النبی عیلہ الصّلوۃ والسلام، کان مخصوصا بہ۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر تکرار نماز ان ہی کے ساتھ مخصوص تھی۔ (ت)[2]

سابعاً پھر تنبیہ کی جاتی ہے کہ مجتہد صاحب اپنے مذہب کی فکر کریں۔ وہ واقعہ جو ان کے مسلک مذکور کارَد ہو مثلاً مہینہ بھر بعد نماز پڑھنا کما علٰی ام سعد جیسے ام سعد پر۔ (ت) یا مہینوں برسوں پیچھے کما علٰی اھل البقیع (جیسے بقیع والوں پر۔ ت) یا آٹھ برس گزرے کماعلٰی اھل احد (جیسے احد والوں پر۔ ت) علاوہ اور جوابوں کے خود اُن کارَد ہو گا۔ نہ اُن کی سند، کہ یہاں اُن سے مطالبہ اپنا ادعا ثابت کرنے کا ہے وانی لہ ذٰلک واللہ الھادی الٰی اَقوم المسالک اور ان سے یہ کہاں ہوسکے گا؟ اور خدا ہی راست ترین راہ کی ہدایت فرمانے والا ہے۔ (ت)

---

[1] (شرح الزرقانی علی موطاالامام مالک ماجاء فی دفن المیت المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۲/ ۶۲)
[2] (فتح المعین فصل فی الصلٰوۃ علی المیت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۵۳)

الحمد للہ! ان چند جمل نفیسہ، مجملہ مختصرہ، نے صرف مجتہدینِ زمانہ ہی کی آنکھ کان نہ کھولے بلکہ بحمد اللہ تعالٰی بنظرِ انصاف دیکھئے تو مسئلہ کا فیصلہ بحث کا تصفیہ کاملہ کر دیا۔ وللہ الحمد اب بتوفیق اللہ تعالٰی بعضے نکات و تمسّکات کے اس مسئلہ میں فیض قدیر سے قلبِ فقیر پر فائز ہوئے ذکر کرکے کلام ختم کروں جو بعونہٖ تعالٰی اصل مسئلہ اعنی ممانعت تکرار جنازہ میں تائید مذہب حنفیت کریں یا مسلک طریقہ مجتہد جدید کا ابطال کلی خواہ ابطال کلیت۔

فاقول و باللہ التوفیق و بہ الوصول الیذری التحقیق۔

تو میں کہتا ہوں، اور توفیق خدا ہی سے ہے اور اسی کی مدد سے بلندی تحقیق تک رسائی ہے۔ (ت)

اوّلاً نماز جنازہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں میّت کی شفاعت ہے:

کماقدمناعلی الحدیث۔

جیسا کہ حدیث سے اس کو ہم پیش کر آئے۔ (ت)

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (البقرۃ ۲۵۵)

کون ہے جو اللہ کے یہاں شفاعت کرے مگر اس کے اذن سے۔

نسخہ میں الف مذکور نہیں (اور صورتِ مذکورہ کا اذن کہیں ثابت ہو یا سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اذن قولی یا فعلی یا تقریری سے، اور صورتِ مذکورہ کا اذن کہیں ثابت نہیں۔

ومن ادعی فعلیہ البیان۔

جو دعوٰی کرے دلیل اس کے ذمّہ۔ (ت)

لاجرم ان مجتہد صاحب نے بے ثبوت اذنِ الٰہی بارگاہِ عزّت میں شفاعت پر جرأت و بیباکی اور اپنے ساتھ اور مسلمان کو بھی اس بلا میں ڈالا اور وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا (النساء ۸۵) (جو کوئی بری سفارش کرے اسے بھی اس کا حصہ ّ ملے۔ت) سے حصہ لیا دیا۔

وھذادلیل ان استقصی ادی الی اثبات المذھب تادیۃ صریحۃ ونفی قول کل من خالف فعلیک بتطلیب الصریحۃ۔

یہ ایسی دلیل ہے کہ اگر اسکی تہ تک جائیں تو صراحۃً اثبات مذہب تک پہنچائے اور ہر مخالف کے قول کی تردید کر دے، تو صریح کی تلاش تمہارے ذمّے ہے۔(ت)

ثانیاً مسند امام احمد و سنن ابی داؤد میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتصلوا صلٰوۃ فی یوم مرتین۔

کوئی نماز ایک دن میں دوبارہ نہ پڑھو۔[1]

نیز حدیث میں ہے:

لایصلی بعد صلاۃ مثلھا۔

رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ عن امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ من قولہ وظاھر کلام الامام محمد انہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال الامام ابن الھمام ومحمد اعلم بذلک منّا۔

کسی نماز کے بعد اس کے مثل نہ پڑھی جائے۔ اسے ابوبکر بن ابی شیبہ نے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے قول کی حیثیت سے نقل کیا، اور امام محمد کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ امام ابن الہمام فرماتے ہیں: امام محمد ہم سے زیادہ اس کا علم رکھتے ہیں۔ (ت)[2]

اقول یہ حدیثیں بھی نفی تکرار پر صریح دال ہیں، حدیث ثانی تو عام مطلق ہے اور اول میں فی یوم کی قید اس نظر سے کہ مثلاً ظہر کی نمازوں کی تکرار سے تو آپ ہی مکرر ہوگی، کل کی ظہر اور آج کی اور کہ ان کا سبب وقت ہے، جب وقت دوبارہ آیا دوبارہ آئی، مگر ایک ہی سبب یعنی ایک ہی وقت میں مکرر نہ ہوگی، نمازِ جنازہ کا سبب مسلم میّت ہے۔ جب میت متکرر ہو نماز متکرر ہوگی مگر ایک ہی میّت پر مکرر نہیں ہوسکتی۔

ثالثاً ابوبکر بن ابی شیبہ استاد امام بخاری و مسلم نے روایت کی:

عن صالح مولی التوأمۃ عمن ادرک ابابکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنھما انھم کانوا اذاتضایق بھم المصلی انصرفوا ولم یصلوا علی الجنازۃ فی المسجد۔

یعنی ابوبکر صدیق و عمر فاروق و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی عادت کریمہ تھی کہ جب نمازِ جنازہ میں مصلّٰی تنگی کرتا اس میں گنجائش نہ پاتے واپس جاتے اور نماز جنازہ مسجد میں نہ پڑھتے۔[3]

---

[1] (مسند امام احمد بن حنبل از عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الفکر بیروت ۲/ ۱۹، سنن ابی داؤد باب اذا صلی فی جماعۃ ثم ادرک جماعۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۶)

[2] (مصنف ابن ابی شیبہ من کرہ ان یصلی بعد الصلٰوۃ مثلھا ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ کراچی ۲/ ۲۰۶)

[3] (المصنف لابن ابی شیبہ من کرہ الصلٰوۃ علی الجنائز فی المسجد ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۳/ ۳۶۵)

اقول نماز جنازہ کے جو فضائل جلیلہ ہیں صدیق وفاروق وصحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم پر مخفی نہ تھے نہ اُن سے توقع کہ ایسے فضل جلیل کے لئے تشریف بھی لائیں اور پھر باوصف قدرت اُسے چھوڑ کر چلے جائیں، اگر نمازِ جنازہ دوبارہ جائز ہوتی تو تنگی مصلّی کیا حرج کرتی واپس جانے کی کیا وجہ تھی۔ جب پہلے لوگ پڑھ چکے اس کے بعد دوسری جماعت فرمالیتے۔

رابعاً عن عبداللہ بن سلام لمافاتته الصّلوۃ علی عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال ان سبقت بالصلٰوۃ فلم اسبق بالدعاء له۔

ذکرہ السید الازھری فی فتح اللہ المعین وقد کان ھذا الحدیث فی ذکری والاستناد بہ فی خاطری حتی رأیت الازھری تمسک بہ فاسندته الیہ ولم یحضرنی الان من غیرہ۔

یعنی عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ کو جب امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے جنازہ مبارک پر نماز میرے آنے سے پہلے ہو چکی تو کہا کہ دعا کی بندش تو نہیں میں ان کے لئے دعا کروں گا۔ اسے فتح اللہ المعین میں سید ازہری نے ذکر کیا، یہ حدیث مجھے یاد تھی اور اس سے استناد میرے ذہن میں تھا یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ سید ازہری نے اس سے استدلال کیا ہے تو میں نے انہی کی طرف اس کی نسبت کی اور بروقت اس کا کوئی اور حوالہ میرے ذہن میں نہیں۔ (ت)[1]

خامساً شاہ عبد العزیز صاحب تحفہ اثناء عشریہ میں لکھتے ہیں:

در بعض روایات آمدہ کہ روزِ دیگر ابو بکر صدیق و عمر فاروق و دیگر اصحاب بخانۂ علی مرتضٰی بجہت تعزیت آمدند شکایت کردند کہ چرا مارا خبر نہ کردی تا شرفِ نماز و حضوری دریافتم۔ علی مرتضٰی گفت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا وصیت کردہ بود کہ چوں از دنیا بروم مرا بہ شب دفن کنی تا چشم نامحرم بر جنازہ من نیفتد، پس بموجب وصیت وے عمل کردم۔ این ست روایت مشہور۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ دوسرے دن حضرات ابو بکر صدیق و عمر فاروق و دیگر صحابہ حضرت علی مرتضٰی کے گھر تعزیت کے لئے آئے اور شکایت فرمائی کہ ہمیں خبر کیوں نہ دی کہ ہم نماز اور حاضری کا شرف حاصل کرتے علی مرتضٰی نے فرمایا: فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے وصیت کی تھی کہ جب میں دنیا سے جاؤں تو مجھے رات میں دفن کریں تاکہ میرے جنازے پر نامحرم کی نظر نہ پڑے، تو میں نے ان کی وصیت کے مطابق عمل کیا۔ یہ ہے روایتِ مشہور۔ (ت)[2]

اقول ان روایات سے بھی روشن کہ صدیق وفاروق و عبد اللہ بن سلام و دیگر اصحاب کبار رضی اللہ تعالٰی عنہم دوبارہ نمازِ جنازہ ناجائز جانتے ورنہ فوت ہونا کیا معنی، اور شکایت وافسوس کا کیا محل۔

---

[1] (فتح اللہ المعین، فصل فی الصلٰوۃ علی المیت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۳)

[2] (تحفہ اثنا عشریہ باب دھم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۸۱)

سادساً ابو بکر بن ابی شیبہ اپنی مصنف اور امام اجل ابو جعفر طحاوی شرح معانی الآثار میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے موقوفاً اور ابن عدی کامل میں بروایت ابن عباس حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی ہیں:

وھذا حدیث الطحاوی بطریق عمر بن ایّوب الموصلی عن مغیرہ بن زیاد عن عطاء بن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فی الرجل تفجاء الجنازۃ وھو علٰی غیر وضوء قال یتیمم ویصلی علیھا۔

اور یہ امام طحاوی کی حدیث ہے جس کی سند یہ ہے عمر بن ایوب موصلی، مغیرہ بن زیاد، عطاء، ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔ (ت) یعنی جس شخص کے پاس ناگاہ جنازہ آجائے اور اُسے وضو نہ ہو وہ تیمم کرکے نماز پڑھ لے۔[1]

ابن ابی شیبہ کی روایت یہ ہے:

حدثنا عمر بن ایوب الموصلی عن مغیرۃ بن زیاد عن عطاء عن ابن عباس قال اذا خفت ان تفوتک الجنازۃ وانت علٰی غیر وضوء فتیمم وصل۔

ہم سے عمر بن ایوب موصلی نے مغیرہ بن زیاد سے روایت کی انہوں نے عطاء سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے، انہوں نے فرمایا۔ (ت) جب تجھے نمازِ جنازہ کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو اور وضو نہیں تو تیمم کرکے پڑھ لے۔[2]

ابن عدی کی حدیث یوں ہے:

عن معافی بن عمران عن مغیرۃ بن زیاد عن عطاء عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال اذا فجأتک الجنازۃ وانت علی غیر وضوء فتیمم۔

معافی بن عمران، مغیرہ بن زیاد سے وہ عطاء سے، وہ ابن عباس سے، وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی ہیں۔ (ت) یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "جب ناگہانی تیرے سامنے جنازہ آجائے اور تجھے وضو نہ ہو تو تیمم کرلے"۔[3]

قال ابن عدی ھذا مرفوع غیر محفوظ والحدیث موقوف علی ابن عباس۔

ابن عدی نے کہا یہ مرفوع غیر محفوظ ہے اور حدیث حضرت ابن عباس پر موقوف ہے۔ (ت)[4]

دار قطنی و بیہقی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی ہیں:

انہ اتی الجنازۃ وھو علٰی غیر وضوء فتیمم ثم صلی علیھا۔

یعنی ان کے پاس ایک جنازہ آیا اُس وقت وضوء نہ تھا تیمم کرکے نماز میں شریک ہوگئے۔[5]

---

[1] (شرح معانی الآثار باب ذکر الجنب والحائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۴)
[2] (المصنف لابن ابی شیبہ فی الرجل یخاف ان تفوتہ الصلٰوۃ علی الجنازۃ ادارۃ القرآن کراچی ۳/۳۰۵)
[3] (الکامل لابن عدی ترجمہ یمان بن سعید المصیصی دار الفکر بیروت ۷/۲۶۴۰)
[4] (الکامل لابن عدی ترجمہ یمان بن سعید المصیصی دار الفکر بیروت ۷/۲۶۴۰ ۲۶۴۲)
[5] (سنن دار قطنی باب الوضوء والتیمم من آنیۃ المشرکین نشر السنۃ ملتان ۱/۲۰۲)

اسی کے مثل ابن ابی شیبہ وامام طحاوی نے باسانید کثیرہ امام حسن بصری وامام ابراہیم نخعی وابو بکر نے عکرمہ تلمیذ ابن عباس اور طحاوی نے عطاء بن ابی رباح وعامر وابن شہاب زہری وحکم سات ائمہ تابعین سے روایت کیا اگر نمازِ جنازہ کی تکرار روا ہوتی تو فوت کے کیا معنی تھے؟ اور اُس کے لئے تندرست کو پانی موجود ہوتے ہوئے تیمم کیونکر جائز ہوتا؟

حالانکہ رب جل وعلا فرماتا ہے:

فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً (النساء ۴۳)

اور تمہیں پانی نہ ملے۔ (ت)

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایقبل اللہ صلٰوۃ احدکم اذا احدث حتی یتوضأ۔ اخرجہ الشیخان و ابو داؤد والترمذی عن ابوھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

بے وضو جب تک وضو نہ کرے خدا اس کی نماز قبول نہیں فرماتا۔ اسے بخاری ومسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)[1]

اور خود حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتقبل صلٰوۃ بغیر طھور ولا صدقۃ من غلول۔ اخرجہ عنہ مسلم والترمذی و ابن ماجۃ۔

کوئی نماز بغیر طہارت کے اور کوئی صدقہ مالِ خیانت سے مقبول نہیں۔ اسے حضرت ابوہریرہ سے مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ (ت)[2]

نمازِ جنازہ میں تعجیل شرعاً نہایت درجہ مطلوب۔

صحاح ستّہ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اسرعوا بالجنازۃ۔

جنازہ میں جلدی کرو۔[3]

---

[1] (صحیح البخاری باب لاتقبل الصلٰوۃ بغیر طھور قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵، صحیح البخاری کتاب الحیل قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۱۲۸)

[2] (صحیح مسلم کتاب الطھارۃ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۱۱۹)

[3] (صحیح مسلم کتاب الجنائز نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۳۰۷)

مسائل متفرقہ کے بیان میں

امام احمد و ترمذی و ابن حبان وغیرہم امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے راوی حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلاث لاتؤخرھن، الصّلٰوۃ اذا اٰتت والجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت لھا کفوا۔

تین چیزوں میں دیر نہ کرو: نماز جب اس کا وقت آجائے اور جنازہ جس وقت حاضر ہو، اور زنِ بے شوہر جب اس کا کفو ملے۔[1]

سنن ابی داؤد میں حصین بن وحوح انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

عجلوا فانہ لاینبغی لجیفۃ مسلم ان یحبس بین ظھرانی اھلہ۔

جلدی کرو کہ مسلمان کے جنازے کو روکنا نہ چاہیے۔[2]

طبرانی بہ سند حسن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

اذا مات احدکم فلاتحسبوہ واسرعوا بہ الی قبرہ۔

جب تم میں سے کوئی مر جائے تو اسے نہ روکو اور جلدی دفن کو لے جاؤ۔[3]

ولہذا علماء فرماتے ہیں: اگر روزِ جمعہ پیش از جمعہ جنازہ تیار ہوگیا جماعت کثیرہ کے انتظار میں دیر نہ کریں پہلے ہی دفن کردیں۔ اس مسئلہ کا بہت لحاظ رکھنا چاہیے کہ آج کل عوام میں اس کے خلاف رائج ہے، جنہیں کچھ سمجھ ہے وہ تو اسی جماعت کثیر کے انتظار میں روکے رکھتے ہیں، اور نرے جُہال نے اپنے جی سے اور باتیں تراشی ہیں، کوئی کہتا میّت بھی جمعہ کی نماز میں شریک ہوجائے، کوئی کہتا ہے نماز کے بعد دفن کریں گے تو میت کو ہمیشہ جمعہ ملتا رہے گا۔ یہ سب بے اصل وخلاف مقصد شرع ہیں۔

درمختار میں ہے:

یسرع فی جنازۃ۔

جنازے میں جلدی کرے۔ (ت)[4]

تنویر الابصار میں ہے:

وکرہ تاخیر صلاتہ ودفنہ لیصلی علیہ جمع عظیم بعد صلٰوۃ الجمعۃ۔

---

[1] (المستدرک علی الصحیحین کتاب النکاح دارالفکر بیروت ۲/ ۱۶۲، (جامع الترمذی ابواب الجنائز امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دھلی، ۱/ ۱۲۷)

[2] (سنن ابی داؤد باب تعجیل الجنازہ آفتاب عالم پریس لاھور ۲/ ۹۴)

[3] (المعجم الکبیر مروی از عبداللہ بن عمر حدیث ۱۳۶۱۳ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۲/ ۴۴۴)

[4] (درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دھلی ۱/ ۱۲۴)

اس مقصد سے کہ جمعہ کے بعد جماعتِ عظیم شریکِ جنازہ ہو نمازِ جنازہ اور دفن میں تاخیر مکروہ ہے۔(ت)[1]

نیز جنازے پر تکثیرِ جماعت شرعاً بہت محبوب کہ اس میں میت کی اعانت جسیم اور اُس کے لئے عفوسیئات ورفع درجات کی امید عظیم ہے، چالیس نمازیوں اور سَو نمازیوں کی تین حدیثیں اوپر گزریں، اور احمد اورابوداؤدو ترمذی وابن ماجہ حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن مومن یموت فیصلی علیہ امۃ من المسلمین یبلغون ان یکونوا ثلثۃ صفوف الاغفرلہ۔

جس مسلمان کے جنازے پر مسلمانوں کا ایک گروہ کہ تین صف کی مقدار کو پہنچتا ہو نماز پڑھے اس کی مغفرت ہوجائے گی۔[2]

ترمذی کی روایت میں ہے:

من صلی علیہ ثلثۃ صفوف اوجب۔

جس پر تین صفیں نماز پڑھیں اُس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔[3]

ابن ماجہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من صلی علیہ مائۃ من المسلمین غفرلہ۔

جس پر سو مسلمان نماز پڑھیں بخشا جائے۔[4]

نسائی ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن میّت یصلی علیہ امّۃ من الناس الا شفعوا فیہ۔

جس مُردے پر مسلمانوں کا ایک گروہ نماز پڑھے اُن کی شفاعت اس کے حق میں قبول ہو۔[5]

راوی حدیث ابوالملیح نے کہا: گروہ چالیس آدمی ہیں۔

طبرانی معجم کبیر میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن رجل یصلی علیہ الا غفر اللہ لہ۔

جس مسلمان پر سَو آدمی نماز پڑھیں اللہ عزوجل اُس کی مغفرت فرمادے۔[6]

---

1 (درمختار شرح تنویر الابصار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دھلی ۱/۱۲۴)

2 (سنن ابی داؤد باب فی الصفوف علی الجنازۃ آفتاب عالم پریس لاھور ۲/۹۵)

3 (جامع الترمذی ابواب الجنائز امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دھلی ۱/۱۲۲)

4 (سنن ابن ماجہ باب ماجاء فیمن صلی علیہ جماعۃ من المسلمین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰۸)

5 (سنن النسائی فضل من صلی علیہ مائۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۸۲)

6 (مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی فی الکبیر باب فیمن صلی علیہ جماعۃ دارالکتاب بیروت ۳/۳۶)

لہٰذا شریعتِ مطہرہ نے صرف فرضیت کفایہ پر اکتفانہ فرمایا بلکہ نماز جنازہ میں نمازیوں کے لئے عظیم واعظم افضالِ الٰہیہ کے وعدے دئے کہ لوگ اگر نفع میّت کے خیال سے جمع نہ ہوں گے اپنے فائدے کے لئے دوڑیں گے، اس بارے میں چھ چھ حدیثیں اوپر گزریں۔

اور صحاح ستّہ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من شهدالجنازة حتى يصلى عليها فله قيراط ومن شهدهاحتى تدفن فله قيراطان قيل وما قيراطان قال مثل الجبلين العظيمين۔

جو نماز ہونے تک جنازہ میں حاضر رہے اس کے لئے ایک دانگ ثواب ہے اور دفن تک حاضر رہے تو دو دانگ، جیسے بڑے ۲دو پہاڑ۔[1]

ولمسلم اصغرهامثل احد۔

ان میں کا چھوٹا کوہِ احد کے برابر۔[2]

اسی کے مثل مسلم وابن ماجہ نے حضرت ثوبان اورامام احمد نے بسندِ صحیح، قیراط نماز کی حدیث حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کی اور طبرانی معجم اوسط میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اتبع جنازة حتى يقضى دفنها كتب له ثلثة قراريط، القيراط منها اعظم من جبل أحد۔

جو کسی جنازے کے ساتھ رہے یہاں تک کہ دفن ہوچکے اس کے لئے تین قیراط اجر لکھا جائے، ہر قیراط کوہ احد سے بڑا۔[3]

بزار کی یہاں حدیث موقوف ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہے: جو کسی جنازہ میں اہل جنازہ کے پاس تک جائے اُس کے لئے ایک قیراط ہے، پھر اگر جنازہ کے ساتھ تک چلے تو ایک قیراط اور ملے اور نماز پر تیسرا اور دفن پر انتظار تک چوتھا قیراط پائے۔

ابن ماجہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے راوی ہیں:

من غسل ميتا وكفنه وحنطه وحمله وصلى عليه ولم يفش عليه مارأى خرج من خطيئته مثل ماولدته امه۔

---

[1] (صحیح مسلم کتاب الجنائز نور محمد اصح المطابع کراچی ۱ /۳۰۷)

[2] (صحیح مسلم کتاب الجنائز نور محمد اصح المطابع کراچی ۱ /۳۰۷)

[3] (مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط باب تجہیز المیت دار الکتاب بیروت ۳ /۲۰)

جو کسی میّت کو نہلائے، کفن پہنائے، خوشبو لگائے، جنازہ اٹھائے، نماز پڑھے اور جو ناقص بات نظر آئے اُسے چھُپائے وُہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔[1]

اب اگر نمازِ جنازہ میں تکرار کی اجازت دیتے ہیں تو لوگ تسویف وکسل کی گھاٹی میں پڑیں گے۔ کہیں گے کہ جلدی کیا ہے اگر ایک نماز ہوچکی ہم دوبارہ پڑھ لیں گے، اس تقدیر پر اگر لوگوں کا انتظار کیا جائے تو جنازہ کو دیر ہوتی ہے اور جلدی کی جائے تو جماعت ہلکی رہتی ہے اور دونوں باتیں مقصود شرع کے خلاف، لاجرم مصلحتِ شرعیہ اسی کی مقتضی ہُوئی کہ تکرار کی اجازت نہ دیں۔ جب لوگ جانیں گے اگر نماز ہوچکی تو پھر نہ ملے گی اور ایسے افضال عظیمہ ہاتھ سے نکل جائیں گے تو خواہی نہ خواہی جلدی کرتے حاضر آئیں گے اور میّت کے فائدے اور اپنے بھلے کے لئے جلد جمع ہوجائیں گے اور شرع مطہر کے دونوں مقصد باحسن وجوہ رنگ ظہور پائیں گے۔

الحمدللہ! یہ ایک ادنٰی شمہ ہے اُس الٰہی عالم، ربانی حاکم، کی نظر حقائق نگر کا، جو مصداق اعلٰی عظیم بشارت والا اُس حدیث صحیح کا ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لو کان العلم معلقا بالثریا لتناولہ قوم من ابناءِ فارس۔

رواہ الامام احمد فی المسند وابونعیم فی الحلیۃ عن ابی ھریرۃ والشیرازی فی الالقاب عن قیس بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

علم اگر ثریا پر معلق ہوتا تو اولادِ فارس سے کچھ لوگ اسے وہاں سے بھی لے آتے۔ اسے امام احمد نے مسند میں اور ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابوہریرہ سے اور شیرازی نے القاب میں حضرت قیس بن سعد سے روایت کیا۔ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔[2]

اعنی امام الائمہ سراج الامّہ کاشف الغمّہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ جن کی رائے منیر و نظر بے نظیر تمام مصالح شرعیہ کو محیط و جامع، اور مومنین کے لئے ان کی حیات وموت میں خیر محض ونافع ہے۔

فجزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین کل خیر وقاہ وتابعیہ بحسن الاعتقاد کل ضر وضیر اٰمین یاارحم الراحمین والحمدللہ ربّ العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ وصحابتہ ومجتھدی ملۃ اجمعین اٰمین!

تو خدا اسلام اور مسلمانوں کی جانب سے انہیں خیر کا صلہ دے اور انہیں اور حسنِ اعتقاد کے ساتھ ان کا اتباع کرنے والوں کو ہر تکلیف اور نقصان سے بچائے، اور سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! قبول فرما۔ اور سب خوبیاں اللہ کے لئے جو سارے

---

[1] (سنن ابن ماجہ باب ماجاءفی غسل المیت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰۶)

[2] (مسند احمد بن حنبل مروی از ابوھریرہ دارالفکر بیروت ۲/ ۴۲۰،۲۹۷، ۴۶۹، ۴۲۲، حلیۃ الاولیاء ترجمہ نمبر ۳۲۸ شھر بن حوشب دارالکتاب العربی بیروت ۶/ ۶۴، جامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۷۴۶۴ دارالمعرفۃ بیروت ۵/ ۳۲۳)

جہانوں کا مالک ہے۔ اور خدائے برتر ہمارے آقا و مولا حضرت محمد، ان کی آل، ان کے صحابہ اور ان کے دین کے مجتہدین سب پر درود و سلام نازل فرمائے، الٰہی! قبول فرما!

الحمد للہ کہ یہ مجمل و مختصر عجالہ، سلخ رجب کو غرہ سمائے تمام ہُوا اور بلحاظ تاریخ **النهی الحاجز عن تکرار صلٰوۃ الجنائز** نام ہوا۔

و اللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم۔[1]

(۱۱۰) مسئلہ نمبر ایک سو دس: جنازہ پڑھانے کا زیادہ حقدار کون ہے؟

نماز جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ حقدار حاکم وقت ہے بشرطیکہ وہ جنازہ پڑھانے کی صلاحیت رکھتا ہو اور اگر حاکم وقت نہ ہو تو علاقہ کے قاضی کو پڑھانے کا موقع دیا جائے گا ورنہ پھر محلہ کا امام جنازہ پڑھائے ورنہ قرابت داروں میں سے کوئی قریبی رشتہ دار جنازہ پڑھانے کا حق دار ہے۔

وفی الهندیة أَوْلَى النَّاسِ بِالصَّلَاةِ عَلَيْهِ السُّلْطَانُ إنْ حَضَرَ فَإِنْ لَمْ يَحْضُرْ فَالْقَاضِي ثُمَّ إمَامُ الْحَيِّ ثُمَّ الْوَالِي، هَكَذَا فِي أَكْثَرِ الْمُتُونِ۔[2]

وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْإِمَامَ الْأَعْظَمَ أَحَقُّ بِالصَّلَاةِ إنْ حَضَرَ، فَإِنْ لَمْ يَحْضُرْ فَأَمِيرُ الْمِصْرِ، وَإِنْ لَمْ يَحْضُرْ فَإِمَامُ الْحَيِّ، فَإِنْ لَمْ يَحْضُرْ فَالْأَقْرَبُ مِنْ ذَوِي قَرَابَاتِهِ، وَهَذَا هُوَ حَاصِلُ الْمَذْهَبِ عِنْدَنَا۔[3]

(۱۱۱) مسئلہ نمبر ایک سو گیارہ: قبل از دفن میت کا دوسری جگہ منتقل کرنا اور بعد از دفن قبر کشائی اور میت کا اخراج

وفی الهندیة وَيُسْتَحَبُّ فِي الْقَتِيلِ وَالْمَيِّتِ دَفْنُهُ فِي الْمَكَانِ الَّذِي مَاتَ فِي مَقَابِرِ أُولَئِكَ الْقَوْمِ وَإِنْ نُقِلَ قَبْلَ الدَّفْنِ إلَى قَدْرِ مِيلٍ أَوْ مِيلَيْنِ فَلَا بَأْسَ بِهِ، كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ. وَكَذَا لَوْ مَاتَ فِي غَيْرِ بَلَدِهِ يُسْتَحَبُّ تَرْكُهُ فَإِنْ نُقِلَ إلَى مِصْرٍ آخَرَ لَا بَأْسَ بِهِ وَلَا يَنْبَغِي إخْرَاجُ الْمَيِّتِ مِنْ الْقَبْرِ بَعْدَ مَا دُفِنَ إلَّا إذَا كَانَتْ الْأَرْضُ مَغْصُوبَةً أَوْ أُخِذَتْ بِشُفْعَةٍ، كَذَا فِي فَتَاوَى قَاضِي خَانْ۔[4]

در مختار میں ہے کہ:

---

[1] (العطایا النبویة فی الفتاوىٰ الرضویة، ج۷، ص۱۴۷ تا ۱۷۵)

[2] (ص ۱۶۳ الفصل الخامس فی الصلوة علی المیت)

[3] (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۷ و مثلہ فی کبیر ص ۵۸۴ باب الجنائز)

[4] (ص ۱۷۷ ج ۱)

(وَلَا يُخرَجُ مِنْهُ) بَعْدَ إهَالَةِ التُّرَابِ (إلَّا) لِحَقِّ آدَمِيٍّ كَـ (أَنْ تَكُونَ الْأَرْضُ مَغْصُوبَةً أَوْ أُخِذَتْ بِشُفْعَةٍ) وَيُخَيَّرُ الْمَالِكُ بَيْنَ إخْرَاجِهِ وَمُسَاوَاتِهِ بِالْأَرْضِ۔

اس سے چند سطور آگے درمختار میں ہے لا بأس بنقله قبل دفنه اس کی شرح میں علامہ شامی لکھتے ہیں:

وَأَمَّا نَقْلُهُ بَعْدَ دَفْنِهِ فَلَا مُطْلَقًا. قَالَ فِي الْفَتْحِ وَاتَّفَقَتْ كَلِمَةُ الْمَشَايِخِ فِي امْرَأَةٍ دُفِنَ ابْنُهَا, وَهِيَ غَائِبَةٌ فِي غَيْرِ بَلَدِهَا فَلَمْ تَصْبِرْ, وَأَرَادَتْ نَقْلَهُ عَلَى أَنَّهُ لَا يَسَعُهَا ذَلِكَ، فَتَجْوِيزُ شَوَاذِّ بَعْضِ الْمُتَأَخِّرِينَ لَا يُلْتَفَتُ إلَيْهِ. وَأَمَّا نَقْلُ يَعْقُوبَ وَيُوسُفَ - عَلَيْهِمَا السَّلَامُ - مِنْ مِصْرَ إلَى الشَّامِ لِيَكُونَا مَعَ آبَائِهِمَا الْكِرَامِ فَهُوَ شَرْعُ مَنْ قَبْلَنَا وَلَمْ يَتَوَفَّرْ فِيهِ شُرُوطُ كَوْنِهِ شَرْعًا لَنَا اھ۔

فقہائے کرام کی ان عبارات سے ثابت ہوا کہ میت قبل از دفن اس کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن بہتر نہیں اور بعد از دفن تو بالکل جائز نہیں قبر کھولنا اور میت کا اخراج حرام ہے۔ ہاں اگر ضرورت شرعیہ پیش آجائے تو جائز ہے اور ضرورت شرعیہ کی صورتیں اوپر مذکور ہوئی ہیں نیز میت کو کچھ عرصے کیلئے امانتاً دفن کرکے پھر نکالنا یہ سب واہی تباہی باتیں ہیں شریعت میں اس کی کوئی اصل موجود نہیں ہے۔[1]

(۱۱۲)مسئلہ نمبر ایک سو بارہ: نماز جنازہ میں درود ابراہیمی پڑھنا دوسرے درودوں سے افضل ہے

(وَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -) كَمَا فِي التَّشَهُّدِ۔

(قَوْلُهُ كَمَا فِي التَّشَهُّدِ) أَيْ الْمُرَادُ الصَّلَاةُ الْإِبْرَاهِيمِيَّةُ الَّتِي يَأْتِي بِهَا الْمُصَلِّي فِي قَعْدَةِ التَّشَهُّدِ۔[2]

وقال ابن نجیم المصری والمراد بالصلوۃ الصلوۃ علیہ فی التشہد وہو الاولیٰ۔[3]

قال علاءالدین الکاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ واذا کبر ثانیۃ یأتی بالصلوۃ علی النبی ﷺ وھی الصلوۃ المعروفۃ اھ۔[4]

(۱۱۳)مسئلہ نمبر ایک سو تیرہ: غائبانہ نماز جنازہ کا شرعی حکم

غائبانہ نماز جنازہ کے جواز وعدمِ جواز میں فقہاءِ کرام کے درمیان اختلاف ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ناجائز ہے، جب کہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے۔

---

[1](فتاویٰ حقانیہ ص ۴۷۹)

[2](کتاب الجنازۃ ص ۲۱۲ ھل تسقط فرض الکفایۃ بفعل الصبی)

[3](البحر الرائق ص ۱۸۳ ج ۲ کتاب الجنائز)

[4](بدائع الصنائع ص ۳۱۳ ج ۱ فصل فی بیان کیفیۃ الصلوۃ علی الجنازۃ)

مجوزین حضرات نجاشی کی وفات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے استدلال کرتے ہیں، جب کہ عدمِ جواز کے قائل فقہاءِ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی کے معمول سے استدلال کرتے ہیں، کہ کئی مواقع پر صحابہ کرام کی شہادتیں ہوئی، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی موقع پر غائبانہ نماز جنازہ ادا نہیں فرمائی، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے موقع پر بھی دور دراز شہروں میں موجود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غائبانہ جنازہ پڑھنا ثابت نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کا نماز جنازہ جو پڑھا تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ تھا، نیز روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے نجاشی کے جسد کو معجزہ کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر دیا تھا، اور تمام حجابات ہٹا دیے تھے۔

شرح صحیح البخاري لإبن بطال میں ہے:

بَاب الرَّجُلِ يَنْعَى إِلَى أَهْلِ الْمَيِّتِ بِنَفْسِهِ۔

فيه: أَبُو هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ (صلى الله عليه وسلم) نَعَى النَّجَاشِيَّ فِي الْيَوْمِ الَّذِى مَاتَ فِيهِ خَرَجَ إِلَى الْمُصَلَّى، فَصَفَّ بِهِمْ وَكَبَّرَ أَرْبَعًا.

وفيه: أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ (صلى الله عليه وسلم): (أَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَهَا جَعْفَرٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَهَا عَبْدُاللَّهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ، وَإِنَّ عَيْنَىْ رَسُولِ اللهِ (صلى الله عليه وسلم) لَتَذْرِفَانِ، ثُمَّ أَخَذَهَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ مِنْ غَيْرِ إِمْرَةٍ، فَفُتِحَ لَهُ).

قال المهلب: هذا صواب الترجمة: باب الرجل ينعى إلى الناس الميت بنفسه، وإنما نعى (صلى الله عليه وسلم) النجاشي للناس، وخصه بالصلاة عليه، وهو غائب، لأنه كان عند الناس على غير الإسلام، فأراد أن يعلم الناس كلهم بإسلامه، فيدعو له في جملة المسلمين لیناله بركة دعوتهم، ويرفع عنه اللعن المتوجه إلى قومه. والدليل على ذلك أنه لم يصل (صلى الله عليه وسلم) على أحد من المسلمين ومتقدمى المهاجرين والأنصار الذين ماتوا فى أقطار البلدان، وعلى هذا جرى عمل المسلمين بعد النبى (صلى الله عليه وسلم)، ولم يصل على أحدٍ مات غائبًا، لأن الصلاة على الجنائز من فروض الكفاية يقوم بها من صلى على الميت فى البلد التي يموت فيها، ولم يحضر النجاشى مسلمٌ يصلى على جنازته، فذلك خصوص للنجاشي، بدليل إطباق الأمة على ترك العمل بهذا الحديث۔

وقال بعض العلماء: إن روح النجاشي أحضر بين يدى النبى، (صلى الله عليه وسلم)، فصلى عليه، ورفعت له جنازته كما كشف له عن بيت المقدس حين سألته قريش عن صفته، وعلم يوم موته ونعاه لأصحابه، وخرج فأمهم فى الصلاة عليه قبل أن يوارى، وهذه أدلة الخصوص، يدل على ذلك أيضًا إطباق الأمة على ترك العمل بهذا الحديث، ولم أجد لأحد من العلماء إجازة الصلاة على الغائب إلا ما ذكره ابن أبى زيد، عن عبد العزيز بن أبى سلمة، فإنه قال: إذا

استوقن أنه غرق، أو قتل، أو أكلته السباع، ولم يوجد منه شيء صلى عليه كما فعل (صلى الله عليه وسلم) بالنجاشی، وبه قال ابن حبيب[1].

التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد لابن عبد البر میں ہے:

وَفِيهِ الصَّلَاةُ عَلَى الْمَيِّتِ الْغَائِبِ وَأَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ يَقُولُونَ (إِنَّ) هَذَا خُصُوصٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ أَجَازَ بَعْضُهُمُ الصَّلَاةَ عَلَى الْغَائِبِ إِذَا بَلَغَهُ الْخَبَرُ بِقُرْبِ مَوْتِهِ وَدَلَائِلُ الْخُصُوصِ فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ وَاضِحَةٌ لَا يَجُوزُ أَنْ يَشْرَكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا غَيْرُهُ لِأَنَّهُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ أُحْضِرَ رُوحُ النَّجَاشِيِّ بَيْنَ يَدَيْهِ حَيْثُ شَاهَدَهَا وَصَلَّى عَلَيْهَا أَوْ رُفِعَتْ لَهُ جِنَازَتُهُ كَمَا كُشِفَ لَهُ عَنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ حِينَ سَأَلَتْهُ قُرَيْشٌ عَنْ صِفَتِهِ وَقَدْ رُوِيَ أَنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَتَاهُ بِرُوحِ جَعْفَرٍ أَوْ جِنَازَتِهِ وَقَالَ قُمْ فَصَلِّ عَلَيْهِ وَمِثْلُ هَذَا كُلِّهِ يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ مَخْصُوصٌ بِهِ لَا يُشَارِكُهُ فِيهِ غَيْرُهُ وَعَلَى هَذَا أَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْغَائِبِ[2].

نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار للعيني میں ہے:

وقال الخطابي: النجاشي رجل مسلم قد آمن برسول الله عليه السلام وصدقه على نبوته، إلا أنه كان يكتم إيمانه، والمسلم إذا مات وجب على المسلمين أن يصلوا عليه، إلا أنه كان بين ظهراني أي أهل الكفر ولم يكن بحضرته من يقوم بحق الصلاة عليه؛ فلزم رسول الله عليه السلام أن يفعل ذلك إذا هو نبيه ووليه وأحق الناس به؛ فهذا والله أعلم هو السبب الذي دعاه إلى الصلاة عليه بظهر الغيب، فعلى هذا إذا مات المسلم ببلد من البلدان وقد قضى حقه من الصلاة عليه فإنه لا يصلى عليه من كان ببلد آخر غائبًا عنه، فإن علم أنه لم يصل عليه لعائق أو مانع عذر كانت السنة أن يصلى عليه، ولا يترك ذلك لبعد المسافة، فإذا صلوا عليه استقبلوا القبلة ولم يتوجهوا إلى بلد الميت إن كان في غير جهة القبلة، وقد ذهب بعض العلماء إلى كراهة الصلاة على الميت الغائب، وزعموا أن النبي عليه السلام كان مخصوصًا بهذا الفعل؛ إذ كان في حكم المشاهد للنجاشي؛ لما روي في بعض الأخبار أنه قد سويت له الأرض حتى تبصر مكانه، هذا تأويل فاسد لأن رسول الله عليه السلام إذا فعل شيئًا من أفعال الشريعة كان علينا متابعته والاتساء به، والتخصيص لا يعلم إلا بدليل، ومما يبين ذلك: أنه عليه السلام خرج بالناس إلى المصلى فصف بهم، فصلوا معه فعلم أن هذا التأويل فاسد۔

قلت: هذا التشنيع كله على الحنفية والمالكية، ولكن من غير توجيه، فنقول ما يبين لك فساد كلامه، وهو أن النبي عليه السلام رفع له سرير النجاشي فرآه فتكون الصلاة عليه كميت يراه الإمام ولا يراه المأموم۔

وقد قال قال أبو عمر بن عبد البر: وأكثر أهل العلم يقولون: هذا خصوص للنبي عليه السلام بأن أحضر روح النجاشي بين يديه حيث شاهده وصلى عليه، أو رفعت له جنازته كما كشف له عن بيت المقدس حين سألته قريش عن صفته۔

---

[1] (بَاب الرَّجُلِ يَنْعَى إِلَى أَهْلِ الْمَيِّتِ بِنَفْسِهِ، ٣/٢٤٣—٢٤٤)

[2] (باب الميم، محمد بن شهاب الزهري، الحديث السابع عشر، ٦/٣٢٨-٣٢٩، ط: وزارة عموم الأوقاف والشؤون الإسلامية—المغرب)

وقد روي: "أن جبريل عليه السلام أتاه بروح جعفر أو جنازته، وقال: قم فصل عليه". فهذا وما كان مثله يدل على الخصوصية۔[1]

الجوهر النقي لإبن التركماني میں ہے:

وفي تمهيد ابن عبد البر اكثر اهل العلم يقولون هذا مخصوص بالنبي عليه السلام ودلائله في هذا المسألة واضحة لا يجوز ان يشرك النبي عليه السلام فيها غيره لانه والله اعلم احضر روح النجاشي بين يديه حتى شاهدها وصلى عليها أو رفعت له جنازته كما كشف له عن بيت المقدس حين سألته قريش عن صفته وقد روى ان جبرئيل عليه السلام اتاه بروح جعفر أو جنازته وقال قم فصل عليه ومثل هذا يدل على انه مخصوص به ولا يشاركه فيه غيره ثم اسند اعني ابن عبد البر عن ابي المهاجر عن عمران بن حصين عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان اخاكم النجاشي قد مات فصلوا عليه فقام صلى الله عليه وسلم وصففنا خلفه فكبر عليه اربعا وما نحسب الجنازة الا بين يديه - قلت - ولو جازت الصلاة على غائب لصلى عليه السلام على من مات من اصحابه ولصلى المسلمون شرقا وغربا على الخلفاء الاربعة وغيرهم ولم ينقل ذلک۔[2]

البداية النهاية لإبن كثير میں ہے:

وَقَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ إِنَّمَا صَلَّى عَلَيْهِ لِأَنَّهُ كَانَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ مِنْ قَوْمِهِ فَلَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ يَوْمَ مَاتَ مَنْ يُصَلِّي عَلَيْهِ فَلِهَذَا صَلَّى عَلَيْهِ صلّى اللّٰه عليه وسلّم۔

قالوا: فالغياب أن كان قد صلي عليه ببلده لاتشرع الصَّلَاةُ عَلَيْهِ بِبَلَدٍ أُخْرَى، وَلِهَذَا لَمْ يُصَلِّ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وسلّم فِي غَيْرِ الْمَدِينَةِ، لَا أَهْلُ مَكَّةَ وَلَا غَيْرُهُمْ وَهَكَذَا أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَغَيْرُهُمْ مِنَ الصَّحَابَةِ لَمْ يُنْقَلْ أَنَّهُ صُلِّيَ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ فِي غَيْرِ الْبَلْدَةِ الَّتِي صُلِّيَ عَلَيْهِ فِيهَا فَاللّٰہُ أَعْلَمُ۔[3]

فتاوی شامی میں ہے:

فلاتصح على غائب وصلاة النبي صلى الله عليه وسلم على النجاشي لغوية أو خصوصية۔[4]

امامِ اہلِ سُنت عظیم البرکت امام الشاہ احمد رضا خان نور اللہ مرقدہٗ سے بھی غائبانہ نمازِ جنازہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے جواب میں لکھا:

مذہب مہذب حنفی میں جنازہ غائب پر بھی محض ناجائز ہے۔ ائمہ حنفیہ کا اس کے عدمِ جواز پر بھی اجماع ہے خاص اسکا جزئیہ بھی مصرح ہونے کے علاوہ تمام عبارات مسئلہ اولیٰ بھی اس سے متعلق کہ غالباً نمازِ غائب کو تکرار صلوۃ جنازہ لازم۔

---

[1] (كتاب الجنائز، باب: التكبير علي الجنازة كم هو؟، ٣٤٤/٧-٣٤٥، ط: وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية—قطر)

[2] (باب الصلوة على الغائب، ٥٠/٤-٥١، ط: دار الفكر)

[3] (باب هجرة من هجر من أصحاب رسول الله صلي الله عليه وسلم من مكة إلي ارض الحبشة فرارا بدينهم من الفتنة، ٩٨/٣، ط: دار إحياء التراث العربي)

[4] (باب صلوة الجنازة، ٢٠٩/٢، ط: دار الفكر)

بلاد اسلام میں جہاں مسلمان انتقال کرے نماز ضرور ہو گی،اور دوسری جگہ خبر اس کے بعد ہی پہنچے گی،ولہذا امام اجل نسفی نے کافی میں اس مسئلہ کو اس کی فرع ٹھہرایا،اگرچہ حقیقۃً دونوں مستقل مسئلے ہیں۔اب اس مسئلہ کی نصوص خاصہ لیجئے،اور بہ نظر تعلق مذکور سلسلہ عبارات بھی وہی رکھئے۔

فتح القدیر،حلیہ،غنیہ،شلبیہ،بحر الرائق،ارکان میں ہے:

وشرط صحتها اسلام المیت وطهارته ووضعه امام المصلی فلهذا القید لاتجوز علی غائب۔

صحتِ نماز جنازہ کی شرط یہ ہے کہ میّت مسلمان ہو طاہر ہو،جنازہ نمازی کے آگے زمین پر رکھا ہو۔اسی شرط کے سبب کسی غائب کی نماز جنازہ جائز نہیں۔[1]

حلیہ کے لفظ یہ ہیں:

شرط صحتها کونه موضوعا امام المصلی ومن هنا قالوا لاتجوز الصلٰوة علی غائب مطلقا۔

نمازِ جنازہ کی شرائطِ صحت سے ہے جنازہ کا مصلّی کے آگے ہونا۔اسی لئے ہمارے علماء نے فرمایا کہ مطلقاً کسی غائب پر نماز جائز نہیں۔[2]

متن تنویر الابصار میں ہے:

شرطها وضعه امام المصلی۔

جنازہ کا نمازی کے سامنے ہونا شرطِ نماز جنازہ ہے۔[3]

برہان شرح مواہب الرحمن طرابلسی،نہر الفائق،شرنبلالیہ علی الدرر،خادمی،ہندیہ،ابو السعود،درمختار میں ہے:

شرطها حضوره فلاتصح علی غائب۔

جنازہ کا حاضر ہونا شرطِ نماز ہے لہذا کسی غائب پر نمازِ جنازہ صحیح نہیں۔[4]

متن نور الایضاح میں ہے:

شرائطها اسلام المیت وحضوره۔

صحتِ نمازِ جنازہ کی شرطوں سے ہے میّت کا مسلمان ہونا اور نمازیوں کے سامنے حاضر ہونا۔[5]

---

[1] (فتح القدیر فصل فی الصلٰوۃ علی المیت مکتبہ نوریہ رضویہ ۲/ ۸۰، غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجنائز سہیل اکیڈمی لاہور ص۵۸۳)

[2] (حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی)

[3] (درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دھلی، ۱/ ۱۲۱)

[4] (درمختار باب صلٰوۃ الجنائز، مطبع مجتبائی دھلی، ۱/ ۱۲۱)

[5] (نور الایضاح فصل فی الصّلٰوۃ علی المیّت مطبع علیمی لاہور ص ۵۵۶)

متن ملتقی الابحر میں ہے:

لا یصلی علی عضو و لا علی غائب۔

میّت کا کوئی عضو کسی جگہ ملے تو اس پر نماز جائز نہیں، نہ کسی غائب پر جائز ہے۔[1]

شرح مجمع، مجمع شرح ملتقی میں ہے:

محل الخلاف فی الغائب عن البلد اذلو کان فی البلد لم یجز ان یصلی علیہ حتی یحضر عندہ اتفاقا لعدم المشقۃ فی الحضور۔

امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اس مسئلہ میں ہم سے خلاف بھی اس صورت میں ہے کہ میّت دوسرے شہر میں ہو اگر اسی شہر میں ہو تو نماز غائب امام شافعی کے نزدیک بھی جائز نہیں کہ اب حاضر ہونے میں مشقت نہیں۔[2]

فتاوٰی خلاصہ میں ہے:

لا یصلی علٰی میّت غائب عندنا۔

ہمارے نزدیک کسی میّت غائب پر نماز نہ پڑھی جائے۔[3]

متن وافی میں ہے:

من استھل صلی علیہ و الّا لا کغائب۔

جو بچّہ پیدا ہو کر کچھ آواز کرے جس سے اس کی حیات معلوم ہو پھر مر جائے اس پر نماز پڑھی جائے ورنہ نہیں، جیسے غائب کے جنازہ پر نماز نہیں۔[4]

کافی میں ہے:

لا یصلی علٰی غائب و عضو خلافا للشافعی بناء علی ان صلاۃ الجنازۃ تعاد ام لا۔

کسی غائب یا عضو پر نماز ہمارے نزدیک ناجائز ہے اور اس میں امام شافعی کا خلاف ہے اس بناء پر کہ نماز جنازہ ان کے نزدیک دوبارہ ہو سکتی ہے، ہمارے نزدیک نہیں۔[5]

فتاوٰی شیخ الاسلام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی میں ہے:

ان ابا حنیفہ لا یقول بجواز الصلاۃ علی الغائب۔

---

[1] (ملتقی الابحر فصل فی الصّلٰوۃ علی المیّت موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۱۶۱)

[2] (مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل فی الصلٰوۃ علی المیت دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۸۵)

[3] (خلاصۃ الفتاوٰی الصلٰوۃ علی الجنازۃ اربع تکبیرات مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲۴)

[4] (وافی)

[5] (کافی شرح وافی)

ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ جنازہ غائب پر نماز جائز نہیں مانتے۔[1]

منظومہ امام مفتی الثقلین میں ہے:

باب فتاوی الشافعی وحدہ　　　　ومابہ قال قلنا ضدہ

وھی علی الغائب والعضو تصح　　　　وذاک فی حق الشھید قد طرح

صرف امام شافعی قائل ہیں کہ غائب اور عضو پر نماز صحیح ہے اور شہید کی نماز نہ ہو اور ان سب مسائل میں ہمارا مذہب اس کے خلاف ہے۔ ہمارے نزدیک غائب وعضو پر نماز صحیح نہیں اور شہید کی نماز پڑھی جائے گی۔[2]

یہ ۸۶ کتابوں کی ۲۳۰ عبارتیں ہیں، وللہ الحمد مسئلہ اولٰی پر بحث دلائل النھی الحاجز میں بحمد اللہ تعالٰی بروجہ کافی ہوچکی، یہاں بہت اختصار واجمال کے ساتھ مسئلہ ثانیہ کے دلائل پر کلام کریں۔

فنقول وباللہ التوفیق

حکم شرع مطہر کے لئے اور اس پر زیادت ناروا۔

اقول ای ماکان بدون اذنہ الخالص والعام ولو فی ضمن الارسال او السکوت فانہ بیان ولیس یسکت عن نسیان فھذہ ھی الزیادۃ حقیقۃ لاغیرہ اذا المستند ولو الی سکوتہ مستند الیہ لا زائد علیہ والمتبع الکف دون الترک فانہ لیس بفعل العبد ولا مقدور کمانص علیہ الاجلّۃ الصدور بل ھو فی العقل مدلل فان الاعدام لاتعلل فافھم ان کنت تفھم۔

اقول یعنی وہ زیادتی جو شرع کے اذنِ خاص یاعام کے بغیر ہو اگرچہ وہ ارسال یاسکوت کے ضمن میں ہو اس لئے کہ وہ بھی بیان ہے اس کا سکوت نسیان سے نہیں ہوتا، یہی زیادتی حقیقۃً زیادتی ہے، اس کے علاوہ نہیں اس لئے جس کا استناد شرع سے ہو گو سکوت ہی سے ہو وہ شریعت کی طرف مستند ہے اُس پر زائد نہیں۔ اور اتباع کف (قصداً نہ ہونے میں نہیں (حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام قصداً کسی کام سے باز رہے تو اس میں ان کی پیروی ہوگی اور یوں کوئی کام سرکار کے عمل میں نہ آیا تو وہ ممنوع نہ ہوگا نہ اس سے بچنا ضروری ہوگا، اس لئے کہ ترک بندے کا فعل ہی نہیں، نہ ہی اس کی قدرت میں ہے جیسا اجلّہ بزرگانِ دین نے اس کی تصریح فرمائی، بلکہ عقل کے نزدیک بھی یہ دلیل رکھتا ہے کیونکہ عدم کی تعلیل نہیں ہوتی، اسے سمجھو اگر سمجھ والے ہو۔(ت) باز رہنے میں ہوتی ہے۔

حضور پُرنور سیّد یوم النشور بالمؤمنین رؤف رحیم علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم کو نماز جنازہ مسلمین کا کمال اہتمام تھا۔

---

[1] (فتاوٰی امام غزی تمرتاشی کتاب الطھارۃ والصّلٰوۃ مطبع اھل السنۃ والجماعۃ بریلی ص ۴)

[2] (منظومۂ امام مفتی الثقلین عمر النسفی)

اگر کسی وقت رات اندھیری یا دوپہر کی گرمی یا حضور کے آرام فرماہونے کے سبب صحابہ نے حضور کو اطلاع نہ دی اور دفن کردیاتوارشاد فرماتے:

لاتفعلوا ادعونی لجنائزکم۔

رواہ ابن ماجۃ[1] عن عامر بن ربیعۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

ایسانہ کرومجھے اپنے جنازوں کے لئے بلالیا کرو، اسے ابن ماجہ نے عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔[2]

اور فرماتے:

لاتفعلوا لایموتن فیکم میت ماکنت بین اظھرکم الا اذنتمونی بہ فان صلٰوتی علیہ رحمۃ۔

رواہ الامام احمد عن زید بن ثابت[3] رضی اللہ تعالٰی عنہ و رواہ ابن حبان و الحاکم عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ فی حدیث اٰخر۔

ایسانہ کروجب تک میں تم میں تشریف فرماہوں ہرگز کوئی میّت تم میں نہ مرے جس کی اطلاع مجھے نہ دو کہ اُس پر میری نماز موجبِ رحمت ہے۔اسے امام احمد نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔اور اسے ابن حبان اور حاکم نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث کے آخر میں روایت کیا۔[4]

اور فرماتے:

ھذہ القبور مملوۃ ظلمۃً علی اھلھا وانی انورھا بصلٰوتی علیھم۔

صلی اللہ تعالٰی وبارک وسلم علیہ وعلٰی اٰلہ قدر نورہ وجمالہ وجاھہ وجلالہ وجودہ ونوالہ ونعمہ وافضالہ رواہ مسلم و ابن حبان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

بیشک یہ قبریں اپنے ساکنوں پر تاریکی سے بھری ہیں اور بیشک میں اپنی نماز سے انہیں روشن فرمادیتا ہوں۔اللہ تعالٰی رحمت وبرکت وسلامتی نازل فرمائے ان پر اوران کی آل پر ان کے نور وجمال، جاہ وجلال، جود ونوال، نِعَم وافضال کے حساب سے۔حدیث مذکور کو مسلم اورابن حبان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔[5]

---

[1] ف ۱: یہ حدیث "تمہید" میں بھی منقول ہے اس پر تحقیق والے نے جنائز ابن ماجہ کا حوالہ دیالیکن مجھے یہ حدیث ابن ماجہ میں ان الفاظ کے ساتھ نہیں مل سکی البتہ مسند احمد بن حنبل میں انہی الفاظ سے یہ حدیث منقول ہے حوالہ ملاحظہ ہو۔ نذیر احمد

[2] (مسند احمد بن حنبل حدیث عامر بن ربیعہ دارالفکر بیروت ۳/۴۴۴، التمہید اباحۃ الصلٰوۃ علی القبر الخ المکتبۃ القدوسیہ اردوبازار لاھور ۶/۱۶۷)

[3] ف ۲: یہی حدیث ابن ماجہ نے یزید بن ثابت کے حوالہ سے نقل کی اور مسند احمد بن حنبل میں بھی یزید کے حوالے سے منقول ہے اوریزید زید کے بڑے بھائی ہیں۔ نذیر احمد

[4] (مسند احمد بن حنبل حدیث یزید بن ثابت دارالفکر بیروت ۴/۳۸۸)

[5] (صحیح مسلم کتاب الجنائز نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۳۱۰، مسند احمد بن حنبل مروی ازابوھریرہ رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۲/۳۸۸، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان فصل فی الصلٰوۃ الجنائز موسسۃ الرسالۃ بیروت ۵/۳۵)

بااین ہمہ حالانکہ زمانہ اقدس میں صدہا صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے دوسرے مواضع میں وفات پائی، کبھی کسی حدیث صریح سے ثابت نہیں کہ حضور نے غائبانہ ان کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ کیا وہ محتاج رحمت والانہ تھے، کیا معاذاللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان پر یہ رحمت وشفقت نہ تھی، کیا ان کی قبور اپنی نماز پاک سے پُرنور نہ کرنا چاہتے تھے، کیا جو مدینہ طیبہ میں مرتے انہیں کی قبور محتاج نور ہوتیں اور جگہ اس کی حاجت نہ تھی۔ یہ سب باتیں بداھۃً باطل ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عام طور پر ان کی نماز جنازہ نہ پڑھنا ہی دلیل روشن وواضح ہے کہ جنازہ غائب پر نماز ناممکن تھی ورنہ ضرور پڑھتے کہ مقتضی بکمال وفور موجود اور مانع مفقود۔ لاجرم نہ پڑھنا قصداً باز رہنا تھا اور جس امر سے مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم بے عذر مانع بالقصد احتراز فرمائیں وُہ ضرور امرِ شرعی ومشروع نہیں ہوسکتا دوسرے شہر کی میّت پر صلٰوۃ کا ذکر صرف تین واقعوں میں روایت کیا جاتا ہے۔ واقعہ نجاشی وواقعہ معٰویہ لیثی وواقعہ امرائے موتہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین ان میں اوّل ودوم وبلکہ سوم کا بھی جنازہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے حاضر تھا تو نماز غائب پر نہ ہوئی بلکہ حاضر پر، اور دوم وسوم کی سند صحیح نہیں، اور سوم صلٰوۃ بمعنی نماز میں صحیح نہیں۔ ان کی تفصیل بعونہ تعالٰی ابھی آتی ہے۔ اگر فرض کیجئے کہ ان تینوں واقعوں میں نماز پڑھی تو باوصف حضور کے اس اہتمام عظیم وموفور اور تمام اموات کے اس حاجت شدیدہ رحمت ونور قبور کے صدہا کیوں نہ پڑھی، وہ بھی محتاج حضور وحاجتمند رحمت ونور، اور حضور ان پر بھی رؤف ورحیم تھے۔ نماز سب پر فرض عین نہ ہونا اس اہتمام عظیم کا جواب نہ ہوگا، نہ تمام اموات کی اس حاجت شدیدہ کا علاج۔ حالانکہ حریص علیکم ان کی شان ہے۔ دوایک کی دستگیری فرمانا اور صدہا کو چھوڑنا کب ان کے کرم کے شایان ہے۔ ان حالات واشارات کے ملاحظہ سے عام طور پر ترک اور صرف دوایک با وقوع خود ہی بتادے گا کہ وہاں خصوصیات خاصہ تھی جس کا حکم عام نہیں ہوسکتا۔ حکم عام وہی عدم جواز ہے جس کی بنا پر عام احتراز ہے۔ اب واقعہ بیر معونہ ہی دیکھئے۔ مدینہ طیبہ کے سترے جگر پاروں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خاص پیاروں، اجلّہ علمائے کرام صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو کفار نے دغا سے شہید کردیا۔ مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان کا سخت وشدید غم والم ہوا۔ ایک مہینہ کامل خاص نماز کے اندر کفار ناہنجار پر لعنت فرماتے رہے، مگر ہرگز منقول نہیں کہ ان پیارے محبوبوں پر نماز پڑھی ہو۔

آخر ایں ترک وبایں مرتبہ بے چیزے نیست

آخر اجلہ صحابہ کرام کے شہید ہونے پر آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ان کی نمازِ جنازہ کو ترک فرمانا بغیر کسی وجہ کے نہیں ہوسکتا۔[1]

---

[1] (صحیح البخاری باب الصفوف علی الصفوف علی الجنازہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۶)

اہل انصاف کے نزدیک کلام تو اسی قدر سے تمام ہوا مگر ہم ان وقائع ثلٰثہ کا بھی باذنہ تعالٰی تصفیہ کریں۔

واقعہ اولٰی: جب اصحمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بادشاہ حبشہ نے حبشہ میں انتقال کیا۔ سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں صحابہ کرام کو خبر دی مصلّٰی میں جاکر صفیں باندھ کر چار تکبیریں کہیں۔

رواہ الستۃ عن ابی ہریرۃ و الشیخان عن جابر کنت فی الصف الثانی او الثالث رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

اسے اصحابِ ستہ نے حضرت ابوھریرہ سے روایت کیا اور بخاری و مسلم میں حضرت جابر سے یہ بھی ہے کہ میں دوسری یا تیسری صف میں تھا، رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ (ت)[1]

اوّلاً صحیح ابن حبان میں عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہ و عن الصحابۃ جمیعا سے ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ان اخاکم النجاشی توفی فقوموا فصلوا علیہ فقام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصفوا خلفہ فکبر اربعا وھم لایظنون الا ان جنازتہ بین یدیہ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارا بھائی نجاشی مرگیا، اٹھو اس پر نماز پڑھو۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کھڑے ہوئے صحابہ نے پیچھے صفیں باندھیں۔ حضور نے چار تکبیریں کہیں، صحابہ کو یہی ظن تھا کہ ان کا جنازہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہے۔[2]

صحیح ابوعوانہ میں انہیں میں سے ہے:

فصلینا خلفہ و نحن لانری الا ان جنازۃ قدامنا۔

ہم نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی اور ہم یہی اعتقاد کرتے تھے کہ جنازہ ہمارے آگے موجود ہے۔[3]

اقول ھذا فی فتح الباری ثم المواھب ثم شرحہا و کذلک فی عمدۃ القاری و غیرھا من الکتب و وقع فی نصب الرایۃ فی روایۃ ابن حبان وھم لایظنون ان جنازتہ بین یدیہ باسقاط الا فاحتاج المحقق علی الاطلاق الی التقریب بان قال فھذا اللفظ یشیر الی ان الواقع خلاف ظنھم لانہ ھو فائدۃ المعتھد بھا فاما ان یکون سمعہ منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم او کشف لہ، اھ۔

اقول ابوعوانہ و ابن حبان کے حوالے سے فتح الباری پھر مواہب پھر شرح مواہب میں یہی الفاظ مذکورہ آئے اور ایسے ہی عمدۃ القاری وغیرہ کتابوں میں نقل ہے۔۔۔ نصب الرایہ کے اندر روایتِ ابنِ حبان میں وھم لایظنون ان جنازتہ بین یدیہ (اور لوگ نہیں سمجھ رہے تھے کہ ان کا جنازہ حضور کے آگے رکھا ہُوا ہے الّا (مگر) کے اسقاط کے ساتھ واقع ہُوا تو محقق

---

[1] (صحیح البخاری، باب من صف صفین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۷۶)
[2] (الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان فصل فی الصّلٰوۃ علی الجنائز مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۵/۴۰)
[3] (فتح الباری بحوالہ ابی عوانہ باب الصفوف علی الجنازہ مصطفی البابی مصر ۳/۴۳۲)

علی الاطلاق نے حدیث کو مدعا کے مطابق ثابت کرنے کی ضرورت محسوس کی اور فرمایا: اس لفظ سے یہ اشارہ ہورہا ہے کہ واقع میں ان حضرات کے گمان کے بر خلاف تھا کیونکہ اس جملے کا قابلِ شمار ولحاظ فائدہ یہی ہے (تو معنی یہ ہوا کہ وُہ ایسا نہیں سمجھ رہے تھے مگر واقع میں جنازہ حضور کے آگے موجود تھا) اب یہ ان کو حضور سے سن کر معلوم ہوا ہو یا ان پر انکشاف ہوا ہو، اھ۔ [1]

وتبعه فی الغنیة والمرقاة وھو کماتری کلامه نفیس لکن لاحاجة الیه بعد ثبوت الافی الکتابین الصحیحین فانه اظهر وازهر واللّٰه الحمد وبالجملة اندفع به ماقال الشیخ تقی الدین ان ھذا یحتاج الٰی نقل یثبته ولایکتفی فیه بمجرد الاحتمال۔

اس کلام میں حضرت محقق کا اتباع صاحبِ غنیہ وصاحبِ مرقات نے بھی کیا ہے۔ اور واقعی یہ نفیس کلام ہے مگر دونوں صحیح کتابوں (صحیح ابن حبان و صحیح ابی عوانہ) میں لفظ الّا ثابت ہو جانے کے بعد اس کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ جو الّا کے ساتھ ہے وہ زیادہ ظاہر اور روشن ہے۔ اور خدا ہی کے لئے ساری حمد ہے۔

الحاصل اس سے وہ اعتراض دفع ہو گیا جو شیخ تقی الدین نے لکھا کہ اس پر کوئی دلیل لانے کی ضرورت ہے محض احتمال کافی نہیں۔ (ت) [2]

یہ دونوں روایت صحیح عاضد قوی ہیں اس حدیث مرسل اصولی کی کہ امام واحدی نے اسبابِ نزولِ قرآن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کی کہ فرمایا:

کشف النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم عن سریر النجاشی حتی راٰہ وصلّی علیه۔

نجاشی کا جنازہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے ظاہر کر دیا گیا تھا حضور نے اسے دیکھا اُس پر نماز پڑھی۔ [3]

ثانیاً بلکہ جب تم مستدل ہو ہمیں احتمال کافی، نہ کہ جب خود باسانید صحیحہ ثابت ہے۔ یہ جواب خود ایک شافعی امام قسطلانی نے مواہب شریفہ میں نقل کیا اور مقرر رکھا۔

اقول ای لماتقرر من کفه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فالظاھر معناہ الاحتمال عن دلیل ثم من العجب قول الکرمانی کان غائباً عن الصحابة۔ [4]

---

[1] (فتح القدیر فصل فی الصلٰوۃ علی المیت نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۸۰)

[2] (نصب الرایة بحوالہ تقی الدین احادیث الصلٰوۃ علی الغائب المکتبة الاسلامیہ لصاحبھا ریاض الشیخ ۲/ ۲۸۳)

[3] (شرح الزرقانی علی المواھب بحوالہ واحدی النوع الرابع فی صلوٰتہ الخ دار المعرفة بیروت ۱/ ۸۷)

[4] (فتح الباری بحوالہ الکرمانی باب الصفوف علی الجنازہ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۳۲)

اقول یعنی جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا غائبوں کی نماز سے باز رہنا ثابت ہے تو حضرت اصحمہ نجاشی کی نماز جنازہ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا جنازہ سامنے تھا، تو ظاہر یہ ہے کہ احتمال سے مراد احتمال بدلیل ہے۔ پھر عجیب بات ہے کہ کرمانی نے لکھا: نجاشی کا جنازہ صرف نظرِ صحابہ سے غائب تھا۔

وارتضاہ فی الفتح قائلا سبقہ الٰی ذلک ابو حامد، الخ۔

اس کو فتح الباری میں پسند کیا یہ کہتے ہوئے کہ اس سے پہلے ابو حامد یہ فرما چکے ہیں۔[1]

وکذا استحسنہ الرؤیانی واربعتھم شافعیہ عہ وھذا لمانص علیہ الحنفیۃ والمالکیۃ من الاتفاق علی جواز الصلٰوۃ علٰی غائب عن القوم والامام یراہ۔

اس طرح رویانی نے اسے عمدہ چیز سمجھا، یہ چاروں حضرات شافعی ہیں۔ تعجب کی چیز یہ ہے کہ اس پر حنفیہ ومالکیہ کا بھی اتفاق ہے کہ ایسے کی نمازِ جنازہ جائز ہے جو لوگوں سے غائب ہو اور امام اسے دیکھ رہا ہو۔

عہ: قلدھم فیہ تقلید اجامداً مجتھد الوھابیۃ الشوکانی فی نیل الاوطار والبوفالی فی عون الباری غافلین عمارد ہ بہ الحنفیۃ وھذا دیدن ھٰؤلاء المدعین للاجتھاد یقلدون المقلدین فی الغلط المبین ویحرمون تقلید الائمۃ المجتھدین ۱۲ منہ (م)

اس میں ان کی تقلید جامد کی ہے مجتہدِ وہابیہ شوکانی نے نیل الاوطار میں اور بھوپالی نے عون الباری میں۔ اور اس کلام سے غافل رہے جس کے ذریعے حنفیہ نے اس جواب کو رَد کر دیا ہے۔ یہی ان مدعیانِ اجتہاد کی عادت ہے کہ کھلی ہوئی غلط باتوں میں مقلدین کی تقلید کرتے ہیں اور ائمہ مجتہدین کی تقلید کو حرام ٹھہراتے ہیں ۱۲ منہ (ت)

اقول علٰی ان فی حدیث عمران نحن لانری الا ان الجنازۃ قدامنا[2] کماقدمنا اما حدیث مجمع بن جاریۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فصففنا خلفہ صفین ومانری شیئا۔

رواہ الطبرانی (وھم من نسبہ لابن ماجۃ مغترا بقول الحافظ اصلہ فی ابن ماجۃ غافلا ان لیس عندہ "ومانری شیئا" وھو المقصود) ففیہ حمران بن اعین رافضی ضعیف علی ان کلاحکی عن حالہ فلاتعارض ولایعقل من عاقل اشتراط ان یری المیت الکل والالماصحت لماعدا للصف الاول۔

اقول علاوہ ازیں حدیث عمران میں یہ ہے کہ "ہم یہی اعتقاد کرتے تھے کہ جنازہ ہمارے آگے موجود ہے" جیسا کہ ہم پیش کر چکے۔ رہی مجمع بن جاریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث، ہم نے حضور کے پیچھے دو صفیں لگائیں اور ہم کچھ نہ دیکھ رہے تھے اسے طبرانی نے روایت کیا (جس نے ابن ماجہ کا حوالہ دیا اُسے وہم ہوا، دراصل ابن حجر کی اس عبارت سے کہ "اس کی اصل ابن ماجہ

---

[1] (فتح الباری شرح بخاری باب الصفوف علی الجنازہ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۳۲)

[2] (شرح الزرقانی علی مواھب بحوالہ عمران بن حصین النوع الرابع فی صلوٰتہ الخ دار المعرفۃ بیروت ۸/ ۸۷)

میں ہے "وہ فریب خوردہ ہوگیا اور اس سے غافل رہا کہ ابن ماجہ میں یہ لفظ "ہم کچھ نہ دیکھ رہے تھے" موجود نہیں جبکہ وہی مقصود ہے) اس میں حمران بن اعین رافضی ضعیف ہے۔ علاوہ ازیں ہر راوی نے اپنا حال بیان کیا ہے، اس لئے کوئی تعارض نہیں، ورنہ پہلی صف کے علاوہ کسی کی نماز ہی نہ ہو۔ (ت)[1]

ف: معجم کبیر میں مُجمّع بن جاریہ کی احادیث کے تحت بحوالہ ابن ابی شیبہ کے الفاظ یوں ہیں:

"فصففنا خلفه صفين"۔

اس میں "ومانری شیئا" کے الفاظ نہیں ہیں۔[2]

ثالثاً نجاشی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا انتقال دارالکفر میں ہوا وہاں اُن پر نماز نہ ہوئی تھی لہذا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہاں پڑھی۔ اسی بناپر امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں اس حدیث کے لئے یہ باب وضع کیا:

الصلٰوة علٰی مسلم یلیه اهل شرک فی بلد اٰخر۔

دوسرے شہر میں ایسے مسلم کی نماز جنازہ جس کے قریب صرف اہلِ شرک ہیں۔ (ت)[3]

قال الحافظ فی الفتح هذا محتمل الا انی لم اقف فی شیئ من الاخبار علی انه لم یصل علیه فی بلده احد، اھ۔

حافظ ابنِ حجر نے فتح الباری میں کہا یہ احتمال تو ہے مگر کسی حدیث میں یہ اطلاع میں نے نہ پائی کہ نجاشی کے اہلِ شہر میں سے کسی نے ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی، اھ۔[4]

قال الزرقانی وهو مشترک الالزام فلم یرو فی الاخبار انه صلی علیه احد فی بلده کما جزم به ابوداؤد محله فی اتساع الحفظ معلوم، اھ۔

علامہ زرقانی نے لکھا: یہ الزام دونوں طرف سے مشترک ہے کیونکہ کسی حدیث میں یہ بھی مروی نہیں کہ ان کے اہلِ شہر میں سے کسی نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی تھی، جیسا کہ ابوداؤد نے اس پر جزم کیا ہے اور وسعتِ حفظ میں ان کا مقام معلوم ہے اھ۔[5]

---

[1] (شرح الزرقانی علی مواهب بحواله طبرانی النوع الرابع فی صلٰوته الخ دار المعرفة بیروت ۸/ ۸۷، فتح الباری شرح البخاری باب الصلٰوة علی الجنازة مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۳۲)

[2] ملاحظہ ہو معجم کبیر حدیث ۱۰۸۶ جلد ۱۹ ص ۴۴۶۔ نذیر احمد

[3] (سنن ابی داؤد باب الصلٰوة علی المسلم یموت فی بلاد شرک آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۱)

[4] (فتح الباری شرح البخاری باب الصفوف علی الجنازة مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۳۲)

[5] (شرح الزرقانی علی المواهب النوع الرابع دار المعرفة بیروت ۸/ ۸۷)

اقول ای فقد کفانا المؤنۃ بقولہ ھذا محتمل ثمّ اقول قد یومی لہ ما اخرج احمد و ابن ماجۃ عن حذیفۃ بن اسید رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ ان النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم خرج بھم فقال صلوا علی اخ لکم مات بغیر ارضکم قالوا من ھو قال النجاشی۔

ثم رأیتہ عہ فی مسند ابی داؤد الطیالسی۔

اقول یعنی یہ احتمال مان کر ہمارا بوجھ انہوں نے خود ہی اتار دیا ثمّ اقول اس کا کچھ اشارہ اس سے ملتا ہے جو امام احمد اور ابن ماجہ نے حذیفہ بن اُسید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لوگوں کو لے کر باہر آئے پھر فرمایا: اپنے ایک بھائی کی۔[1]

عہ: ثم رأیت الشوکانی ذکرہ عن شیخ مذھبہ الفاسد ابن تیمیۃ انہ اختار التفصیل بجواز الصلٰوۃ علی الغائب ان لم یصل علیہ حیث مات و الا لا قال و استدل لہ بما اخرجہ الطیالسی و احمد و ابن ماجۃ و ابن قانع و الطبرانی و الضیاء۔

پھر میں نے دیکھا کہ شوکانی نے اپنے فاسد مذہب کے پیشوا ابن تیمیہ سے متعلق ذکر کیا اس نے یہ تفصیل اختیار کی ہے کہ غائب کی نماز جائز ہے اگر وہاں اس کی نماز نہ ہوئی ہو جہاں انتقال کیا ورنہ جائز نہیں۔ اور کہا کہ اس پر دلیل میں وُہ حدیث پیش کی ہے جو طیالسی، امام احمد، ابن ماجہ، ابن قانع، طبرانی اور ضیاء نے روایت کی۔[2]

فذکر الحدیث اقول اما الاستئناس فنعم و اما کونہ دلیلا علیہ حجۃ فیہ فلا کما لا یخفی ۱۲ منہ (م)

پھر حدیث بالا ذکر کی اقول اس حدیث سے رائے مذکور پر استیناس تو ہو رہا ہے مگر یہ کہ اس پر یہ دلیل اور اس بارے میں حجت ہو تو ایسا نہیں جیسا کہ واضح ہے، ۱۲ منہ۔ (ت)

قال حدثنا المثنی بن سعید عن قتادۃ عن ابی طفیل عن حذیفۃ بن اسید ان النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اتاہ موت النجاشی فقال ان اخاکم مات بغیر ارضکم فقوموا فصلوا علیہ۔

نماز ادا کرو جو تمھاری سرزمین کے علاوہ میں فوت ہوا۔ لوگوں نے عرض کیا: وہ کون؟ فرمایا: نجاشی، پھر میں نے اسے مسند ابوداؤد طیاسی میں دیکھا، انھوں نے کہا ہم سے مثنی بن سعید نے حدیث بیان کی، وہ قتادہ سے وہ ابوالطفیل سے وہ حذیفہ بن اُسید سے راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس نجاشی کی وفات کی خبر آئی تو فرمایا: تمھارا بھائی تمھاری سرزمین کے علاوہ میں انتقال کر گیا، تو اٹھو اس کی نماز پڑھو۔[3]

فھذا یقوی الاستئناس لمکان الفاء فی فقوموا۔

---

[1] (سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی الصلٰوۃ علی النجاشی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۱)
[2] (نیل الاوطار للشوکانی الصلٰوۃ علی الغائب بالنیۃ مصطفی البابی مصر ۴/۵۷)
[3] (مسند ابوداؤد الطیاسی حدیث ۱۰۶۸ دار المعرفۃ بیروت ۴/۱۴۴)

یہ روایت استیناس کو قوت دے رہی ہے اس لیے کہ اس کے اندر فقوموا (تو اٹھو) میں فا (تو) ہے۔ (ت)

ولہذا خود امام شافعی المذہب ابو سلیمان خطابی نے یہ مسلک لیا کہ غائب پر نماز جائز نہیں سوا اس صورت خاص کے کہ اس کا انتقال ایسی جگہ ہوا ہو جہاں کسی نے اس کی نماز نہ پڑھی ہو۔ اقول اب بھی خصوصیت نجاشی ماننے سے چارہ نہ ہو گا، جبکہ اور موتیں بھی ایسی ہوئیں اور نماز غائب کسی پر نہ پڑھی گئی۔

رابعاً بعض (عہ) کو ان کے اسلام میں شبہ تھا یہاں تک کہ بعض نے کہا: حبشہ کے ایک کافر پر نماز پڑھی۔[1]

رواہ ابن ابی حاتم فی التفسیر عن ثابت و الدار قطنی فی الافراد و البزار عن حمید معاً عن انس و لہ شاھد فی کبیر الطبرانی عن وحشی و اوسطہ عن ابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

اسے ابن ابی حاتم نے تفسیر میں ثابت سے، دار قطنی نے افراد میں اور بزار نے مسند میں حمید سے، دونوں حضرات نے حضرت انس سے روایت کیا، اور اس حدیث کی ایک شاہد طبرانی کبیر میں حضرت وحشی سے اور معجم اوسط میں حضرت ابو سعید سے ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم (ت)

عہ: روایتِ طبرانی میں ہے اس کا قائل ایک منافق تھا۔ ۱۲ منہ (م)[2]

اس نماز سے مقصود اُن کی اشاعتِ اسلام تھی. اقول یعنی بیان بالفعل اقوی ہے ولہذا مصلّٰی میں تشریف لے گئے کہ جماعت کثیر ہو۔[3]

قالہ ابن بزیزۃ و غیرہ من الشافعیۃ القائلین بجواز صلٰوۃ الجنازۃ فی المسجد معتلین لعدم صلوۃ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی المسجد مع انہ حین نعاہ کان فیہ ھذا و لا یذھب عنک ان الطراز المعلم ھما الاولان۔

یہ ابن بزیزہ وغیرہ شافعیہ نے کہا جو اس کے قائل ہیں کہ مسجد میں نماز جنازہ جائز ہے، اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جب رحلتِ نجاشی کی اطلاع دی تو اس وقت مسجد ہی میں تشریف فرما تھے مگر جنازہ کیلئے باہر تشریف لے گئے اس کی علت ان حضرات نے یہ بتائی کہ اس سے مقصود تکثیر جماعت کے ذریعہ ان کے اسلام کا اعلان کرنا تھا۔ (اس واقعہ پر ہم نے چار کلام کئے مگر) خیال رہے کہ نقش زر نگار کی حیثیت صرف پہلے دو کو حاصل ہے۔ (ت)

تنبیہ: غیر مقلدوں کے بھوپالی امام نے عون الباری میں حدیث نجاشی کی نسبت کہا، اس سے ثابت ہوا کہ غائب پر نماز جائز ہے اگر چہ جنازہ غیر جہت قبلہ میں ہو اور نماز قبلہ رُو۔

---

[1] (فتح الباری بحوالہ ابن ابی حاتم و الدار قطنی و البزار باب الصفوف علی الجنازۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۳۱)

[2] (فتح الباری بحوالہ طبرانی اوسط باب الصفوف علی الجنازۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۳۱)

[3] (فتح الباری بحوالہ ابن بزیزہ و الدار قطنی و البزار باب الصفوف علی الجنازۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۳۱)

اقول یہ اس مدعی اجتہاد کی کورانہ تقلید اور اس کے ادعا پر مثبت جہل شدید ہے، نجاشی کا جنازہ حبشہ میں تھا اور حبشہ مدینہ طیبہ سے جانب جنوب ہے اور مدینہ طیبہ کا قبلہ جنوب ہی کو ہے تو جنازہ غیر جہتِ قبلہ کو کب تھا۔

لاجرم لما نقل الحافظ فی الفتح قول ابن حبان انه انما یجوز ذلک لمن فی جهة القبله، قال حجته الجمود علی قصة النجاشی، اھ۔[1]

جب حافظ ابنِ حجر نے فتح الباری میں ابن حبان کا یہ قول نقل کیا کہ صرف اسی غائب کی نماز جنازہ ہوسکتی ہے جو سمتِ قبلہ میں ہو تو اس پر کہا کہ: ان کی دلیل واقعہ نجاشی پر جمود ہے، اھ۔ (ت)

تو ان مجتہد صاحب کا جہل قابل تماشا ہے جن کو سمتِ قبلہ تک معلوم نہیں۔ پھر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ان کے جنازہ پر نماز ان کی غیر سمت پڑھنے کا ادعا دوسرا جہل ہے۔ حدیث میں تصریح ہے کہ حضور نے جانبِ حبشہ نماز پڑھی۔[2]

رواہ الطبرانی عن حذیفة بن اسید رضی اللہ تعالٰی عنه۔

اسے طبرانی نے حذیفہ بن اُسید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

واقعہ دوم: معاویہ بن معاویہ مزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مدینہ طیبہ میں انتقال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تبوک میں ان پر نماز پڑھی۔

اوّلاً ائمہ حدیث عقیلی وابن حبان و بیہقی و ابوعمران بن عبدالبر وابن الجوزی و نووی و ذہبی و ابن الہمام وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف بتایا، اسے طبرانی نے معجم اوسط و مسند الشامیین میں ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی سے روایت کیا:

بطریق نوح بن عمرو السکسکی ثنا بقیه بن الولید عن محمد بن زیاد الالهانی عن ابی امامة۔

اس کی سند اس طرح ہے: نوح بن عمرو سکسکی نے کہا ہم سے حدیث بیان کی بقیہ بن ولید نے:

عن محمد بن زیاد الالهانی ــــــ عن ابی امامه رضی اللہ تعالٰی عنه۔

قلت ومن هذا الطریق رواہ ابو احمد الحاکم فی فوائدہ والخلاّلی فی فوائد سورة الاخلاص وابن عبدالبر فی الاستیعاب وابن حبان فی الضعفاء واشار الیه ابن مندة۔

قلت (میں کہتا ہوں) اسی طریق سے اس کو ابو احمد حاکم نے فوائد میں، خلاّل نے فوائد سورہ اخلاص میں، ابن عبدالبر نے استیعاب میں، اور ابن حبان نے ضعفاء میں روایت کیا، اور اسی کی طرف ابنِ مندہ نے اشارہ کیا۔ (ت)

---

[1] (فتح الباری بحوالہ ابن بزیزہ باب الصفوف علی الجنازة مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۳۱)

[2] (معجم کبیر مروی از حذیفہ بن اُسید حدیث ۳۰۴۸ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۳/ ۱۷۹)

اس کی سند میں بقیہ بن ولید مدلس ہے اور اس نے عنعنہ کیا یعنی محمد بن زیاد سے اپنا سُننا نہ بیان کیا، بلکہ کہا کہ ابن زیاد سے روایت ہے معلوم نہیں راوی کون ہے!

به اعله المحقق فی الفتح اقول لکن سند ابی احمد الحاکم هکذا اخبرنا ابو الحسن احمد بن عمیر بد مشق ثنا نوح بن عمرو بن حری ثنا بقیة ثنا محمد بن زیاد عن ابی امامة فذکرہ۔

حضرت محقق نے فتح القدیر میں اسی سے اس کو معلول ٹھہرایا۔ اقول مگر ابو احمد حاکم کی سند اس طرح ہے: ہمیں خبر دی ابو الحسن احمد بن عمیر نے دمشق میں، انھوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی نوح بن عمرو بن حری نے، کہا ہم سے حدیث بیان کی محمد بن زیاد نے، وہ ابو امامہ سے راوی ہیں، اس کے بعد حدیث ذکر کی۔(ت)

ذہبی نے کہا کہ حدیث منکر ہے نیز اس کی سند میں نوح ابن عمرو ہے۔ ابن حبان نے اسے حدیث کا چور بتایا، یعنی ایک سخت ضعیف شخص اسے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتا تھا، اس نے اس سے چُرا کر بقیہ کے سر اباندھی۔

قال الذهبی فی ترجمة نوح قال ابن حبان یقال انه سرق هذا الحدیث، اھ۔

ذہبی نے نوح کے حالات میں لکھا: ابن حبان نے بیان کیا کہ "کہا جاتا ہے اس نے یہ حدیث چُرالی اھ۔[1]

اقول لفظ الحافظ في الاصابة قال ابن حبان فی ترجمة العلاء الثقفی من الضعفاء بعد ان ذکر لی هذا الحدیث سرقه شیخ من اهل الشام، فرواه عن بقیة فذکرہ، اھ۔

اقول اصابہ میں حافظ ابنِ حجر کے الفاظ یہ ہیں: ابن حبان نے علاء ثقفی ضعیف کے ترجمہ میں اس کی یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا: اسے شام کے ایک شیخ نے چُرا کر اسے بقیہ سے روایت کر دیا، پھر حدیث ذکر کی اھ۔[2]

و لیس فیه یقال و قد نقل عنه هکذا الذهبی فی العلاء۔

اصابہ کی اس عبارت میں ابن حبان کے حوالہ میں لفظِ یقال (کہا جاتا ہے) نہیں ہے اور خود ذہبی نے علاء کے بارے میں ابن حبان سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

اما قول الحافظ فما ادری عنی نوحاً او غیره فانه لم یذکر نوحاً فی الضعفاء۔

اب رہا حافظ ابن حجر کا یہ کلام کہ "پتا نہیں ابن حبان نے نوح ہی کو مراد لیا ہے یا کسی اور کو؟ کیونکہ انھوں نے نوح کو ضعفاء میں ذکر نہیں کیا ہے"۔[3]

---

[1] (میزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۹۱۳۹ نوح بن عمرو بن نوح دار المعرفة بیروت ۴/۲۷۸)

[2] (الاصابة فی تمیز الصحابة ترجمہ نمبر ۸۰۸۰ معاویہ بن معاویہ مزنی دار صادر بیروت ۳/۴۳۷)

[3] (الاصابة فی تمیز الصحابة ترجمہ نمبر ۸۰۸۰ معاویہ بن معاویہ مزنی دار صادر بیروت ۳/۴۳۷)

فاقول ظاهر ان نوحا هو الشيخ الشامی الذی رواه عن بقية ولا مشار للشک حتی يثبت شامی اخر يرويه عنه لاجرم ان جزم الذهبی بانه عنی به نوحا۔

فاقول (تو میں کہتا ہوں) ظاہر ہے کہ نوح وہ شامی شیخ ہے جس نے یہ حدیث بقیہ سے روایت کی ہے، اس میں کسی شک کی گنجائش ہی نہیں کہ یہ ثابت کیا جائے کہ کوئی اور شامی شیخ اس سے روایت کرنے والا ہے، لامحالہ ذہبی نے جزم کیا کہ ابن حبان نے اس سے نوح ہی کو مراد لیا ہے۔(ت)

انس (عہ) رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت طبقات ابن سعد میں دو طریق سے ہے: ایک طریق محبوب بن ہلال مزنی ہے۔

عہ تنبیہ: لم یرد الحدیث عن صحابی غیر انس و ابی امامة اماما وقع فی نسختی فتح القدیر والمطبوعتین بمصر والهند من قوله بعد ذکر قصه النجاشی فان قیل بل قد صلی علی غیره من الغیب وهو معاویة بن معاویة المزنی، ویقال اللیثی رواه الطبرانی من حدیث ابی امامة و ابن سعد من حدیث انس وعلی و زید و جعفر لما استشهد بموته علی مافی مغازی الواقدی۔

تنبیہ: یہ حضرت انس اور ابوامامہ کے علاوہ کسی اور صحابی سے وارد نہیں رہی فتح القدیر کی یہ عبارت جو اس کے مصر اور ہند کے طبع شدہ دونوں نسخوں میں ہے کہ "واقعہ نجاشی ذکر کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں: اگر اعتراض ہو کہ حضور نے نجاشی کے علاوہ دوسرے پر بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہے۔ وہ معاویہ بن معاویہ مزنی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ "لیثی" اسے طبرانی نے حضرت ابوامامہ سے روایت کیا ہے اور ابن سعد نے حضرت انس اور علی سے، اور زید و جعفر پر بھی نماز پڑھی، جب یہ دونوں حضرات موتہ میں شہید ہوئے جیسا کہ مغازی واقدی میں ہے۔[1]

تصحیف وصوابه وابن سعد من حدیث انس وعلی زید و جعفر ای وصلی علیهما فقد اخذ کلام الفتح هذا برمته الحلبی فی الغنیة فقال وابن سعد من حدیث انس وکذا صلی علی زید و جعفر۔

تو اس عبارت (من حدیث انس وعلی وزید و جعفر) میں تصحیف (کتابت کی غلطی) ہے۔ صحیح عبارت اس طرح ہے (وابن سعد من حدیث انس وعلی زید و جعفر) یعنی اور اسے ابن سعد نے حضرت انس سے روایت کیا، اور حضور نے حضرت زید و حضرت جعفر کی بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

اس خطائے کتابت کی دلیل یہ ہے کہ فتح القدیر کا پورا کلام لے کر علامہ حلبی نے غنیہ میں یوں لکھا: وابن سعد من حدیث انس، وکذا صلی علی زید و جعفر (اور ابن سعد نے اسے حضرت انس سے روایت کیا، اور اسی طرح حضور نے حضرت زید و حضرت جعفر کی نماز پڑھی)۔[2]

---

[1] (فتح القدیر ۲/ ۸۱)
[2] (غنیہ المستملی ص ۵۴۴)

وکذااخذہ بتمامہ القاری فی المرقاۃ فقال و ابن سعد من حدیث انس و صلی علٰی زید و جعفر۔

یوں ہی علامہ علی قاری نے اسے مکمل اخذ کرکے مرقات میں یوں لکھا: وابن سعد من حدیث انس، و صلی علی زید و جعفر (اور ابن سعد نے حضرت انس کی حدیث میں اسے روایت کیا اور حضور نے حضرات زید و جعفر کی نماز پڑھی)۔[1]

وقد جمع الحافظ طرق الحدیث فی الاصابۃ فلم یذکرہ عن علی ولا عن غیرہ من الصحابۃ سوی انس و ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم ۱۲ منہ (م)۔

اور حافظ ابن حجر نے اصابہ میں اس حدیث کے تمام طُرق جمع کئے ہیں مگر ان میں حضرت علی یا کسی اور صحابی سے روایت کا ذکر نہیں، صرف حضرت انس وابوامامہ کا ذکر ہے۔ رضی اللہ تعالٰی عنہم (ت)

قلت و من ھذا الوجہ اخرجہ الطبرانی و ابن الضریس و سمویۃ فی فوائدہ و ابن مندۃ و البھیقی فی الدلائل۔

قلت (میں کہتا ہوں) اسی طریق سے اُسے طبرانی، ابن ضریس، فوائد میں سمویہ، ابن مندہ، اور دلائل میں بہیقی نے روایت کیا۔(ت)[2]

ذہبی نے یہ کہا یہ شخص مجہول ہے اور اس کی یہ حدیث منکر۔[3]

دوسرے طریق میں علاء بن یزید ثقفی ہے۔

قلت و من ھذا الطریق اخرجہ ابن ابی الدنیا و من طریقہ ابن الجوزی فی العلل المتناھیۃ و العقیلی و ابن سنجر فی مسندہ و ابن الاعرابی و ابن عبدالبر و حاجب الطوسی فی فوائدہ۔

قلت (میں کہتا ہوں) اسی طریق سے اس کو ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے اور اسی کے طریق سے ابن الجوزی نے العلل المتناہیہ میں، اور عقیلی اور ابن سنجر نے اپنی مسند میں اور ابن الاعرابی، ابن عبدالبر نے اور فوائد میں حاجب طوسی نے روایت کیا ہے۔(ت)[4]

امام نووی نے خلاصہ میں فرمایا: اس کے ضعیف ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔

امام بخاری وابن عدی وابو حاتم نے کہا: وہ منکر الحدیث ہے۔

ابو حاتم ودار قطنی نے کہا:

متروک الحدیث ہے۔

---

[1] (مرقات المفاتیح ۴/۱۴۰)

[2] (الاصابۃ ترجمہ ۸۰۸۰ ۳/۳۳۶)

[3] (میزان الاعتدال ترجمہ ۷۰۸۵ محبوب بن ہلال دار المعرفۃ بیروت ۳/۴۴۲)

[4] (میزان الاعتدال ترجمہ ۵۷۳۰ العلاء بن زید الثقفی دار المعرفۃ بیروت ۳/۹۹)

امام علی بن مدینی استاد امام بخاری نے کہا: وہ حدیثیں دل سے گھڑتا تھا۔

ابن حبان نے کہا: یہ حدیث بھی اسی کی گھڑی ہوئی ہے، اسی سے چرا کر ایک شامی نے بقیہ سے روایت کی۔[1]

ذکرہ فی المیزان۔

اسے میزان الاعتدال میں ذہبی نے ذکر کیا۔ (ت)

ابو الولید طیالسی نے کہا: علامہ کذاب تھا۔

عقیلی نے کہا:

العلاء بن یزید ثقفی لایتابعہ احد علی ھذا الحدیث الا من ھو مثلہ او دونہ۔

علاء کے سوا جس جس نے یہ حدیث روایت کی سب علاء ہی جیسے ہیں یا اس سے بھی بدتر۔[2]

ذکرہ فی العلل المتناھیۃ۔

ابن الجوزی نے اسے علل متناہیہ میں ذکر کیا۔ (ت)

ابو عمر بن عبد البر نے کہا: اس حدیث کی سب سندیں ضعیف ہیں اور دربارہ احکام اصلاً حجت نہیں، صحابہ میں کوئی شخص معاویہ بن معاویہ نام معلوم نہیں۔[3]

قالہ فی الاستیعاب و نقلہ فی الاصابۃ۔

ابن عبد البر نے یہ استیعاب میں کہا اور حافظ نے اسے اصابہ میں نقل کیا۔ (ت)

یونہی ابن حبان نے کہا کہ مجھے (عہ) اس نام کے کوئی صاحب صحابہ میں یاد نہیں۔[4]

اثرہ فی المیزان۔

اسے ذہبی نے میزان میں نقل کیا۔ (ت)

عہ: وہابیہ کے امام شوکانی نے نیل الاوطار میں یہاں عجیب تماشہ کیا ہے، اوّلاً استیعاب سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے معٰویہ بن معٰویہ لیثی پر نماز پڑھی۔ پھر کہا استیعاب میں اس قصہ کا مثل معاویہ بن مقرن کے حق میں ابو امامہ سے روایت کیا۔ پھر کہا نیز اس کا مثل انس سے ترجمہ معاویہ بھی معاویہ مزنی میں روایت کیا۔[5]

---

[1] (میزان الاعتدال ترجمہ ۵۷۳۰ العلاء بن زید الثقفی دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۹۹)

[2] (العلل المتناھیۃ حدیث فی فضل معاویۃ بن معاویۃ دار النشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۹۹)

[3] (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ترجمہ ۸۰۸۰ معاویۃ بن معاویۃ دار صادر بیروت ۳/ ۴۳۷)

[4] (میزان الاعتدال ترجمہ ۵۷۳۰ العلاء بن زید الثقفی دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۹۹)

[5] (نیل الاوطار الصلٰوۃ علی الغائب بالنیۃ مصطفی البابی مصر ۴/ ۵۷)

اس میں یہ وہم لاتا ہے کہ گویا تین صحابی جدا جدا ہیں جن پر نماز غائب مروی ہے، حالانکہ یہ محض جہل یا تجاہل ہے وہ ایک صحابی ہیں معاویہ نام جن کے نسب ونسبت میں راویوں سے اضطراب واقع ہوا، کسی نے مزنی کہا، کسی نے لیثی، کسی نے معاویہ بن معاویہ، کسی نے معاویہ بن مقرن، ابو عمر نے معاویہ بن مقرن مزنی کو ترجیح دی کہ صحابہ میں معاویہ بن معاویہ کوئی معلوم نہیں اور حافظ نے اصابہ میں معاویہ بن معاویہ مزنی کو ترجیح دی اور لیثی کہنے کو علاء ثقفی کی خطا بتایا اور معاویہ بن مقرن کو ایک اور صحابی مانا جن کے لئے یہ روایت نہیں بہر حال صاحب قصہ شخص واحد ہیں، اور شوکانی کا ایہام تثلیث محض باطل۔

ابن الاثیر نے اسد الغابہ میں فرمایا:

معاویہ بن معاویہ المزنی ویقال اللیثی ویقال معاویۃ بن مقرن المزنی قال ابو عمر وھو اولی بالصواب، الخ۔

یعنی معاویہ بن معاویہ مزنی، اور کوئی کہتا ہے معاویہ بن مقرن مزنی، ابو عمرو نے کہا یہی صواب سے نزدیک تر ہے۔ پھر حدیث انس کے طریق اول سے پہلے طور پر نام ذکر کیا اور طریق دوم سے دوسرے طور پر اور حدیث ابوامامہ سے تیسرے طور پر۔ ۱۲ منہ [1]

ثانیاً فرض کیجئے کہ یہ حدیث اپنے طُرق سے ضعیف نہ رہے:

کما اختارہ الحافظ فی الفتح۔

جیسا کہ حافظ ابن حجر نے اسے فتح الباری میں اختیار کیا ہے۔ (ت)

یا بالفرض غلط لذاتہ صحیح سہی پھر اس میں کیا ہے خود اسی میں تصریح ہے کہ جنازہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیش نظر انور کر دیا گیا تھا تو نماز جنازہ حاضر پر ہوئی نہ کہ غائب پر حدیث ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لفظ طبرانی کے یہاں یہ ہیں: جبریل امین علیہ الصلٰوۃ والسلام نے حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! معاویہ بن معاویہ مزنی نے مدینہ میں انتقال کیا۔

اتحب ان اطوی لک الارض، فتصلی علیہ قال نعم، فضرب بجناحہ علی الارض فرفع لہ سریرہ فصلی علیہ، وخلفہ صفان من الملائکۃ کل صف سبعون الف ملک۔

کیا حضور چاہتے ہیں کہ حضور کے لئے زمین لپیٹ دوں تاکہ حضور ان پر نماز پڑھیں، فرمایا: ہاں۔ جبریل نے اپنا پر زمین پر مارا جنازہ حضور کے سامنے ہو گیا اس وقت حضور نے ان پر نماز پڑھی، اور فرشتوں کی دو (۲) صفیں حضور کے پیچھے تھیں، ہر صف میں ستر ہزار فرشتے۔ [2]

---

[1] (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ترجمہ معاویہ بن معاویہ مزنی المکتبۃ الاسلامیۃ بیروت ۳۸۸/۴)

[2] (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ بحوالہ الطبرانی باب المشی بالجنازۃ الخ مکتبہ امدادیہ ملتان ۴۶/۴، فتح القدیر بحوالہ الطبرانی فصل فی الصلٰوۃ علی المیّت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸۱/۲)

ابو احمد حاکم کے یہاں یوں ہے:

وضع جناحه الایمن علی الجبال، فتواضعت ووضعت جناحه الایسر علی الارضین فتواضعت حتی نظرنا الٰی مکة والمدینة فصلی علیه رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وجبریل والملئکة۔

جبریل نے اپنا داہنا پَر پہاڑوں پر رکھا وہ جھک گئے بایاں زمینوں پر رکھا وہ پست ہوگئیں یہاں تک کہ مکہ ومدینہ ہم کو نظر آنے لگے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور جبریل وملائکہ علیہم الصلٰوۃ والسلام نے ان پر نماز پڑھی۔[1]

حدیث انس بطریق محبوب کے لفظ یہ ہیں: جبریل، نے عرض کی کیا حضور اس پر نماز پڑھنا چاہتے ہیں؟ فرمایا: ہاں۔

فضرب بجناحه الارض فلم تبق شجرة ولا اکمة الا تضعضعت ورفع له سریرہ حتی نظر الیه فصلی علیه۔

پس جبریل نے زمین پر اپنا پَر مارا کوئی پیڑ اور ٹیلہ نہ رہا جو پست نہ ہوگیا اور ان کا جنازہ حضور کے سامنے بلند کیا گیا یہاں تک کہ پیش نظر اقدس ہوگیا، اس وقت حضور نے ان پر نماز پڑھی۔[2]

بطریق علاء کے لفظ یوں ہیں:

ھل لک ان تصلی علیه فاقبض لک الارض قال نعم فصلی علیه۔

جبریل نے عرض کی حضور ان پر نماز پڑھنی چاہیں تو میں زمین سمیٹ دوں، فرمایا: ہاں۔ جبریل نے ایسا ہی کیا، اُس وقت حضور نے ان پر نماز پڑھی۔[3]

اقول بلکہ طرز کلام مشیر ہے کہ نماز پڑھنے کے لئے جنازہ سامنے ہونے کی حاجت سمجھی گئی، جب تو جبریل نے عرض کی کہ حضور نماز پڑھنی چاہیں تو میں زمین لپیٹ دوں تاکہ حضور نماز پڑھیں۔ فافھم

واقعہ سوم: واقدی نے مغازی میں عاصم بن عمر بن قتادہ اور عبداللہ بن ابی بکر سے روایت کی:

لما التقی الناس بموتة، جلس رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم علی المنبر وکشف له مابینه وبین الشام، فھو ینظر الٰی معرکتھم، فقال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اخذ الروایة زید بن حارثة، فمضی حتی استشھد، وصلی علیه ودعاله وقال استغفروا له وقد دخل الجنة وھو یسعٰی ثم اخذ الرایة جعفر بن ابی طالب فمضٰی حتی استشھد فصلی

[1] (مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی باب الصلوۃ علی الغائب دار الکتاب العربی بیروت ۳/۳۸)

[2] (الاصابہ فی تمییز الصحابہ ترجمہ ۸۰۸۰ معاویہ بن معاویہ دار صادر بیروت ۳/۴۳۶)

[3] (الاصابہ فی تمییز الصحابہ ترجمہ ۸۰۸۰ معاویہ بن معاویہ دار صادر بیروت ۳/۴۳۷)

علیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ودعا وقال استغفروا لہ وقد دخل الجنۃ فھو یطیر فیھا بجناحین حیث شاء۔ (ملخصاً)

جب مقام موتہ میں لڑائی شروع ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر تشریف فرماہوئے اور اللہ عزوجل نے حضور کے لئے پردے اٹھادیئے کہ ملک شام اور وہ معرکہ حضور دیکھ رہے تھے، اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: زید بن حارثہ نے نشان اٹھایا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوا، حضور نے انھیں اپنی صلٰوۃ ودعا سے مشرف فرمایا اور صحابہ کو ارشاد ہوا اس کے لئے استغفار کرو بیشک وہ دوڑتا ہوا جنت میں داخل ہوا۔ حضور نے فرمایا پھر جعفر بن ابی طالب نے نشان اٹھایا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوا حضور نے ان کو اپنی صلٰوۃ ودعا سے شرف بخشا اور صحابہ کو ارشاد ہوا اس کے لئے استغفار کرو وہ جنت میں داخل ہوا اور اس میں جہاں چاہے اپنے پروں سے اڑتا پھرتا ہے۔[1]

اوّلاً یہ دونوں طریق سے مرسل ہے اقول عاصم بن عمر اوساط تابعین سے ہیں، قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالٰی عنہ صحابی کے پوتے اور یہ عبداللہ بن ابی بکر عبداللہ بن ابی بکر محمد بن عمرو بن حزم ہیں، صغار تابعین سے عمرو بن حزم صحابی رضی اللہ عنہ کے پرپوتے۔

ثانیاً خود واقدی کو محدثین کب مانتے ہیں، یہاں تک کہ ذہبی نے ان کے متروک ہونے پر اجماع کا ادعا کیا۔[2]

اقول وزدت ھذا مشایعۃ للاول وکلاھما الزام فالمرسل نقبلہ والواقدی نوثقہ۔

اقول (میں کہتا ہوں) یہ نقد، پہلے نقد کی روش پر میں نے بڑھادیا ہے اور دونوں اعتراض الزامی ہیں ورنہ ہمارے نزدیک حدیث مرسل مقبول ہے اور واقدی ثقہ ہیں۔ (ت)

ثالثاً، اقول عبداللہ بن ابی بکر سے راوی شیخ واقدی عبدالجبار بن عمارہ مجہول ہے۔[3]

کما فی المیزان۔

جیسا کہ میزان میں ہے۔ (ت)

تو مرسل نامعتضد ہے۔

(یعنی رواۃ ثقہ ہو تو یہ مرسل قوی ومقبول ہوتی، جہالت راوی کے باعث اس میں قوت نہ رہی ۱۲ مترجم)

---

[1] (کتاب المغازی بیان غزوہ موتۃ موسسۃ العلمی بیروت ۲/ ۷۶۲)

[2] (میزان الاعتدال ترجمہ ۷۹۹۳ محمد بن عمر واقدی دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۶۶۶)

[3] (میزان الاعتدال ترجمہ ۴۷۴۲ عبدالجبار بن عمارہ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۵۳۴)

رابعاً خود اسی روایت میں صاف تصریح ہے کہ پردے اُٹھادئے گئے تھے، معرکہ حضرتِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیش نظر تھا۔

اقول لکن موتة بالشام علی مرحلتین من بیت المقدس وغزوتها سنة ثمان وقد حولت القبلة قبلها (عہ) بزمان فکیف یکفی الرؤیة مع اشتراط کونها امام المصلی الاان یقال انما ارید الرد علی الاحتجاج لصلٰوة الغیب وقدتم واذا ثبت فیها قولنا ثبت ذلک الشرط لنا لان الرویة مع الاستدبار لاتمکننا۔

اقول لیکن مقام موتہ سرزمین شام میں بیت المقدس سے دو منزلہ پر واقع ہے (تو مدینہ سے سمتِ قبلہ میں نہیں بلکہ قبلہ سمت مخالف شمال میں ہوا، مترجم) اور غزوہ موتہ ۸ ہجری میں ہوا جس سے بہت پہلے تحویل قبلہ ہوچکی تھی پھر یہ روایت کیسے کافی ہوگی جبکہ جنازہ کا مصلی کے آگے ہونا شرط ہے۔ جواباً کہا جاسکتا ہے کہ غائبانہ نماز پر استدلال کا رَد کرنا مقصود تھا وہ پورا ہوگیا، اوراس بارے میں جب ہمارا قول ثابت ہوجائیگا تو وہ شرط بھی ہمارے حق میں ثابت ہوگی اس لئے کہ پشت کی جانب جنازہ ہوتے ہوئے دیکھ لینا ہمارے لیے ناممکن ہے۔ت)

عہ: لان تحویلها فی السّنة الثانیة ۱۲ منه (م)

اس لئے کہ تحویلِ قبلہ ۲ھ میں ہوئی ہے۔(ت)

خامساً، اقول کیا دلیل ہے کہ یہاں صلٰوۃ بمعنی نماز معہود ہے بلکہ درود ہے اور دعالہ عطفِ تفسیری نہیں بلکہ تعمیم بعد تخصیص ہے اور سوق روایت اسی میں ظاہر کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اس وقت منبر اطہر پر تشریف فرماہونا مذکور اور منبر انور دیوار قبلہ کے پاس تھا اور معتاد یہی ہے کہ منبر پر رُو بحاضرین وپشت بہ قبلہ جلوس ہو۔ اور اس روایت میں نماز کے لئے منبر پر سے اترنے پھر تشریف لے جانے کا کہیں ذکر نہیں، نیز برخلاف روایت نجاشی اس میں نماز صحابہ بھی نہیں، نہ یہ کہ حضور نے ان کو نماز کے لئے فرمایا۔ اگر یہ نماز تھی تو صحابہ کو شریک نہ فرمانے کی کیا وجہ۔ نیز اسی معرکہ میں تیسری شہادت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی ہے ان پر صلٰوۃ کا ذکر نہیں، اگر نماز ہوتی تو ان پر بھی ہوتی، ہاں درود کی ان دو کے لئے تخصیص وجہ وجیہ رکھتی ہے اگرچہ وجہ کی حاجت بھی نہیں کہ وہ احکام عامہ سے نہیں، وجہ اس حدیث سے ظاہر ہوگی کہ جس میں ان دوکرام کا حضرت ابن رواحہ سے فرق ارشاد ہوا ہے اور یہ کہ ان کو جنت میں منہ پھیرے ہوئے پایا کہ معرکہ میں قدرے اعراض واقع ہوکر اقبال ہوا تھا۔

وهو فی اخر هذین المرسلین رواہ البیهقی عن طریق الواقدی بسندیه والیه اشار فی حدیث ابن سعد عن ابی عامر الصحابی رضی اللہ تعالٰی عنه مرفوعا رأیت فی بعضهم اعراضا کانه کرہ السّیف۔

وہ بات ان ہی دونوں مرسل کے آخر میں ہے اسے بیہقی نے بطریق واقدی اس کی دونوں سندوں سے روایت کیا ہے، اور اسی کی طرف طبقات ابن سعد کی حدیث میں اشارہ ہے جو حضرت ابو عامر صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ سرکار نے فرمایا ان میں سے ایک کے اندر میں نے کچھ اعراض دیکھا گویا شمشیر سے اسے ناگواری ہوئی۔ (ت)[1]

اور سب سے زائد یہ کہ وہ شہید معرکہ ہیں، نماز غائب جائز ماننے والے شہید معرکہ پر نماز نہیں مانتے، تو باجماع فریقین یہاں صلٰوۃ بمعنی دُعا ہونا لازم، جس طرح خود امام نووی شافعی، امام قسطلانی شافعی، امام سیوطی شافعی رحمہم اللہ تعالٰی نے صلٰوۃ علٰی قبور شہداء اُحد میں ذکر فرمایا کہ یہاں صلٰوۃ بمعنٰی دعا ہونے پر اجماع ہے۔

کما اثرناہ فی النھی الحاجز۔

جیسا کہ ہم نے اسے النھی الحاجز میں نقل کیا ہے۔ (ت)

حالانکہ وہاں صلّی علٰی اھل احد صلٰوتہ علی المیّت۔ (اہل اُحد پر ویسے ہی صلٰوۃ پڑھی جیسے میّت پر صلٰوۃ ہوتی ہے۔ ت)[2]، یہاں اس قدر بھی نہیں، وہابیہ کے بعض جاہلان بیخرد مثل شوکانی صاحب نیل الاوطار ایسی جگہ اپنی اُصول دانی یوں کھولتے ہیں کہ صلٰوۃ بمعنی نماز حقیقت شرعیہ ہے اور بلادلیل حقیقت سے عدول ناجائز۔

اقول، اولا ان مجتہد بننے والوں کو اتنی خبر نہیں کہ حقیقت شرعیہ صلوۃ بمعنی ارکان مخصوصہ ہے یہ معنی خود نماز جنازہ میں کہاں کہ اس میں نہ رکوع ھے نہ سجود نہ قراءت نہ قعود۔

الثالث عندنا والبواقی اجماعا۔

(قراءت ہمارے نزدیک اور باقی تینوں بالاجماع کسی کے یہاں نہیں۔ ت)

ولہذا علماء تشریح فرماتے ھیں کہ نماز جنازہ صلوۃ مطلقا نہیں اور تحقیق یہ کہ وہ دعائے مطلق و صلوۃ مطلقہ میں برزخ ہے۔

کما اشار الیہ البخاری فی صحیحہ واطال فیہ۔

جیسا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس کی جانب اشارہ کیا ہے اور اس بارے میں طویل کلام کیا ہے۔ (ت)

محمود عینی نے تصریح فرمائی کہ نماز جنازہ پر اطلاقِ صلٰوۃ مجاز ہے۔

صحیح بخاری میں ہے:

سماھا صلٰوۃ لیس فیھا رکوع ولا سجود۔

---

[1] (الطبقات الکبرٰی بیان سریۃ موتہ دار صادر بیروت ۲/ ۱۳۰)

[2] (صحیح البخاری باب الصلٰوۃ علی الشہید قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۹)

اس کا نام رکھا ایسی نماز جس میں رکوع و سجود نہیں۔ (ت)[1]

عمدۃ القاری میں ہے:

لکن التسمیۃ لیست بطریق الحقیقۃ ولا بطریق الاشتراک ولکن بطریق المجاز۔

لیکن تسمیہ بطور حقیقت نہیں، نہ بطور اشتراک بلکہ بطریق مجاز ہے۔ (ت)[2]

ثانیاً: صلٰوۃ کے ساتھ جب علٰی فلان مذکور ہو ہرگز اس سے حقیقت شرعیہ مراد نہیں ہوتی، نہ ہوسکتی ہے۔

قال اللہ تعالٰی: یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِیمًا (الأحزاب ۵۶)

اللہ تعالٰی فرماتا ہے: اے ایمان والو! ان پر صلٰوۃ بھیجو اور خوب سلام بھیجو۔

اللّٰھم صلّ وسلم وبارک علیه وعلٰی اٰله کماتحب وترضٰی وقال: وَصَلِّ عَلَیْهِمْ إِنَّ صَلَاتَکَ سَکَنٌ لَّهُمْ (التوبۃ ۱۰۳)

اے اللہ! اُن پر اور ان کی آل پر رحمت و سلامتی و برکت نازل فرما جیسی تجھے محبوب و پسندیدہ ہے۔ اور ارشاد باری ہے: ان پر صلٰوۃ بھیج بیشک تیری صلٰوۃ ان کے لئے سکون ہے۔

وقال صلی اللہ علیہ وسلم اللھم صلِّ علٰی اٰلِ ابی اوفی۔

اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! آلِ ابی اوفی پر صلٰوۃ فرما۔ (ت)[3]

کیا اس کے یہ معنٰی ہیں کہ الٰہی! تو آلِ ابی اوفی پر نماز یا ان کا جنازہ پڑھ؟ کیا صلٰوۃ علیہ شرع میں بمعنی درود نہیں؟

ولکن الوھابیۃ قول یجھلون۔

لیکن وہابیہ نادان قوم ہے۔ (ت)

تنبیہ: بعض حنفی بننے والے یہاں یہ عذر بے معنی پیش کرتے ہیں کہ مدارج النبوۃ میں ہے:

والاٰن در حرمین شریفین متعارف ست کہ چوں خبر می رسد کہ فلان مرد صالح دربلدے از بلادِ اسلام فوت کردہ است شافعیہ نماز بروے میکنند وبعضے حنفیہ باایشاں شریک می شوند از قاضی علی بن جار اللہ کہ شیخ حدیث فقیر بود پرسیدہ شد کہ حنفیہ چوں شریک می شوند در گزاردن ایں نماز، گفت دُعائے است کہ میکنند فلا باس بہ۔

---

[1] (صحیح البخاری باب سنۃ الصلٰوۃ علی الجنازۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۶)

[2] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب سنۃ الصلٰوۃ علی الجنازۃ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۸/ ۱۲۲)

[3] (صحیح البخاری باب ھل یصلی علٰی غیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۴۱)

اور اس وقت حرمین شریفین میں متعارف ہے کہ جب اطلاع ملتی ہے کہ فلاں مرد صالح بلاد اسلام میں سے کسی شہر میں فوت ہو گیا تو شافعیہ اس کی نماز پڑھتے ہیں اور کچھ حنفی بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں۔ قاضی علی بن جار اللہ سے جو فقیر کے شیخِ حدیث تھے پوچھا گیا کہ حنفیہ اس نماز کی ادائیگی میں کیسے شریک ہوتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ ایک دعا ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (ت)[1]

تمام نصوص صریحہ کتب معتمدہ واجماع جمیع ائمہ مذہب کے مقابل گیارھویں صدی کے ایک فاضل قاضی کی حکایت پیش کرتے ہوئے شرم چاہئے تھی۔

(۱) امام محقق علی الاطلاق کمال الملۃ والدین ابن الہمام رحمہ اللہ تعالٰی کہ متاخرین تو متاخرین خود ان کے معاصرین ان کے لئے مرتبہ اجتہاد کی شہادت دیتے، ان امام جلیل کی یہ حالت ہے کہ اگر کسی مسئلہ مذہب پر بحث کرنا چاہیں تو ڈرتے ڈرتے یوں فرماتے ہیں:

لو کان الّی شیئ لقلت کذا۔

مجھے کچھ اختیار ہوتا تو یوں کہتا۔[2]

دیکھو فتح القدیر مسئلہ آمین وکتاب الحج باب الجنایات مسئلہ حلق وغیرہما۔

پھر جو بحث وہ کرتے ہیں علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں مسموع نہ ہوگی، اس پر عمل جائز نہیں، مذہب ہی کا اتباع کیا جائے گا۔

ردالمحتار نواقض مسح الخف میں ہے:

قد قال العلامۃ قاسم لا عبرۃ بابحاث شیخنا یعنی ابن الھمام اذا خالف المنقول۔

علامہ قاسم نے فرمایا: ہمارے استاد امام ابن الہمام کی بحثوں کا کچھ اعتبار نہیں جب وہ مسئلہ منقولہ مذہب کے خلاف ہوں۔[3]

اسی طرح جنایات الحج میں ہے۔

نکاح الرقیق میں علامہ نورالدین علی مقدسی سے ہے:

الکمال بلغ الاجتھاد وان کان البحث لا یقضی علی المذھب۔

---

1 (مدارج النبوۃ انتقال شاہِ حبشہ نجاشی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۳۷۷)

2 (فتح القدیر باب صفۃ الصلٰوۃ وباب الجنایات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۵۷ و ۲/۴۴۸)

3 (ردالمحتار باب المسح علی المخفین ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۱۸۴)

امام ابن الہمام رتبہ اجتہاد تک پہنچے ہوئے ہیں اگر چہ بحثِ مذہب پر غالب نہیں آسکتے۔[1]

پھر جسے ادنٰی لیاقتِ اجتہاد بھی نہیں جمیع ائمہ مذہب کے خلاف اس کی بات کیا قابل التفات!

طحطاوی باب العدت میں ہے:

النص ھو المتبع فلایعول علی البحث معہ۔

نقل ہی کا اتباع ہے تو مسئلہ منقول ہوتے ہوئے بحث کا اعتبار نہ ہوگا۔[2]

(۲) تصریح ہے کہ خلاف مذہب بعض مشائخ مذہب کے قول پر بھی عمل نہیں، ہم نے العطایا النبویہ میں اس کی بہت نقول ذکر کیں۔

حلبی علی الدر باب صلٰوۃ الخوف میں ہے:

لا یعمل بہ لانہ قول البعض۔

اس پر عمل نہ کیا جائے کہ یہ بعض کا قول ہے۔ تو جو ایک کا بھی قول نہ ہو اس پر کیونکر عمل ہو سکتا ہے۔[3]

(۳) نصوص جلیہ ہیں کہ متون کے مقابل شروح، شروح کے مقابل فتاوٰی پر عمل نہیں۔

ہم نے ان کی نقول متوافرہ اپنی کتاب فصل القضا فی رسم الافتاء میں روشن کیں۔

اور علامہ ابراہیم حلبی محشی در کے قول میں مذکور ہے:

لا یعمل بہ لمخالفتہ لاطلاق سائر المتون۔

اس پر عمل نہیں کہ اطلاق جملہ متون کے خلاف ہے۔[4]

جب نہ متون بلکہ صرف اطلاق عبارات متون کا مخالف ناقابل عمل تو جو متون و شروع و فتاوٰی سب کے خلاف ہے اس پر عمل کیونکر محتمل!

(۴) پھر وہ بحث کچھ ہستی بھی رکھتی ہو، نماز جنازہ مجرد دعا کے مثل زنہار نہیں۔ دعا میں طہارت بدن، طہارت جامہ، طہارت مکان، استقبال قبلہ، تکبیر تحریمہ، قیام تحلیل، استقرار علی الارض کچھ بھی ضرور نہیں، اور نماز جنازہ میں یہ اور ان سے زائد اور بہت باتیں سب فرض ہیں، کیا اگر کچھ لوگ اسی وقت پیشاب کر کے، بے استنجاء، بے وضو، بے تیمم جنازہ کے پاس آئیں

---

[1] (ردالمحتار باب نکاح الرقیق ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۲/ ۳۷۸)

[2] (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب العدّۃ فصل فی ثبوت النسب دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۴۱)

[3] (ردالمحتار بحوالہ حلبی باب صلٰوۃ الخوف ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۵۶۸)

[4] (ردالمحتار بحوالہ حلبی باب صلٰوۃ الخوف ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۵۶۸)

اور ان میں ایک شخص قبلہ کو پشت کرکے جنازہ کی پٹی سے پیٹھ لگا کر بیٹھے اور باقی کچھ اس کے آگے برابر لیٹے بیٹھے، کچھ گھوڑوں پر چڑھے اور اُتّر، دکھّن، پورب مختلف جہتوں خلاف قبلہ کو منہ کئے ہوں وہ پشتوں میں کہے: الٰہی! اس میّت کو بخش دے اور یہ سب انگریزی وغیرہ میں آمین کہیں، تو کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ نماز جنازہ ادا ہوئی اور اس طرح کی نماز میں حرج نہیں۔

دعائے ست کہ می کنند فلا باس بہ۔

ایک دعا ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (ت)

اجماع ائمہ مذہب کے خلاف ایسی بے معنی استناد کیسی جہالتِ شدیدہ ہے۔ شک نہیں کہ قاضی ممدوح گیارھویں صدی کے ایک عالم تھے مگر عالم، سے لغزش بھی ہوتی ہے، پھر اس کی لغزش سے بچنے کا حکم ہے نہ کہ اتباع کا۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتقوا زلۃ العالم وانتظروا فَیْئَتَہ۔

رواہ الحسن بن علی الحلوانی استاذ مسلم و ابن عدی والبیھقی والعسکری فی الامثال عن عمرو بن عوف المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

عالم کی لغزش سے بچو اور اس کے رجوع کا انتظار رکھو۔ اسے استاذِ امام مسلم حسن بن علی حلوانی، ابن عدی، بیہقی اور امثال میں عسکری نے حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)[1]

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں: عالم سے لغزش ہوتی ہے تو وہ اس سے رجوع کرلیتا ہے اور اس کی خبر شہروں شہروں پہنچ کر لغزش اس سے منقول رہ جاتی ہے۔[2]

ذکرہ المناوی فی فیض القدیر۔

اسے علامہ مناوی نے فیض القدیر میں لکھا۔ (ت)

خدارا انصاف! ذرا یوں فرض دیکھئے کہ کتبِ مذہب میں جواز نماز غائب و تکرار جنازہ کی عام تصریحات ہوتیں، اور ایک قاضی ممدوح نہیں ان جیسے دوسو قاضی اسے ناجائز بتاتے اور کوئی شخص کتب مذہب کے مقابل ان دوسو سے سند لاتا تو دیکھیے یہ حضرات کس قدر غل مچاتے، اُچھل اُچھل پڑتے کہ دیکھو کتب مذہب میں تو جواز کی صاف تصریح ہے اور یہ شخص ان سب کے خلاف گیارھویں صدی کے دوسو قاضیوں کی سند دیتا ہم ان کی مانیں یا کتب مذہب کو حق جانیں، اور اب جو اپنی باری ہے تو تمام

---

[1] (السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الشہادات دار صادر بیروت ۱۰ /۲۱۱)

[2] (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر حدیث ۱۴۷۴۷ اتقوا الخ دار المعرفۃ بیروت ۱ /۱۴۰)

ائمہ مذہب کا اجماع، تمام کتب مذہب کا اتفاق سب بالائے طاق، اور تنہا قاضی ممدوح کو تقلید کا استحقاق، اس ظلم صریح وجہل قبیح کی کوئی حد ہے، مگر یہ ہے کہ جب کہیں کچھ نہ پایا **الغریق یتشبث بالحشیش** ڈوبتا سوار (تنکا) پکڑ تا ہے **و باللہ العصمۃ**۔

مدراج النبوۃ نہ کوئی فقہ کی کتاب ہے نہ اس میں یہ حکایت بغرض استناد، نہ شیخ کو اس پر تعویل واعتماد، وہ حنفی ہیں اور مذہب حنفی خود اسی کتاب میں اسی عبارت سے اوپر بتارہے ہیں:

مذہب امام ابو حنیفہ ومالکیہ رحمہم اللہ تعالٰی آنست کہ جائز نیست۔

امام ابو حنیفہ ومالکیہ رحمہم اللہ تعالٰی کا مذہب یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔ (ت)[1]

پھر اس پر دلیل بتا کر مخالفین کے جواب دیئے ہیں، نیز اس حکایت کے متصل ہی حضور پُر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہر روز بہ نیت جملہ اموات مسلمین نماز غائب پڑھنے کی وصیّت نقل کرکے اس پر سکوت نہ کیا کہ کہاں قاضی علی بن ظھرہ اور کہا حضور پُر نور غوثیت مآب۔ مبادا غلامانِ حضور اس سے حنفیہ کے لئے جواز خیال کریں۔

لہذا معاً اس پر تنبیہ کو فرمادیا کہ:

ایشاں حنبلی اند و نزد امام احمد بن حنبل جائز است۔

وہ حنبلی ہیں اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک جائز ہے۔ (ت)

اگر شیخ کو اس حکایت سے استناد مقصود ہوتا تو یہاں استدراک ودفع وہم نہ فرماتے بلکہ اسے اس کا مؤید ٹھہراتے۔

کما لا یخفی و اللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم

جیسا کہ پوشیدہ نہیں، اور خدائے پاک وبرتر خوب جاننے والا ہے۔ (ت)[2]

(۱۱۴) مسئلہ نمبر ایک سو چودہ: مُردے کو حالتِ نزع اور بعد از تدفین تلقین کرنے کے بیان میں

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ مردے کو تلقین کرنا مرنے سے پہلے (حالتِ نزع میں) اور تدفین کے بعد؟

---

1 (مدارج النبوۃ انتقال شاہِ حبشہ نجاشی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۳۷۷)

2 (العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ، ج۷، ص ۱۹۶ تا ۲۱۱)

الجواب ومنہ الصدق والصواب

تلقین کے معانی

تلقینِ میت سے مراد ہے کہ:

- مسلمان کو مرنے سے قبل حالتِ نزع میں کلمہ طیبہ / کلمہ شہادت کی تلقین کرنا۔
- مسلمان کی تدفین کے بعد اس کی قبر پر کھڑے ہو کر کلمہ طیبہ / کلمہ شہادت اور قبر میں پوچھے جانے والے سوالات کی تلقین کرنا۔

دونوں طرح کی تلقین کے بارے میں اَحادیثِ مبارکہ اور آثارِ صحابہ و تابعین میں واضح نظائر ملتی ہیں اور یہ اُمور شرعاً ثابت شدہ اور باعثِ فضیلت ہیں۔

ذیل میں اِس بابت وارِد ہونے والی چند روایات بطور نمونہ پیش کریں گے:

حالتِ نزع میں تلقین کے بارے میں فرامینِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

صحیح مسلم میں ہے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ۔

اپنے مرنے والوں کو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کہنے کی تلقین کرو۔[1]

جامع ترمذی میں ہے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ۔

اپنے مرنے والوں کو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کی تلقین کرو۔[2]

امام ترمذی یہ حدیث روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ، اُم سلمہ، عائشہ صدیقہ، جابر اور سعدی مریہ زوجۂ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں۔

---

[1] (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب تلقین الموتی لا إله إلا الله، ج ٢، ص ٦٣١، الرقم: ٩١٦)

[2] (جامع الترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی تلقین المریض عن الموت والدعاء له عنده، ج ٣، ص ٣٠٦، الرقم: ٩٧٦)

سنن النسائی میں ہے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ۔

اپنے مرنے والوں کو لَا إِلٰهَ إِلَّا الله کی تلقین کرو۔[1]

سنن نسائی بشرح السیوطی و حاشیۃ السندی میں ہے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ۔

اپنے مرنے والوں کو لَا إِلٰهَ إِلَّا الله کی تلقین کرو۔[2]

سنن ابن ماجہ میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ۔

اپنے مرنے والوں کو لَا إِلٰهَ إِلَّا الله کی تلقین کیا کرو۔[3]

سنن ابو داوَد میں ہے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ۔

اپنے مرنے والوں کو لَا إِلٰهَ إِلَّا الله کی تلقین کیا کرو۔[4]

السنن الکبریٰ للنسائی میں ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ۔

اپنے مرنے والوں کو اس بات کی تلقین کیا کرو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔[5]

---

1 (سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب تلقین المیت، ج۴، ص۵، الرقم: ۱۸۲۶)

2 (سنن النسائی بشرح السیوطی و حاشیۃ السندی، ج۴، ص۳۰۲)

3 (سنن ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ماجاء في تلقين الميت لا إله إلا الله، ج۱، ص۴۶۴، الرقم: ۱۴۴۴)

4 (سنن أبی داود، کتاب الجنائز، باب فی التلقین، ج۳، ص۱۹۰، الرقم: ۳۱۱۷)

5 (السنن الکبری للنسائی، کتاب الجنائز وتمني الموت، باب تلقین المیت، ج۱، ص۶۰۱، الرقم: ۱۹۵۳)

السنن الکبری للبیہقی میں ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم: لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰہ۔

أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ فِي الصَّحِيحِ مِنْ حَدِيثِ خَالِدِ بْنِ مَخْلَدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ، وَأَخْرَجَهُ أَيْضًا مِنْ حَدِيثِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ۔

"یحییٰ بن عمارہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے مرنے والوں کو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہ کی تلقین کیا کرو"۔

اسے امام مسلم نے الصحیح میں خالد بن مخلد کے طریق سے سلیمان سے روایت کیا ہے اور ابو حازم کے طریق سے ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے۔[1]

امام بیہقی نے یہ حدیث اگلے نمبر ۶۳۹۱ پر بھی روایت کی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے:

"امام مسلم نے یہ حدیث الصحیح میں ابو بکر اور عثمان بن ابی شیبہ سے بھی روایت کی ہے۔"

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم: لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰہ۔

"ابو حازم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے مرنے والوں کو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہ کی تلقین کیا کرو۔[2]

ریاض الصالحین للنووی میں ہے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہ۔

اپنے مرنے والوں کو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہ کی تلقین کرو۔[3]

---

[1] (السنن الکبری للبیہقی، کتاب الجنائز، باب ما یستحب من تلقین المیت إذا حضر، ج ۳، ص ۳۸۳، الرقم: ۶۳۹۰)

[2] (مصنف ابن أبی شیبة، کتاب الجنائز، باب فی تلقین المیت، ج ۲، ص ۴۴۶، الرقم: ۱۰۸۵۷)

[3] (ریاض الصالحین، کتاب عیادة المریض، باب تلقین المختصر لا إله إلا اللّٰہ، ج ۱، ص ۱۸۴، الرقم: ۹۱۸)

سنن ابن ماجہ میں ہے:

امام ابن ماجہ نے السنن کی کتاب الجنائز کے باب ماجاء فیما یقال عند المریض إذا حضر میں درج ذیل روایت بیان کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حالت نزع میں میت کو درود شریف پڑھنے کی تلقین کی جائے تاکہ اس کے لیے جاں کنی کا مرحلہ سہل ہو جائے۔

قال: مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ: دَخَلْتُ عَلَى جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَهُوَ يَمُوتُ، فَقُلْتُ: اقْرَأْ عَلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه و آله وسلم السَّلَامَ۔

محمد بن المنکدر کہتے ہیں: میں جابر بن عبد اللہ کی وفات کے وقت ان کے پاس گیا تو میں نے عرض کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام بھیجو۔

بعد اَز تدفین تلقین کے بارے میں فرامینِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اوپر ہم نے میں حالتِ نزع میں کلمہ طیبہ تلقین کرنے کے حوالے سے چند روایات پیش کی ہیں اگر ان روایات کے الفاظ کو حقیقی معنی پر محمول کیا جائے تو ان سے بعد اَز تدفین تلقین کرنا ثابت ہوتا ہے لیکن چونکہ ائمہ کرام نے ان روایات کو قبل اَز مرگ تلقین پر محمول کیا ہے اس لیے ہم نے ان روایات کو حالت نزع مین تلقین کرنے کے ذیل میں ہی درج کیا ہے۔

امام ابن عابدین شامی نے اس پر نہایت جامع تبصرہ کیا ہے:

أما عند أهل السنة فالحديث أى: لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ محمول على حقيقته، لأن الله تعالى يحييه على ما جاءت به الآثار۔

''اہل سنت وجماعت کے نزدیک حدیث مبارکہ ''اپنے مرنے والوں کو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کی تلقین کرو'' کو اس کے حقیقی معنیٰ پر محمول کیا جائے گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ تدفین کے بعد مردے میں زندگی لوٹا دیتا ہے اور اس پر واضح آثار موجود ہیں۔''[1]

یعنی لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کی تعمیل میں حالت نزع میں تلقین کی گئی تو یہ مجازی معنیٰ میں ہو گی اور مرنے کے بعد تلقین کی گئی تو یہ اِس حدیث کے حقیقی معنی پر عمل ہو گا۔ لہٰذا مجازی اور حقیقی دونوں معانی پر عمل کیا جائے گا کیوں کہ اِسی میں میت کا فائدہ ہے۔

---

[1] (ردالمختار، ج۲، ص ۱۹۱)

ذیل میں ہم تلقین بعد از تدفین پر چند واضح روایات پیش کریں گے جس سے نفس مسئلہ کے بارے میں پیدا شدہ اِشکال دور ہو جائے گا اور امام ابن عابدین شامی کے بیان کی تائید و مزید وضاحت بھی ہو جائے گی:

سنن ابن ماجہ:

عبد اللہ بن جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ، سُبْحَانَ اللهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ۔

"اپنے مردوں کو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ، سُبْحَانَ اللهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ کی تلقین کیا کرو۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! كَيْفَ لِلْأَحْيَاءِ (اِسے زندہ لوگوں کے واسطے پڑھنا کیسا ہے)؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَجْوَدُ وَأَجْوَدُ۔

"بہت ہی اچھا ہے، بہت ہی اچھا ہے۔"[1]

اِس روایت کے الفاظ كَيْفَ لِلْأَحْيَاءِ سے ثابت ہو رہا ہے کہ لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ سے مراد فوت شدگان ہیں یعنی حدیث مبارکہ میں بعد از وصال / تدفین تلقین کرنے کی ترغیب ہے۔ اگر روایت کو اِس معنی پر محمول نہیں کیا جائے گا تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے اِس وضاحتی سوال کی کیا توجیہ ہو گی؟ چوں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد از وصال تلقین کرنے کا حکم فرما رہے تھے، اِسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا تھا کہ كَيْفَ لِلْأَحْيَاءِ یعنی اِسے زندہ لوگوں کے لیے پڑھنا کیسا ہو گا!

سنن نسائی:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَقِّنُوا هَلْكَاكُمْ قَوْلَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ۔

"اپنے ہلاک ہو جانے والوں کو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کی تلقین کرو۔"[2]

---

1 (سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء فى تلقين الميت لا إله إلا الله، ج ١، ص ٤٦٥، الرقم: ١٤٤٦)

2 (سنن النسائى، كتاب الجنائز، باب تلقين الميت، ج ٤، ص ٥، الرقم: ١٨٢٧)

المعجم الکبیر للطبرانی:

امام طبرانی المعجم الکبیر میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إذا مات أحد من إخوانكم، فنثرتم عليه التراب، فليقم رجل منكم عند رأسه، ثم ليقل : يا فلان ابن فلانة! فإنه يسمع، ولكن لا يجيبثم ليقل : يا فلان ابن فلانة! فإنه يستوى جالسا، ثم ليقل : يا فلان ابن فلانة! فإنه يقول : أرشدنا رحمک الله ، ولكن لا تشعرونثم ليقل : أذكر ما خرجت عليه من الدنيا، شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا عبده ورسوله، وأنک رضيت بالله ربا، وبمحمد نبيا، وبالإسلام دينا، وبالقرآن إماما فإنه إذا فعل ذلک، أخذ منكر ونكير أحدهما بيد صاحبه، ثم يقول له: أخرج بنا من عند هذا ما نصنع به، فقد لقن حجته، ولكن الله لقنه حجته دونهم قال رجل : يا رسول الله! فإن لم أعرف أمه، قال: انسبه إلى حواء۔

”جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی فوت ہو جائے اور اسے قبر میں دفن کر چکو تو تم میں سے ایک آدمی اُس کے سرہانے کھڑا ہو جائے اور اسے مخاطب کر کے کہے: اے فلاں ابن فلانہ! بے شک وہ مدفون سنتا ہے لیکن جواب نہیں دیتا۔ پھر دوبارہ مردے کو مخاطب کرتے ہوئے کہو: اے فلاں ابن فلانہ! اس آواز پر وہ بیٹھ جاتا ہے۔ پھر کہو: اے فلاں ابن فلانہ! اس پر وہ مردہ کہتا ہے: اللہ تم پر رحم فرمائے، ہماری رہنمائی کرو۔ لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں ہوتا۔ پھر وہ کہے: اُس اَمر کو یاد کرو جس پر تم دنیا سے رُخصت ہوتے ہوئے تھے اور وہ یہ کہ اِس اَمر کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور پیغمبر ہیں؛ اور یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغمبر ہونے، اسلام کے دین ہونے اور قرآن کے امام ہونے پر راضی تھا۔ جب یہ سارا عمل کیا جاتا ہے تو منکر نکیر میں سے کوئی ایک دوسرے فرشتے کا ہاتھ پکڑتا ہے اور کہتا ہے: مجھے اِس کے پاس سے لے چلو، ہم اس کے ساتھ کوئی عمل نہیں کریں گے کیونکہ اس کو اِس کی حجت تلقین کر دی گئی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس کو اُس کی حجت تلقین کی نہ کہ ان لوگوں نے۔ پھر ایک آدمی نے کہا: یارسول اللہ! اگر میں اس کی ماں کو نہ جانتا ہوں تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر اُسے اماں حواء کی طرف منسوب کرو۔“[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس روایت کو ’تلخیص الحبیر (ج ۲، ص ۱۳۵،۱۳۶)‘ میں بیان کیا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ اس کی اسناد صالح ہیں، جب کہ ضیاء مقدسی نے اسے احکام میں قوی قرار دیا ہے اور اس روایت کے دیگر شواہد بھی موجود ہیں۔

[1] (المعجم الكبير للطبرانی، ج۸، ص ۲۴۹، الرقم : ۷۹۷۹، مجمع الزوائد للهيثمی، ج۲ ، ص ۳۲۴، ج۳، ص ۴۵، كنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، ج۱۵ ص ۲۵۶، ۲۵۷، الرقم: ۴۲۴۰۶)

ابن ملقن انصاری نے 'خلاصۃ البدر المنیر (ج ۱، ص ۲۷۴، ۲۷۵)' میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کے صرف ایک راوی سعید بن عبد اللہ کو میں نہیں جانتا، لیکن اس روایت کے کثیر شواہد ہیں جو اسے تقویت بہم پہنچاتے ہیں

امام سیوطی:

امام جلال الدین سیوطی الدر المنثور فی التفسیر بالماثور میں سورۃ ابراہیم کی آیت نمبر ۲۷: يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ﴿اللہ ایمان والوں کو (اس) مضبوط بات (کی برکت) سے دنیوی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں (بھی)﴾ کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وأخرج سعيد بن منصور عن راشد بن سعد وضمرة بن حبيب وحكيم بن عمير قالوا: إذا سوى على الميت قبره وانصرف الناس عنه، كان يستحب أن يقال للميت عند قبره: يا فلان! قل لا إله إلا الله، ثلاث مرات، يا فلان! قل: ربي الله وديني الإسلام ونبيي محمد، ثم ينصرف۔

"سعید بن منصور نے راشد بن سعد، ضمرہ بن حبیب اور حکیم بن عمیر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: جب میت کو قبر میں دفن کر دیا جائے اور لوگ واپس جانے لگیں تو مستحب ہے کہ ان میں سے ایک شخص میت کی قبر پر کھڑا ہو کر کہے: اے فلاں! کہہ دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ تین بار کہے۔ پھر کہے: اے فلاں! کہہ دو کہ میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اس کے بعد وہ شخص بھی واپس چلا جائے۔"

امام جلال الدین سیوطی کا سورۃ ابراہیم کی آیت نمبر ۲۷ کے تفسیر میں اس روایت کو بیان کرنا ہی اس اَمر کی دلیل ہے کہ قبر پر کھڑے ہو کر تلقین کرنے سے مومنین کو منکر نکیر کے سوالات کے جواب دینے میں ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے اور یہ مستحب عمل ہے اور یہی اِس آیت مبارکہ میں بیان کیے گئے الفاظ کا مفہوم ہے۔

اس کے ساتھ امام سیوطی نے درج ذیل ایک اور روایت بھی بیان کی ہے:

وأخرج ابن منده عن أبي أمامة رضي الله عنه قال: إذا مت فدفنتموني، فليقم إنسان عند رأسي، فليقل: يا صدي بن عجلان! اذكر ما كنت عليه في الدنيا شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله۔

"ابن مندہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میرے مرنے کے بعد جب مجھے دفنا چکو تو ایک انسان میری قبر کے سرہانے کھڑا ہو کر کہے: اے صدی بن عجلان! یاد کرو اُس عقیدے کو جس پر تم دنیا میں تھے یعنی اس بات کی گواہی پر کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔"

یہی روایت امام علاؤالدین ہندی کنز العمال میں ذرا تفصیل کے ساتھ لائے ہیں۔

کنز العمال للہندی:

عن سعيد الأموي، قال: شهدت أبا أمامة وهو في النزاع، فقال لي: يا سعيد! إذا أنا مت فافعلوا بي كما أمرنا رسول الله صلى الله عليه و آله و سلم. قال لنا رسول الله صلى الله عليه و آله و سلم: إذا مات أحد من إخوانكم فسويتم عليه التراب فليقم رجل منكم عند رأسه، ثم ليقل: يا فلان ابن فلانة! فإنه يسمع ولكنه لا يجيب، ثم ليقل: يا فلان ابن فلانة! فإنه يستوي جالسا، ثم ليقل يا فلان ابن فلانة! فإنه يقول: أرشدنا رحمك الله. ثم ليقل: اذكر ما خرجت عليه من الدنيا شهادة أن لا إله إلا الله و أن محمدا عبده ورسوله و أنك رضيت بالله ربا و بمحمد نبيا و بالإسلام دينا و بالقرآن إماما، فإنه إذا فعل ذلك أخذ منكر و نكير أحدهما بيد صاحبه ثم يقول له: أخرج بنا من عند هذا ما نصنع به قد لقن حجته فيكون الله حجيجه دونهما. فقال له رجل: يا رسول الله! فإن لم أعرف أمه، قال: انسبه إلى حواء۔

"سعید اُموی روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو امامہ کے پاس حاضر ہوا درآں حالیکہ وہ حالتِ نزع میں تھے انہوں نے مجھے فرمایا: اے سعید! جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے ساتھ وہی کچھ کرنا جس کا حکم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں فرمایا ہے۔ ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی فوت ہو جائے اور اسے قبر میں دفن کر چکو تو تم میں سے ایک آدمی اُس کے سرہانے کھڑا ہو جائے اور اسے مخاطب کر کے کہے: اے فلاں ابن فلانہ! (فلانہ مؤنث کا صیغہ ہے جس سے مراد ہے کہ اسے اُس کی ماں کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا۔) بے شک وہ مدفون سنتا ہے لیکن جواب نہیں دیتا۔ پھر دوبارہ مردے کو مخاطب کرتے ہوئے کہو: اے فلاں ابن فلانہ! اس آواز پر وہ بیٹھ جاتا ہے۔ پھر کہو: اے فلاں ابن فلانہ! اس پر وہ مردہ کہتا ہے: اللہ تم پر رحم فرمائے، ہماری رہنمائی کرو۔ لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں ہوتا۔ پھر وہ کہے: اُس اَمر کو یاد کرو جس پر تم دنیا سے رُخصت ہوتے ہوئے تھے اور وہ یہ کہ اِس اَمر کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور پیغمبر ہیں؛ اور یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغمبر ہونے، اسلام کے دین ہونے اور قرآن کے امام ہونے پر راضی تھا۔ جب یہ سارا عمل کیا جاتا ہے تو منکر نکیر میں سے کوئی ایک دوسرے فرشتے کا ہاتھ پکڑتا ہے اور کہتا ہے: مجھے اِس کے پاس سے لے چلو، ہم اس کے ساتھ کوئی عمل نہیں کریں گے کیونکہ اس کو اِس کی حجت تلقین کر دی گئی ہے۔ سو اللہ تعالیٰ اس کی حجت بیان کرنے والا ہو گا منکر نکیر کے علاوہ۔ پھر ایک آدمی نے کہا: یارسول اللہ! اگر میں اس کی ماں کو نہ جانتا ہوں تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر اُسے اماں حواء کی طرف منسوب کرو۔"[1]

---

[1] (کنز العمال، ج۱۵، ۳۱۱، ۳۱۲، الرقم: ۴۲۹۳۴)

اِمام ہندی کہتے ہیں کہ اِس روایت کو ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

ابن رجب الحنبلی:

حافظ ابن رجب الحنبلی أهوال القبور و أحوال أهلها إلى النشور میں لکھتے ہیں:

حدثنی بعض إخوانی أن غانما جاء المعافی بن عمران بعد ما دفن، فسمعه و هو يلقن فی قبره، و هو يقول: لا إله إلا الله. فيقول المعافی: لا إله إلا الله۔

"ہمارے بھائیوں میں سے ایک نے روایت کیا ہے کہ غانم، معافی بن عمران کے پاس اُس وقت آئے جب انہیں دفن کیا جاچکا تھا۔ پس اُسے سنا گیا جب کہ اُسے قبر میں تلقین کی جارہی تھی۔ تلقین کرنے والا کہہ رہا تھا: لا إله إلا الله اور معافی بن عمران بھی جواباً کہہ رہے تھے: لا إله إلا الله۔"

علاوہ ازیں ابن رجب الحنبلی نے کئی اور روایات بھی بیان کی ہیں جن سے مردے کو دفن کرنے کے بعد تلقین کیا جانا ثابت ہوتا ہے۔ نیز امام ابن ابی الدنیا اور امام سیوطی نے اِس موضوع پر متعدد روایات اپنی کتب میں ذکر کی ہیں۔

ابن عابدین شامی:

امام شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قد روی عن النبی صلى الله عليه و آله و سلم أنه أمر بالتلقين بعد الدفن، فيقول: يا فلان بن فلان! اذكر دينك الذی كنت عليه من شهادة أن لا إله إلا الله و أن محمد رسول الله، و أن الجنة حق و النار حق، و أن البعث حق و أن الساعة آتية لا ريب فيها، و أن الله يبعث من فی القبور و أنک رضيت بالله ربا و بالاسلام دينا، و بمحمد صلى الله عليه و آله و سلم نبيا و بالقرآن إماما و بالكعبة قبلة، و بالمؤمنين إخوانا۔

"حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تدفین کے بعد مردے کو تلقین کرو، تلقین کرنے والا میت کو یہ کہے: اے فلاں کے بیٹے! یاد کر وہ دین جس پر تم دنیا میں تھے یعنی اِس اَمر کی گواہی کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، جنت اور دوزخ کے ہونے اور قیامت کے قائم ہونے پر جس میں کوئی شک نہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اہل قبور کو اٹھائے گا اور تم اللہ کو رب مانتے تھے، اسلام کو دین مانتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی اور رسول مانتے تھے، کعبہ کو قبلہ اور تمام مسلمانوں کو بھائی مانتے تھے۔[1]"

پھر فرماتے ہیں:

لا نهی عن التلقين بعد الدفن لأنه لا ضرر فيه، بل فيه نفع، فإن الميت يستأنس بالذكر على ما ورد فيه الآثار۔

---

[1] (ابن عابدین شامی، ردالمحتار، ج ۲، ص ۱۹۱)

"تدفین کے بعد تلقین سے منع نہیں کیا جائے گا اِس لیے کہ اِس میں (یعنی مردے کو تلقین کرنے میں) کوئی حرج نہیں بلکہ سراسر فائدہ ہے کیوں کہ میت ذِکرِ الٰہی سے مانوس ہوتی ہے جیسا کہ آثارِ صحابہ سے واضح ہے۔"

امام ابو داؤد:

امام ابو داؤد السنن کی کتاب الجنائز میں ایک اور حدیث بھی روایت کرتے ہیں:

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی الله عنه قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه و آله وسلم إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيتِ، وَقَفَ عَلَيْهِ، فَقَالَ: اسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ، وَسَلُوا لَهُ بِالتَّثْبِيتِ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ۔

"حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب میت کو دفن کر کے فارغ ہو جاتے تو وہاں کھڑے ہو کر فرماتے: اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا مانگو، کیونکہ اب اِس سے سوالات ہوں گے۔"

ملا علی قاری:

ملا علی قاری اپنی کتاب مرقاۃ المفاتیح میں اِس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"حافظ ابن حجر عسقلانی کا کہنا ہے کہ اِس روایت میں میت کو دفن کر چکنے کے بعد تلقین کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور ہمارے مذہب کے مطابق یہ معتمد سنت ہے بخلاف اِس قول کے کہ یہ بدعت (سیئہ) ہے، اور اس ضمن میں واضح حدیث بھی موجود ہے جس پر فضائل کے باب میں نہ صرف عمل کیا جا سکتا ہے بلکہ اس کے اتنے شواہد و توابع ہیں جو اسے درجہ حسن تک پہنچا دیتے ہیں۔"

خلاصہ کلام

دنیاوی زندگی ختم ہونے پر اِنسان کے لیے دو وقت بڑے خطرناک ہیں: ایک حالتِ نزع کا؛ دوسرا تدفین کے بعد قبر میں ہونے والے سوالات کا۔ اگر مرتے وقت خاتمہ بالخیر نصیب نہ ہوا تو عمر بھر کا کیا دھرا سب برباد گیا اور اگر قبر کے امتحان میں ناکامی ہوئی تو اُخروی زندگی برباد ہو گئی۔ اِس لیے زندہ لوگوں کو چاہیے کہ ان کٹھن مراحل میں اپنے پیاروں کی بھرپور مدد کریں کہ مرتے وقت اس کے پاس کلمہ پڑھتے رہیں اور بعد از دفن بھی کلمہ پڑھتے رہیں تاکہ وہ اِس امتحان میں بھی کامیاب ہو جائے۔

(۱۱۵)مسئلہ نمبر ایک سو پندرہ: حدیث ضعیف اور اس کے متعلقات کا بیان

بعض علماء کا یہ معمول ہے کہ جس حدیث شریف کو اپنے موقف کے خلاف دیکھا، فوراً اسے ضعیف کر دیا۔ اس لئے ہم نے مناسب خیال کیا کہ ضعیف حدیث شریف اور اس کے متعلق کچھ لکھ دیا جائے۔

یہ ان لوگوں کی جہالت ہے جو ضعیف کی رٹ لگا کر عوام الناس کو عبادت و ریاضت سے روکتے ہیں۔ عند المحدثین، فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے اور اس سے استحباب ثابت ہو جاتا ہے۔ ولٰکن الوھابیۃ قومٌ لا یعلمون۔

خود سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما جائکم عنی من خیر قلته او لم اقله فانا أقوله وما أتاكم عنی من شر فانا لا أقول الشر۔ [1]

”تمہیں جس بھلائی کی خبر پہنچے خواہ وہ میں نے فرمائی ہو یا نہ فرمائی ہو، میں اسے فرماتا ہوں اور اگر تمہیں بری بات پہنچے تو میں بری بات نہیں فرماتا۔“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من بلغه عن الله شی فيه فضيلة فاخذه و رجاثوابه اعطاء الله ذلک و ان لم يكن كذلک۔ [2]

”جس کو اللہ تعالیٰ سے فضیلت کی کوئی خبر پہنچے وہ اپنے یقین اور اس کے ثواب کی امید سے اس بات پر عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے وہ فضیلت عطا فرمائے گا اگرچہ وہ خبر درست نہ ہو۔“

مزید ارشاد فرمایا کہ:

ما قيل من اقول حسن فانا قلته۔ [3]

”جو اچھی بات میری طرف سے پہنچائی جائے وہ میں نے فرمائی۔“

وفی رواية خذوا به حدثت به او لم احدث به۔ [4]

”عمل کرو چاہے وہ میں نے فرمائی ہو یا نہ فرمائی ہو۔“

امام نووی لکھتے ہیں کہ محدثین کرام فقہائے عظام علماء نے فرمایا ہے کہ فضائل اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا مستحب ہے۔ [5]

---

[1](مسند امام احمد ج ۲ ص ۳۶۷)
[2](کنز العمال ص ۷۹۰ ج ۱۵)
[3](سنن ابن ماجہ ص ۴)
[4](کنز العمال ج ۱۰ ص ۲۲۹)
[5](کتاب الاذکار ص ۵)

مسائل متفرقہ کے بیان میں

امام ابن حجر مکی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہمارے ائمہ فقہاء اصولین اور حفاظ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بے شک ضعیف حدیث مناقب میں حجت ہوتی ہے جس طرح علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث حجت ہوتی ہے۔[1]

علامہ شامی نے لکھا ہے:

علی أنّہ فی فضائل الأعمالِ یجوز عمل بالحدیث الضعیف کما مرّ فی أوّل کتاب الطّھارۃ۔[2]

اور اس طرح لکھتے ہیں:

و العلماء یتساھلون فی ذکر الحدیث الضعیف و العمل بہ فی فضائل الأعمال۔[3]

وفی روح البیان: و الحدیث الضعیف یعمل بہ فی فضائل الاعمال فعل العاقل أن یموت قبل أن یموت و یحیی بالحیوۃ الطیبۃ و ذلک بظھورِ سرّ الحیوۃ لہ بتربیۃ مرشدٍ کاملٍ۔[4]

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مقدمہ اشعت اللمعات شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں:

اگر از جہت اتہام کذب راوی باشد در وفحش خطا بود اگرچہ تعدد طرق داشتہ باشد منجبر نگرود و حدیث محکوم بہ ضعف باشد در فضائل معمول باشد۔[5]

امام خطیب بغدادی اور محدث بصیل امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ محدثین و غیر ہم علماء کے نزدیک ضعیف اسناد میں تساہل اور بے اظہار ضعف موضوع کے علاوہ ہر قسم کی روایت اور اس پر عمل فضائل اعمال و غیرہ امور میں جائز ہے۔[6]

امام سخاوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ حافظ ابن عبد البر نے کہا ہے:

فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ احتیاط کے مواقع پر بھی ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔۔۔ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کئی کتب میں لکھا ہے کہ محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔[7]

---

[1](تطہیر الجنان ص ۱۳)
[2](ردالمختار، ص ۶۹، ج ۱)
[3](ص ۲۹، ج ۱)
[4](ص ۲۷۳، ج ۲، بحوالہ اعلام المؤمنین ص ۶۹)
[5](اشعت اللمعات ص ۷)
[6](تدریب الراوی ص ۲۹۸ الکفایہ فی علم الروایہ ص ۱۳۳)
[7](فتح المغیث ص ۳۳۴، ۳۳۲، ج ۱)

ابن کثیر لکھتے ہیں:

موضوع کے سوا احادیث کو ترغیب وترہیب قصص مواعظ اور ایسے دیگر امور میں بیان کرنا جائز ہے۔[1]

حافظ زین الدین عراقی نے بھی یہی بیان کیا ہے۔[2]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور رجب کے مہینوں کی فضیلتوں میں حدیثیں ضعیف سندوں سے آئی ہیں ان پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں پس اگر اپنی جان میں قوت پائے توان پر عمل کرے۔[3]

اس مفہوم کی عبارات کے لئے ہم صرف حوالہ جات پر خوف طوالت کی وجہ سے اکتفا کر رہے ہیں۔[4]

خود اکابرینِ وہابیہ کی گواہی:

وہابیہ کے مجدد نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں کہ:

احادیث ضعیفہ در فضائل اعمال معمول بہا است۔[5]

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے

وہابیہ کے محدث عبد اللہ روپڑی لکھتے ہیں:

"فضائل اعمال میں ضعیف حدیث معتبر ہے۔"[6]

روپڑی صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر محدثین کا اصول ہے کہ ایسے مسائل میں ضعیف حدیث پر بھی عمل درست ہے۔"[7]

وہابیہ کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری شب برات کی عبادت کے متعلق لکھتے ہیں:

"اس رات کے متعلق ضعیف روایتیں ہیں اس دن کوئی کار خیر کرنا بدعت نہیں ہے بلکہ بحکم **انما الاعمال بالنیات** موجب ثواب ہے۔"[8]

---

[1] (اختصار علوم الحدیث ص ۲۷)

[2] (التبصرہ والتذکرہ ص ۲۹۱، ج ۱)

[3] (الانتباہ فی سلاسل الاولیاء ص ۲۶)

[4] (علم الحدیث ص ۹۳، تقریب النواوی ج ۱ ص ۲۹۸، موضوعات کبیر ص ۶۳، مقدمہ ابن صلاح ص ۴۸، مصطلح الحدیث ص ۶۴، شرح مسلم ص ۲۱، ج ۱، مرقاۃ المناتیح ص ۸۳ ج ۲، قوت القلوب ص ۳۶۳ ج ۱، مقدمہ مشکوٰۃ شیخ عبد الحق ص ۵، شرح المہذب ص ۲۲۲ ج ۳۔)

[5] (مسک الختام ص ۵۷۲ ج ۱)

[6] (فتاویٰ اھل حدیث ص ۵۶، ۱۳۷، ج ۲، فتاویٰ علماء کے حدیث ص ۲۵۷ ج ۴)

[7] (فتاویٰ اھل حدیث ج ۱ ص ۲۷۸)

[8] (فتاویٰ ثنائیہ ص ۶۵۲ ج ۱)

وہابیہ کے مولوی عبد الستار دہلوی نے لکھا ہے:

"ضعیف حدیث بھی قابل عمل ہوتی ہے۔" [1]

وہابیہ کے مولوی عبد الغفور اثری نے امام سخاوی سے نقل کیا ہے کہ جائز اور مستحب ہے کہ فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے۔ [2]

وہابیہ کے محدث نذیر حسین دہلوی نے لکھا ہے:

"ضعیف حدیث فضائل میں مقبول ہے۔" [3]

وجواز بر حدیث ضعیف مجمع علیہ آئمہ اسلام است در فضائل۔

"ائمہ اسلام کا اجماع واتفاق ہے کہ فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔" [4]

"وہابیہ کے لسان العصر مولوی بشیر الرحمن سلفی نے اپنے وہابیہ کو اس متعلق خوب تبرک دیا ہے۔ چند ایک جملے درج کئے جاتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ بعض مدعیان علم ضعیف حدیث کو تن مردہ سے تشبیہ دے کر اسے بالکل نظر انداز کرنے کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مردے بیس بھی جمع ہو جائیں تو ایک زندہ کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتے۔ یہ بات غلط ہے ضعیف حدیث کو مردہ نہیں کمزور کہنا چاہئے، یہی ضعیف کا مفہوم ہے۔ ضعیف اور موضوع حدیث میں زمین آسمان کا فرق ہے، حق یہ ہے کہ دو کمزور مرد ایک طاقت ور کا مقابلہ کرنے کی سکت رکھتے ہیں۔" [5]

"کسی ضعیف حدیث کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ لازماً ناقابل عمل ہے۔" [6]

احادیث شریف کو ضعیف کہہ کر انہوں نے اپنے خبث باطن کا اظہار اور دل کا غبار اتار لیا ہے۔۔۔ نہ جانے کس ملحد و زندیق نے ضعیف احادیث کے بارے میں یہ زہر افشانی کرکے دین کے اکثر و بیشتر حصے کو ناقابل اعتبار بنانے کی مذموم ونامشکور کوشش کی ہے۔ ضعیف احادیث اگر اس احمقانہ انداز سے ناقابل اعتبار ہو جائیں تو حافظ ابن حجر بلوغ المرام میں مسلکِ محدثین کے ثبوت میں بہت سے مقامات پر ضعیف احادیث سے استدلال نہ کرتے، امام بخاری اپنی مایہ ناز کتاب صحیح البخاری میں ضعیف

---

[1] (فتاویٰ ستاریہ ص ۳۷ ج ۴)

[2] (احسن الکلام ص ۴۴)

[3] (فتاویٰ نذیریہ ص ۳۰۳ ج ۱)

[4] (رسالہ تراویح ص ۲۴)

[5] (الدعا صفحہ ۲۴)

[6] (الدعا صفحہ ۲۷،۲۶)

احادیث کو ترجمۃ الباب میں تائید کے لئے پیش نہ فرماتے۔"حق یہ ہے کہ تمام آئمہ ھدیٰ نے احادیث ضعاف کو معرض استدلال میں دلیل بنایا ہے۔[1]

وہابیہ کے محدث زبیر علی زئی کے نزدیک بھی ضعیف حدیث شرائط کے ساتھ فضائل میں معتبر ہے۔[2]

ضعیف حدیث کی تقویت:

اہل علم کے عمل کی وجہ سے بھی حدیث ضعیف کو تقویت مل جاتی ہے۔

"محدثِ جلیل ملا علی قاری علیہ الرحمۃ ایک حدیث کی بابت لکھتے ہیں کہ امام نووی نے کہا کہ اس کی اسناد ضعیف ہیں اس کو میرک سے نقل کیا ہے۔امام ترمذی اہل علم کے عمل کی وجہ سے اس حدیث شریف کی تقویت کا ارادہ کرتے ہیں ۔"[3]

امام حاکم صلوٰۃ التسبیح کی حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

"جس بات سے اس حدیث کی صحت پر استدلال کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ تبع تابعین سے ہمارے دور تک ہمارے مقتدا دوام کے ساتھ اس پر عمل کرتے رہے اور لوگوں کو اس پر عمل کی تلقین کرتے رہے، ان میں حضرت عبد اللہ بن مبارک (رحمۃ اللہ علیہ) بھی ہیں۔"[4]

حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ مرقاۃ شرح مشکوۃ[5] اول حدیث کی تشریح میں نقل فرمایا ہے: شیخ محی الدین ابن عربی نے کہا کہ مجھے حضور ﷺ کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ جس نے ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ کہا اس کی بخشش کر دی جائے گی، اور جس کو اس کا ثواب بخش دیا جائے اس کی بھی مغفرت کر دی جائے گی۔ میں نے ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ لیا اور میں نے کسی کو اس کا ثواب بخشنے کی نیت نہ کی تھی۔ اتفاقاً میں ایک دعوت میں شریک ہوا اس میں ایک نوجوان جس کو کشف کا درجہ حاصل تھا، شریک تھا۔ اچانک وہ کھانے کے درمیان میں رونے لگا۔ میں نے اس کے رونے کی وجہ دریافت کی، اس نے کہا کہ میں نے اپنی ماں کو عذاب میں گرفتار دیکھا ہے۔ میں نے دل ہی دل میں ستر ہزار کلمہ طیبہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا۔ وہ نوجوان ہنسنے لگا اور کہنے لگا، کہ اب میں اپنی ماں کو اچھا حال میں دیکھ رہا ہوں۔ ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی صحت کو اس نوجوان کے کشف سے جان لیا اور اس کے کشف کو حدیث کی صحت سے جان لیا۔[6]

---

[1] (الدعاص ۴۷)

[2] (نماز نبوی ص ۲۹ حاشیہ)

[3] (مرقاۃ المفاتیح ج۳ ص ۹۸)

[4] (التقریر و التحبیر ج ۲ ص ۲۴۹)

[5] (صفحہ ۹۸ جلد ۳ مکتبہ امدادیہ، باب ما علی المأموم من المتابعت و حکم المسبوق، الفصل الثانی)

[6] (مرقاۃ المفاتیح صفحہ ۹۸ جلد ۳)

اس سے معلوم ہوا کہ اہل علم کے عمل کے ساتھ کشف سے بھی ضعیف حدیث کو تقویت مل جاتی ہے۔

محدثِ جلیل امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں :

"معتمد علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اہل علم کی موافقت حدیث شریف کی صحت کی دلیل بن جاتی ہے اگرچہ اس کے لئے کوئی سند قابل اعتماد نہ ہو۔"[1]

وہابی اکابر کی گواہی:

وہابیہ کے محدث نذیر حسین دہلوی نے لکھا ہے: "اس حدیث شریف میں اگرچہ قدرے ضعف ہے مگر تعامل اہل علم کا اس حدیث شریف کے ضعف کو رفع کرتا ہے جیسا کہ اصول حدیث میں ہے کہ تعامل اہل علم سے حدیث کا ضعف رفع ہوتا ہے۔"[2]

وہابیہ کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امر تسری نے ایک حدیث شریف کے ضعیف ہونے کے جواب میں لکھا ہے:

"امام بیہقی اور امام ابن منذر کا روایت کر کے اس سے استدلال کرنا اور پھر صدیوں سے محدثین کا اس پر تعامل قابل عمل ہے۔"[3]

دوسرا اصول:

امت کے تلقی یا قبول سے ضعیف حدیث بھی مقبول ہوتی ہے۔

امام سخاوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

جب امت کسی ضعیف حدیث کو قبول کر لے تو صحیح یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے گا، اور وہ حدیث شریف بمنزل حدیث متواتر ہو گی، اور اس سے کسی قطعی حکم کو منسوخ کر دیا جائے گا اور اس طرح حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہ حدیث "وارث کے لئے وصیت نہیں" ائمہ حدیث کے نزدیک ثابت نہیں مگر اس حدیث پر سب نے عمل کیا ہے یہاں تک کہ اس حدیث سے ایک وصیت کو منسوخ قرار دیا ہے۔"[4]

امام سخاوی نے امام شافعی کا جو قول نقل کیا ہے وہ موجود ہے۔[5]

---

[1](تعقبات علی الموضوعات ص ۱۲)
[2](فتاویٰ نذیریہ ص ۲۱۱ ج ۱)
[3](فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۲۵)
[4](فتح المغیث ج ۱ ص ۳۳۳)
[5](الرسالہ، ص ۱۴۲)

ابن کثیر لکھتے ہیں:

"ہم نے ابن تیمیہ کی ایک عبارت دیکھی جس میں لکھا ہوا تھا: "جو حدیث شریف جماعات آئمہ سے نقل کی گئی ہو اور امت نے اسے قبول کر لیا ہو وہ حدیث بھی قطعی ہے۔۔۔ تمام محدثین کا یہی مذہب ہے۔"[1]

امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ کا بھی یہی قول ہے۔[2]

وہابی اکابر کی گواہی:

وہابیہ کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امر تسری لکھتے ہیں کہ:

"ضعیف (حدیث) کے معنی یہ ہیں کہ جس میں صحیح کی شرائط نہ پائی جائیں، وہ کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ اگر اس کے مقابل میں صحیح حدیث نہیں تو اس پر عمل کرنا جائز ہے جیسے نماز کے شروع میں "سبحنک اللھم" پڑھنے والی حدیث ضعیف ہے مگر عمل ساری امت کرتی ہے۔"[3]

وہابیہ کے محدث حسین بن محسن الانصاری الیمانی نے لکھا ہے کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

"مقبول وہ حدیث شریف ہے جسے علی نے قبول کر لیا ہو اگرچہ اس کی کوئی بھی سند صحیح نہ ہو۔"[4]

مزید لکھا ہے:

"امام سخاوی نے شرح الالفیہ میں ذکر کیا ہے جب امت نے ضعیف حدیث شریف کو قبول کر لیا ہو تو صحیح مذہب کی بنیاد پر وہی ضعیف حدیث معمول بنالی جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ بمنزلہ متواتر قرار پا کر نص قطعی کو بھی منسوخ کر سکے گی۔"

تیسرا اصول:

اگر ضعیف حدیث شریف کی اسناد معتمد ہوں تو متعدد طرق سے اس کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔

خوفِ طوالت کی وجہ سے اب ہم صرف وہابیہ کے اکابر کے حوالہ جات پر ہی اکتفا کریں گے وہابیہ کے محدث ابو سعید شرف الدین دہلوی نے ایک ضعیف حدیث کی دو اسناد ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: "اگرچہ ان دنوں میں کچھ کلام ہے مگر دونوں

---

[1] (اختصار علوم الحدیث ص ۳۰، ۲۹)
[2] (التکست علی ابن صلاح صفحہ ۳۷۶ ج ۱)
[3] (فتاویٰ ثنائیہ ص ۷۶ ج ۲)
[4] (تحفۃ المرضیہ ج ۳ ص ۱۷۸)

روایتوں اور دو سندوں کے ملنے سے ہر ایک کو دوسری سے تقویت حاصل ہوگئی گویا ہر دا دو حسن تفسیرہ کے حد میں ہے لہٰذا قابل عمل ہے۔"[1]

وہابیہ کے محدث عبد اللہ روپڑی کے نزدیک اگر ضعف تھوڑا ہو تو ضعیف حدیث نہ صرف حسن بلکہ صحیح کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔

چنانچہ لکھا ہے کہ:

" اگر ضعف تھوڑا ہو تو مل کر حسن یا صحیح کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔"[2]

مزید لکھا ہے:

"اگرچہ یہ روایت بھی ضعیف ہے مگر مذکورہ بالا روایات کی مؤید ہے ہر صورت عمل میں کوئی حرج نہیں۔"[3]

وہابیہ کے محقق عبد اللہ عفیف نے لکھا ہے:

"واضح ہو کہ حدیث صلوٰۃ التسبیح کی اسنادی حیثیت ہی میں سخت اختلاف ہے، نہ صرف اس کی صحت وضعف میں بلکہ بعض آئمہ نے اس حدیث کو موضوع تک کہا ہے۔۔۔۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث کی اسنادی حیثیت سخت مخدوش ہے تاہم ہمارے نزدیک تعدد طرق کی وجہ سے یہ حدیث قابل عمل ہے۔"[4]

وہابیہ کے لسان العصر مولوی بشیر الرحمن سلفی نے امام ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے:

"طرق ضعیفہ باہم مل کر تقویت حاصل کر لیتے ہیں۔" [5]

وہابیہ کے مولوی غلام رسول آف قلعہ میاں سنگھ لکھتے ہیں:

"بلکہ متعدد طرق بمرتبہ حسن میرسد"۔

"بلکہ تعدد طرق کی وجہ سے (ضعیف حدیث) حسن کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔"[6]

---

[1](فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۲۵، فتاویٰ علمائے حدیث ج ۴ ص ۱۷۹)

[2](فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۱۳۷)

[3](فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۱۳۷)

[4](صلوٰۃ التسبیح ص ۱۱)

[5](الدعاء ص ۴۹)

[6] (رسالہ تراویح ص ۲۴)

وہابیہ کے شیخ الحدیث ثناء اللہ مدنی نے لکھا ہے: ”ان ضعیف احادیث کو آپس میں ملایا جائے تو وبرکاتہ کی زیادتی کو مشروعیت کو تقویت حاصل ہوتی ہے، مقصد یہ ہے کہ کچھ اس کا اصل موجود ہے جس کی بناء پر یہ روایت قابل عمل ہو سکتی ہے۔“[1]

وہابیہ کے مولوی عبد الوہاب دہلوی بھی ضعیف حدیث پر عمل جائز کرتا ہے۔[2]

ضعیف حدیث من گھڑت نہیں ہوتی اور اس سے ثابت مسائل بدعت نہیں ہوتے:

وہابیہ کا بات بات میں ضعیف کی رٹ لگانا اور پھر لوگوں کے سامنے یہ بار آور کرانے کی کوشش کرنا کہ یہ جعلی حدیث ہے سراسر جہالت و حماقت ہے حالانکہ اصول حدیث میں ہے کہ ضعیف حدیث موضوع نہیں ہوتی۔ اس سے ثابت شدہ مسائل بدعت نہیں ہوتے۔

وہابیہ کے اپنے اکابر کی زبانی سن لیجئے:

”حدیث ضعیف فضائل میں مقبول ہے اور اس کو موضوع نہیں کہنا چاہیئے۔“[3]

وہابیہ کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری نے ایک حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ:

” صحیح نہیں ہے مگر بناوٹی بھی نہیں ہے کیونکہ بناوٹی موضوع کو کہتے ہیں البتہ ضعیف ہے۔“[4]

مزید لکھا ہے:

”ضعیف حدیث کے ساتھ بھی جو فعل ثابت ہو وہ بدعت نہیں ہو گا۔“[5]

وہابی مولوی بشیر سلفی نے لکھا ہے:

”ضعیف اور موضوع حدیث میں زمین آسمان کا فرق ہے۔“ [6]

ضعیف حدیث سے استحباب کا ثبوت ہے:

وہابیہ کے شیخ الکل مولوی نذیر حسین دہلوی نے لکھا ہے:

”حدیث ضعیف سے جو موضوع نہ ہو استحباب و جواز ثابت ہوتا ہے۔“[1]

---

[1](ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۲۹ نومبر ۱۹۹۶ء ص ۸)

[2](مکمل نماز ص ۵۶۶)

[3](فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۳۰۳)

[4](فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۲۲۴)

[5](فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۱۰)

[6](الدعاء ص ۲۴)

اورامور شرعیہ پر طعن کرنے والا ہیجڑے کی طرح ہے کیونکہ وہ مناجات کے ذوق اور عبادات کی مٹھاس کو نہیں سمجھ سکتے۔

کمافی روح البیان: فلایلتفت الی قول من لا مذاق لهم من الطاعنین فانهم بمنزلة العنین لا یعرفون ذوق المناجاة و حلاوة الطاعات۔[2]

القول الصواب فی مسئلۃ ایصال ثواب میں ہے:

بعض محدثین کچھ احادیث کو ضعیف کہتے ہیں لیکن اصول حدیث میں ہے کہ حدیث صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث موضوع ہی ہے۔

چنانچہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

لا یلزم من عدم صحّتہٖ وجود الوضع کما لا یخفی۔

یعنی کھلی بات ہے کہ حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔[3]

مزید فرماتے ہیں:

قلت لا یلزم من عدم صحته ثبوت وضعه و غایته انّه ضعیفٌ۔

میں کہتا ہوں کہ اس کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں غایت یہ کہ وہ ضعیف ہو۔[4]

علامہ زرکشی فرماتے ہیں:

قال الزرکشی۔ بین قولنا لم یصح و قولنا موضوعٌ بونٌ بیّن فانّ الوضع اثبات الکذب۔ و قولنا یصح انّما هو اخبارٌ عن عدم الثّبوت و لا یلزم منه اثبات العدم۔

یعنی علامہ زرکشی نے کہا ہے کہ ہم محدثین کا کسی حدیث کو یہ کہنا کہ یہ صحیح نہیں اور کسی کو یہ کہنا کہ یہ موضوع ہے اس میں بڑا فرق ہے۔ موضوع کہنے کے معنی یہ ہیں کہ یہ روایت جھوٹی بنائی ہوئی ہے اور جب ہم یہ کہیں کہ یہ صحیح نہیں (یعنی ضعیف) اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ حدیث جھوٹی بنائی ہوئی ہے بلکہ اس کا حال تو سلب ثبوت ہے۔[5]

---

[1](فتاوی نذیریہ، ص ۵۶۴ ج ۱، فتاوی ثنائیہ ج ۱ ص ۵۰۷)
[2](ج ۴ ص ۲۸۲)
[3](موضوعات الکبری ص ۴۴۳)
[4](موضوعات الکبری ۴۷۴)
[5](موضوعات الکبری ۴۷، بحوالہ القول الصواب ص ۷۷)

مسائل متفرقہ کے بیان میں

ابو طالب محمد بن علی مکی فرماتے ہیں:

الاحادیث فی فضائل الاعمال و تفضیل الاصحاب متقبّلۃٌ محتملۃٌ علیٰ کل حالٍ مقاطیعھا ومراسیلھا لا تعارض ولا تردّ۔ کذٰلک کان السّلف یفعلون۔

یعنی فضائل اعمال و تفضیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی حدیثیں کیسی ہی ہوں، ہر حال میں مقبول و ماخوذ ہیں۔ مقطوع ہوں خواہ مرسل، نہ ان کی مخالفت کی جائے گی اور نہ انہیں ردّ کیا جائے گا، آئمہ سلف کا یہی طریقہ تھا۔[1]

ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

وقد قال ابن عبدالبر۔ انھم یتساھلون فی الحدیث اذا کان من فضائل الاعمال۔

"اور تحقیق ابن عبدالبر نے کہا جب حدیث فضائل اعمال کے بارے میں ہو تو علماء اس میں تساہل (نرمی) فرماتے ہیں۔"[2]

امام احمد بن حنبل، امام ابن مہدی، امام ابن مبارک اور امام جلال الدین سیوطی: ویجوز عند اھل الحدیث وغیرھم التّساھل فی الاسانید الضعیفۃ وروایۃ ماسوی الموضوع من الضعیف والعمل بہ۔

"اور محدثین وغیرہم علماء کے نزدیک ضعیف سندوں میں تساہل (نرمی) اور ہر قسم کی ضعیف حدیث کی روایت اور اس پر عمل فضائل اعمال وغیرہ امور میں جائز ہے جبکہ موضوعی حدیث میں یہ جائز نہیں"۔[3]

اسی صفحہ پر ہے:

ابن حنبل و ابن مھدی وابن المبارک۔ قالوا اذا روینا فی الحلال والحرام شددنا واذا روینا وفی الفضائل ونحوھا تساھلنا۔

یعنی امام احمد بن حنبل، امام ابن مہدی اور امام ابن مبارک وغیرہم سے اس کی تصریح منقول ہے، وہ فرماتے ہیں جب ہم حلال و حرام میں حدیث روایت کرتے ہیں تو سختی کرتے ہیں اور جب فضائل میں روایت کرتے ہیں تو نرمی کرتے ہیں۔[4]

فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔

امام ابوزکریا نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

قال العلماء من المحدثین والفقھاء وغیرھم یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والتّرغیب والترھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعاً۔

---

[1] (قوت القلوب فی معاملۃ محبوب ج ا ص ۱۷۸)

[2] (المقاصد الحسنۃ ص ۲۳۵)

[3] (تدریب الراوی ص ۲۹۸)

[4] (تدریب الراوی ۲۹۸)

یعنی محدثین وفقہاء وغیرہم علماء نے فرمایا کہ فضائل اور نیک باتوں کی ترغیب اور بری بات سے خوف دلانے میں حدیث ضعیف پر عمل جائز و مستحب ہے جبکہ موضوع نہ ہو۔[1]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

والضعیف یعمل بہ فی فضائل الاعمال اتفاقاً۔ ولذا قال ائمّتنا۔ أن مسح الرّقبۃ مستحبٌ او سنّۃٌ۔

یعنی اور ضعیف احادیث پر فضائل اعمال میں بالاتفاق عمل کیا جاتا ہے اسی لئے ہمارے ائمہ کرام نے فرمایا کہ وضو میں گردن کا مسح مستحب یا سنت ہے۔[2]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ورد فی فضائل رجب الاحادیث باسانید ضعیفۃ لا بأس بالعمل بھا فان وجد فی نفسہ قوّۃ فلیعمل بھا۔

ترجمہ: اور رجب کے مہینے کی فضیلتوں میں حدیثیں ضعیف سندوں سے آئی ہیں، ان پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں پس اگر اپنی جان میں قوت پائے تو ان پر عمل کرے۔[3]

شارح شفا خفاجی فرماتے ہیں:

الذی یصلح للتّعویل علیہ ان یقال اذا وجد حدیث فی فضیلۃ عمل من الاعمال لا یحتمل الحرمۃ والکراھیۃ یجوز العمل بہ ویستحب لانّہ مأمون الخطر ومرجوّ النّفع۔

ترجمہ: یعنی اعتماد کے قابل یہ بات ہے کہ جب کسی عمل کی فضیلت میں کوئی حدیث پائی جائے اور وہ حرمت و کراہت کے قابل نہ ہو تو اس حدیث پر عمل جائز و مستحب ہے کہ اندیشہ سے امان ہے اور نفع کی امید ہے۔[4]

نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

من بلغہ عن اللہ شیئٌ فیہ فضیلۃٌ فاخذ بہ ایماناً ورجاء ثوابہ اعطاہ اللہ ذالک وان لم یکن کذالک۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جسے اللہ تعالیٰ سے کسی بات میں کچھ فضیلت کی خبر پہنچے وہ اپنے یقین اور اس کے ثواب کی امید سے اس بات پر عمل کرے اللہ تعالیٰ اسے وہ فضیلت عطاء فرمائے گا اگرچہ وہ خبر ٹھیک نہ ہو۔[5]

---

1 (اذکار المنتخبۃ من کلام سید الابرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۷)

2 (الموضات الکبریٰ)

3 (انتباء فی سلاسل اولیاء ص ۲۹)

4 (نسیم الریاض شرح شفا ج ۱ ص ۴۳)

5 (کنز العمال ج ۱۵ ص ۱۹۷ رقم ۴۳۱۳۲)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

ماجآء کم عنی من خیر قلتہ اولم اقلہ فانی اقولہ وماجاء کم عنی من شرٍ فانی لا اقول الشر۔

یعنی تمہیں جس بھلائی کی خبر پہنچے خواہ وہ میں نے فرمائی ہو یا نہ فرمائی ہو میں اسے فرماتا ہوں اور جس بری بات کی خبر پہنچے تو میں بری بات نہیں فرماتا۔[1]

ابن ماجہ میں ہے:

ماقیل من قولٍ حسنٍ فانا قلتہ۔

ترجمہ: جو نیک بات میری طرف سے پہنچائی جائے وہ میں نے فرمائی ہے۔[2]

وفی روایةٍ خذوا بہ حدثت بہ اولم احدث بہ۔

یعنی اس پر عمل کرو چاہے وہ میں نے فرمائی ہو یا نہ۔[3]

اہل علم کے عمل کرنے سے بھی ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے

رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب والعمل علی ھذا عند اھل العلم۔ قال النووی واسنادہ ضعیف نقلہ میرک فکان الترمذی یرید تقویة الحدیث بعمل اھل العلم۔ والعلم عنداللہ تعالیٰ کما قال الشیخ محی الدین ابن عربی انہ بلغنی عن النبی ﷺ انہ من قال لا الہ الا اللہ سبعین الفا۔ غفر اللہ تعالیٰ۔ ومن قیل لہ غفر لہ ایضا فکنت ذکرت التھلیلة بالعدد المروی من غیر ان انوی لاحد بالخصوص فحضرت طعاما مع بعض الاصحاب وفیھم شاب مشھور بالکشف۔ فاذا ھو فی اثناء الاکل اظھر البکاء۔ فسالتہ عن السبب۔ فقال اری امی فی العذاب فوھبت فی باطنی ثواب التھلیلة المذکورة لہ فضحک وقال انی اراھا الان فی حسن الماب فقال الشیخ فعرفت صحة الحدیث بصحة کشفہ وصحة کشفہ بصحة الحدیث۔

یعنی امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے اور اہل علم کا اس پر عمل ہے سید میرک نے امام نووی سے نقل کیا کہ اس کی سند ضعیف ہے تو گویا امام ترمذی عمل اہل علم سے حدیث کو قوت دینا چاہتے ہیں، واللہ اعلم اس کی نظیر وہ ہے کہ سیدی شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے حضور اقدس ﷺ سے حدیث پہنچی ہے کہ جو شخص ستر ہزار بار لا الہ الا اللہ کہے اس کی مغفرت ہو اور جس کے لئے پڑھا جائے اس کی مغفرت ہو۔ میں نے لا الہ الا اللہ اتنی بار پڑھا تھا اس میں کسی کے لئے خاص نیت نہ تھی اپنے بعض رفیقوں کے ساتھ ایک دعوت میں گیا ان میں ایک جوان جس کے کشف کا شہرہ تھا کھانا کھاتے

---

[1] (احمد فی مسندہ ج ۲ ص ۳۶۷، برقم ۸۷۸۷، وج ۲ ص ۴۸۳ برقم ۱۰۲۷۴)

[2] (ابن ماجہ ۴)

[3] (کنز العمال ج ۱۰ ص ۲۲۹ برقم ۲۹۲۱۰)

کھاتے رونے لگا۔ میں نے سبب پوچھا کہاماں کو عذاب میں دیکھتا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں کلمہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا فوراًوہ جوان ہنسنے لگا اور کہا اب میں اسے اچھی جگہ دیکھتا ہوں۔ امام محی الدین قدس سرہ فرماتے ہیں تو میں نے حدیث کی صحت اس جوان کے کشف کی صحت سے پہچانی اور اس کے کشف کی صحت حدیث کی صحت سے جانی۔

امام سیوطی تعقبات میں امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل فرماتے ہیں:

تداولها الصالحون بعضهم عن بعض وفی ذالک تقوية الحديث المرفوع۔

یعنی صالحین نے ایک دوسرے سے اخذ کیا اور ان کے اخذ میں حدیث مرفوع کی تقویت ہے۔[1]

اسی میں فرمایا:

قدصرح غیر واحدٍ بان من دلیل صحة الحديث قول اهل العلم به وان لم يكن له اسناد يعتمد على مثله۔

یعنی معتمد علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اہل علم کی موافقت صحت حدیث کی دلیل ہوتی ہے اگرچہ اس کے لئے کوئی سند قابل اعتماد نہ ہو۔[2]

یہ ارشاد علماء احادیث کے بارے میں ہے پھر احادیث فضائل تو احادیث فضائل ہیں۔[3]

عبد الستار غیر مقلد ایک سوال کے جواب میں کہتا ہے کہ ضعیف حدیث بھی قابل عمل ہوتی ہے۔

نبی علیہ السلام کا فرمان ہے:

من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهيد۔

یعنی سنت پر مضبوطی سے عمل کرتے رہنے کی حدیث میں تاکید ہے خصوصاجب لوگ اس پر عمل نہ کرنے دیں بلکہ فساد کریں ایسے وقت توضرور ہی عمل کرناچاہیئے۔[4]

امام یحییٰ بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

انهم قديروون عنهم احاديث الترغيب والترهيب وفضائل الاعمال والقصص واحاديث الزهد ومكارم الاخلاق ونحو ذلک مما لا يتعلق بالحلال والحرام وسائر الاحكام وهذا الضرب من الحديث يجوز عند اهل الحديث وغيرهم التساهل فيه ورواية ماسوى الموضوع منه والعمل به لان اصول ذلک صحيحة مقررة فی الشرع معروفة عند اهله۔

---

[1] (تعقبات علی الموضوعات ۱۳)

[2] (تعقبات علی الموضوعات ص ۱۲)

[3] (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۴۷۷)

[4] (فتاویٰ ستاریہ ۴۷ ۳ کراچی)

”حضرات محدثین ضعیف راویوں سے ترغیب ترہیب، فضائل اعمال، قصہ جات، زہد، اور مکارم اخلاق میں احادیث روایت کرتے ہیں لیکن حلال و حرام کے احکام سے تعلق رکھنے والی احادیث ایسے راویوں سے بالکل روایت نہیں کرتے۔ اس قسم کی احادیث ضعیف راویوں سے روایت کرنا اور ان پر عمل کرنا محدثین کے نزدیک جائز ہے کیونکہ یہ اصولِ شریعت میں صحیح و مقرر اور اہل شریعت کے ہاں معروف ہے۔“[1]

یہی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی دوسری کتاب الاذکار صفحہ ۷ پر لکھتے ہیں :

قال العلمآء من المحدثین والفقھآء وغیرھم یجوز ویستحبّ العمل فی الفضائل والترغیب والترھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعًا۔

محدثین، فقہاء اور دیگر علماء کرام فرماتے ہیں کہ فضائل اعمال ترغیب اور ترہیب کے باب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز و مستحب ہے جبکہ وہ حدیث موضوع نہ ہو۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

ویجوز عند اھل الحدیث وغیرھم التساھل فی الاسانید الضعیفة وروایة ماسوئ الموضوع من الضعیف والعمل بہ۔

یعنی اور محدثین وغیر ہم علماء کے نزدیک ضعیف سندوں میں تساہل اور بے اظہار ضعف موضوع کے سوا ہر قسم کی حدیث کی روایت اور اس پر عمل فضائلِ اعمال وغیرہ امور میں جائز ہے۔[2]

امام ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

الذی اطبق علیہ ائمّتنا الفقھاء والاصولیون والحفّاظ أنّ الحدیث الضعیف حجةٌ فی المناقب کماأنّہ ثمّ بأجماع من یعتدبہ حجّةٌ فی فضائل الاعمال۔

یعنی ہمارے ائمہ، فقہاء، اصولیین، اور حفاظ کا اس پر اتفاق ہے کہ مناقب میں بھی حدیثِ ضعیف حجت ہوتی ہے جس طرح قابل اعتماد علماء کا اس پر اجماع ہے کہ فضائل اعمال میں حدیثِ ضعیف حجت ہوتی ہے۔[3]

---

[1] (شرح مسلم نووی ص ۲۱، ج ۱)
[2] (تدریب الروی ص ۲۹۸)
[3] (تطهیر الجنان واللسان، ص ۱۳)

(١١٦)مسئلہ نمبر ایک سو سولہ: اذان کے بعد دعا مانگنے میں وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ اور وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهٗ کے کلمات کی زیادت کرنا کیسا ہے؟

تفسیر روح البیان میں اسماعیل حقي بن مصطفى الإستانبولي الحنفي الخلوتي رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ويستحب أن يقول عند سماع الأولى من الشهادة الثانية صلى الله تعالى عليك يا رسول الله وعند سماع الثانية قرة عيني بك يا رسول الله، ثم يقول: اللهم متعني بالسمع والبصر بعد وضع ظفر الإبهامين على العينين، كما في "شرح القهستاني"، وفي "تحفة الصلوات" للكاشفي صاحب "التفسير" نقلاً عن الفقهاء الكبار، ويقول بعد الأذان: اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة آت محمداً الوسيلة والفضيلة والدرجة الرفيعة وابعثه المقام المحمود الذي وعدته.[1]

تفسیر مظہری میں قاضی محمد ثناء الله العثماني المظهري لکھتے ہیں:

فان قيل اىّ فائدة فى سوال الملائكة للمؤمنين بإدخال الجنة بعد ما وعدهم الله تعالى به واستحالة الخلف فى وعد الله وكذا فى سوال المؤمنين للنبى صلى الله عليه وسلم بقوله اللّهم ات محمد ان الوسيلة والفضيلة والدرجة الرفيعة وابعثه مقاما محمودا الذي وعدته قلت الباعث على الدعاء حبهم إياهم لما القى الله تعالى فى قلوبهم وفائدته استجلاب مزيد رحمة الله للمدعو لهم واستجلاب رضوان الله ورحمته للداعين لاجل المحبوبين لله تعالى والله اعلم۔[2]

عمل اليوم والليلة میں ابن السني نے مرفوع روایت نقل فرمائی ہے:

حدثنا أبو عبد الرحمن، أخبرنا عمرو بن منصور، حدثنا علي بن عياش، حدثنا شعيب، عن محمد بن المنكدر، عن جابر بن عبد الله، رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قال حين يسمع النداء: اللهم رب هذه الدعوة التامة، والصلاة القائمة، آت محمدا الوسيلة والفضيلة والدرجة الرفيعة، وابعثه مقاما محمودا الذي وعدته، حلت له الشفاعة يوم القيامة۔[3]

احياء علوم الدين میں امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وعند الفراغ يقول اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة آت محمدا الوسيلة والفضيلة والدرجة الرفيعة وابعثه المقام المحمود الذي وعدته إنك لا تخلف الميعاد۔[4]

---

[1] (تفسير روح البيان، ج٨، ص ١٩٩، دار النشر/دار إحياء التراث العربى)

[2] (تفسير المظهرى، ج٨، سورة الغافر آيت نمبر ١١، ص ٢٤٦، الناشر: مكتبة الرشدية-الباكستان)

[3] (عمل اليوم والليلة لابن السني، ج ١، ص٨٧، الناشر: دار القبلة للثقافة الإسلامية)

[4] (احياء علوم الدين، ج ١، ص ٢٨٤)

شرح مصابيح السنة میں امام بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وقال: "مَنْ قالَ حِينَ يَسمعُ النداءَ: اللهمَّ ربِّ هذهِ الدَّعوةِ التَّامَّةِ۔ الصَّلاةِ القائمةِ، آتِ مُحمداً الوَسيلةَ والفَضيلةَ، والدَّرجةَ الرَّفيعةَ، وابعثْهُ مَقاماً مَحموداً الذي وعدْتَهُ يا أَرحم الراحمين، حلَّتْ لهُ شفاعَتِي يومَ القِيامَةِ"، رواه جابر.[1]

مجمع الانھر فی شرح منتقی الابحر میں عبد الرحمن بن محمد بن سليمان الكليبولي المدعو بشيخي زاده لکھتے ہیں:

وفي الجواهر أن إجابة المؤذن سنة هكذا يجيب في الإقامة أيضا إلى أن ينتهي إلى قوله قد قامت الصلاة فحينئذ يجيب بالفعل دون القول وقال بعضهم بالقول فيقول أقامها الله وأدامها ما دامت السموات والأرض فإذا فرغ المؤذن من الأذان يقول المستمع اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة آت محمدا الوسيلة والفضيلة والدرجة الرفيعة والمقام المحمود الذي وعدته إنک لا تخلف الميعاد۔[2]

حجۃاللہ علی البالغۃ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وَيَقُول رضيت بِاللهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دينا، وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولا وَيُصلي على النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَقُول: اللَّهُمَّ رب هَذِه الدعْوَة التَّامَّة وَالصَّلَاة الْقَائِمَة آتِ مُحَمَّد الْوَسِيلَة والفضيلة والدرجة الرفيعة وابعثه مقاما مَحْمُودًا الَّذِي وعدته إِنَّک لَا تخلف الميعاد، وَيسْأل الله لآخرته ودنياه.[3]

الغنية لطالبي طريق الحق عز وجل میں عبد القادر بن موسى بن عبد الله بن جنكي دوست الحسني، أبو محمد، محيي الدين الجيلاني، أو الكيلاني، أو الجيلي لکھتے ہیں:

وعن محمد بن المنكدر عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: "من قال حين يسمع النداء: اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة آت محمداً الوسيلة والفضيلة والدرجة الرفيعة، وابعثه المقام المحمود الذي وعدته، حلت له الشفاعة يوم القيامة".[4]

الفتوحات الربانية على الأذكار النواوية میں محمد بن علان الصديقي الشافعي الأشعري المكي لکھتے ہیں:

وبالقائمة الدائمة من قام على الشيء دام عليه وعلى هذا فقوله الصلاة القائمة بيان الدعوة التامة اهـ. قوله: (وَالفَضِيلَةَ) زاد في أصل الروضة والدرجة الرفيعة قال جماعة ولا وجود لها في كتب الحديث ولكن لا بأس به۔[5]

---

[1] (شرح مصابيح السنة، ج ا، ص ۴۰۲، الناشر: إدارة الثقافة الإسلامية)

[2] (مجمع الانهر، ج ا، ص ۱۱۶، الناشر دار الكتب العلمية)

[3] (حجة الله على البالغة، ج ۲، ص ۱۲۶، الناشر: دار الجيل، بيروت-لبنان)

[4] (الغنية لطالبي، ج ۲، ص ۱۰۷، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت-لبنان)

[5] (الفتوحات الربانية، ج ۲، ص ۱۱۵، الناشر: جمعية النشر والتأليف الأزهرية)

اب ہم اذان کے بعد پڑھی جانے والی دعا میں **وارزقنا شفاعته** کے کلمات کی بحث کی طرف چلتے ہیں۔

اذان کے بعد پڑھی جانے والی دعا تمام مستند و معتبر کتب حدیث میں مذکور ہے۔

'صحیح بخاری'، 'جامع ترمذی' اور دیگر کتبِ حدیث میں اذان کے بعد پڑھی جانے والی دعا کے بارے میں روایت اِس طرح وارِد ہوئی ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضي الله عنهما أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی الله عليه وآله وسلم قَالَ: مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: "اَللّٰهُمَّ، رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدًا الَّذِي وَعَدْتَهُ"، حَلَّتْ لَه شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

"حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اذان سن کر یہ دعا کرے: (اے اللہ! اس کامل دعوت اور قائم ہونے والی نماز کے رب! محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور انہیں مقام محمود پر مبعوث فرما۔) تو اس کے لیے قیامت کے روز میری شفاعت واجب ہو گئی۔"[1]

'صحیح مسلم' اور بعض دیگر کتبِ حدیث میں اذان کے بعد پڑھی جانے والی دعا کے بارے میں یہ حدیث مبارکہ منقول ہے:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضي الله عنهما أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صلی الله عليه وآله وسلم يَقُولُ: إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ، ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا، ثُمَّ سَلُوا اللهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللهِ، وَأَرْجُو أَنْ أَكُوْنَ أَنَا هُوَ، فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ۔

"حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو اُسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے۔ پھر مجھ پر درود بھیجو۔ پس جو شخص بھی مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے وسیلہ طلب کرو، بے

---

[1] (بخاری، الصحيح، کتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، 1:222، رقم: 589، بخاری، الصحيح، کتاب تفسير القرآن، باب قوله: عسى أن يبعثک ربک مقاما محمودا، 4:1749، رقم:442، ترمذی، السنن، کتاب الصلاة، باب ما جاء في الدعاء عند الأذان، 1:146، رقم:529، نسائی، السنن، کتاب الأذان و السنة فيه، باب ما يقال إذا أذن المؤذن، 1:239، رقم:722، أحمد بن حنبل، المسند، 3:354، رقم:14859)

شک وسیلہ جنت میں ایک منزل ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک کو ملے گی اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا۔ پس جس نے اس وسیلہ کو میرے لیے طلب کیا اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔"[1]

ان دونوں روایات کو سامنے رکھیں تو تصور خود بخود واضح ہو جائے گا اور اِشکال رفع ہوتا چلا جائے گا۔ پہلی حدیث مبارکہ میں صرف ﴿اَللّٰهُمَّ، رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ﴾ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، جب کہ دوسری میں یہ حکم بھی آیا ہے کہ اذان کے بعد درود شریف پڑھا جائے۔ لیکن دونوں روایات میں ایک پہلو مشترک ہے اور وہ یہ کہ دونوں کے آخر میں سائل کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت واجب ہونے کی خوش خبری سنائی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء وائمہ کرام نے اذان کے بعد مانگی جانے والی دعا کے آخر میں سائل کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت مانگے جانے کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے اور اذان کے بعد یہ دعا اِس طرح پڑھی جاتی ہے: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَآئِمَةِ، اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ، وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيعَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَّحْمُودَنِ الَّذِي وَعَدْتَّه، وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَه يَوْمَ الْقِيَامَةِ، اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ. "اے اللہ! اس کامل دعوت اور قائم ہونے والی نماز کے رب! حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت اور بلند درجہ عطا فرما، اور آپ کو اُس مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے آپ سے وعدہ فرمایا ہے، اور ہمیں روزِ قیامت آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرما۔ بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔"

یعنی آخر میں وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَه يَوْمَ الْقِيَامَةِ کے الفاظ لائے گئے ہیں کیوں کہ اوپر بیان کی گئی دونوں روایات میں بالترتیب حَلَّتْ لَه شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ (اس کے لیے قیامت کے روز میری شفاعت واجب ہو گئی) اور حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ (اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی) کے الفاظ آئے ہیں۔

امام طبرانی نے اپنی دو کتب میں اذان کے بعد مانگی جانے والی جو دعا نقل کی ہے، اس دعا کے آخر میں یہ الفاظ منقول ہیں:

وَاجْعَلْنَا فِي شِفَاعَتِه يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

[1] (مسلم، الصحيح، كتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه ثم يصلي على النبي ثم يسأل الله له الوسيلة، 1:288، رقم: 384، ترمذی، السنن، أبواب المناقب، باب في فضل النبي، 5:586، رقم: 3614، أبو داود، السنن، كتاب الصلاة، باب ما يقول إذا سمع المؤذن، 1:144، رقم: 523، نسائی، السنن، کتاب الأذان، باب الصلاة على النبي بعد الأذان، 2:25، رقم: 678، أحمد بن حنبل، المسند، 2:168، رقم: 6568، ابن خزیمة، الصحیح، 1:218، رقم: 418، ابن حبان، الصحیح، 4:588، 590، رقم: 1690، 1692)

”اور (اے پروردگار!) ہمیں روزِ قیامت آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی شفاعت نصیب فرما۔“[1]

لہٰذا ثابت ہوگیا کہ ائمہ کرام کی طرف سے وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَه کے الفاظ کا اِضافہ کیے جانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، بلکہ متعدد احادیث کو جمع کر کے ایک جامع دعا ترتیب دی تو یہ بالکل جائز اور بلا شک وشبہ حدیث مبارکہ پر عمل کرنا ہے۔ ملا علی قاری ’مرقاۃ المفاتیح‘ میں لکھتے ہیں کہ دعائیہ کلمات میں اِضافہ کرنا جائز ہے (جس طرح بعض لوگ حج کے موقع پر تلبیہ میں اضافہ کر لیتے ہیں)۔

لہٰذا اس بحث کی روشنی میں ہم اذان کے بعد اِضافہ شدہ الفاظ کے ساتھ مروّجہ دعا پڑھ سکتے ہیں۔ واللہ و رسولہ اعلم بالصواب۔

(۱۱۷) مسئلہ نمبر ایک سوسترہ: اذان اور اقامت کے جواب دینے پر مرد کیلئے ہر حرف کے بدلے بیس لاکھ درجے بلند اور عورت کیلئے دس لاکھ نیکیاں ہیں

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ صَدَقَةَ، ثنا بَكْرُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، حَدَّثَنِي عِكْرِمَةُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ كَثِيرٍ، عَنْ خِرَاشٍ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ مَيْمُونَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ بَيْنَ صَفِّ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ، إِذَا سَمِعْتُنَّ أَذَانَ هَذَا الْحَبَشِيِّ وَإِقَامَتِهِ فَقُلْنَ كَمَا يَقُولُ، فَإِنَّ لَكُنَّ بِكُلِّ حَرْفٍ أَلْفَ أَلْفِ دَرَجَةٍ: فَقَالَ عُمَرُ: هَذَا لِلنِّسَاءِ فَمَا لِلرِّجَالِ؟ قَالَ: ضِعْفَانِ يَا عُمَرُ۔

ترجمہ: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑے ہوئے تو فرمایا: اے عورتوں کے گروہ جب تم اس حبشی یعنی بلال رضی اللہ عنہ سے اذان اور اقامت سنو تو ان کے کہنے کی طرز پر تم بھی کہو کیونکہ ہر حرف کے بدلے تمہارے لیے دس لاکھ درجے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یہ ثواب تو عورتوں کیلئے ہے مردوں کیلئے کتنا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ انہیں دوچند ہے۔ (ہر حرف پر بیس لاکھ درجے ہیں)۔[2]

اور یہ حدیث مبارکہ اپنی فضیلت اور ثواب میں بڑی عجیب ہے۔ صاحب سعایہ نے کہا کہ اس کو یاد کرو کیونکہ لوگ اس غافل اور بے پروائی کرنے والے ہیں۔

---

[1] (طبرانی، المعجم الأوسط، 4:79، رقم:3662، طبرانی، المعجم الکبیر، 12:85، رقم:12544)

[2] (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۴ ص ۱۶ رقم الحدیث ۲۸، الترغیب والترھیب لمنذری متوفی ۶۵۶ عیسوی، والسعایۃ لعبدالحی لکھنوی ج ۲ ص ۵۲ فلیحفظ فان الناس عنہ غافلون)

(۱۱۸)مسئلہ نمبر ایک سو اٹھارہ: چار رکعات فرضِ احتیاطی کا بیان

جس شہر یا قصبہ میں جمعہ پڑھا جاتا ہو وہاں احتیاط الظہر کو بلا جماعت ادا کرنا چاہیئے کیونکہ جمعہ کو نیت فرض یا مطلق نیت سے ادا کیا گیا ہے نہ نیت نفل۔

چنانچہ صغیری میں ہے:

"ویکرہ للمعذورین والمسجونین اداء الظھر بجماعۃ فی المصر یوم الجمعۃ سواء کان قبل الفراغ من الجمعۃ او بعدہ"۔

یعنی معذورین اور قیدیوں کے واسطے بروزِ جمعہ یا پیچھے نماز جمعہ کے ظہر کو ادا کرنا مکروہ ہے، اور احتیاط الظہر کو بایں طور ادا کرے کہ چار رکعات فرض جو ذمہ میرے ہے۔

چنانچہ فتح القدیر میں ہے:

أَنْ يُصَلِّيَ أَرْبَعًا بَعْدَ الْجُمُعَةِ يَنْوِي بِهَا آخِرَ فَرْضٍ أَدْرَكْتُ وَقْتَهُ وَلَمْ أُؤَدِّهِ بَعْدُ۔[1]

اور صاحبِ کبیری نے لکھا ہے:

"ینبغی ان یصلی اربع رکعاتٍ وینوی بہ الظھر"۔

اور غایۃ البیان اور بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

"فثبت ان اداء الاربع فی موضع وقع الشک فی صحتہ الجمعۃ مروی عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رواہ الحسن من زیاد تلمیذ ابی حنیفۃ واختارہ"۔

اور صاحبِ وافی و مواہب نے لکھا ہے:

ینبغی ان یصلی بعدھا اخر ظھر ادرکت وقتہ ولم اصلہ بعد۔

اور علاوہ ان دلائل کے کتبِ معتبرہ جو ذیل میں مختصر طور پر بحوالہ درج ہیں، ان کو مطالعہ کریں۔ محیط، کافی، فتح القدیر، فتاویٰ عالمگیری، ظہیریہ، کبیری، صغیری، قنیہ، بحر الرائق، نہر الفائق، شرح باقانی، میزان شعرانی، رد المحتار، شرح سفر السعادت، عینی شرح ہدایہ، تفسیر احمدی، بنایہ شرح ہدایہ، مقاماتِ امام ربانی، ص ۱۲۰، فتاویٰ عزیزی وحاشیہ چلپی، شرح وقایہ، فتاویٰ نیرہ، فتاویٰ جامع الفوائد، فتاویٰ نادر الجواہر امینیہ، فتویٰ عبدالحیٔ، فتاویٰ رحمانیہ، مجمع الابحار، تکملہ ابو المکارم، تاتارخانیہ،

[1] (فتح القدیر، ج۳، ص ۲۰۲، المکتبۃ الفاروقیۃ)

فتاویٰ ابراہیم شاہی، جامع الفتاویٰ، فتاویٰ عتابیہ، خزانۃ العلوم، فتاویٰ محمدیہ، خزانۃ المفتین، فتاویٰ صیر و جواہر الفتاویٰ، بدر السعادت، فتاویٰ صابریہ، مجالس الابرار، فتاویٰ غرائب وغیرہ وغیرہ۔

سبحان اللہ جب کہ احتیاط الظہر کا فتاویٰ جمہور علماء وفقہاء واکثر مشائخ عظام نے بوجہ مفقود ہو جانے شرائط جمعہ واشتباہ شرائط مصر کے دے دیا ہے تو پھر منکرین کی بے اصل بات کو کون صاحبِ عقلِ سلیم مان سکتا ہے؟ اور ناظرین انصاف فرمادیں کہ صاحبِ کافی وہ شخصیت ہیں کہ جن کو ساٹھ ہزار احادیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نوک زبان یاد تھیں اور چوتھی صدی کی ابتداء میں یہ کتاب لکھی تھی اور امام حاکم ونیشاپوری کے استاد تھے۔

(۱۱۹) مسئلہ نمبر ایک سو انیس: دیہاتوں میں جمعہ کی نماز کے بعد آخر الظہر (نمازِ ظہر احتیاطی) پڑھنے کا ثبوت

(۱) والاحتیاط فی القری (الی قولہ) ھذا ھو الصحیح المختار۔

دیہاتوں میں احتیاط (اسی میں ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد آخر الظہر (نمازِ ظہر احتیاطی) پڑھے) یہی صحیح ہے، یہی مختار ہے۔

بارہ (۱۲) کتب نے اسے نقل کیا ہے، ان سے جو الفاظ صریح ثابت ہوئے قابلِ غور ہیں:

۱۔ قریٰ کے ساتھ لفظ احتیاط۔

۲۔ لفظ صحیح۔

۳۔ لفظ مختار۔

(۲) لا شک فی جواز الجمعۃ فی البلاد و القصبات۔

شہروں اور دیہاتوں میں جمعہ کے جواز میں شک نہیں، جائز ہے (بشرطیکہ ظہر احتیاطی پڑھی جائے)۔[1]

(۳) فی الجواھر لو صلوا فی القری لزمھم اداء الظھر۔

اگر مسلمان دیہاتوں میں (جمعہ پڑھیں) تو ان پر واجب ہے کہ وہ ظہر کی نماز ادا کریں۔[2]

(۴) وعند اصحابنا لا تجب الجمعۃ علی اھل القری لحدیث علی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے مطابق ہمارے (احناف بزرگوں نے کہا ہے) کہ دیہات میں مسلمانوں پر جمعہ واجب نہیں۔[1]

---

[1] (فتاویٰ الحجہ ثم الخیریۃ جمعہ، ج ۱، ص ۲۰)

[2] (شامی، جمعہ، ج ۱، ص ۵۴۲، جامع الرموز، ج ۱، ص ۱۱۵)

(۵) وشرط لادائها ای لوجوب اداء الجمعة (الیٰ قوله) المصر۔

جمعہ کی نماز کے وجوب کی شرائط میں سے ایک شرط "شہر" ہونا ہے۔(شہر کی قید سے دیہات خارج ہو گئے)[2]

(۶) ومنها المصر حتی لم تجب فی القریٰ۔

(نمازِ جمعہ کی شرائط میں سے ایک شرط "شہر" ہونا ہے) لہٰذا دیہات میں جمعہ کی نماز پڑھنا واجب نہیں۔[3]

(۷) ولوجوبها شرائط فی المصلی الحریة والذکورة (الیٰ قوله) وشرائط فی غیر المصلی المصر والسلطان، الخ۔

جمعہ کے وجوب کی شرائط میں سے ایک "حریت" ہے، (یعنی نمازی کا آزاد ہونا) ذکورۃ (یعنی مردوں پر نمازِ جمعہ واجب ہے نہ کہ خواتین پر الیٰ قولہٖ) اور عید گاہ کے علاوہ جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے لئے ایک تو مصر (شہر ہونا) دوسرا مسلم حاکم کا ہونا شرط ہے۔[4]

میں کہتا ہوں دو چیزیں ذہن نشین ہوں:

۱۔ ایک ہے جمعہ کے وجوب کی شرائط (یعنی جمعہ کس پر کب واجب ہوتا ہے)۔

۲۔ جمعے کے ادا کرنے کی صحت کی شرائط (جمعہ ادا کرنا کہاں کہاں صحیح ہے اور کن کن مقامات پر جمعہ جائز نہیں)۔

سو مذکورہ تمام علماءِ احناف و کتب و متون و شروح سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ جمعہ کی نماز کے وجوب کے لئے (مصر ہونا، اور بادشاہ ہونا، مسلمان ہونا) جہاں شرائطِ مذکورہ نہ پائی جائیں تو وہاں کے مسلمانوں پر جمعہ واجب نہیں، شرائطِ مذکورہ بالا کی موجودگی میں مسلمانوں پر جمعہ واجب ہے۔

اور اگر شرائطِ مذکورہ میں سے ایک شرط بھی مفقود ہو (نہ پائی جائے) تو ان مسلمانوں پر جمعہ کی نماز واجب نہیں۔

جیسے قریہ (دیہات) کہ وہاں بسبب نہ پائے جانے شرائط کے جمعہ کی نماز واجب نہیں مگر جائز ہے۔

کیونکہ:

۱۔ شرائط کا فقدان (جمعہ) کی نفیٔ وجوب کو مستلزم ہے۔

۲۔ (جمعہ) کی نفیٔ جواز کو مستلزم نہیں۔

---

[1] (سادة المتقین، ج۳، جمعه، ثم ازالة الاوهام والبحر الرائق، ج۲، جمعه (۱۴۱) من التجنیس، والبزازیة، جمعة (۶۳ا)، منحة الخالق، ج۲، جمعه، (۱۴۱)

[2] (جامع الرموز، ج۱، جمعه، ۱۱۵)

[3] (خلاصة الفتاویٰ، جمعه، ج۱، ص ۱۶۵)

[4] (فتح القدیر، جمعه، ج۱، ص ۲۵۷)

یعنی جہاں شرائط مذکورہ نہ پائی جائیں تو وہاں جمعہ کی نماز واجب نہیں۔

شرائط مفقود ہوں تو جمعہ واجب تو نہ ہوا، لیکن وہاں کے مسلمان اگر پڑھ لیں تو جائز ہے، کیونکہ جمعہ کے وجوب کے احکام اور ہیں، اور جمعہ کے جواز کے احکام وجوب کے احکام سے الگ ہیں۔ لہٰذا اجر و ثواب کے حصول کے لئے جواز کافی ہے۔

(۱۲۰)مسئلہ نمبر ایک سو بیس: ظہر احتیاطی

جمعہ کے دن آخر الظہر (ظہر احتیاطی) پڑھنا ظاہر الروایۃ ہے۔

ثُمَّ فِي كُلِّ مَوْضِعٍ وَقَعَ الشَّكُّ فِي جَوَازِ الْجُمُعَةِ لِوُقُوعِ الشَّكِّ فِي الْمِصْرِ أَوْ غَيْرِهِ وَأَقَامَ أَهْلُهُ الْجُمُعَةَ يَنْبَغِي أَنْ يُصَلُّوا بَعْدَ الْجُمُعَةِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ وَيَنْوُوا بِهَا الظُّهْرَ حَتَّى لَوْ لَمْ تَقَعْ الْجُمُعَةُ مَوْقِعَهَا يَخْرُجُ عَنْ عُهْدَةِ فَرْضِ الْوَقْتِ بِيَقِينٍ، كَذَا فِي الْكَافِي، وَهَكَذَا فِي الْمُحِيطِ ثُمَّ اخْتَلَفُوا فِي نِيَّتِهَا قِيلَ: يَنْوِي آخِرَ ظُهْرٍ عَلَيْهِ وَهُوَ الْأَحْسَنُ وَالْأَحْوَطُ أَنْ يَقُولَ: نَوَيْتُ آخِرَ ظُهْرٍ أَدْرَكْتُ وَقْتَهُ وَلَمْ أُصَلِّهِ بَعْدُ، كَذَا فِي الْقُنْيَةِ. وَفِي فَتَاوَى (آهو) يَنْبَغِي أَنْ يَقْرَأَ الْفَاتِحَةَ وَالسُّورَةَ فِي الْأَرْبَعِ الَّتِي يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ وَفِي دِيَارِنَا، كَذَا فِي التَّتَارْخَانِيَّةِ۔[1]

(۱۲۱)مسئلہ نمبر ایک سو اکیس: تشریح و تخریج لقول: من لا شیخ له فشیخه الشیطان کے بیان میں

يقول ابن عجيبة:

كل من لا شيخ له في طريق القوم فهو يتيم، لا أب له، فإن ادعى شيئاً من الخصوصية سُمي عندهم لقيطاً أو دعياً، أي؛ منسوباً إلى غير أبيه۔[2]

يقول ابن عجيبة:

ولذلک قيل: مَن لا شيخ له فالشيطان شيخه۔[3]

يقول عبد الكريم القشيری الشافعي:

يجب على المريد أن يتأدَّب بشيخ؛ فإن لم يكن له أستاذ لا يفلح أبداً. هذا أبو يزيد يقول: من لم يكن له أستاذ فإمامه الشيطان. وسمعت الأستاذ أبا عليٍّ الدقاق يقول: الشجرة إذا نبتت بنفسها من غير غراس فإنها تورق، ولكن لا تُثمر، كذلک المريد إذا لم يكن له أستاذ يأخذ منه طريقته نفساً نفساً فهو عابد هواه، لا يجد نفاذاً۔[4]

---

[1](هندية ج ۱ ص ۱۴۶ وكبيرى ۲۰۰ ومنحة الخالق ص ۱۴۳ وشامي ج ۱ ص ۷۵۶)

[2]البحر المديد، ج ۱، ص ۲۸۱: دار الكتب العلمية-بيروت

[3]البحر المديد، ج ۸، ص ۱۱۰: دار الكتب العلمية-بيروت

[4]الرسالة القشيرية، ج ۱، ص ۱۸۱

يقول ابو حامد الغزالی:

المريد يحتاج إلى شيخ وأستاذ يقتدي به لا محالة ليهديه إلى سواء السبيل فإن سبيل الدين غامض وسبل الشيطان كثيرة ظاهرة فمن لم يكن له شيخ يهديه قاده الشيطان إلى طرقه لا محالة فمن سلک سبل البوادي المهلكة بغير خفير قد خاطر بنفسه وأهلكها ويكون المستقل بنفسه كالشجرة التي تنبت بنفسها فإنها تجف على القرب وإن بقيت مدة وأورقت لم تثمر فمعتصم المريد بعد تقديم الشروط المذكورة شيخه فليتمسک به تمسک الأعمى على شاطيء النهر بالقائد بحيث يفوض أمره إليه بالكلية ولا يخالفه في ورده ولا صدره ولا يبقى في متابعته شيئا ولا يذر وليعلم أن نفعه في خطأ شيخه لو أخطأ أكثر من نفعه في صواب نفسه لو أصاب فإذا وجد مثل هذا المعتصم وجب على معتصمه أن يحميه ويعصمه بحصن حصين يدفع عنه قواطع الطريق۔ [1]

يقول أحمد الرفاعي:

من لم يكن له شيخ فشيخه الشيطان، وإن المريد ينال من الله تبارک وتعالى ببركة شيخه بقدر ما تأدب وحفظ الحرمة وراقب السر، وينبغي للمريد أن يعرف لشيخه الحق بعد وفاته كما كان يعرف له الحق في حالة حيات۔ [2]

وعقد عبد الوهاب الشعراني في (الأنوار القدسية في معرفة قواعد الصوفية) عدة عناوين في لزوم طلب الشيخ وطاعته وهي: (من أدب الطريق استئذان الشيخ) (من شان المريد أن لا يقول لشيخه لم) (لا تعترض على شيخک أيها المريد)۔

ومن جملة ما نقله الشعراني في تلک الأبواب: وقد كان سيدي علي بن وفا رحمه الله يقول: إن وجدت أستاذک المحقق فقد وجدت حقيقتک، وإذا وجدت حقيقتک وجدت الله عندها، وإذا وجدت الله عندها وجدت كل شيء، فليس كل المراد إلا في وجد هذا الأستاذ. فافهم تغنم... وكان يقول: ما الأمر إلا أن تجد أستاذک وقد وجدت مرادک، هنّأ الله فؤادک۔ [3]

ويقول الشعراني:

إن سيدي علي بن وفا رحمه الله يقول: الزم الأستاذ فإنه يظهر سر الربوبية، فربما أوحى إليک ربک في حجاب قلب شيخک من طريق الإلهام، فإن قلبه مظهر سر الربوبية، فعلى المريد أن يقف عند أمر أستاذه ولا يتعداه، ولا يلتفت عن أستاذه يمينا ولا شمالا، إذ ليس المريد من يتوجه بقلبه إليه غير الأستاذ، وليس من مرتبته صحة التوجه إلى الحق تعالى لجهله به إلا أن يكون مضطرا۔ [4]

---

[1] احیاءعلوم الدین، ج۳، ص ۷۵: مکتبہ: دار المعرفۃ-بیروت

[2] قلادة الجواهر ص 182

[3] (الأنوار القدسية، ج2، ص17)

[4] (الأنوار القدسية، ج2، ص28)

ونقل أيضا قول بن وفا:

كل من أراد الكمال بغير أستاذه وهاديه فقد أخطا طريق المقصود۔[1]

ونقل كلام على بن وفا:

مرشدک إلى الحق تعالى هو العين التي ينظر الحق بها إليک باللطف والرحمة، وهو وجه الحق الذي يقبل بواسطته عليک، ويرضى لرضاه ويغضب لغضبه، فاعرف والزم وانظر ما ذا ترى...وكان يقول: لا يظفر مريد بأستاذ إلا وذلک المريد مخصوص عند الله تعالى ولولا أنه مخصوص عنده ما جمعه على من يوصله إلى حضرته فسلّم لشيخک أيها المريد تسلم وتغنم۔[2]

يقول إسماعيل حقي في تفسيره:

من كلام أبي يزيد البسطامي: من لم يكن له شيخ فشيخه الشيطان۔[3]

يقول امام الأولياء عبد الوهاب الشعرانى:

ومن لم يسلک على يد شيخ فهو معرض للوقوع في الخيانة والخلف وفي كل منهي لعدم الحماية له من الله تعالى على يد شيخ فإن من لا شيخ له فشيخه الشيطان فافهم۔[4]

يقول السيد الشيخ محمد بن الشيخ عبد الكريم الكسنزان الحسيني:

بماذا تميز الخواطر؟

نقول: إن تمييز الخواطر ليس بالشيء اليسير وبمجرد قراءة الكتب وبالسماع، وهذه الصعوبة تتأتى من أن الخواطر شيء غيبي، غير ظاهري أو محسوس، لذا فإن صقالة القلب وهو الجهاز المستقبل لا تفي بالغرض لاستقباله -الخير والشر- لا فرق، وهنا يبرز أهمية وجود الخبير الحاذق العارف بخفاياها ودقائقها وتشعباتها ومتعلقاتها، ألا وهو الشيخ قطب الوقت المتصل المبايع يداً بيد على يد الرسول. فمريد الشيخ حتى وإن لم تكتمل صقالة قلبه وزكاة نفسه يأتيه العون والمدد من الشيخ، أبيه الروحي، لينجده من الصغيرة والكبيرة ومنها الخواطر، غيرةً منه ورحمة على ابنه الروحي وأخوه في الإيمان، ولهذا السبب قال المشايخ: من لم يكن له شيخ فشيخه الشيطان۔[5]

يقول إسماعيل حقي بن مصطفى الإستانبولي الحنفي الخلوتي:

ثم إن في الآية إشارة إلى أن في إرسال الرسل حكمة أي: مصلحة وعاقبة حميدة لأن عمارة الظاهر وإنارة الباطن ونظام العالم بهم لا بغيرهم ولورثتهم من الأولياء الكاملين حظ أوفى في باب التزكية فلا بد للعبد من دليل ومرشد

---

[1] (الأنوار القدسية، ج2، ص28)

[2] (الأنوار القدسية، ج2، ص30)

[3] (تفسير روح المعاني، ج۵، ص۲۰۳)

[4] العهود المحمدية، ج۱، ص۲۱۶

[5] موسوعة الكسنزان فيما اصطلح عليه أهل التصوف والعرفان، ج۷، ص۴۴، المكتبة/دار المحبة، سوريا-دمشق

يهتدي به إلى مقصوده ومن لم يكن له شيخ فشيخه الشيطان ، قال الحافظ : بكوى عشق منه بي دليل راه قدم كه من بخويش نمودم صد اهتمام ونشد والمرشد الكامل يزكي نفس السالك بإذن الله ويطهرها من دنس الالتفات إلى ما سوى الله ويتلو عليه الآيات الأنفسية والآفاقية ليكون من الموقنين ويغتنم النعيم الروحاني ويدخل في زمرة الصديقين۔

فقوله تعالى: {وَيُزَكِّيهِمْ} يشير إلى السلوك والتسليك فاحفظ هذا وليكن على ذكر منك اللهم احفظنا من الموانع في طريق الوصول إليك فإن كل رجاء في حيز القبول لديك۔[1]

(۱۲۲) مسئلہ نمبر ایک سو بائیس: چھت پر اُلٹی ہنڈیا سیاہ کر کے رکھنے اور گاڑی کی پچھلی طرف پرانا جوتا لگانے کے بیان میں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ خوبصورت مکان بنائیں تو چھت پر الٹی ہنڈیا سیاہ کر کے رکھتے ہیں، اسی طرح نیا رکشہ، وین یا گاڑی لیں تو اس پر بھی پچھلی طرف پرانا جوتا لٹکاتے ہیں اور ذہن یہ ہوتا ہے کہ ہماری چیز کو نظر نہ لگے۔ اس کی شرعی حقیقت کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون الملک الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

نظر لگنا استدلالِ قرآنی اور حدیث نبوی کی روشنی میں برحق ہے۔ اس کی تاثیر کے بہت سے واقعات تفسیر، حدیث اور تاریخ میں موجود ہیں، لہٰذا کسی بھی ایسے طریقے سے کہ جو خلافِ شرع نہ ہو، اس کی تاثیر سے بچنا اور لگ جانے کی صورت میں علاج کرنا، جائز اور درست ہے۔ پاک و ہند میں اس سے بچنے کے مختلف طریقوں میں سے یہ بھی رائج ہے کہ جس چیز کو نظر لگنے کا اندیشہ ہو، اُس پر ایسی چیز نصب کرنا کہ دیکھنے والے کی طبیعت اُسے دیکھتے ہی مکدر اور بیزار ہو جائے اور حیرت و استعجاب کی نظر نہ پڑے، کہ نظر استعجاب و حسد سے "بری نظر" لگنے کا خدشہ زیادہ ہوتا ہے، لہٰذا پوچھی گئی صورت میں نئے گھر کی بیرونی دیوار پر سیاہ اُلٹی ہنڈیا رکھنا یا نئی گاڑی پر جوتا لٹکا لینا، بری نظر سے بچنے کے لئے ایسا ٹوٹکا ہے کہ جو اسلامی شریعت کے مخالف یا کسی شرعی ضابطے سے متصادم نہیں، بلکہ اگر ذخیرۂ احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو اس کی اصل موجود ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک خاتون بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئی کہ ہم دیہاتی اور کاشت کار لوگ ہیں اور

---

[1] تفسیر روح البیان، ج ۱، ص ۱۸۹: مطبوعہ: دار إحیاء التراث العربی

ہمیں یہ اندیشہ لاحق رہتا ہے کہ ہمارے لہلہاتے کھیتوں کو بری نظر نہ لگ جائے، تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے بطورِ حل ارشاد فرمایا: اپنے کھیتوں کے درمیان عصا پر کھوپڑی لگادیا کرو، تاکہ بری نظر نہ لگے۔

نوٹ: بعض لوگ نظرِ بد کا اصلاً انکار کرے اور اسے فرسودہ نظریات اور دقیانوسی باقیات گردانتے ہیں، لیکن یاد رکھیئے کہ جب قرآن وسنت کسی چیز کی حقانیت کو ثابت کردیں تو اُس کی حقیقت کا عقلی اور منطقی بنیادوں پر نہ سمجھ پانا، ہماری کم فہمی اور عقل کی نارسائی ہے، لہٰذا اس کوتاہ فہمی کی بنیاد پر مدلولِ قرآن وسنت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

امام ابوداؤد سجستانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "کتاب المراسیل" میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے سے مروی روایت لائے:

أخبرني أبي، أنه سمع عمر بن علي بن حسين، وعبداللہ بن عنبسة، يذكران الجماجم التي تجعل في الزرع، فقال: عمر بن علي بن حسين: إن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم إنما أمر بذلک من أجل العين۔

ترجمہ: مجھے میرے والد نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت عمر بن علی بن حسین اور عبد اللہ بن عنبسہ کو کھیتوں میں رکھی جانے والی "جماجم" کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا۔ اُس گفتگو کے دوران حضرت عمر بن علی بن حسین نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے بُری نظر سے بچنے کے لئے ان کا حکم ارشاد فرمایا تھا۔[1]

اسی "کتاب المراسیل" میں دوسری سند سے تفصیلی روایت نقل کرتے ہوئے لکھا:

عن علي بن عمر بن علي عن أبيه، عن جده، قال: قدم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم المدينة فقال: يا معشر قريش، إنكم تحبون الماشية، فأقلوا منها، فإنكم أقل الأرض مطرا، واحترثوا فإن الحرث مبارک، وأكثروا فيه من الجماجم۔

ترجمہ: جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو فرمایا: اے گروہِ قریش! تم بھیڑ بکریوں کو خوب محبوب رکھتے ہو، لیکن اس میں کمی کرو، کیونکہ تم اس زمین میں بستے ہو جو بہت زیادہ بارانی نہیں، البتہ کھیتی باڑی کیا کرو، کہ کھیتی بڑی برکت والی چیز ہے اور اُن کھیتوں میں "جماجم" کی کثرت کرو۔[2]

ہم نے دونوں روایت کے تراجم میں "جماجم" کا لفظ حسبِ عبارتِ عربیہ برقرار رکھا، کیونکہ لغاتِ حدیث میں اس کے دو معنی بیان ہوئے ہیں اور دونوں معنی منطبق ہوسکتے ہیں:

ا۔ کھوپڑی: یہ معنی "المنجد"، "مصباح اللغات" اور "النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر" میں مذکور ہے۔

---

[1] (کتاب المراسیل لابی داؤد، ص ۳۶۳، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

[2] (کتاب المراسیل لابی داؤد، ص ۳۶۳، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

۲۔ ہل کا پھال: یعنی جس کے ذریعے زمین کو کاشت کے لئے نرم کیا جاتا ہے۔ اسے انگلش میں "Ploughshare" بھی کہتے ہیں۔

ماہرینِ لغاتِ حدیث علامہ ابنِ اثیر جزری شافعی اور علامہ طاہر پٹنی گجراتی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے یہ معنی بیان کیا ہے۔ ان کی عبارات کو بالترتیب ان حوالہ جات میں پڑھا جاسکتا ہے:

النہایۃفی غریب الحدیث و الاثر، ج ۱، ص ۲۸۹، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

مجمع بحار الانوار، ج ۱، ص ۳۹۳، مطبوعہ: مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ

فقیہ النفس امام قاضی خان اوز جندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

لا بأس بوضع الجماجم في الزرع و المبطخة لدفع ضرر العين لأن العين حق تصيب المال و الآدمي و الحيوان ويظهر أثره في ذلك عرف ذلك بالآثار و إذا خاف العين كان له أن يضع فيه الجماجم حتى إذا نظر الناظر إلى الزرع يقع بصره أولا على الجماجم لارتفاعها فنظره بعد ذلك إلى الحرث لا يضر لما روي أن امرأة جاءت إلى النبي صلى اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ و اصحابہٖ وسلم وقالت نحن من أهل الحرث وإنا نخاف عليه العين فأمرها النبي صلى اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ و اصحابہٖ وسلم أن تجعل فيه الجماجم۔

ترجمہ: عام کھیتوں یا خربوزے کے فالیز میں نظرِ بد سے حفاظت کے لئے کھوپڑیاں لگانے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ نظر لگنا برحق ہے، جو کہ مال ومتاع، انسان اور جانوروں سب کو لگ جاتی ہے اور ان چیزوں میں نظر کا اثر ظاہر ہونا علامات سے معلوم ہوتا ہے۔ جب کسی کسان کو نظرِ بد لگنے کا اندیشہ ہو تو اُسے لکڑی پر کھوپڑی یا ہل کا پھال لگا کر کھڑا کرنے کی اجازت ہے، تاکہ جب دیکھنے والا کھیت کو دیکھے تو اولاً اُس کی نگاہ کھوپڑیوں کے بلند ہونے کی وجہ سے اُن پر پڑے اور پھر کھیت پر پڑے، تو یہ نظر ان شاء اللہ تعالیٰ ضرر رساں نہ ہوگی، کیونکہ مروی ہے کہ ایک عورت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: ہم دیہاتی اور کسان لوگ ہیں، ہمیں اپنے کھیت کی بہاروں کو نظر لگنے کا خوف رہتا ہے، تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اُس عورت کو حکم ارشاد فرمایا کہ وہ کھیت میں "کھوپڑیاں" یا "ہل کا پھال" نصب کرے۔[1]

علامہ ابن عابدین شامی دمشقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "الفتاویٰ الخانیۃ" کے اسی جزئیہ کو برقرار رکھا ہے۔[2]

اسی طرح بچوں کو بھی نظرِ بد سے حفاظت کے لئے ٹھوڑی پر ٹیکہ یعنی سرمے کا نشان لگایا جاتا ہے وہ بھی اَثرِ عثمانی سے ثابت ہے۔

---

[1] (فتاویٰ قاضی خان، ج۳، ص ۳۳۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

[2] (رد المحتار مع در مختار، ج ۲۱، کتاب الحظر و الاباحۃ، ص ۴۱۸، مطبوعہ: دمشق)

چنانچہ نور الدین علامہ علی قاری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا:

رُوِيَ أَنَّ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ رَأَى صَبِيًّا مَلِيحًا فَقَالَ: دَسِّمُوا نُونَتَهُ كَيْلَا تُصِيبَهُ الْعَيْنُ، وَمَعْنَى دَسِّمُوا: سَوِّدُوا، وَالنُّونَةُ النَّقْرَةُ الَّتِي تَكُونُ فِي ذَقَنِ الصَّبِيِّ الصَّغِيرِ۔

ترجمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی خوبصورت بچے کو دیکھا تو اُس کے اہلِ خانہ سے فرمایا: اس کی ٹھوڑی پر سیاہ نقطہ لگا دو، تاکہ اسے کسی کی بری نظر نہ لگے۔ "دَسِّمُوا" کا معنی ہے "سیاہ کردو" اور "النُّونَةُ" سے مراد چھوٹا سا نشان ہے، جو چھوٹے بچے کی ٹھوڑی پر ہوتا ہے۔[1]

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا:

"بعض کاشت کار اپنے کھیتوں میں کپڑا لپیٹ کر کسی لکڑی پر لگا دیتے ہیں، اس سے مقصود نظرِ بد سے کھیتوں کو بچانا ہوتا ہے، کیونکہ دیکھنے والے کی نظر پہلے اُس پر پڑے گی، اس کے بعد زراعت پر پڑے گی اور اُس صورت میں زراعت کو نظر نہیں لگے گی، ایسا کرنا ناجائز نہیں کیونکہ نظر کا لگنا صحیح ہے، احادیث سے ثابت ہے، اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا"۔[2]

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم

(۱۲۳) مسئلہ نمبر ایک سو تیئس: عالم کیلئے اونچی جگہ پر (جیسا کہ کرسی) بیٹھنا سنت ہے

وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ كَانَ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - يَوْمًا بَارِزًا لِلنَّاسِ، وَفِي أُخْرَى لِأَبِي دَاوُدَ كَانَ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - يَجْلِسُ بَيْنَ أَصْحَابِهِ فَيَجِيءُ الْغَرِيبُ فَلَا يَدْرِي أَيُّهُمْ هُوَ حَتَّى يَسْأَلَ فَطَلَبْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَنْ يَجْعَلَ لَنَا مَجْلِسًا يَعْرِفُهُ الْغَرِيبُ إِذَا أَتَاهُ قَالَ: فَبَنَيْنَا لَهُ دُكَّانًا أَيْ: دِكَّةً مِنْ طِينٍ يَجْلِسُ عَلَيْهِ، وَكُنَّا نَجْلِسُ بِجَنْبِهِ، وَاسْتَنْبَطَ مِنْهُ الْقُرْطُبِيُّ أَنَّهُ يُسَنُّ لِلْعَالِمِ الْجُلُوسُ بِمَحَلٍّ مُرْتَفِعٍ مُخْتَصٍّ بِهِ إِذَا احْتَاجَ إِلَيْهِ لِلتَّعْظِيمِ، وَنَحْوِهِ۔[3]

اتخاذ رسول الله صلى الله عليه وسلم الكرسي

ذكر الدارقطني في العلل، من حديث علي، قال: كنت آتي رسول الله صلى الله عليه وسلم كل غداة؛ إذا تنحنح دخلت، وإذا سكت لم أدخل قال: فخرج إليّ فقال: حدث البارحة أمر سمعت خشخشة في الدار، وذكر قصة فيها، فإذا بجرو للحسن تحت كرسي لنا، وفي المشرع الروي: الكرسي هو الذي يجلس عليه، وقيل لا يفضل عن مقعد القاعد.

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح، ج۸، کتاب الطب والرقی، ص ۳۶۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

[2] (بہار شریعت، ج۳، حصہ ۱۶، ص ۴۲۰، مطبوعہ مکتبۃ المدینۃ)

[3] (مرقاۃ المفاتیح ص ۵۰ مکتبۃ امدادیۃ)

ذكر جلوس النبي صلى الله عليه وسلم على الكرسي

في صحيح مسلم[1] وسنن النسائي والنص لمسلم: عن حميد بن هلال قال: قال أبو رفاعة العدوي: إنتهيت إلى النبي صلى الله عليه وسلم وهو يخطب، فقلت: يا رسول الله رجل غريب يسأل عن دينه، لا يدري ما دينه. قال: فأقبل عليّ رسول الله صلى الله عليه وسلم، وترك خطبته حتى انتهى إلي فأتى بكرسي حسبت قوائمه حديدا قال: فقعد عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم، وجعل يعلمني مما علمه الله، ثم أتى خطبته فأتم آخرها.

الحديث المذكور أغفله السيوطي في الجمع، والهندي في الكنز فاقتصرا على عزوه للطبراني في الكبير، وأبي نعيم، مع أنه كما علمت في مسلم، وأخرجه البخاري في الأدب المفرد، وفيه جلوسه صلى الله عليه وسلم على كرسي قوائمه من حديد، حتى في المسجد والناس ينظرون، ففيه جواز ذلك، وأنه لا يعد مذموما، وقد قربت مرة إلى رجل من الصالحين كرسيا لجلوسه، فأبى ورأى أنه من التشبه المذموم. وقد ترجم البخاري في الأدب المفرد باب الجلوس على السرير. فذكر قصة جلوس معاوية على سرير، وقول أبي قرة: جلست مع ابن عباس على السرير. وقول أبي جمرة: كنت أقعد مع ابن عباس فكان يقعدني على سريره. فقال لي: أقم عندي حتى أجعل لك سهما من مالي فأقمت عنده شهرين، وقصة جلوس أنس مع أمير البصرة الحكم على سرير، وقصة أبي رفاعة العدوي السابقة عن مسلم، وفيها فأتى بكرسي خلت قوائمه من حديد. قال حميد: ولكن: زاد أراه خشبا أسودّ حسبته حديدا، فقعد عليه. وعن موسي بن دهقان قال: رأيت ابن عمر جالسا على سرير عروس عليه ثياب حمر. وعن عمران بن مسلم قال: رأيت أنسا جالسا على سرير واضعا إحدى رجليه على الآخرى والله أعلم.

وقد ذكر المبرد في الكامل في قصة حبس عمر بن الخطاب للحطيئة على هجوه للزبرقان قال: إن عمر دعا بكرسي فجلس عليه، ودعا بالحطيئة فأجلس بين يديه، ودعا بالة القطع يوهمه أنه عامل على قطع لسانه الخ القصة، وفي سنن النسائي عن عبد خير قال: شهدت عليا دعا بكرسي فقعد عليه، ثم دعا بماء في تور فغسل يديه ثلاثا الخ القصة۔[2]

وفي تاريخ الوزير جودت باشا التركي نقلا عن تاريخ واصف أفندي التركي، أن سيدنا يوسف عليه السلام، كان يجري الأحكام وهو جالس على كرسيه، وأن سيدنا سليمان عليه السلام كان ينفذ الأحكام أيضا، وهو على كرسي مرتفع، وأن سيدنا معاوية إتخذ لنفسه دائرة خصوصية، كان يجلس فيها على كرسي مثل التخت، ويجري الأحكام اه۔

وأخرج أبو نعيم في الحلية، عن يحيى بن أيوب، عن الكناني رسول عمر إلى هرقل، وكان يقال له جثامة بن مساحق بن الربيع بن قيس الكناني قال: جلست فلم أدر ما تحتي، فإذا تحتي كرسي من ذهب، فلما رأيته نزلت عنه،

---

[1] (في الجزء الأول كتاب الجمعة باب 15 ص 597)

[2] (هو في البخاري كتاب الوضوء باب 45، 46. ج 1 ص 57، 58)

فضحک فقال لي: نزلت عن هذا الذي أكرمناک به؟ فقلت: إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهى عن مثل هذا- انظر ترجمة جثامة بن مساحق من فضائل الصحابة من كنز العمال.

فانظر كيف جلس على الكرسي أولا ثم نزل عنه، لا لأنه كرسي بل لما رآه من ذهب، فلو وجده من غيره مما يباح إستعماله لاسترسل جالسا عليه. والله أعلم۔[1]

(۱۲۴)مسئلہ نمبر ایک سو چوبیس: قربانی کی اہمیت کے بیان میں

قربانی قدیم ترین شعائر دین میں سے ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لیے اس عمل قربانی کو اپنے تقرب کا ذریعہ بنایا، جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا (الحج ۳۴)

اور ہر امت کے لیے ہم نے ایک قربانی مقرر فرمائی۔

بہر حال قربانی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے ایک بہترین عمل ہے، اس کا ثبوت قرآن مجید کے قطعی دلائل، احادیث متواترہ اور امت مسلمہ کے مسلسل عملی تواتر سے ہے۔

قال العلامة ظفر احمد العثمانی: ولنا ان النبی ﷺ ضحی و الخلفاء بعده، ولو علموا ان الصدقة افضل لعدلوا اليها، قال ابن عمر: ضحی رسول الله ﷺ و المسلمون من بعده، و جرت به السنة، رواه ابن ماجة (۲۳۲) و سنده حسن، و صح عنه ﷺ انه قال: "من كان له سعة و لم یضح فلا يقربن مصلانا" و قال الله تعالیٰ: وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ (الحج ۳۴) و فی كل ذلک اشعار بكون الاضحية من شعائر الله و الاسلام۔[2]

قرآن و حدیث اور قربانی

فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ (الكوثر ۲)

تو تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔

رئیس المفسرین حضرت ابن عباس، حسن بصری، مجاہد اور عکرمہ تابعی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ای فاذبح یوم النحر کہ آپ عید کے دن قربانی کیجیے۔

عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما فی قوله وانحر قال يقول: فاذبح يوم النحر۔[3]

---

[1] (التراتيب الإدارية، ج ۱، ص ۱۸۹)

[2] (اعلاء السنن، ج ۱۷، ص ۲۸۲، ط: ادارة القرآن)

[3] (السنن الکبریٰ للبیهقی، ج ۹، ص ۲۵۹، ط: ادارۂ تالیفات)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی "وانحر" سے اونٹ وغیرہ کی قربانی مراد لی ہے اور اس تفسیر کو ابن عباس، عطاء، حسن بصری، قتادہ، ضحاک اور دوسرے بہت سے سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے۔

قال العلامة ابن كثير رحمة الله تعالىٰ عليه تحت قوله تعالىٰ (وانحر)۔

وانحر على اسمه وحده لا شريك له كما قال تعالى: {قُلْ إِنَّ صَلاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ * لا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ} قال ابن عباس وعطاء ومجاهد وعكرمة والحسن: يعني بذلك نحر البدن ونحوها, وكذا قال قتادة ومحمد بن كعب القرظي والضحاك والربيع وعطاء الخراساني والحكم وإسماعيل بن أبي خالد وغير واحد من السلف۔[1]

تنبیہ: "وانحر" سے سینہ پر ہاتھ باندھنا مراد لینا غلط ہے اور اس سلسلے میں جتنی روایات ہیں سب ضعیف اور کمزور ہیں۔

لَنْ يَنَالَ اللهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج ۳۷)

اللہ کو ہرگز نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں نہ اُن کے خون ہاں تمہاری پرہیزگاری اس تک باریاب ہوتی ہے۔

قربانی کے متعلق احادیث

عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ما عمل ابن آدم من عمل يوم النحر أحب إلى الله من إهراق الدم وإنه ليؤتى يوم القيامة بقرونها وأشعارها وأظلافها وإن الدم ليقع من الله بمكان قبل أن يقع بالأرض فيطيبوا بها نفسا". رواه الترمذي وابن ماجه۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قربانی کے دن قربانی سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ لایا جائے گا اور ذبح کرتے وقت کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہو جاتا ہے تو خوب خوشی سے اور دل کھول کر قربانی کیا کرو۔[2]

عن زيد بن أرقم قال: قال أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا رسول الله ما هذه الأضاحي؟ قال: "سنة أبيكم إبراهيم عليه السلام" قالوا: فما لنا فيها يا رسول الله؟ قال: "بكل شعرة حسنة". قالوا: فالصوف يا رسول الله؟ قال: "بكل شعرة من الصوف حسنة" رواه أحمد وابن ماجه۔

(۲) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ان قربانیوں کی کیا حقیقت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تمہارے والد (جدِ امجد) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی: ہمارے لیے اس میں کیا (فائدہ) ہے یا رسول اللہ ﷺ؟ آپ ﷺ

---

[1] (تفسیر ابن کثیر، ج۴، ص ۵۵۸، ط: قدیمی)

[2] (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۱۲۸، ط: قدیمی)

نے فرمایا کہ (قربانی کے جانور کے) ہر ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم! پھر اون کا کیا حکم ہے؟ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا: اون کے ہر بال (ریشے) کے بدلے میں بھی ایک نیکی ہے۔[1]

عن أنس: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم انكفأ إلى كبشين أقرنين أملحين فذبحهما بيده۔

(۳) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اپنے دستِ مبارک سے مدینہ طیبہ میں مینڈھوں کی قربانی کی۔[2]

حدثني جندب بن سفيان قال شهدت الاضحى مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فلم يعد ان صلى وفرغ من صلاته سلم فإذا هو يرى لحم اضاحى قد ذبحت قبل ان يفرغ من صلاته فقال من كان ذبح اضحيته قبل ان يصلي أو نصلي فليذبح مكانها اخرى ومن كان لم يذبح فليذبح باسم الله۔

(۴) حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے مدینہ میں ہمیں عید کی نماز پڑھائی، آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ بعض لوگوں نے نماز عید سے قبل ہی قربانی کرلی ہے، آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ تمہیں دوبارہ قربانی کرنا ہو گی۔[3]

عن ابن عمر قال: اقام رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة عشر سنين يضحي قال ابو عيسى هذا حديث حسن۔

(۵) حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے پورے دس سال مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا اور بلاناغہ ہر سال قربانی کرتے رہے۔[4]

امت مسلمہ کا عمل اور قربانی

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے ماننے والے، امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے متبعین، امام اوزاعی، سفیان ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ حضرات کے نزدیک قربانی ہر مالدار مسلمان پر واجب ہے۔

قال العلامة العينى رحمة الله تعالىٰ: فعن هذا قال أبو حنيفة بوجوب الأضحية وبه قال محمد وزفر والحسن وأبو يوسف في رواية وهو قول مالك والليث وربيعة والثوري والأوزاعي وعن أبي يوسف إنها سنة وبه قال الشافعي

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۱۲۹، ط:قدیمی)

[2] (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۸۳۳، ط:قدیمی)

[3] (مسلم، ج ۲، ص ۱۵۳، ط:قدیمی)

[4] (ترمذی، ج ۱، ص ۲۷۷، ط:سعید)

وأحمد وهو قول أكثر أهل العلم وذكر الطحاوي إن على قول أبي حنيفة واجبة وعلى قول أبي يوسف ومحمد سنة مؤكدة۔[1]

ذهب أبو حنيفة ومالک والثوري إلى أن الأضحية واجبة على الموسر لقوله تعالى: {فصل لربک وانحر} وذهب الجمهور إلى أنها سنة مؤكدة. والأولى عدم تركها لمن قدر عليها لأن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من كان له سعة ولم يضحِ فلا يقربن مصلانا"۔[2]

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

بعض لوگ یہ سمجھتے اور کہتے ہیں کہ قوم کا اتنا روپیہ جو تین دن میں جانوروں کے ذبح پر ہر سال فضول اور بے جا خرچ ہو جاتا ہے اس کا کوئی مفاد نظر نہیں آتا اگر یہی پیسہ رفاہی اور قومی مفادات پر لگایا جائے تو بہت فائدہ ہو گا اور غرباء و مساکین اپنی ضرورت اور حاجت کے مطابق ان رقوم کو جہاں چاہیں گے لگا دیں گے اور مال دینے والا بھی صدقہ کے ثواب سے محروم نہیں رہے گا؟

جواب: (۱) اس دنیا میں جیسے جسمانی صحت کے لیے مختلف غذاؤں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہر غذا کی اپنی جگہ ایک خاصیت ہے، جیسے مختلف کھانے اور انواع واقسام کے پھل وغیرہ، اب اگر کوئی شخص روٹی کی جگہ صرف پانی پر ہی گزارا کرے تو اس کی غذائی ضرورت ہرگز پوری نہ ہو سکے گی بلکہ پانی اپنی جگہ ضروری ہے اور اس کی اپنی تاثیر و خاصیت ہے اور روٹی کے اپنے فوائد ہیں، اسی طرح روحانی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ نے مختلف غذائیں مقرر کی ہیں، مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوۃ، قربانی، ان میں سے ہر عمل کی اپنی جگہ فرضیت خاصیت اور ثواب ہے اور ہر عبادت کے الگ الگ مواقع ہیں، اب اگر کوئی شخص روزہ کی جگہ نماز ہی پڑھے تو نماز کا فائدہ ہو گا لیکن روزے کا نہیں، اسی طرح "اراقہ" (قربانی کرنا) جدا حیثیت رکھتا ہے اور صدقہ جدا حیثیت، اگر کوئی شخص قربانی کے دنوں میں قربانی نہ کرے اور سارا مال صدقہ کر دے تو اس کو صدقہ کا ثواب تو ملے گا لیکن قربانی کے فضائل سے محروم ہی رہے گا اور قربانی کے عظیم عمل کے فوائد اور روحانیت اسے ہرگز حاصل نہ ہو گی۔

(۲) شکل کے بدلنے سے اثرات اور روح بدلتی ہے، مثلاً اونٹ اور بکری کی روح الگ ہے اور گدھے اور کتے کی الگ، اب جو بکری ہے وہ گدھے کی طرح آواز نہیں نکالے گی بلکہ بکری ہی کی طرح آواز نکالے گی اور اگر شکل و صورت بدل جائے گی تو اس کی روح بھی بدل جائے گی، جیسے گائے ہے تو وہ گائے ہی کی آواز نکالے گی نہ کہ گدھے اور بکری کی، ایسے ہی ہر عبادت کی ایک شکل ہے اور ایک اس کی روح ہے، روح تب ہی حاصل ہو گی جب شکل اس عبادت کی ہو گی، مثلاً اگر ہم صدقہ کریں گے تو

---

[1] (عمدۃ القاری، ص ۳۰۵، ط: دار الاحیاء التراث)

[2] (تیسیر العلام شرح عمدۃ الأحکام، ج ۱، ص ۲۵۲، ط: قاہرۃ)

صدقہ کی روحانیت حاصل ہوگی اور نماز پڑھیں گے تو اس کی الگ روحانیت ہے، بالکل اسی طرح قربانی کی شکل کو قائم کر کے قربانی کی روحانیت حاصل ہوگی، یعنی اگر قربانی کے ایام میں سارا مال صدقہ کر دیا جائے تو بھی قربانی کے فوائد و ثمرات اور فضائل سے ہم یکسر محروم ہی رہ جائیں گے اور ادنیٰ قربانی کے برابر بھی ہمیں ثواب حاصل نہ ہو سکے گا۔

(۳) جس طرح ہر دوا میں ایک خاص تاثیر ہوتی ہے اور وہ دوا مخصوص امراض کے خاتمے کی صلاحیت رکھتی ہے نہ کہ ہر مرض کی، جیسے سر درد کے لیے لی جانے والی گولی سے سر کا درد ہی ختم ہو سکے گا نہ کہ پیٹ کا درد، اسی طرح ہر عبادت کے بھی اپنے فوائد و ثمرات ہیں اور ہر عبادت مخصوص رزائل اور برائیوں کو ختم کرتی ہے، جیسے صدقہ سے آدمی کے اندر سخاوت کی صفت پیدا ہوتی ہے اور بخل زائل ہو جاتا ہے یوں ہی قربانی سے اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کے لیے قربان کرنے، بہادری اور شجاعت کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے اور بزدلی، نفس اور خواہشات کی محبت ختم ہوتی ہے، جو کہ سارا مال صدقہ کر دینے سے حاصل نہیں ہوتی۔

پس ثابت ہوا کہ قربانی اپنی جگہ ایک عظیم عمل ہے اور صدقہ اپنی جگہ۔ ایام قربانی میں اس قربانی سے بڑھ کر کوئی ثواب والا عمل نہیں، اور جس طرح ہمیں نماز کی روحانیت کی ضرورت ہے اسی طرح قربانی کی روحانیت کی بھی ضرورت ہے۔

قال العلامة ظفر احمد العثمانی: و لنا ان النبی ﷺ ضحی و الخلفاء بعده، و لو علموا ان الصدقة افضل لعدلوا الیها، قال ابن عمر: ضحی رسول اللہ ﷺ و المسلمون من بعده، و جرت به السنة، رواه ابن ماجة (۲۳۲) و سنده حسن، و صح عنه ﷺ انه قال: ”من کان له سعة و لم یضح فلا یقربن مصلانا“ و قال تعالیٰ و لکل امة جعلنا منسکا لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقهم من بهیمة الانعام و فی کل ذلک اشعار بکون الاضحیة من شعائر اللہ و الاسلام۔[1]

(قربانی کے فضائل و مسائل، ص ۷ تا ۱۲)

(۱۲۵) مسئلہ نمبر ایک سو پچیس: قربانی کے تفصیلی احکام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قربانی کے فضائل

قربانی کا بڑا ثواب ہے۔

---

[1] (اعلاء السنن، ج ۱۷، ص ۲۸۲، ط: ادارۃ القرآن)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

عن عائشه قالت قال رسول الله ﷺ ماعَمِلَ ابْن آدم من عملٍ یوم النحر احب اِلی الله من اهراق الدم و انه لیاتی یوم القیامة بقوتها و اشعارها و اظلافها و ان الدم لیقع من الله بمکان قبل ان یقع بالارض فطیبوا بها نفسا (رواه الترمذی و ابن ماجه)

ترجمہ: کہ قربانی کے دنوں میں قربانی سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ ان دنوں میں یہ نیک کام سب نیکیوں سے بڑھ کر ہے اور قربانی کرتے وقت خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے تو زمین تک پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے پاس مقبول ہو جاتا ہے، تو خوب خوشی سے اور خوب دل کھول کر قربانی کیا کرو۔

وعن زید بن ارقم رضی اللہ عنہ قال قال اصحاب رسول الله ﷺ یا رسول الله ما هذه الاضاحی قال سنة ابیکم ابراهیم علیه السلام قالوا فما لنا فیها یا رسول الله ﷺ قال بکل شعرة حسنة قالوا افا الصوف یا رسول الله ﷺ قال بکل شعرة من الصوف حسنة۔ (رواه احمد و ابن ماجه)

اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ قربانی کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں، ہر ہر بال کے بدلے میں ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

سبحان اللہ بھلا سوچو تو کہ اس سے بڑھ کر اور کیا ثواب ہو گا کہ ایک قربانی کرنے سے ہزاروں لاکھوں نیکیاں مل جاتی ہیں۔ بھیڑ کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں اگر کوئی صبح سے شام تک گنے تب بھی نہ گن پاوے، پس سوچو تو کتنی نیکیاں ہوئیں۔ بڑی دینداری کی بات تو یہ ہے کہ اگر کسی پر قربانی کرنا واجب بھی نہ ہو تب بھی اتنے بے حساب ثواب کی لالچ سے قربانی کر دینی چاہیئے۔ جب یہ دن چلے جائیں گے تو یہ دولت کہاں نصیب ہو گی اور اتنی آسانی سے اتنی نیکیاں کیسے کما سکیں گے اور اگر اللہ تعالیٰ نے مالدار اور امیر بنایا ہو تو مناسب ہے کہ جہاں اپنی طرف سے قربانی کرے جو رشتہ دار مر گئے ہیں جیسے ماں باپ وغیرہ ان کی طرف سے بھی قربانی کر دے کہ ان کی روح کو اتنا بڑا ثواب پہنچ جائے۔ حضرت محمد ﷺ کی طرف سے آپ کی بیبیوں کی طرف سے اپنے پیر و مرشد وغیرہ کی طرف سے کر دے اور نہیں تو کم از کم اتنا تو ضرور کرے کہ اپنی طرف سے قربانی کر دے کیونکہ مالدار پر تو واجب ہے۔ اور غریب کے لئے غنیمت کا موقع۔

باوجود وسعت کے قربانی نہ کرنا بہت بڑی بدنصیبی ہے

جس کے پاس مال و دولت سب کچھ موجود ہے اور قربانی کرنا اس پر واجب ہے پھر بھی اس نے قربانی نہ کی اس سے بڑھ کر بدنصیب اور محروم اور کون ہو گا۔ اور ایسے شخص کے بارے میں جناب نبی کریم ﷺ سے سخت وعید منقول ہے۔

مسائل متفرقہ کے بیان میں

حدیث میں ہے:

من وجد سعةً ولم یضح فلا یقربن مصّلانا۔

یعنی جو شخص باوجود وسعت کے قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ جائے۔[1]

قربانی کے وجوب کی شرائط

بدائع والصنائع میں ہے:

(۱) (واما شرائط وجوبها) فمنها الاسلام فلا تجب علی الکافر ولا یشترط وجود الاسلام فی جمیع الوقت من اولہٖ الیٰ آخرہٖ لو کان کافراً فی اول الوقت ثم اسلم فی آخرہ تجب علیه لان وقت الوجب یفضل عن اداء الواجب فیکضی فی وجوبها بقاء جزء من الوقت کالصّلاۃ۔

(۲) ومنها الحریة فلا تجب علی العبد ولا یشترط ان یکون حرا من اول الوقت الی آخرہ بل یکتفی بالحریة فی آخر جزء من الوقت حتی لو اعتق فی آخر الوقت وملک نصابا تجب علیه الاضحیة۔ لما قلنا فی شرط الاسلام

(۳) ومنها الاقامة فلا تجب علی المسافر وذکر فی الاصل وقال ولا تجب الاضحیة علی الحاج واراد بلحاج المسافر فاما اهل مکه فتجب علیم الاضحیة وان حجوا لما روی نافع عن اب سیدنا عمر رضی اللّٰہ عنهما انه کان یخلف لم لم یحج من اهله اثمان الضحایا لیضحوا عنه تطوعاً ویحتمل انه لیضحوا عن انفسهم لا عنه فلا یثبت الوجوب مع الاحتمال ولا تشترط الاقامة فی جمیع الوقت حتیٰ لو کان مسافراً فی اول الوقت ثم اقام فی آخرہ تجب علیه لما بینا فی شرف الحریة والاسلام ولو کان مقیماً فی اول الوقت ثم مسافر فی آخرہٖ لا تجب علیه لما ذکرنا۔ هذا اذا سافر قبل ان یشتری اضحیة فان اشتری شاة للاضحیة ثم سافر ذکر فی المنتقی ان له بیعها ولا یضحی بها، وهکذا روی عن محمد رحمه اللّٰہ تعالیٰ انه یبعها من المشائخ من فصل بین الموسر والمعسر فقال ان کان موسرا فالجواب کک لانه ما اوجب بهذا الشراء شیئاً علیٰ نفسهٖ وانما قصد به اسقاط الواجب عن نفسهٖ فاذا سافر تبین انه لا وجوب علیه فکان له ان یبیعها کما لو شرع فی العبادة علی ظن انها علیه ثم تبین انها لیست علیه لا یلزمه الاتمام، وان کان معسراً ینبغی ان یجب علیه ولا تسقط عنه بالسفر لان هذا یجاب من الفقیر بمنزلة النذر فلا یسقط بالسفر کما لو شرع فی التطوع انه یلزمه الاتمام والفضاء بالافساد کذا ههنا، وان سافر بعد دخول الوقت قالوا ینبغی ان یکون الواجب کک لما ذکرنا۔

(۴) ومها الغنی وهو نصاب صدقة الفطر وقد ذکرنا۔

ترجمہ: قربانی کے وجوب کے لئے متعدد شرائط ہیں۔ ایک ان میں سے اسلام ہے لہٰذا کافر پر واجب نہیں اور وجودِ اسلام قربانی کے تمام وقت من اولہٖ الیٰ آخرہٖ میں شرط نہیں حتیٰ کہ اگر کوئی شخص العیاذ باللہ اول وقت اضحیہ میں کافر تھا اور آخر وقت

[1] (ہدایہ ص ۴۴۱، ج ۴)

اضحیہ میں مسلمان ہو گیا تو اس پر قربانی واجب ہو گی، کیونکہ وقت الوجوب اداء الواجب سے متفضل اور فاضل ہوتا ہے اس لئے نماز کی طرح اس کے وجوب کے لئے تمام وقت کے ایک جز کا بقا کافی ہے اور دوسری شرط حُریۃ ہے اس لئے قربانی غلام پر واجب نہیں ہے اور تمام وقت میں من اولہٖ الی آخرہٖ وجود حریہ شرط نہیں بلکہ وقت کے آخری جز میں جب حریۃ آجائے تو یہ وجوب کے لئے کافی ہو گی، حتیٰ کہ اگر کوئی غلام وقت کے آخر میں آزاد کیا گیا اور وہ مالک نصاب ہو گیا تو اس پر قربانی واجب ہو گی اور اس شرط کا حال شرط اول جیسا ہے۔

اور تیسری شرط اقامۃ ہے لہٰذا مسافر پر قربانی واجب نہیں اور حاجی مسافر پر بھی قربانی واجب نہیں ہاں، اہل مکہ پر واجب ہے اگرچہ وہ محرمین بالحج ہوں کیونکہ جناب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ حج کو جاتے وقت ضحایا کے اثمان کو چھوڑ دیا کرتے تاکہ باقی ماندہ لوگ احسان کر کے اس کی طرف سے قربانی کر دیں مگر یہاں یہ احتمال ہے کہ جائز ہے کہ مراد یہ ہو کہ وہ اپنی طرف سے کر دے آپ کی طرف سے نہیں اور احتمال کیساتھ وجوب ثابت نہیں ہو سکتا ہے اور شرط اقامۃ کا جود بھی تمام وقت میں ضروری نہیں ہے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص وقت کے آخر میں مقیم ہوا تو اس پر قربانی واجب ہو گی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے شرف الحریہ اور شرف الاسلام میں ذکر کی ہے۔ اور اگر کوئی شخص اول وقت میں مقیم اور وقت کے آخر میں مسافر ہو گیا تو اس پر قربانی واجب نہ ہو گی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی مگر یہ اس وقت ہے کہ قربانی کے جانور خریدنے سے پہلے سفر کیا ہو اور اگر قربانی کے لئے جانور خریدا ہوا ہو اور پھر سفر کیا ہو تو منتقی میں ہے کہ اس صورت میں اس کے لئے یہ جائز ہے کہ قربانیے جانور کو بیچ ڈالے اور اس پر قربانی نہ کر دے اور امام محمدؒ نے بھی جواز بیع کا قول کیا ہے اور بعض مشائخ موسر اور معسر کے درمیان فرق کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ صورتِ مذکورہ میں اگر قربانی دکرنے والا موسر ہے غنی ہے تو جواب حسب سابق ہے کیونکہ موسر نے اس خریدار سے اپنے آپ پر کسی چیز کو واجب نہ ٹھہرایا ہے بلکہ اپنے ذمہ کے فراغ کا قصد اور ارادہ کیا ہے لہٰذا جب اس نے سفر شروع کیا تو ظاہر ہوا کہ اس پر قربانی واجب نہیں ہے اس لئے اس کو بیع کی اجازت ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی عبادت کو اس خیال سے شروع کرتا ہے کہ یہ میرے اوپر واجب ہے اور پھر ظاہر ہوتا ہے کہ اس عبادت کا اس پر وجوب نہیں ہے تو اس پر اتمام لازم نہ آتا ہے اور اگر مضحی معسر تھا تو مناسب یہ ہے کہ قربانی اس پر واجب ہو اور سر سے ساقط نہ ہو کیونکہ یہ بمنزلہ نذر کے فقیر کی طرف سے ایجاب ہے پس سفر سے ساقط نہ ہو گی جیسا کہ کوئی شخص نفل شروع کرے تو اس پر اس کا اتمام اوف افساد کی صورف میں قضا لازمہو تا ہے تو یہاں پر بھی س جیسا حکم ہے اور اگر وقت کے داخل ہونے کے بعد سفر شروع کیا ہو تو یہ

حضرات فرمارہے ہیں کہ مناسب یہی ہے کہ پھر بھی جواب جوابِ مذکورہ کی طرح ہو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دیا۔

اور چوتھی شرط غنا ہے۔ اور غناء کی حد صدقۃ الفطر کا نصاب ہے اور اس کو ہم نے ذکر کر دیا ہے۔[1]

قربانی کب واجب ہوتی ہے

شرح التنویر میں ہے:

وسببها الوقت وهو ایام النحر وقیل الرّأس وقدمه فی التتارخانیه۔

قربانی کے وجوب کا سبب وقت ہے اور یہ ایام النحر ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ رأس ہے اور اسکی کو تتارخانیہ میں مقدم کیا ہے۔[2]

اور ردّالمحتار میں ہے:

وذکر فی النهایة ان سبب وجوب الاضحیه ووصف القدره فیها بانها ممکنه او میسره لم یذکر لافی اصول الفقهه ولافی فوعہ ثم حقق ان السبب هو الوقت لان السبب انما یعرف بنسبة الحکم الیه وتعلقه به اذ الاصل فی اضافة الشیء الی الشیء ان یکون سبباً وکذا اذا لازمه فتکرر بتکرره وقد تکرر وجوب الاضحیه بتکرر الوقت وهو ظاهر ووجدت الاضافة فانه یقال یوم الاضحی کما یقال یوم الجمعة او العید وان کان الاصل اضافة الحکم الی سببہ کصلاة الظهر لکن قد یعکس کیوم الجمعة والدلیل علی سببیة الوقت امتناع التقدیم علیه کامتناع تقدیم الصلوٰة وانما لم تجب علی الفقیر للفقد الشرط وهو الغنی وان وجد السبب اه وتبعه فی العنایه والمعراج، ص ۲۲۰، ۲۱۹، ج ۵۔

ترجمہ: علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ صاحب نہایہ کہتے ہیں کہ اس سوال کا جواب کہ اضحیہ کا سبب کیا ہے؟ اور یہ کہ اضحیہ کیلئے معتبر قدرت ممکنہ ہے یا میسرہ؟ نہ اصول میں ذکر ہے اور نہ فروع میں پھر اس کے بعد صاحب نہایہ نے یہ محقق کر دیا ہے کہ سبب وقت ہے کیونکہ سبب کا پہچان اس سے ہوتا ہے کہ حکم اس کو منسوب اور اس سے متعلق ہو وجہ یہ ہے کہ اضافۃ الشیء الی الشیء میں قاعدہ یہ ہے کہ مضاف الیہ مضاف کا سبب ہوتا ہے اور اسی طرح سبب کی پہچان اس سے بھی ہوتی ہے کہ حکم کے ساتھ لازم اور مکرر بتکرارہ ہوا اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ قربانی کا تکرر تکرر وقت سے آتا ہے اور اضافت ونسبت بھی موجود ہے چنانچہ کہا جاتا ہے یوم الاضحی جس طرح کہ کہا جاتا ہے یوم الجمعہ ویوم العید اور اگرچہ قاعدہ تو یہ ہے کہ حکم سبب کو مضاف ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے صلاۃ الظہر لیکن کبھی کبھی اس کا عکس آتا ہے جیسا یوم الجمعہ میں اور اضحیہ کیلئے وقت کے سبب ہونے

---

[1] (بدائع والصنائع، ص ۶۳، ۶۴ ج ۵)

[2] (ص ۲۲۰، ۲۱۹ ج ۵)

پر دلیل یہ ہے کہ وقت پر اضحیہ کی تقدیم ممتنع ہے جس طرح کہ نماز کی تقدیم وقت پر ممنوع ہے اور فقیر کی صورت میں اگرچہ سبب موجود ہے مگر شرطِ غنا کے فقدان کی وجہ سے فقیر پر قربانی واجب نہیں ہے۔

قربانی کس پر واجب ہے

ہر وہ مال جو حاجت اور قرضہ سے زائد ہو خواہ نامی ہو یا غیر نامی اور وہ انفراد یا خلط کی صورت میں ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچتا ہو تو ایسا مال جس شخص کے پاس ہو اس پر قربانی واجب ہے اور اس لئے تو حضرت مفتی اعظم دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ جس شخص کے پاس صرف ایک تولہ سونا ہو تو اس پر قربانی واجب ہو گی اور وجوب قربانی کیلئے جس طرح نمو کی شرط نہیں ہے اسی طرح حولان الحول کی بھی نہیں ہے اس اجمال کی بعض تفصیل درج ذیل ہے۔

تفصیل الاجمال

ردّ المحتار ص ۲۱۹، ج ۵ میں ہے:

ولو له عقار يشغله فقيل تلزم لو قيمته نصابا وقيل لو يدخل منه قوت سنة تلزم وقيل قول تهر فمتى فضل نصاب تلزمه۔

یعنی اگر کسی کے پاس غلہ دینے والی زمین تھی جس سے وہ غلہ حاصل کر رہا تھا تو اگر حاصل کردہ غلہ کی قیمت نصاب کو پہنچتی تو قربانی واجب ہو گی اور بعض نے کہا ہے اگر اس زمین سے سال بھر کی خوراک حاصل ہوتی تو قربانی واجب ہو گی اور بعض نے کہا ہے کہ اگر اس سے اس قدر غلہ حاصل ہوتا کہ مہینہ بھر کی خوراک کے علاوہ بقدر نصاب زائد بھی ہوتا تو قربانی واجب ہو گی۔

ردّ المحتار کے جلد ۲ ص ۷۱ کی ایک عبارت سے قول ثانی کی تائید ہو رہی ہے:

سل محمد علیہ الرحمۃ عمن له ارض يزرعها او حانوت يستغلها او دار غلتها ثلثة الاف ولا تكفى لنفقته ونفقة عياله سنة يحل له اخذ الزكوة وان كانت قيمتها تبلغ الوفاً وعليه للفتوىٰ وعندهما لا يحل۔

ترجمہ: امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے پاس کاشتکی زمین ہو اور یا کرایہ کے دکان یا ایسا مکان (گھر) جس کا کرایہ تین ہزار تک ہو مگر یہ اس کے اور اس کے عیال کے سال بھر کے نفقہ کیلئے کافی نہ ہو تو ایسا شخص زکوۃ کا مصرف ہے اگرچہ ان مذکورہ چیزوں کی قیمت ہزاروں کو پہنچتی ہو اور فتویٰ اسی پر ہے اور شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص زکوۃ کا مصرف نہیں ہے۔

وفي رد المحتار وصاحب الثياب الاربعه لو ساوى الرابع نصاباً غنى وثلاثة فلا لان احدهما لا بذلة والاخر للمهنة والثالث للجمع والوفد والاعياد۔

ترجمہ: جس کے پاس چار جوڑے کپڑے ہوں اور چوتھے جوڑے کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہو تو یہ شخص غنی ہو گا اور صرف تین جوڑے ہوں تو غنی نہ ہو گا کیونکہ ان میں سے ایک اس کے روزانہ استعمال اور دوسرا کام کاج اور تیسرا جمعہ اور سلاطین و امراء کے پاس جانے اور عیدین کے لئے ہے۔[1]

والمرٔۃ موسرۃ بالمعجل لو الزوج ملیا و بالمؤجل لا و بدار تسکنھا مع الزوج اف قدر علی الاسکان۔

ترجمہ: اور عورت شوہر کے غنی ہونے کی صورت میں مہر معجل سے غنی ٹھہر جاتی ہے، مہر مؤجل سے نہیں اور اسی طرح عورت اپنے گھر کی وجہ سے بھی غنی بن جاتی ہے جس میں وہ اپنے شوہر کے ہمراہ رہتی ہے بشرطیکہ زوج اسکو سکونت دینے پر قادر ہو۔[2]

لہ مال کثیر غائب فی ید مضاربہ او شریکہ و معہ من الحجرین او متاع البیت ما یضحی بہ تلزم۔

ترجمہ: جس شخص کے لئے مال کثیر ہو مگر وہ اس کے پاس نہ ہو بلکہ اسکے مضارب یا شریک کار کے پاس ہو اور اسکے پاس اتنا مال ہو جس سے قربانی خریدی جاسکتی رہو تو اس پر قربانی واجب ہو گی۔[3]

لو کان لہ دار فیھا بیتان شتوی و صیفی و فرش شتوی و صیفی لم یکن بھا غنیاً فان کان لہ فیھا ثلاثۃ بیوت و قیمۃ الثالث مائتا درھم فعلیہ الاضحیہ و کذا فرش الثالث۔

ترجمہ: اگر کسی شخص کے پاس ایسا مکان ہو جس میں صرف دو کمرے اور دو فرش (صحن) شتوی اور صیفی ہو تو اس سے یہ غنی نہ ہو گا البتہ اگر تین کمرے یا تین فرش تھے اور ثالث کی قیمت نصاب کو پہنچ جاتی تو اس پر قربانی واجب ہو گی۔

والغازی بفرسین لا یکون غنیاً و بالثالث یکون غنیاً و لا یصیر الغازی بالاسلحۃ غنیاً الا ان یکون لہ من کل سلاح اثنان احدھما یساوی مائتی درھم۔

ترجمہ: اور مجاہد دو گھوڑوں سے غنی نہیں، ہاں تیسرے سے غنی ہو گا (جبکہ تیسری کی قیمت نصاب کو پہنچ جاتی ہو) اور مجاہد اسلحہ سے بھی غنی نہیں ہوتا ہے البتہ اگر اس کے پاس اسلحہ کے ہر نوع سے دو دو فرد تھے اور ان میں سے ایک کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہو تو تب یہ غازی غنی ہو گا۔[4]

وفی الفتاوی الدھقان لیس بغنی بفرس واحد و بحمار واحدٍ فان کان لہ فرسان او حمار ان احدھما یساوی مائتین فھو نصاب و الزراع بثورین و آلۃ الفدان لیس بغنی و ببقرۃ واحدۃ غنی و بثلاثۃ ثیران اذا ساوی احدھما مأتی درھم صاحب نصاب۔

---

[1] (ص ۲۱۹، ج ۵)
[2] (ص ۲۱۹، ج ۵)
[3] (ص ۱۱۹، ج ۵)
[4] (ھندیہ ص ۲۹۳، ج ۵)

ترجمہ: اور فتاویٰ میں ہے کہ قوم کا چودھری ایک گھوڑے اور ایک گدھے سے غنی نہیں بنتا ہے البتہ جب ان کے پاس دو گھوڑے یا دو گدھے ہوں اور ان میں سے ایک کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہو تو پھر غنی ٹھہر جاتا ہے اور اسی طرح کاشکار دو بیلوں اور آلہ الفدان (زرعہ، کھیتی اور کاشتکاری کے آلات) سے غنی نہیں بنتا ہے البتہ ایک گائے سے غنی بنتا ہے جبکہ اس کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہو اور نصب ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت ہے اور جب اسکے پاس تین بیل ہون اور ان میں سے ایک کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہو تو پھر غنی ٹھہر جاتا ہے۔[1]

نصاب قربانی اور قربانی کے وجوب کی شرائط (تفصیلی)

نصاب قربانی:

جس کی ملکیت میں سونا، چاندی، مال تجارت، نقدی اور ضرورت سے زائد اشیاء میں سے کوئی ایک چیز یا ان میں سے بعض اشیاء کا مجموعہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس پر صدقہ فطر اور قربانی واجب ہے۔

اگر صرف سونا ہو تو ساڑھے سات تولہ ہے تو قربانی واجب ہے ورنہ نہیں۔

شرائطِ قربانی: اس کے وجوب کے لئے چھ شرائط ہیں:

(۱) مسلمان ہونا، غیر مسلم پر واجب نہیں۔ (۲) مقیم ہونا، مسافر پر واجب نہیں۔

(۳) آزاد ہونا، غلام پر واجب نہیں۔ (۴) بالغ ہونا، نابالغ پر واجب نہیں۔

(۵) عاقل ہونا، مجنون پر واجب نہیں۔ (٦) مالدار ہونا، مسکین نادر پر واجب نہیں۔

وأما شرائط الوجوب منها اليسار وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكاة۔۔۔۔ والموسر في ظاهر الرواية من له مائتا درهم أو عشرون دينارا أو شيء يبلغ ذلك سوى مسكنه ومتاع مسكنه ومركوبه وخادمه في حاجته التي لا يستغني عنها فأما ما عدا ذلك من سائمة أو رقيق أو خيل أو متاع لتجارة أو غيرها فإنه يعتد به من يساره۔[2]

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: وشرائطها: الإسلام والإقامة واليسار الذي يتعلق به وجوب (صدقة الفطر) كما مر (لا الذكورة فتجب على الأنثى) خانية (وسببها الوقت) وهو أيام النحر و قيل الرأس و قدمه فى التتارخانية۔[3]

---

[1] (هنديه ص ۲۹۳، ج۵)

[2] (فتاوى الهندية، ج۵، ص ۲۹۲، ط: رشيديه)

[3] (الشامية، ج٦، ص ۳۱۲، ط: سعيد)

قال العلامة قاضی خان رحمه الله تعالیٰ: و لیس علی الرجل أن یضحي عن أولاده الکبار و امرأته إلا بإذنه و عن ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ انه یجوز بغیر امرهم استحسانا و في الولد الصغیر عن أبي حنیفة رحمه الله تعالی روایتان في ظاهر الروایة تستحب و لا تجب بخلاف صدقة الفطر و في روایة الحسن عن أبي حنیفة رحمه الله تعالی أنه یجب أن یضحي عن ولده الصغیر و ولد ولده الذي لا أب له و الفتوی علی ظاهر الروایة۔ [1]

مسئلہ: اگر کسی کے پاس ضرورت سے زائد آباد یا غیر آباد اور بنجر زمین ہو تو اگر اس کی قیمت اور ضرورت سے زائد پیداوار کا مجموعہ یا کوئی ایک ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر یا زیادہ ہو تو ایسے شخص پر قربانی پر واجب ہے ورنہ نہیں۔

فی الهندیة: وإن کان له عقار و مستغلات ملک اختلف المشایخ المتأخرون رحمهم الله تعالی فالزعفراني و الفقیه علي الرازي اعتبرا قیمتها و أبو علي الدقاق و غیره اعتبروا الدخل و اختلفوا فیما بینهم قال أبو علي الدقاق إن کان یدخل له من ذلک قوت سنة فعلیه الأضحیة و منهم من قال قوت شهر و متی فضل من ذلک قدر مائتي درهم فصاعدا فعلیه الأضحیة۔ [2]

مسئلہ: جو شخص مقروض ہو لیکن قرض کی رقم جدا کرنے کے بعد اس کے پاس بقدر نصاب مال بچتا ہو تو اس پر قربانی واجب ہے۔

و أما شرائط الوجوب منها الیسار و هو ما یتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما یتعلق به وجوب الزکاة۔۔۔۔ و الموسر في ظاهر الروایة من له مائتا درهم أو عشرون دینارا أو شيء یبلغ ذلک سوی مسکنه و متاع مسکنه و مرکوبه و خادمه في حاجته التي لا یستغني عنها فأما ما عدا ذلک من سائمة أو رقیق أو خیل أو متاع لتجارة أو غیرها فإنه یعتد به من یساره۔۔۔۔ و لو کان علیه دین بحیث لو صرف فیه نقص نصابه لا تجب۔ [3]

مسئلہ: اگر کچھ رقم قرض دے رکھی ہے یا فروخت شدہ مال کی قیمت باقی ہے تو یہ رقم اگر قابل وصول ہے تو قربانی واجب ہے البتہ اگر فی الحال قربانی کے لیے نہ نقد رقم ہے اور نہ ضرورت سے زائد اتنا سامان ہے جسے فروخت کرکے قربانی کر سکے تو قربانی واجب نہ ہوگی البتہ اگر باآسانی قرض مل سکے تو قربانی کی جا سکتی ہے۔

فی الهندیة: له دین حال أو مؤجل علی مقر ملي و لیس في یده ما یمکنه شراء الأضحیة لا یلزمه أن یستقرض فیضحي و لا یلزمه قیمتها إذا وصل إلیه الدین لکن یلزمه أن یسأل منه ثمن الأضحیة إذا غلب علی ظنه أنه یدفعه له مال کثیر غائب في ید شریکه أو مضاربه و معه ما یشتري به الأضحیة من الحجرین أو متاع البیت تلزمه الأضحیة کذا في القنیة۔ [4]

---

[1] (الخانیة علی هامش الهندیة، ج۳، ص ۳۴۵، ط: رشیدیه)

[2] (الهندیه، ج۵، ص ۲۹۲، ط: رشیدیه)

[3] (الهندیه، ج۵، ص ۲۹۲، ط: رشیدیه)

[4] (الهندیه، ج۵، ص ۳۰۷، ط: رشیدیه)

مسائل متفرقہ کے بیان میں

احسن الفتاویٰ میں ہے:

یہ دین قوی ہے جس پر بالاتفاق زکوٰۃ فرض ہے، لہٰذا قربانی بطریق اولیٰ واجب ہے البتہ اگر قربانی کے لیے نہ نقد رقم ہے اور نہ ضرورت سے زائد اتنا سامان ہے جسے فروخت کرکے قربانی کرسکے تو قربانی واجب نہ ہوگی۔[1]

في الهندية ولو كان عليه دين بحيث لو صرف فيه نقص نصابه لا تجب وكذا لو كان له مال غائب لا يصل إليه في أيامه۔[2]

مسئلہ: اگر کسی شخص کے پاس بقدر نصاب مال تو موجود ہو لیکن وہ اپنے گھر سے دور کسی اور جگہ مقیم ہو تو اس کو چاہیے کہ گھر پر رابطہ کرکے ایام اضحیہ میں کسی کو اپنا وکیل بنالے اور وہ اس کی طرف سے قربانی کرلے یا یہ مقیم شخص جس جگہ ہے کسی ذریعے سے وہاں رقم منگوا کر خود ہی قربانی کرلے اور اگر ایسی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو اس پر قربانی واجب نہیں۔

اسی طرح کوئی شخص یوم الترویہ (آٹھ ذی الحجہ) سے پندرہ دن قبل مکہ پہنچ گیا پھر اگر وہ مقیم شخص متمتع یا قارن ہے تو اس پر دم شکر کے ساتھ ساتھ اضحیہ بھی واجب ہے چاہے وہیں قربانی کرلے یا اپنے وطن اصلی میں کسی کو اپنا وکیل بنالے اور اگر پندرہ دن پہلے نہیں پہنچا تو مسافر ہے اس پر صرف دمِ شکر واجب ہے، قربانی واجب نہیں۔

قال ملک العلماء الکاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: وَلَوْ كان عليه دَيْنٌ بِحَيْثُ لو صَرَفَ إلَيْهِ بَعْضَ نِصَابِهِ لَا يَنْقُصُ نِصَابُهُ لَا تَجِبُ لِأَنَّ الدَّيْنَ يَمْنَعُ وُجُوبَ الزَّكَاةِ فَلَأَنْ يَمْنَعَ وُجُوبَ الْأُضْحِيَّةِ أَوْلَى لِأَنَّ الزَّكَاةَ فَرْضٌ وَالْأُضْحِيَّةَ وَاجِبَةٌ وَالْفَرْضُ فَوْقَ الْوَاجِبِ وَكَذَا لو كان له مَالٌ غَائِبٌ لَا يَصِلُ إلَيْهِ في أَيَّامِ النَّحْرِ لِأَنَّهُ فَقِيرٌ وَقْتَ غَيْبَةِ الْمَالِ حتى تَحِلَّ له الصَّدَقَةُ۔[3]

وقال رحمہ اللہ تعالیٰ ایضاً: وَمِنْهَا الْإِقَامَةُ فَلَا تَجِبُ على الْمُسَافِرِ۔۔۔وَذَكَرَ في الْأَصْلِ وقال وَلَا تَجِبُ الْأُضْحِيَّةُ على الْحَاجِّ وَأَرَادَ بِالْحَاجِّ الْمُسَافِرَ۔[4]

اگر کوئی شخص ایام نحر سے قبل صاحب نصاب تھا اور جانور بھی خرید چکا تھا لیکن ایام نحر میں فقیر ہوگیا تو اس پر قربانی واجب نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: (وفقیر) عطف علیہ (شراھا لھا) لوجوبھا علیہ بذلک حتی یمتنع علیہ بیعھا۔

---

[1] (احسن الفتاویٰ، ج۷، ص ۵۱۲، ط: سعید)

[2] (الھندیہ، ج۵، ص ۲۹۲، ط: رشیدیہ)

[3] (بدائع الصنائع، ج۵، ص ۶۴، ط: سعید)

[4] (بدائع الصنائع، ج۵، ص ۶۳، ط: سعید)

و قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: قوله لوجوبها علیه بذلک) أی بالشراء و هذا ظاهر الروایة لأن شرائه لها یجری مجری الایجاب و هو النذر بالتضحیة عرفا کما فی البدائع۔ و وقع فی التاتر خانیة التعبیر بقوله شراها لها ایام النحر و ظاهره انه لو شراها لها قبلها لا تجب و لم اره صریحا فلیراجع۔ [1]

احسن الفتاویٰ میں ہے:

سوال: زید مالدار تھا، اس نے چھ ماہ پہلے قربانی کی نیت سے جانور خریدا، پھر زید مسکین ہو گیا تو کیا اس جانور کی قربانی زید پر واجب ہے یا مستحب؟ بینوا و توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

واجب نہیں۔

قال العلامة التمرتاشی رحمه الله تعالیٰ: و المعتبر آخر وقتها للفقیر و ضده و الولادة و الموت فلو کان غنیا فی اول الایام فقیرا فی آخرها لا تجب علیه و ان ولد فی الیوم الآخر تجب علیه و ان مات فیه لا تجب علیه۔ [2]

مسئلہ: مشترک مال والے بھائیوں میں سے وہ بھائی جو بالغ ہوں اور ان کا حصہ بقدر نصاب بنتا ہو تو ان پر قربانی واجب ہو گی باقی پر نہیں۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: فإن بلغ نصیب احدهما نصابا زکاه دون الآخر۔

و قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: (قوله فإن بلغ الخ) کما لو کانت ثمانون شاة بین رجلین أثلاثا فأخذ المصدق منها شاة لزکاة صاحب الثلثین فلصاحب الثلث أن یرجع علیه بقیمة الثلث لأنه لا زکاة علیه، محیط۔ [3]

مسئلہ: گھر والوں میں سے جس جس کے پاس نصاب کامل ہے اس پر علیحدہ قربانی واجب ہے، پورے گھر کی طرف سے ایک قربانی کافی نہیں۔

فی الهندیة: وأما شرائط الوجوب منها الیسار وهو ما یتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما یتعلق به وجوب الزکاة۔ [4]

مسئلہ: جس کے پاس ایسی کتابیں ہوں جو ضرورت اور استعمال کی نہ ہوں اور ان کتابوں کی مالیت بقدرِ نصاب ہو تو ایسے شخص پر قربانی واجب ہے۔

---

[1] (الشامیة، ج۶، ص ۳۲۱، ط: سعید)

[2] (ردالمحتار، ج۵، ص ۲۰۲، احسن الفتاوی، ج۷، ص ۵۱۱، ط: سعید)

[3] (الشامیة، ج۲، ص ۳۰۴، ط: سعید)

[4] (الهندیة، ج۵، ص ۲۹۲، ط: رشیدیه)

قال العلامة الطحطاوی رحمه الله تعالیٰ فی حاشیته علی الدر: و فی الصغری: بالکتب لا یعد غنیا الا ان یکون من کل نوع کتابان بروایة واحدة عن شیخ واحد و عن شیخ بروایتین کروایة ابی حفص و ابی سلیمان عن محمد لا یجب۔ و لا یعد غنیا بکتب الاحادیث والتفسیر و ان کان له من کل نوع کتابان و صاحب کتب الطب والنجوم والادب یعد غنیا اذا بلغ قیمتها نصابا۔ اھ بتصرف۔[1]

(قربانی کے فضائل و مسائل، ص ۱۵ تا ۱۹)

(۱۲۶) مسئلہ نمبر ایک سو چھبیس: قربانی کے جانور اور ان کی عمریں

(۱) اونٹ:	عمر کم از کم پانچ سال
(۲) گائے، بیل:	عمر کم از کم دو سال
(۳) بکرا، بکری، بھیڑ، دنبہ:	عمر کم از کم ایک سال

البتہ دنبہ اگر اتنا فربہ اور موٹا ہو کہ دیکھنے میں پورے سال کا معلوم ہو تو سال سے کم ہونے کے باوجود بھی اس کی قربانی جائز ہے، بشرطیکہ چھ ماہ سے کم نہ ہو۔

عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تذبحوا الا مسنة الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضأن۔[2]

و قال العلامة ظفر احمد العثمانی: ثم بعد الاتفاق علی هذا القدر اختلفوا فی تقدیر الجذع والثنی علی اقوال والمعتمد عند معشر الحنفیة ان الجذع من الضان ابن ستة اشهر والثنی منها و من المعز ماتم له سنة و دخل فی الثانیة و من البقر ماتم له سنتان و دخل فی الثالثة و من الابل ماتم له خمس سنین و دخل سی السادسة۔[3]

و قال العلامة ابن نجیم رحمه الله تعالیٰ: و قال علیه الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ یَجُوزُ الْجَذَعُ من الضَّأْنِ أُضْحِیَّةً رَوَاهُ أَحْمَدُ و ابن مَاجَهْ وَقَالُوا هذا إذَا کان الْجَذَعُ عَظِیمًا بِحَیْثُ لو خُلِطَ بِالثَّنِیَّاتِ لَیَشْتَبِهُ علی النَّاظِرِینَ وَالْجَذَعُ من الضَّأْنِ ماتَمَّتْ له سِتَّةُ أَشْهُرٍ عِنْدَ الْفُقَهَاءِ وَذَکَرَ الزَّعْفَرَانِيُّ أَنَّهُ ابن سَبْعَةِ أَشْهُرٍ والثنی من الضَّأْنِ وَالْمَعْزِ ابن سَنَةٍ وَمِنْ الْبَقَرِ ابن سَنَتَیْنِ وَمِنْ الابل ابن خَمْسِ سِنِینَ۔[4]

مسئلہ: عمر کے پورا ہونے کا اطمینان ضروری ہے، دانتوں کا ہونا ضروری نہیں۔

---

[1] (الطحطاوی علی الدر، ج۴، ص ۱۶۰، ط: المکتبة العربیه)
[2] (مسلم، ج۲، ص ۱۵۵، ط: قدیمی)
[3] (اعلاء السنن، ج۱۷، ص ۲۴۲، ط: ادارة القرآن)
[4] (البحر الرائق، ج۸، ص ۳۲۵، ط: رشیدیه)

حضرت مفتی رشید احمد صاحب عنوان ”قربانی کی عمر میں دو دانت ہونا ضروری نہیں“ کے تحت فرماتے ہیں:

”عمر پوری ہونے کا اطمینان ہو تو جائز ہے“۔[1]

تنبیہ: ”مسنہ“ کا معنی خود غیر مقلدین نے یہ کیا ہے کہ بکری میں جو ایک سال کی ہو اور دوسرا شروع ہو جائے اور گائے اور بھینس میں جو دو سال کی ہو تیسرا شروع ہو جائے اور اونٹ کا جو پانچ سال کا ہو اور چھٹا شروع ہو جائے۔[2]

(۱۲۷)مسئلہ نمبر ایک سو ستائیس: مرغی، انڈے کی قربانی اور غیر مقلدین

مسئلہ: مرغا، مرغی اور انڈے کی قربانی جائز نہیں۔

في الهندية: والتضحية بالديک والدجاجة في أيام الأضحية ممن لا أضحية عليه لإعساره تشبيها بالمضحين مكروه لأنه من رسوم المجوس كذا في الخلاصة ومن لا أضحية عليه لإعساره لو ذبح دجاجة أو ديكا يكره كذا في وجيز الكردري۔[3]

غیر مقلدین کے نزدیک جائز ہے۔[4]

چیلنج و مطالبہ: ہم ببانگ دہل یہ کہتے ہیں کہ غیر مقلدین اس مسئلہ میں بھی قرآن و سنت اور عمل متوارث کو چھوڑ کر بغاوت اور گمراہی کے رستے پر گامزن ہیں، ورنہ صرف ایک حدیث پیش کریں جس میں عید الاضحیٰ کی قربانی کی تصریح بھی ہو اور مرغا، مرغی اور انڈے کا ذکر بھی ہو یا کسی ایک تابعی یا صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل بتائیں جنھوں نے عید الاضحیٰ کے موقع پر انڈوں یا مرغوں کی قربانی پوری زندگی میں ایک مرتبہ بھی کی ہو۔ (دیدہ بادید)

(۱۲۸)مسئلہ نمبر ایک سو اٹھائیس: بھینس کی قربانی

مقلدین کے نزدیک چونکہ قیاس مجتہد حجت ہے اس لیے ان کے نزدیک قیاس مجتہد کی وجہ سے بھینس اور گائے کی قربانی جائز اور گوشت اور دودھ حلال ہے۔

قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ: وَتَجُوزُ بِالْجَامُوسِ لِأَنَّهُ نَوْعٌ من الْبَقَرِ۔[5]

وأجمعوا على أن حكم الجواميس حكم البقر.[1]

---

[1](احسن الفتاوی، ج۷، ص ۵۲۰، ط: سعید)

[2](فتاویٰ نزیریہ، فتاویٰ علماء اہل حدیث، بحوالہ رسائل)

[3](الهندیہ، ج۵، ص ۳۰۰، ط: رشیدیہ)

[4](فتاویٰ ستاریہ، ج۴، ص ۱۴۰، مفاسد الامامۃ، ص ۵)

[5](البحر الرائق، ج۸، ص ۳۲۴ ط: رشیدیہ)

بھینس اور بھینسا (کٹا) جو وحشی نہ ہو، اُس کی قربانی بلاشبہ جائز ہے۔ کیونکہ یہ گائے کی ہی ایک قسم ہے اور گائے کی قربانی احادیث سے ثابت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

الْبَقَرَۃ عَنْ سَبْعَۃٍ وَ الْجَزُوْر عَنْ سَبْعَۃٍ۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا قربانی میں گائے اور اُونٹ سات افراد کی طرف سے کافی ہے۔[2]

اور گائے کے ساتھ ساتھ بھینس، کٹے کی قربانی بھی جائز ہے۔ لغت کے اعتبار سے بھینس گائے ہی کی ایک قسم ہے۔

جیسا کہ لغت کی معروف کتاب لسان العرب میں ہے:

البقر جنس و الجاموس نوع من البقر۔

گائے جنس ہے اور اسی کی قسم جاموس یعنی بھینس ہے۔[3]

تاج العروس میں ہے:

الجاموس نوع من البقر۔

بھینس گائے کی ایک قسم ہے۔[4]

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ثَمَانِیَةَ أَزْوَاجٍ مِنَ الضَّأْنِ (الأنعام ۱۴۳)

مکتوبہ بالا آیت کی تفسیر میں مشہور تابعی مفسر حضرت لیث بن ابو سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

الجاموس و البختی من الازواج الثمانیة۔

بھینس اور بختی اونٹ ان آٹھ جوڑوں میں سے ہیں۔[5]

بھینس، کٹے کی قربانی کے حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

الجاموس تجزی عن سبعة فی الاضحیة۔

بھینس قربانی میں سات بندوں کی طرف سے کافی ہے۔[6]

---

[1] (الاجماع لابن المنذر، ج ۱، ص ۴۵، ط: دار المسلم)

[2] (سنن ابی داؤد، ج ۳، ص ۵۶، الناشر: دار الکتاب العربي-بیروت)

[3] (لسان العرب، ج ۶، ص ۵۱، دار الکتب العلمیة، بیروت)

[4] (تاج العروس، ج ۸، ص ۲۳۱، طبع دار الفکر، بیروت)

[5] (تفسیر درمنثور، تحت هذه الآیة، ج ۳، ص ۳۷۱، دار الفکر، بیروت)

[6] (مسند الفردوس، کتاب الاضحیة، ج ۲، ص ۱۲۴، دار الکتب العلمیه، بیروت)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عَنِ الْحَسَنِ، أَنَّهُ كَانَ يَقول: الجواميس بمنزلة البقر۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ بھینس گائے کی طرح ہی ہے۔[1]

علامہ ابن منذر نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

و أجمعوا على أن حكم الجواميس حكم البقر۔

اور علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ بھینس کا حکم گائے والا ہے۔[2]

فقہ ُحنبلی کے بانی حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھینس کی قربانی کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

لا اعرف خلاف هذا۔

ترجمہ: میں اس کے جواز کے متعلق کسی کا اختلاف نہیں جانتا۔[3]

حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

إنما هي بقر كلها۔

بے شک بھینس تمام احکام میں گائے کی طرح ہے۔[4]

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ان البقر جنس و نوعه الجواميس۔

گائے جنس ہے اور بھینس اسی کی قسم ہے۔[5]

علامہ علاؤالدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بدائع الصنائع میں فرماتے ہیں:

أَمَّا جِنْسُهُ فَهُوَ أَنْ يَكُونَ من الْأَجْنَاسِ الثَّلَاثَةِ الْغَنَمِ أو الْإِبِلِ أو الْبَقَرِ وَيَدْخُلُ في كل جِنْسٍ نَوْعُهُ وَالذَّكَرُ و الانثي منه وَ الْخَصِيُّ وَ الْفَحْلُ لِانْطِلَاقِ اسْمِ الْجِنْسِ على ذلك وَ الْمَعْزُ نَوْعٌ من الْغَنَمِ وَ الْجَامُوسُ نَوْعٌ من الْبَقَرِ بِدَلِيلِ أَنَّهُ يُضَمُّ ذلك إلَى الْغَنَمِ وَ الْبَقَرِ في بَابِ الزَّكَاةِ۔

---

[1] (مصنف ابن ابی شیبۃ، ج۷، ص ۶۵، الناشر: دار القبلۃ)

[2] (الاجماع، کتاب الزکاۃ، ص ۵۲، مکتبۃ الفرقان، دولۃ الامارات العربیۃ)

[3] (مسائل الامام احمد بن حنبل، کتاب الاضحیۃ، ص ۴۰۲۷، مسئلہ ۲۸۶۵، مطبوعہ مدینۃ المنورۃ)

[4] (موطا امام مالک، کتاب الزکاۃ ماجاء فی صدقۃ البقرۃ، ص ۲۹۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

[5] (المجموع شرح المہذب، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم، ج ۶، ص ۴۲۶، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

بہر حال قربانی کے جانوروں کی جنس تو اس کا ان تین جنسوں سے ہونا ضروری ہے: بکری، اونٹ یا گائے اور ہر جنس میں اُس کی نوع، نر اور مادہ، خصی اور غیر خصی سب شامل ہیں، کیونکہ جنس کا اطلاق ان سب پر ہوتا ہے۔ بھیڑ، بکری کی اور بھینس، گائے کی ایک قسم ہے۔ اس دلیل کی بناء پر کہ انہیں (یعنی بھیڑ اور بھینس کو) زکوۃ کے معاملے میں بکری اور گائے کے ساتھ شمار کیا جاتا ہے۔[1]

صاحب ہدایہ امام برہان الدین ابو الحسن علی بن ابو بکر المرغینانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہدایہ میں فرماتے ہیں:

والاضحیۃ من الابل والبقر والغنم۔۔۔ ویدخل فی البقر الجاموس، لانہ من جنسہ۔

اونٹ، گائے اور بکری کی قربانی درست ہے۔۔۔ اور گائے کے تحت بھینس بھی داخل ہے، کیونکہ وہ اسی کی جنس میں سے ہے۔[2]

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

الأضحية تجوز من أربع من الحيوان الضأن والمعز والبقر والإبل ذكورها وإناثها وكذلك الجاموس لأنه نوع من البقر الأهلي۔

جانوروں میں سے چار کی قربانی جائز ہے، بھیڑ، بکری، گائے اور اونٹ، ان کے مذکر و مونث (دونوں جائز ہیں) اسی طرح بھینس کی قربانی بھی جائز ہے اس لئے کہ یہ پالتو گائے کی ہی قسم ہے۔[3]

علامہ زین الدین ابن نجیم الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل فرماتے ہیں:

الْجَوَامِيسُ من الْبَقَرِ لِأَنَّهَا نَوْعٌ منه۔

بھینسیں گائیوں میں سے ہیں، کیونکہ یہ ان ہی کی قسم میں سے ہیں۔[4]

علامہ عبد الغنی المیدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

(والجواميس والبقر سواء) لاتحاد الجنسية؛ إذ هو نوع منه۔

بھینسیں اور گائیں برابر ہیں جنس کے ایک ہونے کی وجہ سے کیونکہ وہ ان ہی کی قسم سے ہیں۔[5]

---

1 (بدائع الصنائع، ج۵، ص ۶۹، الناشر دار الکتاب العربي، بیروت)

2 (الهداية، کتاب الاضحية، ج ۴، ص ۴۴۷، طبع مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

3 (فتاویٰ قاضی خان، ج ۱، ص ۱۳۰)

4 (البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۳۲، الناشر دار المعرفة، بیروت)

5 (اللباب فی شرح الکتاب، ج ۱، ص ۱۴۲، الناشر: المکتبة العلمية، بیروت-لبنان)

اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

الْجَامُوسُ نَوْعٌ مِنَ الْبَقَرِ۔

بھینس گائے کی ہی ایک قسم ہے۔[1]

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رد المحتار میں فرماتے ہیں:

(وَ الْجَامُوسِ) هُوَ نَوْعٌ مِنَ الْبَقَرِ كَمَا فِي الْمُغْرِبِ، فَهُوَ مِثْلُ الْبَقَرِ فِي الزَّكَاةِ وَ الْأُضْحِيَةِ وَ الرِّبَا۔

(اور بھینس) یہ گائے کی ایک قسم ہے جیسا کہ المُغرب میں ہے، اور یہ زکوۃ، قربانی اور سود (کے معاملات) میں گائے ہی کی مثل ہے۔[2]

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاویٰ رضویہ میں فرماتے ہیں:

(ترجمہ) قربانی کے جانوروں کی ابتدائی تین قسمیں ہیں:

۱۔ شاۃ یا غنم ۲۔ بقر ۳۔ جمل

شاہ کو پھر دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں:

۱۔ ضان ۲۔ معز

اور بقر کی بھی دو قسمیں کرتے ہیں:

۱۔ بقر ۲۔ جاموس

اس طرح اصل اور ذیلی قسموں کو ملا کر کُل پانچ قسمیں ہوئیں:

۱۔ جمل (اونٹ) ۲۔ بقر (گائے) ۳۔ جاموس (بھینس) ۴۔ ضان (دنبہ) ۵۔ معز (بکری)

اور مذکر و مؤنث دونوں کو شامل کر دیا جائے تو کل دس ہوتی ہیں۔[3]

مکتوبہ حوالہ جات سے مسئلہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ گائے کی طرح بھینس، کٹے کی قربانی بلاشبہ جائز ہے اور جو حضرات کٹے کی قربانی کے ناجائز ہونے کی بات کرتے ہیں اور دلیل میں یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے بھینس اور کٹے کی قربانی نہیں کی، ان سے سوال کریں کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے بھینس کا دودھ پیا تھا؟ یا بھینس، کٹرے کا گوشت کھایا تھا؟ اگر دودھ نہیں پیا، گوشت نہیں کھایا تو یہ جائز کیسے ہو گیا؟ بھینس اور کٹے کی

---

[1] (الفتاویٰ الهندية، ج ۴، ص ۲۷۲، مكتبة أهل السنة والجماعة)

[2] (رد المحتار، ج ۷، ص ۲۵)

[3] (فتاویٰ رضویہ، ج ۲۰، ص ۳۸۲، ۳۸۳، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

قربانی کے ناجائز ہونے کا قول وہی کرے گا جو دین کے اصولوں اور اسلام کی وسعت سے ناواقف ہے اور یہ بات ذہن میں رہے کہ بھینس عرب کا جانور نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں بھینس وہاں نہیں پائی جاتی تھی۔ جب اسلام عرب سے نکل کر ایسے علاقوں میں پہنچا جہاں بھینس پائی جاتی تھی تو تابعین، تبع تابعین، آئمہ محدثین، فقہاء اسلام اور ائمہ لغت نے صراحت کے ساتھ بھینس کا ذکر کیا ہے اور اسے گائے کی قسم قرار دے کر اس سے ملایا اور مسئلہ بھی واضح کر دیا کہ جو حکم گائے کا ہے وہی بھینس کا ہے۔

دوسرا جواب بھینس کی قربانی کے جواز میں بطرزِ آخر عہدِ نبوی ﷺ

عہد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور عہد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں جزیرۃ العرب میں بھینس نہیں پائی جاتی تھی؛ اس لیے بھینس کی قربانی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نہ تو عملاً ثابت ہے اور نہ ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے صراحتاً بھینس کی قربانی کے بارے میں کوئی حکم صادر فرمایا ہے۔

اس کو بنیاد بنا کر غیر مقلدین حضرات یہ کہتے ہیں: چونکہ "جاموس" (بھینس) کی قربانی کا تذکرہ قرآن وحدیث میں نہیں ہے اور نہ ہی عملاً آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے؛ اس لیے بھینس کی قربانی جائز نہیں۔ جبکہ دوسری طرف برصغیر پاک وہند وغیرہ میں جس طرح مسلمان گائے، بکرا اور دنبہ وغیرہ کی قربانی کرتے ہیں، اسی طرح بھینس کی قربانی بھی بکثرت کرتے ہیں اور تمام علماء اہل سنت وجماعت بالاتفاق اسے جائز قرار دیتے ہیں اور بعض علماء غیر مقلدین بھی بھینس کی قربانی کے جواز کے قائل ہیں؛ کیونکہ قرآن وحدیث میں قربانی کے باب میں جاموس (بھینس) کا تذکرہ نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قربانی جائز نہ ہو، ورنہ تو زمانۂ موجودہ کی بہت ساری اشیاء (موبائل، کمپیوٹر، جہاز اور ٹرین وغیرہ) جن کا ذکر قرآن واحادیث میں نہیں ہے، ان سب کا استعمال ناجائز ہوگا؛ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس لیے یہ دیکھا جائے گا علماء امت کا بھینس کی قربانی کے سلسلہ میں کیا موقف اور عمل رہا ہے؟ فقہاء اور محدثین نے بھینس کی قربانی کو کس بنیاد پر جائز قرار دیا ہے؟ وہ اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں؟ اہل لغت کی کیا رائے ہے؟ اسی طرح بعض علماء غیر مقلدین اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں؟

تو واضح رہے کہ تمام فقہاء، محدثین، اور اہل لغت حتی کہ بعض علماء غیر مقلدین نے بھی بھینس (جاموس) کو گائے (بقر) کی جنس سے مانا ہے؛ بلکہ اس پر اجماع ہے۔ یعنی بھینس گائے ہی کی ایک نوع اور ایک قسم ہے اور جب گائے کی قربانی جائز ہے، تو بھینس جو اسی کی ایک نوع ہے اس کی بھی قربانی جائز ہوگی۔ ذیل میں بھینس کی حقیقت وماہیت ذکر کرنے کے بعد ہر ایک کی تفصیل نقل کی جا رہی ہے۔

بھینس کی حقیقت وماہیت

بھینس / بھینسا:

بر صغیر میں کثرت سے پایا جانے والا ایک مشہور چوپایہ ہے، جس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اور جو گائے سے تھوڑا بھاری بھر کم اور مضبوط ہوتا ہے۔ اردو اور ہندی میں اس کی مادہ کو بھینس اور نر کو بھینسا کہا جاتا ہے۔[1]

فارسی میں اسے "گاوَ میش" کہا جاتا ہے، جو دو لفظوں یعنی : "گاوَ" اور "میش" سے مرکب ہے اور "گاوَ" کے معنی گائے اور بیل کے ہیں؛ جب کہ میش کے معنی: بھیڑ، مینڈھا اور دنبہ وغیرہ کے ہیں۔ (گویا جو چوپایہ گائے اور بھیڑ کے مشابہ ہو، اسے بھینس کہتے ہیں)۔[2]

اور اسی لفظِ" گاوَ میش " سے عربی زبان میں بھینس کا نام " جاموس رکھا گیا، یعنی یہ اصلاً عربی زبان کا لفظ نہیں ہے؛ بلکہ اہل عرب نے اسے فارسی سے عربی میں معرب کر لیا ہے اور گاف کو جیم سے اور سین کو شین سے بدل دیا، پھر تسہیل کرتے ہوئے" فاعول" کے وزن پر" جاموس" بنادیا، جس کی جمع جوامیس آتی ہے۔

علامہ محمد بن محمد زبیدی رحمہ اللہ" تاج العروس" میں لکھتے ہیں:

الجاموس . . . . معروف، معرّبُ "كاوميش"، وهي فارسية، ج: الجواميس، وقد تكلمت به العرب۔[3]

بعض اہل لغت فرماتے ہیں کہ "جاموس" اصلاً عربی زبان ہی کا لفظ ہے اور یہ " جمس " سے مشتق ہے جو اپنے معنی کے اعتبار سے جمود اور ٹھوس پن پر دلالت کرتا ہے، اس معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے جب اہل عرب اس چوپائے سے متعارف ہوئے، تو انھوں نے اس کی ہیئت وجسامت اور مضبوطی کو دیکھتے ہوئے اسے جاموس کا نام دے دیا۔

علامہ احمد بن محمد فیومی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

جَمسَ الودک جموسا، من باب قعد جمد، والجاموس نوع من البقر، كأنّه مشتق من ذلک؛ لأنّه ليس فيه لين البقر في استعماله في الحرث والزرع والدياسة. وفي التهذيب: الجاموس دخيل، والجمع: الجواميس تسميه الفُرس "كاوميش"۔

---

[1] (فیروز اللغات اردو جامع، ص: ۲۴۳، ط: فیروز سنز لمیٹڈ لاہور)

[2] (فیروز اللغات اردو جامع، ص: ۱۰۸۰-۱۳۳۰، ط: فیروز سنز لمیٹڈ لاہور)

[3] (تاج العروس، ۵۱۳/۱۵، دار الهداية)

ترجمہ: ”جمس الودک جموسا “ کے معنی ہیں چکنائی جم گئی، باب ” قعد “سے ” جمد “ کے معنی میں ہے اور جاموس گائے ہی کی ایک قسم ہے، گویا کہ یہ لفظ اسی سے مشتق ہے؛ کیونکہ ہل چلانے، کھیتی کرنے اور اناج روندنے کے کام میں بھینس کے اندر گائے والی نرمی نہیں ہوتی۔[1]

گویا بھینس گائے ہی کی ایک قسم ہے جس میں گائے اور بھیڑ دونوں کی مشابہت ہوتی ہے۔

اجماع

وأجمعوا على أنّ حكم الجواميس حكم البقر۔

اس پر اجماع ہے کہ بھینس گائے کے حکم میں ہے۔[2]

علامہ ابو الولید بن رشد الحفید بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں:

أجمع العلماء على جواز الضحايا من جميع بهيمة الأنعام۔

ترجمہ: تمام چوپایوں کی قربانی کے جواز پر علماء کا اجماع ہے۔(اور بھینس کا بهيمة الانعام میں سے ہونا اظہر من الشمس ہے، گویا بھینس کی قربانی کے جواز پر بھی علماء کا اجماع ہے)۔[3]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا بھینس کی قربانی میں سات حصے ہو سکتے ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: مجھے اس میں کسی کے اختلاف کا علم نہیں (یعنی اس پر اجماع ہے)۔

قلت: الجواميس تجزئ عن سبعة؟ قال: لا اعرف خلاف هذا۔[4]

حافظ ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لا خلاف في هذا نعلمه, وقال ابن المنذر: أجمع كل من يحفظ عنه من أهل العلم, ولأنّ الجواميس من أنواع البقر۔

ہمیں اس مسئلہ (بھینس کی قربانی کے مسئلہ) میں اختلاف کا علم نہیں ہے اور ابن منذر نے فرمایا: اس پر تمام اہل علم کا اجماع ہے اور اس لیے بھی کہ بھینس گائے ہی کی ایک قسم ہے۔[5]

---

[1] (المصباح المنير في غريب الشرح الكبير، ۱/۱۰۸، ط: المكتبة العلمية بيروت)
[2] (الإجماع لابن المنذر، ۱/۴۵، رقم: ۹۱، ط: دار المسلم للنشر والتوزيع)
[3] (بداية المجتهد، ۲/۱۹۲، ط: دار الحديث القاهرة)
[4] (مسائل الإمام أحمد وإسحاق بن راهويه، ۸/۴۰۲۷، رقم: ۲۸۶۵، ط: عمادة البحث العلمي الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة)
[5] (المغنى لابن قدامة، ۲/۵۹۴)

جب بھینس کی قربانی کے جواز پر اجماع ہے اور اجماع بھی دلیل شرعی ہے، تو گویا بھینس کی قربانی کے جواز پر بھی دلیل شرعی موجود ہے۔

محدثین

امام مالک بن انس مدنی رحمہ اللہ ''مؤطا امام'' مالک میں فرماتے ہیں:

إنّما هي بقر كلّها۔

ترجمہ: یہ بھینس گائے ہی ہے۔[1]

اور ایک مقام پر فرماتے ہیں:

الجاموس و البقر سواء۔

گائے اور بھینس برابر ہیں۔[2]

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''تحسب الجواميس مع البقر''۔

ترجمہ: بھینسوں کو گائے کے ساتھ شمار کیا جائے گا۔[3]

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الجواميس بمنزلة البقر۔

ترجمہ: بھینس گائے کے درجے میں ہے۔[4]

فقہاء احناف

فقہ حنفی کی تمام کتب میں بھینس کو گائے کی جنس اور نوع سے قرار دے کر قربانی کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ صاحب بدائع لکھتے ہیں:

أمّا جنسه فهو أن يكون من الأجناس الثلاثة: الغنم، أو الإبل، أو البقر، ويدخل في كلّ جنس نوعه و الذكر و الأنثى منه و الخصي و الفحل لانطلاق اسم الجنس على ذلک، و المعز نوع من الغنم، و الجاموس نوع من البقر؛ بدليل أنّه ينضم ذلک إلى الغنم و البقر في باب الزكاة۔[1]

---

[1] (مؤطا امام مالک، باب ما جاء في زكاة البقر، ۲/۳۶۶، ط: مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان، أبو ظبى الإمارات)

[2] (كتاب الأموال لابي عبيد، ۲/۳۶، رقم: ۹۹۴، ط: دار الهدي النبوي مصر و جار الفضيلة السعودية)

[3] (مصنف عبد الرزاق، ۴/۲۴، رقم الحديث: ۶۸۵۱، المكتبة الاسلامى بيروت)

[4] (مصنف ابن ابى شيبه، ۷/۶۵، رقم: ۱۰۸۴۸، ط: شركة دار القبلة، مؤسسة علوم القرآن)

فقہاء مالکیہ

ومن البقر ثلاثون، ومن البقر أربعون، وتضمّ أصناف النوع الواحد إلى بعضها، فيضمّ الجاموس إلى البقر، والمعز إلى الغنم الضأن۔[2]

قوله: (في البقر): مراده ما يشمل الجاموس، فالأصل فيها الذبح۔[3]

فقہاء شوافع

النعم: هي الإبل، والبقر ويشمل الجاموس، والغنم ويشمل المعز والضأن۔[4]

ويتناول لحم البقر جاموسا، وبقر وحش، فيحنث بأكل أحدهما من حلف لا يأكل لحم بقر۔

قال صاحب حاشية الجمل: (قوله: يتناول لحم البقر جاموسا) لأنّ البقر جنس يتناول العراب والجواميس بخلاف ما لو حلف لا يأكل جاموسا فإنّه لا يتناول لحم البقر العراب فلا يحنث به، لأنّ الجاموس نوع من البقر۔[5]

فقہاء حنابلہ

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا بھینس کی قربانی میں سات حصے ہو سکتے ہیں، تو انھوں نے فرمایا: مجھے اس میں کسی کے اختلاف کا علم نہیں۔

قلت: الجواميس تجزئ عن سبعة، قال لا اعرف خلاف هذا، قال الحسن تذبح عن سبعة، قال إسحاق كما قال۔[6]

علماء غیر مقلدین

حتی کہ بعض بڑے غیر مقلد علماء بھی بھینس کو گائے ہی کی ایک قسم مان کر قربانی کو جائز قرار دیتے ہیں۔

---

1 (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في محلّ إقامة الواجب، ٢٩٨/٦، دار الكتب العلمية بيروت. ردالمحتار، كتاب الأضحية، ٤٦٦/٩، ط: زكريا ديوبند. الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محلّ إقامة الواجب، ٣٦٧/٥، ط: زكريا ديوبند)

2 (فقه العبادات على المذهب المالكي، الباب الثاني، الفصل الأول، ٢٧٣/١، مطبعة الإنشاء دمشق سوريا)

3 (حاشية الصاوي على الشرح الصغير، باب في بيان حقيقة الذكاة، ١٥٣/٢، دار المعارف. حاشية الدسوقي على الشرح الكبير للشيخ الدردير، باب الذكاة ١٠٧/٢، ط: دار الفكر)

4 (فقه العبادات على المذهب الشافعي، الباب الثاني، زكاة الغنم، ٨٤/٢)

5 (حاشية الجمل على شرح المنهج، ٣٠٨/٥، دار الفكر)

6 (مسائل الإمام أحمد وإسحاق بن راهويه، ٤٠٢٧/٨، رقم: ٢٨٦٥)

۱۔ چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی اپنے فتوے میں لکھتے ہیں:

اور سن بکری کا ایک سال یعنی ایک سال پورا اور دوسرا شروع، اور گائے اور بھینس کا دو سال یعنی دو سال پورے اور تیسرا شروع الخ۔

آگے لکھتے ہیں:

ویدخل في البقر الجاموس لانہ من جنسہ انتھی مافي الھدایۃ۔

ترجمہ: گائے میں بھینس داخل ہے؛ اس لیے کہ بھینس گائے ہی کی ایک جنس ہے۔[1]

۲۔ مفتی عبد الستار صاحب ایک سوال کے جوب میں لکھتے ہیں:

سوال: کیا بھینس کی قربانی جائز ہے؟

جواب: جائز ہے؛ کیوں کہ بھینس اور گائے کا ایک حکم ہے۔[2]

۳۔ غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امر تسری فتاوی ثنائیہ میں قرآن کریم کی آیت "قل لا أجد فیما أوحي أليّ الخ" کی تشریح کے تحت لکھتے ہیں:

حجاز میں بھینس کا وجود ہی نہ تھا، پس اس کی قربانی نہ سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتی ہے نہ تعامل صحابہ سے، ہاں اگر اس کو جنس بقر (گائے کی جنس) سے مانا جائے، جیسا کہ حنفیہ کا قیاس ہے۔

(کمافی الھدایۃ) یا عموم بھیمۃ الانعام پر نظر ڈالی جائے تو حکم جواز قربانی کے لیے یہ علت کافی ہے۔[3]

۴۔ فتاوی علماء اہل حدیث کے مؤلف مولانا ابو الحسنات علی محمد سعیدی سے بھینس کی قربانی کے جواز کے سلسلے میں سوال کیا گیا، تو انھوں نے جواب دیا: جائز ہے؛ چوں کہ گائے اور بھینس کا ایک ہی حکم ہے۔ بعینہ یہی جواب مفتی عبد الستار صاحب نے بھی دیا ہے۔[4]

۵۔ مولانا عبد القادر حصاروی صاحب ساہیوال لکھتے ہیں:

خلاصہ بحث یہ ہے کہ بکری، گائے کی قربانی مسنون ہے، تاہم بھینس بھینسا کی قربانی بھی جائز اور مشروع ہے اور ناجائز کہنے والے کا مسلک درست نہیں ہے۔[1]

---

[1] (فتاوی نذیریہ، ۳/ ۲۵۷، ۲۵۸، اھل حدیث اکادمی کشمیری بازار لاھور)

[2] (فتاوی ستاریہ، ۳/ ۲)

[3] (مستفاد: فتاوی ثنائیہ، ۱/ ۸۰۹، ۸۱۰)

[4] (فتاوی علماء اھل حدیث، ۱۳/ ۹۴۶۔ فتاوی ستاریہ، ۳/ ۲)

٦۔حافظ زبیر علی زئی کا فتویٰ:

اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری کی قربانی کتاب وسنت سے ثابت ہے اور یہ بات بالکل صحیح ہے کہ بھینس گائے کی ایک قسم ہے،اس پر ائمہ اسلام کا اجماع ہے۔[2]

۷۔ محدث العصر حافظ گوندلوی کا فتویٰ:

بھینس بھی بقر میں شامل ہے،اس کی قربانی جائز ہے۔[3]

۸۔ قاضی محمد عبد اللہ ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی،خانپوری بھینس کی قربانی کے جواز پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے اخیر میں لکھتے ہیں:

پس خلاصہ اس کا یہ ہے کہ:

(۱) بھینس مسلمہ طور پر گائے کی ایک قسم ہے۔

(۲) بھینس گائے سے زیادہ قیمتی ہے اور جسامت بھی عام گائے سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور اس سے نفع بمقابلہ عام گائے کے زیادہ ہے؛اس لیے اس میں ثواب بھی زیادہ ہے۔

(۳) کم از کم بھینس کی قربانی کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے۔[4]

۹۔ مولانا امین اللہ پشاوری ایک مفصل فتوے میں جواز کے دلائل پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ لغت میں لفظ"البقر"، "الجاموس "کو بھی شامل ہے،تو شرعاً بھی اس کا یہی حکم ہوگا۔لہٰذا اس کی قربانی کا ثبوت قرآن مجید اور سنت صحیحہ سے مل گیا،اب اس پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ یہ قیاسی مسئلہ ہے،یا وضاحت کے ساتھ ثابت نہیں،جیسا کہ اس طرح کی باتیں کچھ جاہل قسم کے لوگ سے سنی جارہی ہیں،جو قرآن وسنت سے استدلال کے طریقوں سے نابلد،ان کی معرفت سے ناآشناء اور ان کے قواعد سے ناواقف ہیں۔عقل وبصیرت رکھنے والوں کے لیے یہ ایک دلیل کافی ہے،جاہل اور بیکار لوگوں کو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔[5]

---

[1] (فتاوی حصاریہ ومقالات علمیہ،۴۴٦/۵)

[2] (فتاوی علمیہ،۱۸۲/۲)

[3] (هفت روزه الاعتصام لاهور،ج:۲۰،شماره نمبر:۹،ص:۲۹)

[4] (هفت روزه الاعتصام لاهور،ج:۲۰،شماره نمبر:۴۲-۴۳،ص:۹-۱۰)

[5] (فتاوی الدین الخالص،۴۹۳/٦)

۱۰۔ جماعت غرباء اہل حدیث کے نائب مفتی مولانا عبد القہار صاحب کا فتویٰ

صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ شرعاً بھینس چوپایہ جانورں میں سے ہے اور اس کی قربانی درست ہے؛ کیوں کہ گائے کی جنس سے ہے، اس لیے بھینس کی قربانی جائز اور درست ہے۔ اس دلیل کو اگر نہ مانا جائے، تو گائے کے ہم جنس بھینس کے دودھ اور اس کے گوشت کے حلال ہونے کی دلیل بھی مشکوک ہو جائے گی۔[1]

غیر مقلد عالم مولوی نعیم الحق ملتانی نے اس موضوع پر ایک مفصل کتاب لکھی ہے "بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ" اس میں اس طرح کے اور بہت سے علماء غیر مقلدین کے اقوال ذکر کیے ہیں، جنھوں نے بھینس کی قربانی کو جائز کہا ہے، تفصیل کے لیے اس کا مطالعہ فرمائیں۔

اہل لغت

۱۔ "(الجاموس: ضرب من كبار البقر"۔

(المنجد، ص: ۱۰۱، مرتب لوئیس معلوف)

ترجمہ: بھینس بڑی گایوں کی ایک قسم ہے۔

۲۔ الجاموس: حيوان أهلي من جنس البقر.... والجمع: جواميس"۔

ترجمہ: بھینس گائے کی جنس سے ایک پالتو جانور ہے۔[2]

۳۔ جاموس: نوع من البقر ضخم الجثة، جمع: جواميس۔ (معجم الزوائد كما في المعاني)

ترجمہ: بھینس، بھاری جسم والی گائے کی ایک قسم ہے۔

۴۔ لسان العرب، مغرب وغیرہ میں بھی بھینس کو گائے کس قسم مانا ہے۔

الجاموس نوع من البقر۔

ترجمہ: بھینس گائے کی ایک قسم ہے۔[3]

۵۔ لغت کی مشہور کتاب "تاج العروس" اور دیگر کتب لغت میں بھی بھینس کو گائے کی قسم مانا ہے۔

الجاموس.... معروف، معرّب "کاومیش"، وهي فارسية، ج: الجواميس، وقد تكلمت به العرب۔

---

[1] (بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ، ص: ۲۳۷، ط: اسلامک سینٹر ملتان)

[2] (معجم الوسيط، ص: ۱۳۴، فيصل ديوبند)

[3] (لسان العرب، ۴۳/۶، دار صادر بيروت. المغرب في ترتيب المغرب، ۸۹/۱، ط: دار الكتاب العربي بيروت)

ترجمہ: " جاموس ایک مشہور چوپایہ ہے، جو گاو میش کا معرب ہے اور گاو میش فارسی زبان کا لفظ ہے، جسے اہل عرب نے کچھ تبدیلی کے ساتھ " جاموس "بنالیاہے اور "جاموس " کی جمع " جوامیس " آتی ہے۔[1]

جب تمام فقہاء و محدثین، اہل لغت حتی کہ بعض بڑے غیر مقلد علماء نے بھی بھینس کو گائے کی جنس سے ماناہے، تو جس طرح گائے کی قربانی درست ہے، اسی طرح بھینس کی قربانی بھی درست ہو گی، اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، گویا قرآن وحدیث میں گائے کے ضمن میں بھینس کا بھی تذکرہ ہے، اور اگر بھینس کو گائے کی ایک قسم نہیں مانیں گے، تو بھینس کا گوشت، دودھ، دہی اور گھی کا تذکرہ بھی قرآن وحدیث میں نہیں ہے، اس بنیاد پر انھیں بھی حرام اور ناجائز ہونا چاہیے؛ حالانکہ مذکورہ چیزوں کی حلت کے سبھی قائل ہیں اور کوئی اختلاف نہیں ہے، تو جس بنیاد پر مذکورہ چیزیں حلال اور جائز ہیں، اسی بنیاد پر بھینس کی قربانی بھی جائز ہو گی، ورنہ " تخلف الحکم عن العلۃ" لازم آئے گا جو کہ درست نہیں۔ اسی طرح تمام ائمہ وفقہاء نے بھینس کو گائے کی جنس سے مان کر بھینس پر بھی زکات فرض کی ہے؛ جب کہ قرآن وحدیث سے بھینس کی زکات ثابت نہیں ہے، اور نہ ہی صحابہ نے بھینس کی زکات وصول کی ہے۔ (اور وجہ یہ تھی کہ عرب میں بھینس پائی نہیں جاتی تھی اور آج بھی نہیں ہے) اگر قربانی کو ناجائز کہیں گے، تو زکات کو بھی ناجائز کہنا پڑے گا؛ اس لیے جس طرح بھینس کی زکات صحیح ہے، اس کے گوشت، دودھ، دہی اور گھی کا استعمال درست ہے، اسی طرح قربانی بھی صحیح ہے۔

مطالبہ: غیر مقلدین سے ہمارا یہ مطالبہ ہے کہ تم قیاس کو شیطانی عمل کہتے ہو پھر بھی بھینس کی قربانی کو جائز اور اس کے گوشت اور دودھ کو حلال کہتے ہو، لہٰذا اس کے جواز اور حلال ہونے کی صریح آیت یا صحیح، صریح غیر معارض حدیث بتائیں یا قیاس کے قائل ہو جائیں یا بھینس کا گوشت اور دودھ استعمال کرنا چھوڑ دیں۔

(قربانی کے فضائل ومسائل، ص ۲۰،۲۱)

(۱۲۹) مسئلہ نمبر ایک سو انیتس: قربانی صرف تین دن ہو سکتی ہے

ا۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

من ضحی منکم فلا یصبحن بعد ثالثة وفي بیته منه شيء۔

جو کوئی قربانی کرے اس کے پاس تیسری رات کے بعد گوشت باقی نہ رہے۔[2]

---

[1] (تاج العروس، ۱۵/ ۵۱۳، ط: دار الهدایة)

[2] (صحیح ابن حبان، ج۸، ص ۵۶۸، صحیح بخاری، ج ۲، ص ۸۳۵، صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۵۹، تیسیر الباری، ج۵، ص ۳۸۲)

معلوم ہوا کہ قربانی صرف تین دن ہے اگر چار دن ہوتی تو رسول کائنات ﷺ تین دن کی بجائے چار کا ذکر فرماتے۔ یہ بات قابل غور ہے جب چوتھے دن قربانی کے گوشت کی ایک بوٹی بھی رکھنا منع تھا تو پورے کا پورا بکرا ذبح کر کے کھانا کیسے جائز ہو گا؟

یاد رہے کہ یہ حدیث شریف سولہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے لہٰذا ہم خوف طوالت سے صرف ان کے مبارک نام مع حوالہ جات درج کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

۲۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا[1]

۳۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ[2]

۴۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ[3]

۵۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ[4]

۶۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ[5]

۷۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ[6]

۸۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم[7]

۹۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ[8]

۱۰۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم[9]

---

[1] (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۸۳۵، صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۵۸، سنن دارمی، ج ۲، ص ۱۰۸، نسائی، ج ۲، ص ۱۸۴، ابن ماجہ، ص ۲۳۵، ترمذی، ج ۱، ص ۲۷۷، ابو داؤد، ج ۲، ص ۳۳، مؤطا مالک، ص ۲۹۷)

[2] (بخاری، ج ۲، ص ۸۳۵، صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۵۸، سنن دارمی، ج ۲، ص ۱۰۸، نسائی، ج ۲، ص ۱۸۴، ابن ماجہ، ص ۲۳۵ ترمذی، ج ۱، ص ۲۷۷، ابو داؤد، ج ۲، ص ۳۳، مؤطا مالک، ص ۲۹۷)

[3] (صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۵۸، مسند امام احمد، ج ۳، ص ۵۷، نسائی، ج ۲، ص ۱۸۴، مؤطا امام مالک، ص ۲۹۸، صحیح ابن حبان، ج ۸، ص ۵۶۸)

[4] (مسند امام احمد، ج ۳، ص ۲۵۰)

[5] (مستدرک، ج ۱، ص ۳۷۵)

[6] (بخاری، ج ۲، ص ۸۳۵، جامع ترمذی، ج ۱، ص ۲۷۷، دارمی، ج ۲، ص ۱۰۷، مسلم، ج ۲، ص ۱۵۸، صحیح ابن حبان، ج ۸، ص ۵۶۷)

[7] (المعجم الکبیر طبرانی، ج ۱۱، ص ۲۵۴)

[8] (مسند امام احمد، ج ۱، ص ۱۶۶، مجمع الزوائد، ج ۴، ص ۲۷)

[9] (مسند امام احمد، ج ۳، ص ۳۱۷، سنن دارمی، ج ۲، ص ۱۰۹، ابن ماجہ، ص ۲۳۵، مسلم ج ۲، ص ۱۵۹)

۱۱۔ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1]

۱۲۔ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ[2]

۱۳۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ[3]

۱۴۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہم[4]

۱۵۔ حضرت نبیشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ[5]

۱۶۔ حضرت عبد اللہ بن واقد رضی اللہ تعالیٰ عنہ[6]

قارئین کرام! ہم نے کتب احادیث سے سولہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اس حدیث کو روایت کرنے کا ثبوت لکھ دیا ہے۔

۲۔ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مسلک:

وہابیہ کے مستند عالم محمد عبید اللہ خان عفیف لکھتے ہیں کہ آپ کی پسندیدہ کتاب محلی ابن حزم میں ہے کہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۱۲ ذی الحجہ تک قربانی ذبح کرنے کے جواز کے قائل تھے۔[7]

مزید لکھا ہے کہ (منکرین حدیث کے جواب میں لکھا ہے):

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ اول، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ثانی نے زندگی بھر عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی نہیں کی تھی تو پھر وہ تین دن تک قربانی کے قائل کس لیے تھے۔[8]

اسے کہتے ہیں جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔

---

[1] (المعجم الکبیر طبرانی، ج ۲، ص ۹۴، سنن دارمی، ج ۲، ص ۱۰۹، مسلم، ج ۲، ص ۱۵۹، ابو داؤد، ج ۲، ص ۳۳)

[2] (صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۵۹، نسائی، ج ۲، ص ۱۸۴)

[3] (مسند امام احمد، ج ۴، ص ۱۱۵، سنن کبریٰ، ج ۹، ص ۲۹۲)

[4] (مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۲۷)

[5] (سنن ابو داؤد، ج ۲، ص ۳۳، سنن دارمی، ج ۲، ص ۱۰۸، سنن کبریٰ، ج ۹، ص ۲۹۲، ابن ماجہ، ص ۲۳۵)

[6] (صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۵۸، موطا امام مالک، ص ۲۹۷)

[7] (محلی ابن حزم، ج ۷، ص ۲۷۸، فتاویٰ علمائے حدیث، ج ۱۳، ص ۳۳)

[8] (فتاویٰ علمائے حدیث، ج ۱۳، ص ۳۴)

ایام قربانی کے بارے میں ہمارا مسلک وہ ہے جو خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے یعنی قربانی صرف تین دن ہے وہابیہ کے امام ابن حزم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صرف تین دن قربانی کی روایت نقل کی ہے۔[1]

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اسے نقل کیا ہے۔[2]

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۔عن علي بن أبي طالب قال: الأيام المعدودات ثلاثة أيام: يوم الأضحى ويومان بعده۔[3]

اس روایت کو وہابیہ کے امام ابن حزم نے محلی، ج۷، ص۳۷۷ اور وہابیہ کے مجتہد قاضی شوکانی نے تفسیر فتح القدیر، ج۱، ص۲۰۶ پر بھی نقل کیا ہے۔

۲۔عَنْ زِرٍّ, وَنَافِعٍ, قَالَ زِرٌّ: عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ, وَقَالَ نَافِعٌ: عَنِ ابْنِ عُمَرَ, ثُمَّ اتَّفَقَ عَلِيٌّ, وَابْنُ عُمَرَ, قَالاَ جَمِيعًا: الأَيَّامُ الْمَعْدُودَاتُ يَوْمُ النَّحْرِ وَيَوْمَانِ بَعْدَهُ۔

حضرت علی سے زر نے اور نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس بات میں اتفاق روایت کیا کہ ایام معدودات سے مراد دس ذوالحج اور دو دن اس کے بعد۔[4]

۳۔حضرت علی المرتضیٰ سے صرف تین دن قربانی کی روایت امام مالک نے بھی نقل کی ہے۔[5]

۴۔امام بدر الدین عینی مختصر الکرخی کے حوالہ سے رقم طراز ہیں کہ:

عن عبد الله الأسدي عن علي رضي الله تعالى عنه أنه كان يقول أيام النحر ثلاثة۔

عبد اللہ اسدی حضرت علی المرتضیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ قربانی کے تین دن ہیں۔[6]

۵۔وہابیہ کے شیخ الحدیث الیاس اثری لکھتے ہیں کہ حافظ ابن کثیر نے حضرت علی متوفی ۴۰ھ کا مذہب نقل کیا ہے وہ یوم النحر کے دو دن بعد تک قربانی جائز تسلیم کرتے ہیں۔[1]

---

[1] (محلی ابن حزم، ج۷، ص۳۷۷)
[2] (البنایہ شرح الہدایۃ، ج۴، ص۱۷۷)
[3] (تفسیر درمنثور، ج۱، ص۲۳۴، طبع: ایران)
[4] (محلی ابن حزم، ج۷، ص۲۲۰)
[5] (موطا امام مالک، ص۲۹۹، طبع: ملتان)
[6] (عمدۃ القاری، ج۲۱، ص۱۴۷ تفسیر روح المعانی، ج۱۷، ص۱۴۵)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی مذکورہ حدیث کی ایک روایت کی سند کے دوراویوں پر وہابیہ غیر مقلدین جرح کرتے ہیں ایک تو ابن ابی لیلیٰ اور دوسرا منہاج بن عمرو۔

اولاً تو ابن ابی لیلیٰ صحاح سنن اربعہ سنن ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ کا راوی ہے اور اس کی حدیث حسن درجہ کی ہوتی ہے۔

امام بخاری کے استاد احمد بن مونس اور ان کے استاد امام زائدہ فرماتے ہیں:

أفقه أهل الدنيا۔[2]

امام عجلی نے کہا کہ ابن ابی لیلیٰ فقیہہ، صاحب سنت، بے حد سچے اور جائز الحدیث تھے۔[3]

حضرت عطاء نے فرمایا کہ یہ مجھ سے بڑا عالم ہے۔[4]

امام ترمذی اس کی حدیث کو صحیح حسن کہتے ہیں۔[5]

امام دار قطنی نے کہا کہ ثقہ ہے۔[6]

امام ہاشمی اس کی حدیث کو حسن کہتے ہیں۔[7]

وہابیہ کے ابن قیم نے اس کی سند کو صحیح کہا۔[8]

وہابیہ کے شوکانی نے مجمع الزوائد کے حوالے سے اس کا حسن الحدیث ہونا نقل کیا۔[9]

وہابیہ کے احمد شاکر بھی اس کی حدیث کا حسن ہونا مانتے ہیں۔[10]

---

[1](ایام قربانی، ص۷، طبع: گوجرانوالہ)

[2](میزان الاعتدال، ج۳، ص۸۷، تہذیب التہذیب، ج۹، ص۳۰۲)

[3](میزان الاعتدال، ج۳، ص۸۷، تہذیب التہذیب، ج۱، ص۳۰۲، تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۶۲)

[4](میزان الاعتدال، ج۳، ص۸۸، تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۶۲)

[5](ترمذی، ج۱، ص۱۱۱)

[6](دارقطنی، ج۱، ص۲۳۸)

[7](مجمع الزوائد، ج۲، ص۲۳۸)

[8](بدائع الفوائد، ج۳، ص۱۲۳)

[9](تحفۃ الذاکرین، ص۱۹)

[10](شرح ترمذی، ج۱، ص۱۸۸)

۲۔ دوسرا راوی جو منہال بن عمرو ہے تو یہ راوی صحاح کا ہے۔ جب اتنے جلیل القدر محدثین اس کی روایت لیتے ہیں تو پھر اعتراض کیسا؟

امام نسائی اور یحییٰ بن معین اس کو ثقہ کہتے ہیں، امام ابوالحسن القطان کہتے ہیں کہ جب امام عجلی اور ابن معین نے اس کی تعریف رد کر دی ہے تو پھر اعتراض کیسا؟۔[1]

لگے ہاتھوں آنے والے آثار پر جرح کا جواب لے لیجئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایت کی ایک سند میں ایک راوی اسماعیل بن عیاش ہے، جس پر یہ اعتراض کرتے ہیں۔

اولاً تو یہ صحاح اربعہ کا معتمد علیہ ہے۔

ثانیاً امام یعقوب بن سفیان نے کہا کہ ثقہ اور عادل ہے۔ یزید بن ہارون نے کہا سب سے بڑھ کر حافظ ہے۔[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر میں راوی معاویہ بن صالح پر وہابیہ کو اعتراض ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ صحاح اربعہ کا راوی ہے۔

ثانیاً ابن معین اسے ثقہ کہتے ہیں، عجلی و نسائی بھی توثیق کرتے ہیں، ابن فراش نے کہا صدوق ہیں۔ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، امام بزار کیا نے ثقہ کہا۔[3]

ان دلائل سے حضرت علی المرتضیٰ کا مسلک ایام قربانی کے بارے میں واضح ہو گیا کہ قربانی صرف تین دن ہے، مگر دوسری طرف غیر مقلدین کے مؤقف چار دن قربانی کی روایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سند کے ساتھ دنیا کی کسی کتاب میں موجود نہیں ہے، نہ سند ضعیف سے نہ سند صحیح سے، تو پھر بے سند بات کس طرح قابل اعتماد ہو سکتی ہے؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم

عن نافع أن ابن عمر قال: الأضحی یومان بعد یوم الأضحی۔[4]

---

[1] (تہذیب التہذیب، ج ۱، ص ۳۲۰)
[2] (تہذیب، ج ۴، ص ۲۱)
[3] (تہذیب التہذیب، ج ۱۰، ص ۲۰۹)
[4] (سنن کبریٰ، ج ۹، ص ۲۹۷ موطا امام مالک، ص ۲۹۹، مشکوۃ المصابیح، ص ۱۲۹)

وہابیہ کے شیخ الحدیث الیاس اثری نے اس روایت کو سنداً صحیح و درست تسلیم کیا ہے۔[1]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم

امام ترکمانی لکھتے ہیں کہ:

و ذکر الطحاوی فی احکام القرآن بسند جید عن ابن عباس قال الاضحی یومان بعد یوم النحر۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہی روایت دوسری کتب میں بھی موجود ہے۔[3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے چار دن کی ایک روایت بیہقی کے حوالے سے پیش کی جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام ترکمانی اس روایت کے راوی طلحہ بن عمرو حضرمی پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ طلحہ بن عمرو کو امام ابن معین، دار قطنی ابوزرعہ ضعیف کہتے ہیں۔ امام احمد نے فرمایا کہ یہ شخص متروک ہے امام ذہبی نے اس کا ذکر کتاب الضعفاء میں کیا ہے۔[4]

وہابیہ کے امام ابن حزم نے طلحہ بن عمرو کو کذاب قرار دیا ہے۔[5]

ابن حزم کے نزدیک یہ روایت غلط ہے۔[6]

وہابیہ کے شیخ الحدیث الیاس اثری نے بھی اس روایت کو ضعیف تسلیم کیا ہے۔[7]

ایک راوی عبید اللہ بن موسیٰ بھی مذکورہ روایت بالا میں ہے جو ضعیف ہے۔[8]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عن انس قال الاضحی یوم النحر و یومان بعدہ۔[9]

وہابیہ کے شیخ الحدیث اثری نے اس اثر کو سنداً صحیح درست مانا ہے۔[10]

---

[1] (ایام قربانی، ص ۳۹، ۴۰)

[2] (الجواہر النقی، ج ۹، ص ۲۹۲، عمدۃ القاری، ج ۲۱، ص ۱۴۷)

[3] (سنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۹، ص ۲۹۷، ط: ملتان، احکام القرآن، ج ۳، ص ۳۲۳، وہابیہ کی محلی ابن حزم، ج ۷، ص ۲۷۷)

[4] (الجواہر النقی، ج ۹، ص ۲۹۲)

[5] (محلی، ج ۵، ص ۳۴۸)

[6] (محلی، ج ۷، ص ۴۴۳)

[7] (ایام قربانی، ص ۲۱)

[8] (تہذیب، ج ۷، ص ۵۱)

[9] (سنن کبریٰ، ج ۹، ص ۲۹۷، محلی، ج ۷، ص ۲۷۷)

[10] (ایام قربانی، ص ۳۹، ۴۰، وہابی ابن حزم بھی اسے صحیح کہتے ہیں، محلی ج ۷، ص ۲۷۷)

مسائل متفرقہ کے بیان میں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حَدَّثَنِي أَبُو مَرْيَمَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: الأَضْحَى ثَلاثَةُ أَيَّامٍ۔[1]

اس اثر کو بھی وہابی اثری نے صحیح تسلیم کیا ہے۔[2]

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابن وھب نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی نقل کیا ہے کہ قربانی صرف تین دن ہے۔[3]

آئمہ اور فقہاء کا اجماع

اصول حدیث میں ہے کہ جو چیز قیاس سے نہ کہی جائے صحابی خبر دیں تو وہ حکماً مرفوع ہے۔

ا۔ امام ترکمانی لکھتے ہیں کہ:

قال الطحاوی فی احکام القرآن لم یرو عن احد من الصحابة خلافهم فتعین اتباعهم اذ لا یوجد ذلک الا توفیقا۔[4]

امام طحاوی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ کسی بھی صحابی سے ان کے خلاف منقول نہیں ہے لہٰذا ان کی اتباع متعین ہو گئی کیوں کہ ایسی بات صرف توقیفی ہوتی ہے یعنی حضور ﷺ سے سن کر بیان کی گئی ہے۔

۲۔ حضرت امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابراھیم نخعی اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی مذہب نقل کرتے ہیں۔[5]

حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابراہیم نخعی سے یہی نقل کیا ہے۔[6]

تمام احناف کا یہی مسلک ہے۔[7]

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی مسلک ہے۔[8]

---

[1] (محلی، ج۷، ص۲۷۷)

[2] (ایام قربانی، ص ۳۹، ۴۰)

[3] (عمدۃ القاری، ج ۲۱، ص۱۴۷)

[4] (الجوھر النقی، ج۹، ص۲۹۷)

[5] (کتاب الآثار، ص ۱۳۵، طبع: ملتان)

[6] (کتاب الآثار، ص ۲۱، طبع: کراچی)

[7] (المبسوط، ج۱۲، ص ۹)

[8] (الکبری، ج۲، ص۷۳، اکمال المعلم، ج۵، ص ۲۹۱)

امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مسلک ہے کہ قربانی صرف تین دن ہے۔[1]

امام نووی نے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت انس، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مسلک نقل کیا ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مسلک نقل کیا ہے۔[2]

امام نووی کے حوالہ سے وہابی قاضی شوکانی نے یہی نقل کیا ہے۔[3]

امام ترکمانی لکھتے ہیں کہ:

وفی نوادر الفقہاء الابن بنت نعیم اجمع الفقہاء ان التضحیۃ فی الیوم الثالث عشر غیر جائزۃ۔[4]

ابن بنت نعیم کے نوادر الفقہاء میں ہے کہ اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ تیرہویں ذوالحج کو قربانی جائز نہیں۔ وہابیہ کے مجدد نواب صدیق حسن نے بھی آئمہ ثلاثہ کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔[5]

اکابرین وہابیہ کی گواہی

وہابیہ کے محدث عبید اللہ مبارک پوری لکھتے ہیں کہ:

وروي هذا عن علي وعمر وابن عباس وأبي هريرة وأنس, كما في المحلى وحكى ابن القيم وابن قدامة عن أحمد أنه قال: هو قول غير واحد من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم, وذكره الأثرم عن ابن عباس۔[6]

اس بات (کہ قربانی صرف تین دن ہے) کو حضرت علی، حضرت عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا گیا جیسا کہ محلی میں ہے۔[7]

ابن قیم اور ابن قدامہ امام احمد بن حنبل سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مذہب ہے۔

محدث اثرم نے ابن عباس سے یہی ذکر کیا ہے۔

---

[1] (المغنی، ج ۱۱، ص ۱۱۴)

[2] (شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۵۲)

[3] (نیل الاوطار، ج ۵، ص ۱۳۳)

[4] (الجوهر النقی، ج ۹، ص ۲۹۷)

[5] (مسک التختام، ج ۴، ص ۱۳۵)

[6] (مرعاۃ المفاتیح، ج ۳، ص ۳۶۴، طبع: انڈیا)

[7] (ج ۷، ص ۲۷۷)

تقریباً یہی عبارت وہابی قاضی شوکانی نے بھی نقل کی ہے۔[1]

عبد الرحمن مبارکپوری

قربانی کے گوشت کے تین دن تک رکھنے والی حدیث کی شرح وہابیہ کے محدث عبد الرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں کہ:

قال القاضي عياض يحتمل أن يكون ابتداء الثلاث من يوم ذبح الأضحية وإن ذبحت بعد يوم النحر ويحتمل أن يكون من يوم النحر وإن تأخر الذبح عنه قال وهذا أظهر ورجح بن القيم الأول وهذا الخلاف لا يتعلق به فائدة إلا باعتبار الاحتجاج بذلک على أن يوم الرابع ليس من أيام الذبح كذا في النيل۔

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ تین دن کی ابتداء کے بارے میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ یہ قربانی کے دن سے شروع ہو اگرچہ قربانی دس ذوالحج کے بعد کرے دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ دس ذوالحج سے ابتداء ہو اگرچہ قربانی اس دن دے تاخیر کرے اور یہ زیادہ ظاہر ہے کہ ابن قیم نے پہلے احتمال کو ترجیح دی ہے مگر اس اختلاف کا کوئی فائدہ نہیں مگر یہ کہ اس حدیث سے یہ دلیل پکڑی جائے کہ چوتھا دن قربانی کے دنوں سے نہیں ہے، جیسا کہ نیل الاوطار میں ہے۔[2]

یاد رہے کہ یہ نیل الاوطار وہابیہ کے مجتہد قاضی شوکانی کی کتاب ہے مبارکپوری صاحب نے جو نیل الاوطار کی طرف اشارہ کیا ہے وہ عبارت نیل الاوطار ج۵، ص۱۳۴ پر موجود ہے۔

وہابیہ کے شیخ الحدیث ابو البرکات

وہابیہ کے احسان الٰہی ظہیر کے استاد مولوی ابو البرکات سے اس بارے میں سوال ہوا۔ سوال و جواب دونوں ہی ہدیہ قارعین ہیں پھر مختصر تبصرہ فقیر کرے گا۔

سوال: ایک آدمی اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے جان بوجھ کر قربانی چوتھے دن کرتا ہے۔

من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهيد۔

تو کیا وہ اجر عظیم کا مستحق ہو گا یا نہیں وضاحت فرمائیں۔

جواب: اس آدمی کا عمل نبی ﷺ کے عمل کے خلاف ہے اس کو تھوڑا اجر ملے گا، کیوں کہ اصل قربانی عید کے دن ہوتی ہے، نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ عید کے دن قربانی دی ہے، اگر تیسرے دن بھی (قربانی مراد وسائل) مہیا نہیں ہو سکی تو پھر عید کے چوتھے دن کے بعد صرف جائز ہے سنت نہیں ہے، لہٰذا مردہ سنت کو زندہ کرنے والی بات ہی غلط ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ

---

[1] (نیل الاوطار، ج۵، ص۱۳۳)

[2] (تحفۃ الاحوذی، ج۲، ص۳۶۰، طبع: ملتان)

نے تیسرے اور چوتھے دن کبھی بھی قربانی نہیں کی لہٰذا یہ آپ ﷺ کی سنت نہیں اور مردہ سنت کو زندہ کرنے والی بات غلط ہے اور جاہلوں والی بات ہے، جس کے پیچھے کوئی دلیل نہیں ہے۔[1]

قارئین کرام غور کیجئے کہ آج وہابیہ کا یہ شور و غل بلکہ کئی مقامات پر ضد کے جذبہ کے تحت چوتھے دن قربانی پر عمل سنت رسول ﷺ کے خلاف سازش نہیں تو کیا ہے؟

دوسری بات جو فتویٰ مذکور میں قابل غور ہے کہ چوتھے دن کی قربانی خلاف سنت بھی ہے مگر اجر بھی ملے گا۔ انصاف سے کہئے کہ وہابیہ کا حضور سرور عالم ﷺ کی سنت و حدیث سے پیار ہے یا بغاوت؟ احباب اہل سنت کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ کسی بھی صحابی سے چوتھے دن کی قربانی کی روایت ثابت نہیں ہے اور وہابیہ قیامت کی صبح تک کسی صحابی سے سند صحیح سے یہ ہرگز ثابت نہیں کر سکتے تو پھر بے سند اقوال سے یہ مسئلہ ثابت کرنا تو ان کی جہالت و حماقت ہے۔

(مسائل قربانی اور غیر مقلدین، ص ۲۶ تا ۳۵)

(۱۳۰) مسئلہ نمبر ایک سو تیس: ایام قربانی کے بیان میں

قربانی کے دن:

ہمارے احناف کے نزدیک قربانی کے تین دن ہیں (۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحج)۔

غیر مقلدین کے ہاں چار دن ہیں یعنی ۱۰ ر ذی الحجہ سے لے کر ۱۳ ر ذی الحجہ تک۔

احناف کے دلائل

حدیث نمبر (۱):

حدثني أبو عبيد مولى أزهر قال: صليت مع علي بن أبي طالب رضي الله عنه العيد و عثمان بن عفان رضي الله عنه محصور فصلى ثم خطب فقال لا تأكلوا من لحوم أضاحيكم بعد ثلاثة أيام فإن رسول الله صلى الله عليه و سلم أمر بذلک۔[2]

حدیث نمبر (۲):

عن نافع عن بن عمر رضي الله عنهما عن رسول الله صلى الله عليه و سلم أنه كان يقول: لا يأكل أحدكم من لحم أضحيته فوق ثلاثة أيام۔[3]

---

[1] (فتاویٰ برکاتیہ، ج ۲۵۰، ص ۲۷۹، طبع: گوجرانوالہ)

[2] (الطحاوی، ج ۲، ص ۲۸۰، و اللفظ لہ، ط: حقانیہ، مسلم، ج ۲، ص ۱۵۷، ط: قدیمی)

[3] (الطحاوی، ج ۲، ص ۲۸۰، و اللفظ لہ، ط: حقانیہ، مسلم، ج ۲، ص ۱۵۸، ط: قدیمی)

دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے تین دن کے بعد قربانی کا گوشت گھر میں رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

اس مضمون کی حدیث تقریباً ۱۶ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔ اس حدیث سے بالکل ظاہر ہے کہ جب چوتھے دن گوشت کی ایک بوٹی رکھنے کی بھی اجازت نہیں تو پورا بکرا قربانی کرنا کیسے جائز ہو گا؟ معلوم ہوا کہ قربانی کے تین ہی دن ہیں، اگر چار ہوتے تو چار دنوں تک گوشت رکھنے کی اجازت ہوتی۔

قال العلامة زكريا الكاندهلوى: و دليلنا من جهة السنة الحديث المتقدم "انه ﷺ نهى عن اكل لحوم الاضاحى بعد ثلاث"۔ و معلوم انه اباح الاكل منها فى ايام الذبح، فلو كان اليوم الرابع منها لكان قد حرم على من ذبح فى ذلك اليوم ان يا كل منها۔[1]

و قال العلامة ظفر احمد عثمانى: و لنا انه ﷺ كان قد نهى عن ادخار لحوم الاضاحى فوق ثلاث، متفق عليه، وهو حديث مشهور اخرجه الشيخان والجماعة بطرق عديدة عن جماعة من الصحابة، وورد التصريح بان المراد بالثلاث يوم النحر و يومان بعده، ففى حديث جابر: "كنا لا نا كل من لحوم بدننا فوق ثلاث منى" كما فى "فتح البارى" (۱۰: ۲۲)، و ثلاث منى او لها يوم النحر، وهو يدل على كون التضحية مؤقتة بثلاثة ايام؛ و لو جازت الى آخر ايام التشريق او الى آخر الشهر لم يكن للنهى عن الادخار فوق ثلاث معنى، فكيف يجوز الذبح فى وقت لا يجوز ادخار الاضحية اليه؟۔[2]

تنبیہ: اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں اکثر مسلمان مسکین تھے تو مالداروں کو حکم دیا کہ ان مساکین اور فقراء کو کھلاؤ اور تین دن کے بعد گھر میں رکھ کر ذخیرہ مت بناؤ۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے وسعت عطاء فرمائی تو پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ لہٰذا اب پورا سال بھی رکھنا جائز ہے۔

عن سلمة بن الأكوع قال: قال النبي صلى الله عليه و سلم (من ضحى منكم فلا يصبحن بعد ثالثة وفي بيته منه شيء). فلما كان العام المقبل قالوا يا رسول الله نفعل كما فعلنا عام الماضي؟ قال (كلوا و أطعموا و ادخروا فإن ذلك العام كان بالناس جهد فأردت أن تعينوا فيها)۔[3]

حدیث نمبر (۳):

مالک عن نافع ان عبد الله بن عمر: قال الأضحى يومان بعد يوم الأضحى۔

امام مالک اور نافع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کی سلسلۃ الذہب یعنی سنہری سند سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے تھے کہ قربانی کے تین دن ہیں۔[1]

---

[1] (اوجز المسالک، ج ۱۰، ص ۲۷۲، ط: دار القلم، دمشق)

[2] (اعلاء السنن، ج ۱۷، ص ۲۳۵، ط: ادارۃ القرآن)

[3] (صحیح البخاری، ج ۲، ص ۸۳۵، ط: قدیمی)

امام ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی، حضرت عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابی ہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی قربانی کے تین دن ہی روایت کیے ہیں۔

قال الامام ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ: وَقَوْلٌ ثَالِثٌ: أَنَّ التَّضْحِيَةَ يَوْمَ النَّحْرِ وَيَوْمَانِ بَعْدَهُ - رُوِّينَا مِنْ طَرِيقِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ الْمِنْهَالِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ زِرٍّ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: النَّحْرُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ أَفْضَلُهَا أَوَّلُهَا. وَمِنْ طَرِيقِ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ نَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ مَاعِزٍ, أَوْ مَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ الثَّقَفِيِّ: أَنَّ أَبَاهُ سَمِعَ عُمَرَ يَقُولُ: إنَّمَا النَّحْرُ فِي هَذِهِ الثَّلَاثَةِ الْأَيَّامِ. وَمِنْ طَرِيقِ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ نَا هُشَيْمٌ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنْ حَرْبِ بْنِ نَاجِيَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: أَيَّامُ النَّحْرِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ. وَمِنْ طَرِيقِ وَكِيعٍ عَنْ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ الْمِنْهَالِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ النَّحْرُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ. وَمِنْ طَرِيقِ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ عَنْ إسْمَاعِيلَ بْنِ عَيَّاشٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: الْأَضْحَى يَوْمُ النَّحْرِ وَيَوْمَانِ بَعْدَهُ. وَمِنْ طَرِيقِ وَكِيعٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نَافِعٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: مَا ذُبِحَتْ يَوْمَ النَّحْرِ, وَالثَّانِي, وَالثَّالِثَ فَهِيَ الضَّحَايَا. وَمِنْ طَرِيقِ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ نَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ حَدَّثَنِي أَبُو مَرْيَمَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: الْأَضْحَى ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ. وَمِنْ طَرِيقِ وَكِيعٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: الْأَضْحَى يَوْمُ النَّحْرِ وَيَوْمَانِ بَعْدَهُ۔ [2]

تنبیہ: قارئین کرام! یہ بات یاد رکھیئے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے وہ اقوال جن کا مدار عقل پر نہیں ہوتا وہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتے ہیں۔

قال العلامۃ الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرحہ علی شرح نخبۃ الفکر: (ومثال المرفوع من القول حكماً لا تصريحاً:) تصريحٌ بما عُلِمَ ضمناً في قوله: حكماً, فهو تأكيد لا تقييد, (مايقول الصحابي) قيل 'ما' مصدرية, والأظهر أن 'ما' موصولة أو موصوفة, أي الحديث الذي يقوله الصحابي, أو حديث يقول فيه الصحابي (الذي لم يأخذ عن الإسرائيليات) أي من كتب بني إسرائيل , أو من أفواههم ,۔۔۔۔۔ثم قيد بقيد آخر وهو : (ما لا مجال للاجتهاد فيه)۔ [3]

قال العلامۃ النووی رحمہ اللہ تعالیٰ: (وأما قول من قال تفسير الصحابي مرفوع) فذاك في تفسير يتعلق بسبب نزول آية أو نحوه۔

و قال العلامۃ السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ: (أو نحوه) مما لا يمكن أن يؤخذ إلا عن النبي صلى الله عليه وسلم ولا مدخل للرأي فيه۔ [4]

---

[1] (الموطأ، ج۲، ص۴۸۷، ط:داراحیاء التراث)

[2] (المحلی بالآثار، ج۶، ص۴۰، ط:دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

[3] (شرح شرح نخبۃ الفکر، ج۱، ص۵۴۸، ط:دارارقم، بیروت)

[4] (تدریب الراوی، ج۱، ص۹۸، ط:قدیمی)

غیر مقلدین کی دلیل:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كل أيام التشريق ذبح۔

(الدار قطنی)

عن جبير بن مطعم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر مثله وقال: كل أيام التشريق ذبح۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام ایام تشریق ذبح (قربانی) کے دن ہیں۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں۔

(۱) یہ حدیث منکر ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا تھا:

ايام التشريق ايام اكل وشرب۔[2]

ایام تشریق کھانے پینے کے دن ہیں (یعنی ان میں روزہ نہ رکھیں) یہ مضمون تقریباً ۱۴ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت فرمایا ہے۔ اس روایت کے خلاف حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ایک راوی سلیمان بن موسیٰ بن الاشدق ہے (وقال البخاري عنده مناكير، وقال النسائي احد الفقهاء وليس بالقوي في الحديث)۔۔۔ (تهذيب التهذيب، ج ۲، ص ۴۲۴، ط: دار المعرفة، بيروت)۔ اس نے کھانے پینے کی بجائے لفظ ذبح بیان کر دیا۔ لہٰذا لفظ ذبح اس روایت میں منکر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ غیر مقلدین کے سابق مناظر اعظم مولوی بشیر احمد سہوانی اس کو ضعیف کہتے ہیں۔[3]

نیز غیر مقلدین کے سابق امیر جماعت اہل حدیث مولوی محمد اسماعیل سلفی بھی کہتے ہیں کہ اس کے ہر طریق میں کچھ نہ کچھ نقص ہے۔[4]

(۲) اگر بالفرض اس روایت کو محفوظ اور صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی احتیاط اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ درج ذیل اجماعی، اتفاقی اور یقینی صورتوں کو اختیار کیا جائے اور دوسروں کو بھی یہی اختیار کرنے کی دعوت دی جائے۔

---

[1] (مسند احمد، ج ۲۷، ص ۳۱۷، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت، و مثله فی صحيح ابن حبان، رقم الحديث: ۳۸۵۴، ج ۹، ص ۱۶۶، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت، و مثله فی سنن دار قطنی، رقم الحديث، ۴۷۵۸، ج ۵، ص ۵۱۲، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت)

[2] (صحيح مسلم، ج ۱، ص ۳۶۰ ط: قديمی)

[3] (فتاویٰ علمائے حدیث، ج ۱۳، ص ۱۷۸، بحوالہ رسائل، ج ۳، ص ۳۸۶)

[4] (فتاویٰ علمائے حدیث، ج ۱۳، ص ۱۶۹، بحوالہ رسائل، ج ۳، ص ۳۸۶)

اجماعی، اتفاقی اور یقینی امور

(۱) آپ ﷺ ہمیشہ ۱۰/ ذی الحجہ کو قربانی کرتے تھے۔

قال العلامة المرغيناني رحمه الله تعالىٰ: قال وهي جائزة في ثلاثة أيام يوم النحر ويومان بعده وقال الشافعي رحمه الله ثلاثة أيام بعده لقوله عليه الصلاة و السلام أيام التشريق كلها أيام ذبح و لنا ما روي عن عمر و علي و ابن عباس رضي الله عنهم أنهم قالوا أيام النحر ثلاثة أفضلها أولها و قد قالوه سماعا لأن الرأي لا يهتدي إلى المقادير۔[1]

و قال العلامة العيني رحمه الله تعالىٰ: (و قد قالوه سماعا؛ لأن الرأي لا يهتدي إلى المقادير) ش: لأن تخصيص العبادات بوقت لا يعرف إلا سماعا و توقيتا. فالمروي عنهم كالمروي عن رسول الله - صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔[2]

(۲) دس ۱۰/ ذی الحجہ کو قربانی کا ثواب دوسرے ایام کی نسبت زیادہ ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: النَّحْرُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ أَفْضَلُهَا أَوَّلُهَا۔[3]

یعنی قربانی کے تین دن ہیں، جن میں سب سے افضل پہلا دن ہے۔

(۳) ۱۰، ۱۱، ۱۲ ان تاریخوں میں جس نے قربانی کی، تو یقیناً سب کے ہاں اس کی قربانی ہو گی۔

سوالات و مطالبات

(۱) کیا کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی چوتھے روز قربانی کی ہے؟ صحیح سند سے بتائیے، یا کرنا کا حکم دیا ہو تو بھی سندِ صحیح سے بتا دیجئے۔

(۲) جن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قربانی کے صرف تین دن ہی بتائے ہیں ان کا قول سنت کے خلاف ہے یا نہیں؟ اور انہیں تارک سنت اور مخالف سنت کہا جائے گا یا نہیں؟

(۳) اگر شرکاء میں کوئی مرزائی یا شیعہ ہو تو سب کی قربانی ہو گی یا نہیں؟

(۴) قربانی کا گوشت تول کر تقسیم کرنا چاہیئے یا اندازہ بھی جائز ہے؟

(۵) قربانی کی گائے میں عقیقہ یا نذر کا حصہ شامل کرنا حدیث میں منع ہے یا جائز ہے؟

(۶) قربانی کی بجائے اس کی قیمت اپنے احباب میں تقسیم کر دے تو قربانی کا ثواب مل جائے گا یا نہیں؟

(۷) قربانی فرض ہے یا واجب یا سنت یا نفل؟ صریح حکم قرآب و حدیث سے تحریر کریں۔

---

[1] (الهداية، ج۴، ص۳۷، ط: رحمانيه)

[2] (البناية، ج۱۲، ص۲۸، ط: دار الكتب العلمية، بيروت)

[3] (المحلى بالآثار، ج۶، ص۴۰، ط: دار الكتب العلمية، بيروت)

تنبیہ: مندرجہ بالا سوالات کے جوابات صرف قرآن پاک کی صریح آیت یا صحیح، صریح، غیر معارض حدیث سے دینا ضروری ہے۔ کسی امتی کا قول نقل کر کے مشرک بننے کی اجازت نہیں، اسی طرح قیاسات لکھ کر شیطان بننے اور بے سند باتیں لکھ کر بے دین بننے اور جواب سے سکوت کر کے گونگا شیطان بننے کی بھی اجازت نہیں۔

(قربانی کے فضائل ومسائل، ص ۳۲ تا ۳۷)

(۱۳۱) مسئلہ نمبر ایک سو اکتیس: قربانی میں شرکت کے احکام

مسئلہ: قربانی کے جانور میں حصوں کا تعین ضروری ہے اس طور پر کہ کس شخص کا حصہ کس جانور میں ہے، اگر جانور متعین نہ کیا گیا بایں طور کہ دو گائے میں چودہ آدمی بلا تعین جانور شریک ہو گئے تو بھی قربانی جائز ہو جائے گی (استحساناً)۔ البتہ گوشت کی تقسیم کا طریقہ کار یہ ہو گا کہ دونوں گائے کے گوشت کو ملا کر چودہ حصے کر لیے جائیں۔

فی الهندية: وفي الأضاحي للزعفراني اشترى سبعة نفر سبع شياه بينهم ولم يسم لكل واحد منهم شاة بعينها فضحوا بها كذلك فالقياس أن لا يجوز وفي الاستحسان يجوز فقوله اشترى سبعة نفر سبع شياه بينهم يحتمل شراء كل شاة بينهم ويحتمل شراء شياه على أن يكون لكل واحد شاة ولكن لا بعينها فإن كان المراد هو الثاني فما ذكر في الجواب باتفاق الروايات لأن كل واحد منهم يصير مضحيا شاة كاملة وإن كان المراد هو الأول فما ذكر من الجواب على إحدى الروايتين فإن الغنم إذا كانت بين رجلين ضحيا بها ذكر في بعض المواضع أنه لا يجوز كذا في المحيط۔[1]

امداد الاحکام میں ہے:

السوال: اگر چودہ آدمی دو گایوں میں شریک ہو کر قربانی کریں کہ ہر ایک کا حصہ کسی خاص گائے میں متعین نہ کیا جائے اور یہ نہ کہا جائے کہ یہ گائے سات شخصوں کی ہے اور دوسری گائے دوسرے سات شخصوں کی ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ یہ دونوں گائیں مشترک طور پر چودہ شخصوں کی طرف سے ہیں تو اس طرح قربانی درست ہو گی یا نہیں؟

الجواب

یہ صورت قیاساً تو جائز نہیں، ہاں استحساناً جائز ہے۔[2]

مسئلہ: گائے، بھینس، اونٹ میں سات اور اس سے کم آدمی شریک ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ ان میں سے کسی کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہ ہو اور سب کی نیت ثواب کی ہو اگر کسی کا حصہ ساتویں سے کم ہو یا اس کی نیت محض گوشت کھانے کی ہے تو پھر کسی

---

[1] (الهندية، ج۵، ص ۳۰۶، ط: رشيديه)

[2] (امدادالاحكام، ج۴، ص ۲۷۳، ط: دار العلوم)

کی بھی قربانی درست نہ ہوگی۔ عقیقہ بھی چونکہ ثواب کا کام ہے، اس لیے عقیقہ کی نیت سے کوئی شرکت کرے تو بھی جائز ہے ئ، البتہ بہتر یہ ہے کہ جس گائے میں قربانی کا حصہ ہے اس میں عقیقہ کا حصہ نہ ڈالے۔

قال ملک العلماء الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ: وَلَا شَکَّ فِي جَوَازِ بَدَنَةٍ أو بَقَرَةٍ عن أَقَلَّ من سَبْعَةٍ بِأَنْ اشتراک (((اشترک))) اثْنَانِ أو ثَلَاثَةٌ أو أَرْبَعَةٌ أو خَمْسَةٌ أو سِتَّةٌ في بَدَنَةٍ أو بَقَرَةٍ لِأَنَّهُ لَمَّا جَازَ السُّبْعُ فَالزِّيَادَةُ أَوْلَى وَسَوَاءٌ اتَّفَقَتْ الانصباء في الْقَدْرِ أو اخْتَلَفَتْ بِأَنْ يَكُونَ لِأَحَدِهِمْ النِّصْفُ وَلِلْآخَرِ الثُّلُثُ وَلِآخَرَ السُّدُسُ بَعْدَ أَنْ لَا يَنْقُصَ عن السُّبْعِ۔[1]

و قال العلامة قاضی خان رحمه اللہ تعالیٰ: الشاة في الأضحية لا تجوز إلا عن واحد و الإبل و البقر يجوز عن سبعة إذا أراد الكل القربة اختلفت جهة القربة أو اتحدت و إن أراد بعض الشركاء اللحم لا يجوز عنهم و لا تسقط الأضحية عنهم۔[2]

قال ملک العلماء الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ: وَلَنَا أَنَّ الْجِهَاتِ وَإِنْ اخْتَلَفَتْ صُورَةً فَهِيَ في الْمَعْنَى وَاحِدٌ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ من الْكُلِّ التَّقَرُّبُ إلَى اللَّهِ عز شَأْنُهُ وَكَذَلِكَ إنْ أَرَادَ بَعْضُهُمْ الْعَقِيقَةَ عن وَلَدٍ وُلِدَ له من قَبْلُ لِأَنَّ ذلك جِهَةُ التَّقَرُّبِ إلَى اللَّهِ تَعَالَى عز شَأْنُهُ بِالشُّكْرِ على ما أَنْعَمَ عليه من الْوَلَدِ كَذَا ذَكَرَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ في نَوَادِرِ الضَّحَايَا۔[3]

في الهندية: ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب أجزأهم سواء كانت القربة واجبة أو تطوعا أو وجب على البعض دون البعض وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت بأن أراد بعضهم الأضحية وبعضهم جزاء الصيد وبعضهم هدي الإحصار وبعضهم كفارة عن شيء أصابه في إحرامه وبعضهم هدي التطوع وبعضهم دم المتعة أو القران وهذا قول أصحابنا الثلاثة رحمهم اللہ تعالی وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له من قبل كذا ذكر محمد رحمه اللہ تعالی في نوادر الضحايا۔[4]

مسئلہ: قربانی کے لیئے جانور خریدتے وقت نیت تھی کہ دوسروں کو شریک کرے گا تو اس کے لیے خریدنے کے بعد دوسروں کو شریک کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہے۔

مسئلہ: اگر خریدتے وقت دوسروں کی شرکت کی نیت نہیں تھی پورا جانور اپنے لیے خریدا تو مالدار کے لیے ایک روایت کے مطابق دوسروں کو شریک کرنا درست ہے۔ اور فقیر کے لیے دوسروں کو شریک کرنا درست نہیں، پورا جانور اپنی طرف سے ذبح کرنا ضروری ہے۔

---

[1] (بدائع الصنائع، ج۵، ص ۷۱، ط: سعید)

[2] (الفتاویٰ الخانیة علی هامش الهندیة، ج۳، ص ۳۴۹، ط: رشیدیه)

[3] (بدائع الصنائع، ج۵، ص ۷۲، ط: سعید)

[4] (الهندیة، ج۵، ص ۳۰۴، ط: رشیدیه)

بہر حال مالدار کے لیے بھی دوسروں کو شریک کرنا ناپسندیدہ اور خلاف احتیاط ہے۔ احتیاط اور بہتری اسی میں ہے کہ نیت کے مطابق پورے جانور کو اپنی طرف سے ذبح کر دے۔

قال ملک العلماء الكاساني رحمه الله تعالى: وَلَوْ اشْتَرَى رَجُلٌ بَقَرَةً يُرِيدُ أَنْ يُضَحِّيَ بها ثُمَّ أَشْرَكَ فيها بَعْدَ ذلك قال هِشَامٌ سَأَلْت أَبَا يُوسُفَ فَأَخْبَرَنِي أَنَّ أَبَا حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ قال أَكْرَهُ ذلك وَيُجْزِيهِمْ أَنْ يَذْبَحُوهَا عَنْهُمْ قال وَكَذَلِكَ قَوْلُ أبي يُوسُفَ قال قُلْت لِأَبِي يُوسُفَ وَمِنْ نِيَّتِهِ أَنْ يُشْرِكَ فيها قال لَا أَحْفَظُ عن أبي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ فيها شيئا وَلَكِنْ لَا أَرَى بِذَلِكَ بَأْسًا وقال في الْأَصْلِ قال أَرَأَيْت في رَجُلٍ اشْتَرَى بَقَرَةً يُرِيدُ أَنْ يُضَحِّيَ بها عن نَفْسِهِ فَأَشْرَكَ فيها بَعْدَ ذلك ولم يُشْرِكْهُمْ حتى اشْتَرَاهَا فَأَتَاهُ إنْسَانٌ بَعْدَ ذلك فَأَشْرَكَهُ حتى اسْتَكْمَلَ يَعْنِي أَنَّهُ صَارَ سَابِعَهُمْ هل يُجْزِي عَنْهُمْ قال نعم أَسْتَحْسِنُ وَإِنْ فَعَلَ ذلك قبل أَنْ يَشْتَرِيَهَا كان أَحْسَنَ وَهَذَا مَحْمُولٌ على الغني إذَا اشْتَرَى بَقَرَةً لِأُضْحِيَّتِهِ لِأَنَّهَا لم تَتَعَيَّنْ لِوُجُوبِ التَّضْحِيَةِ بها وَإِنَّمَا يُقِيمُهَا عِنْدَ الذَّبْحِ مَقَامَ ما يَجِبُ عليه أو وَاجِبٌ عليه فَيَخْرُجُ عن عُهْدَةِ الْوَاجِبِ بِالْفِعْلِ فِيمَا يُقِيمُهُ فيه فَيَجُوزُ اشْتِرَاكُهُمْ وفيها (((فيها))) وَذَبْحُهُمْ إلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ لِأَنَّهُ لَمَّا اشْتَرَاهَا لِيُضَحِّيَ بها فَقَدْ وَعَدَ وَعْدًا فَيُكْرَهُ أَنْ يُخْلِفَ الْوَعْدَ فَأَمَّا إذَا كان فَقِيرًا فَلَا يَجُوزُ له أَنْ يُشْرِكَ فيها لِأَنَّهُ أَوْجَبَهَا على نَفْسِهِ بِالشِّرَاءِ لِلْأُضْحِيَّةِ فَتَعَيَّنَتْ لِلْوُجُوبِ فَلَا يَسْقُطُ عنه ما أَوْجَبَهُ على نَفْسِهِ وقد قالوا في مَسْأَلَةِ الْغَنِيِّ إذَا أَشْرَكَ بَعْدَمَا اشْتَرَاهَا لِلْأُضْحِيَّةِ أَنَّهُ يَنْبَغِي أَنْ يَتَصَدَّقَ بِالثَّمَنِ وَإِنْ لم يذكر ذلك مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ لِمَا رُوِيَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ دَفَعَ إلَى حَكِيمِ بن حِزَامٍ دِينَارًا وَأَمَرَهُ أَنْ يَشْتَرِيَ له أُضْحِيَّةً فَاشْتَرَى شَاةً فَبَاعَهَا بِدِينَارَيْنِ وَاشْتَرَى بِأَحَدِهِمَا شَاةً وَجَاءَ إلَى النبي عليه الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِشَاةٍ وَدِينَارٍ وَأَخْبَرَهُ بِمَا صَنَعَ فقال له عليه الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بَارَكَ اللهُ في صَفْقَةِ يَمِينِكَ وَأَمَرَ عليه الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَنْ يضحي بِالشَّاةِ وَيَتَصَدَّقَ بِالدِّينَارِ لِمَا أَنَّهُ قَصَدَ إخْرَاجَهُ لِلْأُضْحِيَّةِ كَذَا هَهُنَا۔ [1]

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: (وَصَحَّ) (اشْتِرَاكُ سِتَّةٍ فِي بَدَنَةٍ شُرِيَتْ لِأُضْحِيَّةٍ) أَيْ إنْ نَوَى وَقْتَ الشِّرَاءِ الِاشْتِرَاكَ صَحَّ اسْتِحْسَانًا وَإِلَّا لَا (اسْتِحْسَانًا وَذَا) أَيْ الِاشْتِرَاكُ (قَبْلَ الشِّرَاءِ أَحَبُّ)۔ و قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قَوْلُهُ فِي بَدَنَةٍ شُرِيَتْ لِأُضْحِيَّةٍ) أَيْ لِيُضَحِّيَ بِهَا عَنْ نَفْسِهِ هِدَايَةٌ وَغَيْرُهَا ، وَهَذَا مَحْمُولٌ عَلَى الْغَنِيِّ لِأَنَّهَا لَمْ تَتَعَيَّنْ لِوُجُوبِ الضَّحِيَّةِ بِهَا وَمَعَ ذَلِكَ يُكْرَهُ لِمَا فِيهِ مِنْ خَلْفِ الْوَعْدِ. وَقَدْ قَالُوا إنَّهُ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِالثَّمَنِ وَإِنْ لَمْ يَذْكُرْهُ مُحَمَّدٌ نَصًّا ، فَأَمَّا الْفَقِيرُ فَلَا يَجُوزُ لَهُ أَنْ يُشْرِكَ فِيهَا لِأَنَّهُ أَوْجَبَهَا عَلَى نَفْسِهِ بِالشِّرَاءِ لِلْأُضْحِيَّةِ فَتَعَيَّنَتْ لِلْوُجُوبِ بَدَائِعُ وَغَايَةُ الْبَيَانِ لَكِنْ فِي الْخَانِيَّةِ سَوَّى بَيْنَ الْغَنِيِّ وَالْفَقِيرِ ثُمَّ حَكَى التَّفْصِيلَ عَنْ بَعْضِهِمْ تَأَمَّلْ۔ [2]

مسئلہ: اگر شرکاء میں سے کوئی سود، بیمہ، قمار وغیرہ حرام آمدنی کی رقم جمع کر کے شریک ہو گیا تو پھر کسی کی بھی قربانی نہیں ہو گی۔

---

[1] (بدائع الصنائع، ج۵، ص ۷۲، ط: سعید)

[2] (الشامیۃ، ج۶، ص ۳۱۷، ط: سعید)

فی الهندية: وفي المنتقى إبراهيم عن محمد رحمه الله تعالى في امرأة نائحة أو صاحب طبل أو مزمار اكتسب مالا قال إن كان على شرط رده على أصحابه إن عرفهم يريد بقوله على شرط إن شرطوا الهافي أوله مالا بإزاء النياحة أو بإزاء الغناء وهذا لأنه إذا كان الأخذ على الشرط كان المال بمقابلة المعصية فكان الأخذ معصية والسبيل في المعاصي ردها وذلک هاهنا برد المأخوذ إن تمكن من رده بأن عرف صاحبه وبالتصدق به إن لم يعرفه ليصل إليه نفع ماله إن كان لا يصل إليه عين ماله۔[1]

و قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: وَالْحَاصِلُ أَنَّهُ إنْ عَلِمَ أَرْبَابَ الْأَمْوَالِ وَجَبَ رَدُّهُ عَلَيْهِمْ، وَإِلَّا فَإِنْ عَلِمَ عَيْنَ الْحَرَامِ لَا يَحِلُّ لَهُ وَيَتَصَدَّقُ بِهِ بِنِيَّةِ صَاحِبِهِ۔[2]

مسئلہ: اجتماعی قربانی میں اگر تمام شرکاء اپنی مرضی سے سری، پائے، قصابوں یا انتظامیہ کے لیے چھوڑ دیں تو قصابوں اور انتظامیہ کے لیے ان کا لے جانا جائز ہے، البتہ بطور اجرت دینا جائز نہیں۔

امداد المفتین میں ہے:

سوال: ایک شخص جو اپنی قربانی میں سے سری، پائے یا کوئی اور حصہ سقہ، بھنگی اور فقیر کو ان کا حق سمجھ کر دیتا ہے، آیا اس کی قربانی صحیح ہو جاتی ہے؟ یا اس میں کوئی نقص پیدا ہو جاتا ہے، اور اگر کوئی نقص پیدا ہو جاتا ہے تو اس کی کیا تلافی ہے؟

الجواب: قربانی ادا ہو جاتی ہے مگر بہت کراہت کے ساتھ اور اس کے ذمے واجب ہوتا ہے کہ سر، پائے کی جو قیمت ہو اندازہ کر کے اس کا صدقہ کرے ورنہ گنہگار رہے گا، اور یہ سب اس وقت ہے جب کہ خدمت پیشہ لوگوں کو مقرر کر کے بطور حق الخدمت دے کیونکہ وہ بحکم بیع ہے اور اگر اتفاقی طور پر کسی خدمت گار کو دے دیا جاوے تو مضائقہ نہیں بشرطیکہ رسم نہ پڑے۔[3]

مسئلہ: شیعہ، قادیانی، مجوسی وغیرہ کسی غیر مسلم اور مرتد و زندیق کو شریک کرنا جائز نہیں، اگر شریک کر لیا تو پھر کسی کی بھی قربانی نہیں ہو گی۔ مسلمانوں پر دوبارہ کرنا واجب اور ضروری ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: (وَإِنْ) (كَانَ شَرِيکُ السِّتَّةِ نَصْرَانِيًّا أَوْ مُرِيدًا اللَّحْمَ) (لَمْ يُجْزِ عَنْ وَاحِدٍ)۔

---

[1] (الهندية، ج۵، ص ۳۴۹، ط: رشيديه)

[2] (الشامية، ج۵، ص ۹۹، ط: سعيد)

[3] (امدادالمفتين، ص ۸۰۰، ط: دارالاشاعت)

و قال العلامة الطحطاوی رحمه الله تعالیٰ: (قوله و ان کان شریک الستة نصرانیا) ولو نوی الاضحیة لان نیته غیر معتبرة لفقد شرطها وهو الاسلام قال فی الهندیة و لَا یُشَارِکُ الْمُضَحِّي فِيمَا يَحْتَمِلُ الشَّرِكَةَ من لَا يُرِيدُ الْقُرْبَةَ رَأْسًا فَإِنْ شَارَكَ لم يَجُزْ عن الْأُضْحِيَّةِ وَكَذَا هذا في سَائِرِ الْقُرَبِ۔[1]

مسئلہ: اگر قربانی میں کوئی حصے دار اپنا حصہ کسی مرحوم کی جانب سے کرنا چاہے تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ وہ نیت تو اپنی طرف سے قربانی کی کرلے اور ثواب مرحوم کو بخش دے۔[2]

مسئلہ: اگر کوئی صاحب نصاب شخص اپنے کسی مرحوم کی طرف سے قربانی کی نیت کرلے تو اس قربانی سے اس کے ذمہ جو قربانی ہے وہ ساقط ہو جائے گی یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں:

(۱) ساقط ہو جائے گی۔ یہ قول أیسر اور أوسع ہے اور عند البعض أرجح ہے۔

(۲) ساقط نہ ہوگی۔ یہ قول أحوط ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اگر وسعت ہو تو اپنی قربانی الگ سے کرلے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: (قوله وعن میت) أي لو ضحى عن ميت وارثه بأمره ألزمه بالتصدق بها وعدم الأكل منها، وإن تبرع بها عنه له الأكل لأنه يقع على ملك الذابح والثواب للميت، ولهذا لو كان على الذابح واحدة سقطت عنه أضحيته كما في الأجناس. قال الشرنبلالي: لكن في سقوط الأضحية عنه تأمل اهـ. أقول: صرح في فتح القدير في الحج عن الغير بلا أمر أنه يقع عن الفاعل فيسقط به الفرض عنه وللآخر الثواب فراجعه۔[3]

مسئلہ: اگر کئی مرحومین کو اضحیہ کا ثواب پہنچانا مقصود ہو تو اس کی آسان صورت یہ ہے کہ اپنی طرف سے ایک نفلی قربانی کرکے اس کا ثواب سب مرحومین کو بخش دے۔

قال العلامة ظفر احمد العثمانی: قلت: التضحية عن الغير تحتمل وجهين: أحدهما: أن يكون المضحى هو الغير ويكون المباشر نائبا عنه، ومثل التضحية لا يجوز بشاة واحدة عن أكثر من واحد عند ابی حنیفة و أصحابه لما دل الدليل على أن الشاة الواحد لا تجزی الا عن واحد۔ والثانی: أن يكون المضحى هو المباشر و يشرك غيره فی الثواب أن يهديه له، ومثل هذه التضحية لا يمنعه أبو حنيفة و أصحابه، لا لواحد، ولا لأكثر۔[4]

مسئلہ: اگر قربانی کے جانور میں غلطی سے سات سے زیادہ افراد شریک ہو جائیں تو دو صورتیں ہیں:

(۱) اگر قربانی کرنے سے پہلے پہلے پتہ چل گیا تو زائد افراد اپنے حصے کی قیمت بقیہ شرکاء سے وصول کرکے الگ ہو جائیں۔

---

[1] (حاشیة الطحطاوی علی الدر، ج۴، ص ۱۶۶، ط: المکتبة العربیة)
[2] (امداد الاحکام، ج۴، ص ۲۳۳، ط: دار العلوم)
[3] (الشامیة، ج۶، ص ۳۳۵، ط: سعید)
[4] (اعلاء السنن، ج۱۷، ص ۲۰۹، ط: ادارة القرآن)

(۲) اور اگر سات سے زائد افراد کی جانب سے قربانی کر لی گئی تو ان سب کی قربانی باطل ہو جائے گی اور اس کی جگہ ایام قربانی میں قربانی کرنا ضروری ہے، اور ایام قربانی گزرنے کے بعد ہر ایک پر ایک متوسط قربانی کی قیمت کا تصدق ضروری ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: (فتجب) التضحية۔۔۔۔ (علی حر مسلم مقیم)۔۔۔۔۔ (موسر) ۔۔۔۔ (عن نفسه لا عن طفله) ۔۔۔۔ (شاة) بالرفع بدل من ضمير تجب أو فاعله (أو سبع بدنة) هي الإبل و البقر سميت به لضخامتها ولو لأحدهم أقل من سبع لم يجز عن أحد وتجزي عما دون سبعة بالأولی۔[1]

مسئلہ: قربانی کے سات حصہ داروں میں سے کسی کے لیے جانور ذبح کرنے یا گوشت وغیرہ بنانے کی اجرت لینا جائز نہیں۔

مفتی رشید احمد فرماتے ہیں:

قربانی میں شریک کو ذبح کی اجرت لینا دو وجہ سے ناجائز ہے:

(۱) ذبح کرنا خود اس پر واجب ہے، اصالۃً یا نیابۃً اور واجب علی التعیین پر اجرت لینا ناجائز ہے۔

(۲) فعل مشترک کی اجرت کا استحقاق نہیں۔

ذبح کے بعد چمڑا اتارنے اور گوشت بنانے کی اجرت صرف دوسری وجہ سے ناجائز ہے۔[2]

(قربانی کے فضائل و مسائل، ص ۴۲ تا ۴۸)

(۱۳۲) مسئلہ نمبر ایک سو بتیس: قربانی کے آداب اور مستحبات

مسئلہ: مستحب یہ ہے کہ قربانی کا جانور خوب فربہ (موٹا) بہت خوب صورت اور بڑی جسامت کا ہو۔ نیز بکروں اور دنبوں میں سب سے بہتر سینگوں والا سفید یا چتکبرا خصی مینڈھا ہے۔

قال الملک العلماء الکاسانی رحمه الله تعالیٰ: وَأَمَّا الذي يَرْجِعُ إلَى الْأُضْحِيَّةِ فَالْمُسْتَحَبُّ أَنْ يَكُونَ أَسْمَنَهَا وَأَحْسَنَهَا وَأَعْظَمَهَا لِأَنَّهَا مَطِيَّةُ الْآخِرَةِ قال عليه الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَظِّمُوا ضَحَايَاكُمْ فَإِنَّهَا على الصِّرَاطِ مَطَايَاكُمْ وَمَهْمَا كانت الْمَطِيَّةُ أَعْظَمَ وَأَسْمَنَ كانت على الْجَوَازِ على الصِّرَاطِ أَقْدَرَ وَأَفْضَلُ الشَّاءِ أَنْ يَكُونَ كَبْشًا أَمْلَحَ أَقْرَنَ موجوأ ((موجوءا))) لِمَا رَوَى جَابِرٌ رضي اللّٰه عنه أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى اللّٰه عليه وسلم ضَحَّى بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ موجوأين ((موجوءين))) عَظِيمَيْنِ سَمِينَيْنِ وَالْأَقْرَنُ الْعَظِيمُ الْقَرْنِ وَالْأَمْلَحُ الْأَبْيَضُ۔[3]

---

[1] (الشامية، ج۶، ص ۳۱۳۔۔۔۳۱۶، ط:سعيد)

[2] (احسن الفتاویٰ، ج۷، ص ۵۱۸، ط:سعید)

[3] (بدائع الصنائع، ج۵، ص ۸۰، ط:سعيد)

قال العلامة ابن نجیم رحمه الله تعالی: قال رَحِمَهُ اللهُ (وَالْخَصِيّ) وَعَنْ أبي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى هو أَوْلَى لِأَنَّ لَحْمَهُ أَطْيَبُ وقد صَحَّ أَنَّهُ عليه الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ضَحَّى بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ موجوأين (((موجوءين))) الْأَمْلَحُ الذي فيه مُلْحَةٌ وهو الْبَيَاضُ الذي فيه شُعَيْرَاتٌ سُودٌ وهو من لَوْنِ الْمِلْحِ۔[1]

مسئلہ: ایام قربانی سے پہلے جانور خرید کر گھر میں پالنا، ہار پہنانا، جھول ڈالنا، قربان گاہ کی طرف نرمی سے ہنکانا، تیز دار آلہ سے ذبح کرنا، ذبح کے بعد پوری جان نکلنے اور ٹھنڈا ہو جانے تک گوشت پوست نہ اتارنا، اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا یا دوسرے سے ذبح کروا کر خود وہاں موجود رہنا وغیرہ امور بہتر اور افضل ہیں۔

قال الملک العلماء الکاسانی رحمه الله تعالی: أَمَّا الذي هو قبل التَّضْحِيَةِ فَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَرْبِطَ الْأُضْحِيَةَ قبل أَيَّامِ النَّحْرِ بِأَيَّامٍ لِمَا فيه من الِاسْتِعْدَادِ لِلْقُرْبَةِ واظهار الرَّغْبَةِ فيها فَيَكُونُ له فيه أَجْرٌ وَثَوَابٌ وَأَنْ يُقَلِّدَهَا وَيُجَلِّلَهَا اعْتِبَارًا بِالْهَدَايَا وَالْجَامِعُ أَنَّ ذلک يُشْعِرُ بِتَعْظِيمِهَا قال اللّٰهُ تَعَالَى { ذلک وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا من تَقْوَى الْقُلُوبِ } وَأَنْ يَسُوقَهَا إلَى الْمَنْسَکِ سَوْقًا جَمِيلًا لَا عَنِيفًا وان لَا يَجُرَّ بِرِجْلِهَا إلَى الْمَذْبَحِ كما ذَكَرْنَا في كِتَابِ الذَّبَائِحِ۔۔۔۔ وَأَمَّا الذي يَرْجِعُ إلَى من عليه التَّضْحِيَةُ فَالْأَفْضَلُ أَنْ يَذْبَحَ بِنَفْسِهِ إنْ قَدَرَ عليه لِأَنَّهُ قُرْبَةٌ فَمُبَاشَرَتُهَا بِنَفْسِهِ أَفْضَلُ من تَوْلِيَتِهَا غَيْرَهُ كَسَائِرِ الْقُرُبَاتِ وَالدَّلِيلُ عليه ما رُوِيَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى اللّٰهُ عليه وسلم سَاقَ مِائَةَ بَدَنَةٍ فَنَحَرَ منها نَيِّفًا وَسِتِّينَ بيده الشَّرِيفَةِ عليه الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ثُمَّ أَعْطَى الْمُدْيَةَ سَيِّدَنَا عَلِيًّا رضي اللّٰهُ عنه فَنَحَرَ الْبَاقِينَ وَهَذَا إذَا كان الرَّجُلُ يُحْسِنُ الذَّبْحَ وَيَقْدِرُ عليه فَأَمَّا إذَا لم يُحْسِنْ فَتَوْلِيَتُهُ غَيْرَهُ فيه أَوْلَى۔۔۔۔ وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَحْضُرَ الذَّبْحَ لِمَا رُوِيَ عن سَيِّدِنَا عَلِيٍّ رضي اللّٰهُ عنه أَنَّ النبي عليه السلام قال أسيدتنا (((لسيدتنا))) فَاطِمَةَ رضي اللّٰهُ عنها يا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ قُومِي فَاشْهَدِي ضَحِيَّتَکِ فإنه يُغْفَرُ لکِ بِأَوَّلِ قَطْرَةٍ تَقْطُرُ من دَمِهَا مَغْفِرَةً لِكُلِّ ذَنْبٍ أَمَا أنه يُجَاءُ بِدَمِهَا وَلَحْمِهَا فَيُوضَعُ في مِيزَانِکِ وَسَبْعُونَ ضِعْفًا فقال أبو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ رضي اللّٰهُ عنه يا نَبِيَّ اللّٰهِ هذا لِآلِ مُحَمَّدٍ خَاصَّةً فَإِنَّهُمْ أهل (((أصل))) لِمَا خُصُّوا بِهِ من الْخَيْرِ أَمْ لِآلِ مُحَمَّدٍ وَلِلْمُسْلِمِينَ عَامَّةً فقال هذا لِآلِ مُحَمَّدٍ خَاصَّةً وَلِلْمُسْلِمِينَ عَامَّةً۔۔۔۔ وَأَمَّا الذي يَرْجِعُ إلَى آلَةِ التَّضْحِيَةِ فما ذَكَرْنَا في كِتَابِ الذَّبَائِحِ وهو أَنْ تَكُونَ آلَةُ الذَّبْحِ حَادَّةً من الْحَدِيدِ وَأَمَّا الذي هو بَعْدَ الذَّبْحِ فَالْمُسْتَحَبُّ أَنْ يَتَرَبَّصَ بَعْدَ الذَّبْحِ قَدْرَ ما يَبْرُدُ وَيَسْكُنُ من جَمِيعِ أَعْضَائِهِ وَتَزُولُ الْحَيَاةُ عن حميع (((جميع))) جَسَدِهِ وَيُكْرَهُ أَنْ يَنْخَعَ وَيَسْلُخَ قبل أَنْ يَبْرُدَ لِمَا ذَكَرْنَا في كِتَابِ الذَّبَائِحِ۔[2]

مسئلہ: مستحب اور بہتر ہے کہ جانور کو قبلہ رخ بٹھانے کے بعد یہ دعا پڑھے:

إنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وما أنا من الْمُشْرِكِينَ إنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيکَ له وَبِذَلِکَ أُمِرْتُ وأنا من الْمُسْلِمِينَ وَلَا يقول وأنا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ۔

---

[1] (البحر الرائق، ج۸، ص۳۲۳، ط: رشیدیه)

[2] (بدائع، ج۵، ص۷۸۔۔۔۸۰، ط: رشیدیه قدیم)

۱۔اور جب بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر چکے تو یہ دعا پڑھے:

اللھم تقبلہ منی کما تقبلت من حبیبک محمد و خلیلک ابراھیم علیھما السلام۔

عن جابر قال: ذبح النبي صلى الله عليه وسلم يوم الذبح كبشين أقرنين أملحين موجئين فلما وجههما قال: "إني وجهت وجهي للذي فطر السموات والأرض على ملة إبراهيم حنيفا وما أنا من المشركين إن صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين لا شريك له وبذلك أمرت وأنا من المسلمين اللهم منك ولك عن محمد وأمته بسم الله والله أكبر ثم ذبح". رواه أحمد وأبو داود وابن ماجه والدارمي وفي رواية لأحمد وأبي داود والترمذي: ذبح بيده وقال: "بسم الله والله أكبر اللهم هذا عني وعمن لم يضح من أمتي"۔[1]

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

۲۔بعد ذبح کے یہ دعا پڑھے:

اللھم تقبل منی کما تقبلت من حبیبک محمد و خلیلک ابراھیم علیھما السلام۔

اس دعا کا ماخذ وہ حدیث ہے جس کو ابوداؤد شریف نے روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

اللھم تقبل من محمد و آل محمد۔[2]

عن عائشة أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- أمر بكبش أقرن يطأ فى سواد وينظر فى سواد ويبرك فى سواد فأتى به فضحى به فقال «يا عائشة هلمى المدية». ثم قال «اشحذيها بحجر». ففعلت فأخذها وأخذ الكبش فأضجعه وذبحه وقال «بسم الله اللهم تقبل من محمد وآل محمد ومن أمة محمد». ثم ضحى به -صلى الله عليه وسلم-۔[3]

(قربانی کے فضائل و مسائل، ص ۵۱ تا ۵۴)

قربانی کے مکروہات

(۱) جانور کو لٹانے کے بعد چھری تیز کرنا یا اس کے سامنے تیز کرنا۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وَنُدِبَ إحْدَادُ شَفْرَتِهِ قَبْلَ الْإِضْجَاعِ، وَكُرِهَ بَعْدَهُ۔

و قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قَوْلُهُ وَنُدِبَ إلَخْ) لِلْأَمْرِ بِهِ فِي الْحَدِيثِ، وَلِأَنَّهَا تَعْرِفُ مَا يُرَادُ بِهَا كَمَا جَاءَ فِي الْخَبَرِ {أَبْهَمَتْ الْبَهَائِمُ إلَّا عَنْ أَرْبَعَةٍ: خَالِقِهَا، وَرَازِقِهَا، وَحَتْفِهَا، وَسِفَادِهَا}، شُرُنْبُلَالِيَّةٌ عَنْ الْمَبْسُوطِ۔[4]

(۲) لوہے کے بغیر کسی دوسرے آلہ سے ذبح کرنا یا کند چھری سے ذبح کرنا۔

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ۱۲۸، ط: قدیمی)

[2] (فتاویٰ محمودیہ، ج ۱۷، ص ۴۸۸)

[3] (ابوداؤد، ج ۲، ص ۳۸۶، ط: میر محمد)

[4] (الشامیۃ، ج ۶، ص ۲۹۲، ط: سعید)

مسائل متفرقہ کے بیان میں

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالیٰ: (وَ) حَلَّ الذَّبحُ (بِكُلِّ مَا أَفْرَى الْأَوْدَاجَ) أَرَادَ بِالْأَوْدَاجِ كُلَّ الْأَرْبَعَةِ تَغْلِيبًا (وَأَنْهَرَ الدَّمَ) أَيْ أَسَالَهُ (وَلَوْ) بِنَارٍ أَوْ (بِلِيطَةٍ) أَيْ قِشْرِ قَصَبٍ (أَوْ مَرْوَةٍ) هِيَ حَجَرٌ أَبْيَضُ كَالسِّكِّينِ يُذْبَحُ بِهَا (إلَّا سِنًّا وَظُفُرًا قَائِمَيْنِ، وَلَوْ كَانَا مَنْزُوعَيْنِ حَلَّ) عِنْدَنَا (مَعَ الْكَرَاهَةِ) لِمَا فِيهِ مِنْ الضَّرَرِ بِالْحَيَوَانِ كَذَبْحِهِ بِشَفْرَةٍ كَلِيلَةٍ۔

و قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: (قَوْلُهُ مَعَ الْكَرَاهَةِ) أَيْ كَرَاهَةِ الذَّبْحِ بِهَا، وَأَمَّا أَكْلُ الذَّبِيحِ بِهَا لَا بَأْسَ بِهِ كَمَا فِي الْعِنَايَةِ وَالِاخْتِيَارِ شُرُنْبُلَالِيَّةٌ۔[1]

في الهندية: والمستحب أن تكون الأضحية أسمنها وأحسنها وأعظمها وأفضل الشاة أن تكون كبشا أملح أقرن موجوء وأن تكون آلة الذبح حادة من الحديد۔[2]

(۳) ٹھنڈا ہونے سے پہلے سر کاٹنا یا کھال اتارنا، گدی کی طرف سے ذبح کرنا۔

(۴) قبلہ رخ ہوئے بغیر ذبح کرنا اور چھری حرام مغز تک پہنچانا یا گردن کاٹ کر الگ کر دینا۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالیٰ: (وَنُدِبَ إحْدَادُ شَفْرَتِهِ قَبْلَ الْإِضْجَاعِ، وَكُرِهَ بَعْدَهُ كَالْجَرِّ بِرِجْلِهَا إلَى الْمَذْبَحِ وَذَبْحِهَا مِنْ قَفَاهَا)۔۔۔۔۔۔۔ (وَالنَّخْعُ) بِفَتْحٍ فَسُكُونٍ: بُلُوغُ السِّكِّينِ النُّخَاعَ، وَهُوَ عِرْقٌ أَبْيَضُ فِي جَوْفِ عَظْمِ الرَّقَبَةِ. (وَ) كُرِهَ كُلُّ تَعْذِيبٍ بِلَا فَائِدَةٍ مِثْلُ (قَطْعِ الرَّأْسِ وَالسَّلْخِ قَبْلَ أَنْ تَبْرُدَ) أَيْ تَسْكُنَ عَنْ الِاضْطِرَابِ وَهُوَ تَفْسِيرٌ بِاللَّازِمِ كَمَا لَا يَخْفَى۔

و قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: (قَوْلُهُ بُلُوغُ السِّكِّينِ النُّخَاعَ) الْمُنَاسِبُ إبْلَاغُ السِّكِّينِ اهـ ح. وَقِيلَ النَّخْعُ: أَنْ يَمُدَّ رَأْسَهُ حَتَّى يُظْهِرَ مَذْبَحَهُ، وَقِيلَ أَنْ يُكْسَرَ عُنُقُهُ قَبْلَ أَنْ يَسْكُنَ عَنْ الِاضْطِرَابِ، فَإِنَّ الْكُلَّ مَكْرُوهٌ لِمَا فِيهِ مِنْ تَعْذِيبِ حَيَوَانٍ بِلَا فَائِدَةٍ هِدَايَةٌ۔۔۔۔۔۔ (قَوْلُهُ وَكُرِهَ إلَخْ) هَذَا هُوَ الْأَصْلُ الْجَامِعُ فِي إفَادَةِ مَعْنَى الْكَرَاهَةِ عِنَايَةٌ۔[3]

(۵) ذبح سے پہلے قربانی کے لیے خریدے ہوئے جانور کے بال کاٹنا، اس پر سوار ہونا، بوجھ لادنا، اسے کرایہ پر چلانا وغیرہ، غرض اس کے کسی جزء سے انتفاع مکروہ و ممنوع ہے۔

في الهندية: ولو اشترى شاة للأضحية يكره أن يحلبها أو يجز صوفها فينتفع به لأنه عينها للقربة فلا يحل له الانتفاع بجزء من أجزائها قبل إقامة القربة بها كما لا يحل له الانتفاع بلحمها إذا ذبحها قبل وقتها۔۔۔۔۔ ويكره ركوبها واستعمالها كما في الهدي فإن فعل فنقصها فعليه التصدق بما نقص وإن آجرها تصدق بأجرها۔[4]

(٦) اس کا دودھ دوہنا اور گوبر استعمال کرنا، البتہ جانور کو گھر میں باندھ کر چارہ کھلایا جائے تو اس کا دودھ اور گوبر اسی کی ملکیت ہے، صدقہ کرنے کی بجائے اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں۔

---

[1] (الشامية، ج٦، ص ٢٩٦، ٢٩٥، ط: سعيد)
[2] (الهنديه، ج٥، ص ٣٠٠، ط: رشيديه)
[3] (الشاميه، ج٦، ص ٢٩٦، ٢٩٥، ط: سعيد)
[4] (الهنديه، ج٥، ص ٣٠١، ٣٠٠، ط: رشيديه)

في الهندية: ولو اشترى بقرة حلوبة وأوجبها أضحية فاكتسب مالا من لبنها يتصدق بمثل ما اكتسب ويتصدق بروثها فإن كان يعلفها فما اكتسب من لبنها أو انتفع من روثها فهو له ولا يتصدق بشيء كذا في محيط السرخسي۔[1]

(۷) جانور کی رسی اور جھول وغیرہ کو صدقہ کر دینا مستحب ہے، اگر خود استعمال کرنا چاہیئے تو کر سکتا ہے، البتہ اگر فروخت کر دی تو قیمت صدقہ کرنا واجب ہے۔

قال الملک العلماء الكاسانی رحمه الله تعالیٰ: وَلَا يَحِلُّ بَيْعُ جِلْدِهَا وَشَحْمِهَا وَلَحْمِهَا وَأَطْرَافِهَا وَرَأْسِهَا وَصُوفِهَا وَشَعْرِهَا وَوَبَرِهَا وَلَبَنِهَا الذي يَحْلُبُهُ منها بَعْدَ ذَبْحِهَا بِشَيْءٍ لَا يُمْكِنُ الِانْتِفَاعُ بِهِ إلَّا بِاسْتِهْلَاكِ عَيْنِهِ من الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ وَالْمَأْكُولَاتِ وَالْمَشْرُوبَاتِ وَلَا أَنْ يعطى أَجْرَ الْجَزَّارِ وَالذَّابِحِ منها لِمَا رُوِيَ عن رسول اللَّهِ صلى اللَّهُ عليه وسلم أَنَّهُ قال من بَاعَ جِلْدَ أُضْحِيَّتِهِ فَلَا أُضْحِيَّةَ له وَرُوِيَ أَنَّ النبي عليه الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قال لِعَلِيٍّ رضي اللَّهُ عنه تَصَدَّقْ بِجِلَالِهَا وَخِطَامِهَا وَلَا تُعْطِي أجر (أجرا) الجزار (لجزار) منها وَرُوِيَ عن سَيِّدِنَا عَلِيٍّ كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَهُ أَنَّهُ قال إذَا ضَحَّيْتُمْ فَلَا تَبِيعُوا لُحُومَ ضَحَايَاكُمْ وَلَا جُلُودَهَا وَكُلُوا منها وَتَمَتَّعُوا وَلِأَنَّهَا من ضِيَافَةِ اللَّهِ عز شَأْنُهُ التي أَضَافَ بها عِبَادَهُ وَلَيْسَ لِلضَّيْفِ أَنْ يَبِيعَ من طَعَامِ الضِّيَافَةِ شيئا فَإِنْ بَاعَ شيئا من ذلك نَفَذَ عِنْدَ أبي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَعِنْدَ أبي يُوسُفَ لَا يَنْفُذُ لِمَا ذَكَرْنَا فِيمَا قبل الذَّبْحِ وَيَتَصَدَّقُ بِثَمَنِهِ لِأَنَّ الْقُرْبَةَ ذَهَبَتْ عنه فَيَتَصَدَّقُ بِهِ وَلِأَنَّهُ اسْتَفَادَهُ بِسَبَبٍ مَحْظُورٍ وهو الْبَيْعُ فَلَا يَخْلُو عن خُبْثٍ فَكَانَ سَبِيلُهُ التَّصَدُّقَ۔[2]

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: (قَوْلُهُ وَيَتَصَدَّقُ بِجِلْدِهَا) وَكَذَا بِجِلَالِهَا وَقَلَائِدِهَا فَإِنَّهُ يُسْتَحَبُّ إذَا أَوْجَبَ بَقَرَةً أَنْ يُجَلِّلَهَا وَيُقَلِّدَهَا، وَإِذَا ذَبَحَهَا تَصَدَّقَ بِذَلِكَ كَمَا فِي التَّتَارْخَانِيَّةِ۔[3]

و قال ظفر احمد عثمانی: باب التصدق بلحوم الاضاحی و جلودها و اجلتها و ان لا يعطى منها شئی لجزار اقول: اما الامر بالتصدق بالاشياء المذكورة فمحمول على الندب لان الشارع اباح انتفاع المالک باللحوم و الجلود فالاجلة اولى۔۔و اما اعطاء الجزار منها، فلايجوز لانه فی معنى البيع۔۔وهو غير جائز بلانية التصدق، فافهم۔[4]

(۸) رات کے وقت ذبح کرنا، یہ کراہیت صرف فعل میں ہے، قربانی بلا کراہیت ادا ہو گی۔

قال العلامة الحصكفی رحمه الله تعالیٰ: (وَكُرِهَ) تَنْزِيهًا (الذَّبْحُ لَيْلًا) لِاحْتِمَالِ الْغَلَطِ۔

و قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: (قَوْلُهُ تَنْزِيهًا) بَحْثٌ مِنْ الْمُصَنِّفِ حَيْثُ قَالَ: قُلْت: الظَّاهِرُ أَنَّ هَذِهِ الْكَرَاهَةَ لِلتَّنْزِيهِ وَمَرْجِعُهَا إلَى خِلَافِ الْأَوْلَى إذْ احْتِمَالُ الْغَلَطِ لَا يَصْلُحُ دَلِيلًا عَلَى كَرَاهَةِ التَّحْرِيمِ اهـ. أَقُولُ: وَهُوَ مُصَرَّحٌ بِهِ فِي ذَبَائِحِ الْبَدَائِعِ۔[5]

---

[1] (الهندية، ج۵، ص ۳۰۱، ط: رشيديه)

[2] (بدائع الصنائع، ج۵، ص ۸۱، ط: سعيد)

[3] (الشامية، ج۶، ص ۳۲۸، ط: سعيد)

[4] (اعلاء السنن، ج۱۷، ص ۲۶۰، ط: ادارة القرآن)

[5] (الشامية، ج۶، ص ۳۲۰، ط: سعيد)

و مثلہ فی اعلاء السنن ج ۱۷، ص ۲۷۵، ط: ادارۃ القرآن۔

(قربانی کے فضائل و مسائل، ص ۵۴ تا ۵۷)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا﴾

(۱۳۳)مسئلہ نمبر ایک سو تینتیس: اوجھڑی کھانے کے شرعی حکم کے بیان میں

اوجھڑی کا شرعی حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء حق اہلسنت والجماعت اس مسئلہ میں کہ اوجھڑی کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ دلائل کے ساتھ اس کی وضاحت فرمائیں۔ ہمارے شہر میں ایک مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ اوجھڑی کھانا حرام ہے۔ کیا واقعی ایسا ہے؟

المستفتی: محمد افضل نقشبندی

الجواب و اللہ سبحانہ الموفق للصواب:

اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کے لئے حرام اشیاء کا ذکر اپنی کتابِ مبین قرآن کریم میں فرما دیا ہے۔ قرآن پاک کا بیان اور اس کی تشریح رسول پاک ﷺ کی احادیثِ طیبہ اور سنت مطہرہ کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ دینِ اسلام آسان ہے، شرعی احکام کا مقصد کسی کو تنگ کرنا یا استطاعت و قدرت سے زیادہ کسی چیز کا مکلف بنانا نہیں۔

اللہ رب العزت فرماتا ہے:

یُرِیدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (البقرۃ ۱۸۵)

ترجمہ: اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے حرام اشیاء کا حکم نازل فرمایا تو بعض مؤمنین نے بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کی کہ حلال چیزیں کون کون سی ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

یَسْأَلُونَکَ مَاذَا أُحِلَّ لَھُمْ قُلْ أُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبَاتُ (المائدۃ ۴)

ترجمہ: اے محبوب تم سے پوچھتے ہیں کہ اُن کے لئے کیا حلال ہوا تم فرما دو کہ حلال کی گئیں تمہارے لئے پاک چیزیں۔[1]

---

[1] (شرح شرح المنار: ۱۹)

اس کے علاوہ کئی ایک مقامات پر اللہ تعالیٰ نے مطلقاً ارشاد فرمایا:

كُلُوا وَاشْرَبُوا (الأعراف ٣١)

کھاؤ اور پیو۔

ان آیات مقدسات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے تمام اشیاء کو سوائے بعض چیزوں کے اہل ایمان کے لئے حلال قرار دیا ہے۔ وہ اشیاء جن کا کھانا حرام ہے ان کا ذکر علیحدہ کر دیا گیا ہے یا قرآن و سنت میں ایسے اصول بیان فرما دیئے ہیں جن کی روشنی میں حلال و حرام کے درمیان تمیز کی جاسکتی ہے۔ لہٰذا اگر کسی سے سوال کیا جائے کہ ماکولات و مشروبات میں حلال و حرام کیا ہے تو مسئول کو چاہیئے کہ حلال اشیاء کے اسماء گنوانے کے بجائے محرمات کا بیان کر دے۔

اس عالمگیر فطری دین میں آسانی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے وہ اشیاء جن کو حرام قرار دیا گیا ہے اضطراری کیفیت میں خاص شرعی شرائط کے ساتھ ان کے استعمال کی بھی اسلام نے رخصت دی ہے۔

اللہ تعالیٰ حرام اشیاء کے ذکر کے بعد فرماتا ہے :

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (البقرة ١٧٣)

تو جو ناچار ہو نہ یوں کہ خواہش سے کھائے اور نہ یوں کہ ضرورت سے آگے بڑھے تو اس پر گناہ نہیں بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

بعض حضرات دین اسلام کی روح اور مقاصد شرعیہ سے ناواقفیت کی بناء پر احکام شرع کو اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ لوگ س دین سے متنفر اور رسول اللہ ﷺ کی سنت مطہرہ سے دور ہو جاتے ہیں۔ یقینا یہ حضرات يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا، وَبَشِّرُوا، وَلاَ تُنَفِّرُوا۔[1] کے نبوی فرمان سے بے اعتنائی برتتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حجۃ الوداع کے موقع پر الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (المائدة٣) (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا) کی نوید سنائی اور دین متین کے مکمل ہونے کا اعلان فرمادیا اس کے بعد نہ اس دین میں کسی نقصان کا احتمال ہے اور نہ ہی کسی زیادتی کی ضرورت۔

سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ (النحل ١١٦)

---

[1] (صحیح البخاری ج ١ ص ٢٥ باب ما کان النبی ﷺ یتخولهم)

ترجمہ: اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔

اس آیت مقدسہ میں اللہ رب العزت نے اس بات کو کھول کر بیان فرمادیا ہے کہ کسی چیز کو حلال و حرام قرار دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کو ہے بندہ کسی چیز کو اپنی طرف سے حلال اور حرام نہیں قرار دے سکتا۔ اسی لئے فقہاء نے مفتی کے مسائل اجتہادیہ میں **هذا حلال و هذا حرام** یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہنے کا ناپسند کیا ہے۔

او جھڑی پر ایسا فتوی دینا کہ یہ حرام ہے، یہ مقابلہ ہے اللہ رب العالمین کے ساتھ۔ کیونکہ وجوب اور حرمت کے حکم کا حق صرف اللہ رب العزت کے پاس ہے، نہ کہ کسی مفتی صاحب کے پاس۔ اور دینِ محمدی ﷺ کا قائدہ ہے کہ کسی چیز کا وجوب یا حرمت ثابت کرنے کے لئے ایسی نصِ قطعی لائے جس میں اس کا ثبوت ہو۔

كما فى شيخ زاده حاشيه بيضاوى: وجوب حمل اللفظ على ما يعنى المعنى الذى ثبت بالدليل و ان لا يحمل على ما اى المعنى الذى لم يثبت بشىء من الدليل۔[1]

وفى فتح القدير وقد عرف من طريق اصحابنا أنهم لا يطلقون الحرام الاعلى ما حرمته بقطعى الى بنص من النصص۔[2]

وفى بيضاوى فى تفسير قوله تعالىٰ لو لا ياتون عليهم بسلطان بين اى برهان ظاهر فان الذين لا يؤخذ الا به وفيه دليل على انما لا دليل عليه من الدينيات مردود و ان التقليد فيه غير جائز۔[3]

وايضا وجه القول بالتوقف الحرمة والاباحة لاتثبت الا بالشرع فقيل وروده ولا يتصور ثبوت واحدة منهما فلا يحكم فيها بحظر ولا اباحة۔[4]

ان معتبر کتابوں کی عبارات سے دو حکم معلوم ہوئے۔ اول یہ کہ دعوی بے حجت شرعی مردود ہے شرعاً۔ اور ثانی یہ کہ کسی امر کا جائز یا ناجائز ہونے کا انحصار شارع کی طرف سے امر و نہی پر ہے نہ کہ کسی مفتی کے مصنوعی فتوی پر۔ کسی چیز کی حل و حرمت ثابت کر دینا یہ رب کی طرف سے ہوتی ہے، نہ کہ مفتی کی طرف سے۔

كما فى مسلم الثبوت قوله لا حكم الا من الله تعالىٰ ثم لا بد لحكم الله من صفة حسن او قبح فما امر به فهو حسن و مانهى عنه فهو قبيح۔[5]

---

1 (حاشیہ بیضاوی، ج ۱ ص ۵۱۸)

2 (فتح القدیر، ص ۲۴۰)

3 (بیضاوی، ص ۲۵۵)

4 (فیض الباری ص ۱۵۱، روح البیان ص ۱۵۷، وفی شامی فان غیر المشروع مانهی الشارع عن فعله۔ ج ۳، ص ۲۵۲)

5 (مسلم الثبوت، ص ۱۴)

فائدہ: کسی مفتی کا یہ کہنا کہ اوجھڑی کھانا حرام ہے، یہ عین اللہ تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ ہے۔ اسلئے اس صورت میں حل و حرمت کا مثبت بنتا ہے، جو کہ خلافِ واقع ہے۔

حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

رُوِيَ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ فِي أَيَّامِ خِلَافَتِهِ دَخَلَ السُّوقَ فَاشْتَرَى كَرِشًا وَحَمَلَهُ بِنَفْسِهِ فَرَآهُ عَلِيٌّ مِنْ بَعِيدٍ فَتَنَكَّبَ عَلِيٌّ عَنِ الطَّرِيقِ فَاسْتَقْبَلَهُ عُمَرُ وَقَالَ لَهُ: لِمَ تَنَكَّبْتَ عَنِ الطَّرِيقِ؟ فَقَالَ عَلِيٌّ: حتى لا تستحي، فقال: وكيف أستحي مِنْ حَمْلِ مَاهُوَ غِذَائِي۔

ترجمہ: مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے ایام میں بازار میں داخل ہوئے اور اوجھڑی خریدی اور اس کو خود اٹھایا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تو راستے سے ہٹ گئے (گویا آپ کو نہیں دیکھا) تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے سامنے آئے اور پوچھا کہ آپ راستے سے ایک طرف کیوں ہٹ گئے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس لئے راستے سے ہٹ گیا کہ آپ کو شرم نہ آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اس چیز کو اٹھانے میں کیسے شرما سکتا ہوں جو میری غذا ہے۔[1]

امام رازی کی نقل کردہ اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرات خلفاء راشدین کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دور مبارک میں اوجھڑی کی بازار میں خرید و فروخت تھی اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسے خریدتے بھی تھے۔ سب سے بڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسے بازار سے خریدنا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسے دیکھنا نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسے اپنی غذا فرمانا اس کے حلال ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

جو عمل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور خصوصا خلفاء راشدین سے ثابت ہو، اس پر اعتراض کرنا اور اسے حرام قرار دینا محض زندیقیت ہے۔

اوجھڑی کی حلت پر امام طبرانی علیہ الرحمۃ المعجم الکبیر میں روایت فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْحَضْرَمِيُّ، ثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْحَكَمِ بْنِ أَبِي زِيَادٍ الْقَطَوَانِيُّ، ثنا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى، عَنِ ابْرَاهِيمَ بْنِ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ حَبِيبَةَ بِنْتِ سَمْعَانَ، عَنْ نَسِيكَةَ أُمِّ عَمْرِو بْنِ جُلَاسٍ، قَالَتْ: إِنِّي لَعِنْدَ عَائِشَةَ "وَقَدْ ذَبَحْتُ شَاةً لَهَا، فَدَخَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَدِهِ عُصَيَّةٌ، فَأَلْقَاهَا ثُمَّ هَوَى إِلَى الْمَسْجِدِ، فَصَلَّى فِيهِ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ هَوَى إِلَى فِرَاشِهِ، فَانْبَطَحَ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: هَلْ مِنْ غَدَاءٍ؟ فَأَتَيْنَاهُ بِصَحْفَةٍ فِيهَا خُبْزُ شَعِيرٍ، وَفِيهَا كِسْرَةٌ وَقِطْعَةٌ مِنَ الْكَرِشِ، وَفِيهَا

[1] (التفسیر کبیر ج ۳۲، ص ۱۴۳، دار الفکر)

الذِّرَاعُ، قَالَ: فَأَخَذْتُ قِطْعَةً مِنَ الْكَرِشِ، وَإِنَّهَا لَتَنْهَشُهَا إِذْ قَالَتْ: ذَبَحْنَا شَاةً الْيَوْمَ فَمَا أَمْسَكْنَا غَيْرَ هَذَا، قَالَتْ: يَقُولُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ, لَا بَلْ كُلُّهَا أُمْسِكَتْ إِلَّا هَذَا۔

ترجمہ: نسیکہ ام عمرو بن جلاس فرماتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر تھی اور آپ کے لئے ایک بکری ذبح کی گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ داخل ہوئے آپ ﷺ کے دست مبارک میں ایک چھوٹا عصا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے ڈال دیا پھر مسجد میں اتر گئے اور اس میں دو رکعت ادا فرمائی پھر آپ ﷺ اپنے بستر پر لیٹ گئے اور فرمایا: کیا دوپہر کے کھانے میں سے کچھ ہے؟ پس ہم آپ ﷺ کے پاس ایک پیالہ لے کر آئے اس میں جو کی روٹی تھی اور اس میں گوشت سمیت ہڈی، اوجھڑی کا ٹکڑا اور دست تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اوجھڑی میں سے ایک ٹکڑا لیا اور آپ اسے اپنے دانتوں سے نوچتی تھیں۔ نسیکہ نے کہا کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آج ہم نے ایک بکری ذبح کی تھی اور پھر ہم نے اس کے علاوہ کچھ بھی بچا کر نہیں رکھا تو رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ تم نے اس کے سوائے سب کچھ بچالیا ہے۔ اس حدیث کو مجمع الزوائد میں امام نورالدین ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی باب ماجاء فی اللحم میں روایت کیا ہے۔[1]

حضرت امام ابو جعفر طحاوی علیہ الرحمۃ، ابن خزیمہ رحمہ اللہ سے روایت فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا ابْنُ خُزَيْمَةَ، قَالَ: ثنا حَجَّاجٌ، قَالَ: ثنا عُمَارَةُ بْنُ زَاذَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى فُلَانَةَ بَعْضِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ سَمَّاهَا وَنَسِيتُ قَالَتْ: "دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ, وَعِنْدِي بَطْنٌ مُعَلَّقٌ فَقَالَ: لَوْ طَبَخْتِ لَنَا مِنْ هَذَا الْبَطْنِ كَذَا وَكَذَا. قَالَتْ: فَصَنَعْنَاهُ فَأَكَلَ, وَلَمْ يَتَوَضَّأْ"۔

حضرت محمد بن منکدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سے کسی کی بارگاہ میں حاضر ہوا، آپ نے ان کا نام ذکر کیا تھا لیکن میں بھول گیا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، میرے پاس بکری کا لٹکا ہوا پیٹ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ اس بطن میں سے یہ اور یہ پکا دیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے ایسا ہی کیا اور آپ ﷺ نے اس کو کھایا اور پھر وضو نہیں کیا۔[2]

حَدَّثَنَا ابْنُ مَرْزُوقٍ، وَرَبِيعٌ الْجِيزِيُّ، وَصَالِحُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالُوا ثنا الْقَعْنَبِيُّ، قَالَ ثنا فَائِدٌ، مَوْلَى عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَلِيٍّ, عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ جَدِّهِ, قَالَ: طُبِخَتْ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَطْنُ شَاةٍ, فَأَكَلَ مِنْهَا ثُمَّ صَلَّى الْعِشَاءَ, وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

---

[1] (المعجم الکبیر: ج ۲۵، ص ۴۴، رقم الحدیث ۸۳)

[2] (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۶۵ باب اکل ماغیرت النار، ھل یوجب الوضوء ام لا؟)

حضرت عبید اللہ اپنے دادا (ابو رافع القبطی مولی رسول اللہ ﷺ) سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے لئے بکری کا بطن پکایا اور آپ ﷺ نے اس میں سے تناول فرمایا پھر عشاء کی نماز ادا فرمائی اور وضو نہیں کیا۔[1]

حضرت علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمۃ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:

اسناده صحيح ولعل المراد من بعض ازواج النبی ﷺ ههنا أم سلمة رضی الله تعالیٰ عنها لأن لها رواية كثيرة فی هذا الباب وأراد بالبطن مايحتوی عليه البطن من الأحشاء۔

ترجمہ: اس حدیث کی اسناد صحیح ہے اور ہو سکتا ہے یہاں نبی کریم ﷺ کی بعض ازواج سے مراد حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہوں کیوں کہ ان سے اس باب میں بکثرت احادیث مروی ہیں۔ اور بطن سے آپ کی مراد پیٹ کے اندر کی چیزیں ہیں جن پر پیٹ مشتمل ہوتا ہے۔[2]

احشاء البطن کے بارے میں علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

وَلَوْ أَكَلَ أَحْشَاءَ الْبَطْنِ مِثْلَ الْكَرِشِ وَالْكَبِدِ وَالْفُؤَادِ وَالْكُلَى وَالرِّئَةِ وَالْأَمْعَاءِ وَالطِّحَالِ۔

ترجمہ: اور اگر اس نے پیٹ کی اندرونی چیزیں کھائیں جیسے اوجھڑی، جگر، دل، گردے، پھیپھڑے، آنتیں اور تلی۔۔۔[3]

حضرت امام طحاوی علیہ الرحمۃ کی روایت کردہ ان دو احادیث میں صراحت کے ساتھ اس کا ثبوت ملتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بکری کا پیٹ تناول فرمایا اور علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے اس کی وضاحت فرمادی کہ یہاں بطن سے مراد پیٹ کی اندرونی چیزیں ہیں۔ احشاء میں اوجھڑی، انتڑیاں وغیرہ بھی شامل ہیں۔ لہٰذا جب پیٹ کی اندرونی چیزیں کھانے کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے تو اس سے اوجھڑی کا حلال ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

ردالمحتار کتاب الخنثیٰ، مسائل شتیٰ میں لکھا ہے:

وَأَمَّا بَيَانُ مَا يَحْرُمُ أَكْلُهُ مِنْ أَجْزَاءِ الْحَيَوَانِ الْمَأْكُولِ فَالَّذِي يَحْرُمُ أَكْلُهُ مِنْهُ سَبْعَةٌ: الدَّمُ الْمَسْفُوحُ، وَالذَّكَرُ، وَالْأُنْثَيَانِ، وَالْقُبُلُ، وَالْغُدَّةُ، وَالْمَثَانَةُ، وَالْمَرَارَةُ لِقَوْلِهِ عَزَّ شَأْنُهُ {وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ} (الأعراف:۱۵۷) وَهَذِهِ الْأَشْيَاءُ السَّبْعَةُ مِمَّا تَسْتَخْبِثُهُ الطِّبَاعُ السَّلِيمَةُ فَكَانَتْ مُحَرَّمَةً۔

فقہاء نے ان سات چیزوں کو کھانے سے منع فرمایا ہے اوجھڑی ان میں شامل نہیں ہے۔ فقہاء نے مکروہ چیزوں کا بھی ذکر کیا ہے ان میں بھی اوجھڑی شامل نہیں ہے۔[1]

---

[1] (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۶۵ باب اکل ماغیرت النار، ھل یوجب الوضوء ام لا؟)

[2] (نخب الافکار، ج۲، ص۳۲۷)

[3] (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، فصل فی الحلف علی الاکل والشرب ونحوھما، ص ۵۸ ج ۳)

اوجھڑی کا لغوی معنی اور اس کے استعمالات

اوجھڑی کو عربی میں کرش، یونانی میں قنطوفس، فارسی میں شکنبہ اور انگریزی میں tripe کہتے ہیں۔ اوجھڑی جانور کا معدہ ہے اور حیوان میں ایسے ہے جیسے انسان میں معدہ۔ کَرِش کو مثل کَبِدُ اور کَبِد یعنی کاف کے کسرہ اور راء کے سکون، کاف کے فتحہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ اس کی جمع اکراش اور کروش آتی ہے۔ جانور کا موٹا ہونا اس کی کرش کے بڑا ہو جانے پر دلالت ہے، اگر انسان یا بکری کا بچہ موٹا ہو جائے تو عرب کہتے ہیں **استکرش الصبی و الجدی**۔ بچے کا بار بار کھانا طلب کرنا اور پیٹ کے موٹا ہو جانے کو استکراش کہا جاتا ہے۔ بعض ائمہ لغت نے صبی کے لئے استکرش کی جگہ استجفر کے استعمال کو ترجیح دی ہے۔ کرش اس نحیف اونٹنی کے لئے بطور استعارہ بھی استعمال کیا جاتا ہے جس کی اوجھڑی قحط کے ایام میں سخت و کھردرے درخت سے کھانے کی وجہ سے کمزور ہو گئی ہو۔ وہ عورت جو بڑے پیٹ والی ہو امراۃ کرشاء اور جس گدھی کے دونوں پہلو موٹے ہو جائیں اَتان کرشاء کہلاتی ہے۔ عرب اس آدمی کو جس کا شکم بڑا ہو رجل اکرش اور وہ قدم جو گوشت سے پر ہو اسے قدم کرشاء کہتے ہیں۔ ایسا بڑا ڈول جس کے اطراف بڑے ہوں اس کو بھی کرشاء کہا جاتا ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کرش کا کمزور یا طاقتور ہونا انسان و حیوان کے نحیف یا فربہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ بعض اوقات یہ جمادات کے لئے بھی مجازاً استعمال ہوتا ہے تاہم اس وقت بھی اس میں طاقتور ہونا، موٹا ہونا، یا عظیم ہونا کے معنی پائے جائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے انصار کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"إِنَّ الْأَنْصَارَ كَرِشِي وَعَيْبَتِي"۔[2]

ابوزید انصاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کرش جماعت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

عرب کہتے ہیں:

علیہ کرش من الناس ای جماعۃ۔[3]

کرش کا عظیم ہونا حیوانات کے فربہ ہونے کا سبب بنتا ہے۔ جس جانور کی کرش عظیم ہو وہ اپنے دشمن سے اپنا دفاع بخوبی کر سکتا ہے نیز وہ اپنی بات منوانے اور اپنا حق لینے کی بھی قوت رکھتا ہے۔ اسی طرح جماعت کمزوری کو دور کرتی ہے اور دشمنوں سے

---

1 (بدائع الصنائع، کتاب الذبائح، فصل فی ما یحرم اکلہ من اجزاء الحیوان، ص ۲۷۲ ج ۶، ردالمحتار ص ۷۴۹ ج ۶، فتاوٰی عالمگیری، کتاب الذبائح، الباب الثالث فی المتفرقات ج ۵ ص ۲۹۰)

2 (صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ: باب من فضائل الانصار ص ۱۹۴۹ ج ۴)۔

3 (النوادر فی اللغۃ ص ۱۹۰)

محفوظ و مامون رکھتی ہے۔ جس شخص کا تعلق طاقتور جماعت سے ہو اسے دشمن کی طرف سے نقصان پہنچنے کا امکان بہت ہی کم ہوتا ہے۔ نیز جماعت سے طاقت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ عیبۃ کے معنی زنبیل (hand bag) کے ہیں۔ تھیلا کپڑے اور دیگر سامان رکھنے کے کام آتا ہے۔ جب اس میں کوئی چیز ڈال دی جاتی ہے تو عام لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ اور مستتر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سے انسان جب کسی چیز کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے تو اکثر اس کو تھیلے میں چھپالیتا ہے تاکہ کوئی اس خاص چیز پر مطلع نہ ہو سکے۔ گویا تھیلا اس کا رازدار ہے کہ وہ اس کی اہم اشیاء کو چھپالیتا ہے اور کسی کو اس پر مطلع نہیں ہونے دیتا۔ جانور اپنی غذا کو کرش میں چھپالیتا ہے اور کوئی دوسرا اسے نہیں دیکھ پاتا پس کرش جانور کے چارے کو چھپانے کا بھی کام دیتی ہے۔ اس بحث سے ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ یہاں کرش اور عیبۃ سے مراد جماعت اور رازدار لینا زیادہ مناسب ہے۔

لہٰذا اس حدیث شریف کا موزوں ترجمہ یہ ہو گا:

"انصاری میری جماعت اور میرے رازدار ہیں"۔

ابن منظور لکھتے ہیں:

ایک طباخ نے بکری کی کرش میں اس کے گوشت کو داخل کر کے ایک خاص طریقے سے پکایا جب کچھ حصہ کرش کا منہ تنگ ہونے کی وجہ سے داخل نہ ہو سکا تو عرب نے طباخ سے کہا ادخله ان وجدت فاكرش اس کو داخل کر اگر تم فاکرش یعنی اوجھڑی کا منہ پاؤ۔ اسی طرح جب ایک طباخ سے أدخل الراس (اوجھڑی میں سر داخل کرو) کہا گیا تو اس نے جواباً کہا ان وجدت الی ذلک فاکرش یعنی اگر میں نے سر کو داخل کرنے کا راستہ پایا (تو داخل کر سکوں گا)۔ بعد میں یہ جملہ بطور محاورہ استعمال ہونے لگا۔ عرب جب کسی کام کو سرانجام دینے کا کوئی راستہ نہیں پاتے تو کہتے ہیں ما وجدت الی ذلک الامر فاکرش یعنی میں نے اس کام کی طرف کوئی سبیل نہیں پائی۔ اس طرح سے عرب اپنے خادم کو کسی امر کا مکلف بناتے ہوئے کہتے ہیں ان وجدت الی ذلک الامر فاکرش۔ صحرا اور جنگل میں رہنے والوں کے ایک خاص قسم کے کھانے کو مُكَرَّشَة بروزن معظمۃ کہا جاتا ہے۔ جو گوشت، چربی اور اوجھڑی کو ملا کر پکایا جاتا ہے۔ ابن منظور اس کھانے کے بارے میں (جب وہ پک جائے) ابو منصور کے حوالے سے لکھتے ہیں: وقد طابت وصارت قطعة واحدة فتو كل طيبة: جب مکرشہ پک جائے تو اسے اس طرح نکالا جاتا ہے کہ وہ عمدہ ہوتا ہے اور ایک ٹکڑا بن جاتا ہے پس اسے اچھی حالت میں کھایا جاتا ہے۔ کرش ایک سبزی کا بھی نام ہے جس کو اونٹ اور گھوڑے کھانے سے موٹے ہو جاتے ہیں۔

امام ابوالفضل میدانی فرماتے ہیں:

لَوْ وَجَدْتُ إلی ذَلِکَ فَاكَرِشٍ لفَعَلْته، أي لو وَجَدْتُ إليه أدنى سبيل۔

یعنی اگر میں نے ذرا بھی راستہ پایا تو یہ کام میں ضرور کروں گا۔[1]

کرش بنو ابی بکر بن کلاب کے ایک عظیم پہاڑ کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

مجد الدین فیروز آبادی فرماتے ہیں:

الکرش جبل بدیار بنی أبی بکر بن کلاب۔

کرش بنو ابی بکر بن کلاب کے دیار میں واقع ایک پہاڑ ہے۔[2]

محمد مرتضی زبیدی لکھتے ہیں:

عَن ابنِ زِیَاد، وقالَ لَا أَعْرِفُ فِي دِيَارِ بَنِي كِلابٍ جَبَلاً أَعْظَمَ مِنْهُ۔

ابن زیاد سے منقول ہے کہ میں بنی کلاب کے دیار میں اس سے زیادہ عظیم کسی پہاڑ کو نہیں جانتا۔[3]

اہل واسط (عراق) کے باشندوں کو "الکرشیون" کہا جاتا ہے کیونکہ جب حجاج بن یوسف نے اس شہر کو آباد کیا تو اس نے عبد المالک کی طرف ایک مکتوب ارسال کیا جس میں اس نے لکھا:

اتَّخَذْتُ مدينةً في كِرْشٍ من الأَرضِ بينَ الجَبَلِ والمِصْرَيْنِ، وسَمَّيْتُها بواسِطَ۔

یعنی میں نے زمین کی کرش میں پہاڑ اور دو شہروں کے درمیان ایک شہر بنایا ہے اور اس کا نام واسط رکھا ہے۔[4]

چچڑی بالخصوص جانوروں کا خون چوس کر موٹی ہو جاتی ہے۔ طاقتور ہونے کی وجہ سے اس کی گرفت اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ اسے بزور ہٹانا پڑتا ہے۔ عربی میں اس کو کُرَّاش بھی کہتے ہیں۔

ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

الکراش ضرب من القردان، وقیل ھو کالقمقام یلکع الناس ویکون فی مبارک الابل واحدته کُرَّاشَة۔

کراش چچڑیوں کی ایک قسم ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ جوں کی طرح ہوتی ہے لوگوں کو ڈستی ہے اور اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ پر ہوتی ہے۔ اس کی واحد کراشہ ہے۔[5]

کرش کی اس وضاحت کے بعد عرض ہے کہ کرش حقیقت میں اوجھڑی کے لئے اس طور پر وضع کیا گیا ہے کہ کرش کا لفظ بولتے ہی بغیر کسی قرینے کے اوجھڑی کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے لیکن مجازاً کرش دیگر اشیاء کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ بالفاظ

---

[1] (مجمع الامثال، ج۲ ص ۱۷۸)

[2] (القاموس المحیط ج۲ ص ۲۸۶)

[3] (تاج العروس ج۴، ص ۳۴۳ الباب کرش)

[4] (القاموس المحیط، ج۱، ص ۴۰۲ فصل اللام)

[5] (لسان العرب ج۶، ج ۱ ۳۴)

دیگر کرش سے مراد اگر اوجھڑی لی جائے تو وہ "حقیقۃ" اور ماسوا اوجھڑی لی جائے تو وہ "مجاز" ہوگا تاہم حقیقی اور مجازی معنی میں مناسبت ضرور ہوگی۔ پس اس کے معنی کا اقتضاء یہ ہے کہ کرش کے معنی میں طاقتور ہونا، موٹا ہونا، گوشت سے پر ہونا اور عظیم ہونے کے معنی پائے جائیں گے۔

کرش کے طبی خواص

اطباء کا بیان ہے کہ اوجھڑی دیر میں ہضم ہوتی ہے لیکن اگر اسے بعد اصلاح اچھا کھایا جائے تو یہ معدہ کو تقویت دیتی ہے اور پیٹ کی بیماریوں کو بھی دور کرتی ہے۔

ذیل میں علم طب کے حوالے سے اوجھڑی کے طبی خواص بیان کئے جارہے ہیں:

علامہ حکیم مولوی محمد نجم الغنی رامپوری علیہ الرحمۃ یونانی ادویہ کے انسائیکلوپیڈیا یا خزائن الادویہ میں فرماتے ہیں:

عمدہ اوجھڑی وہ ہے جو جوان بکری اور جوان بھیڑ کی ہو۔ اطباء کی اصطلاح میں مطلقا اوجھڑی کے ذکر سے بکری اور بھیڑ کی مراد ہوتی ہے۔ گوشت کی بہ نسبت اس سے خون کم بنتا ہے اور جو بنتا ہے وہ بھی عمدہ نہیں ہوتا کیموس (وہ رتقیق سے جو معدہ میں کھانا ہضم ہونے کے بعد پیدا ہو) اس سے خراب بنتا ہے اگرچہ خوب ہضم ہو جائے مگر پھیپھڑے کے گوشت سے اس میں غذائیت زیادہ ہے اس کو زیادہ کھانے سے بلغم پید ہوتا ہے اور دیر میں ہضم ہوتی ہے اور غلیظ خلط بنتا ہے۔ بیوقوفی اور سکتہ اور آنکھوں میں تاریکی پیدا کرتی ہے نظر کمزور ہو جاتی ہے۔ اس کی اصلاح اس طرح ہوتی ہے کہ خوب گلا کر پکائیں گرم مصالحے اور سرکے کے ساتھ کھائیں۔ گیلانی لکھتا ہے کہ جو چیز اسکو جلد ہضم کرتی ہے اور لطیف بنادیتی ہے وہ پرانا سرکہ اور سداب اور کرفس ہے کہ ان کو ڈال کر پکائیں جس شخص کی یہ مرضی ہو کہ پتلا اور مائی خون پیدا ہو اسے چاہیئے کہ اوجھڑی کھالیا کرے اور جس شخص میں کھانا کھانے کے بعد کھانے میں دخانیت آجاتی ہو اسے بھی اسکا استعمال مناسب ہے اوجھڑی پیٹ میں زیادہ ٹھہرتی ہے اس لئے جو لوگ اس کو کھاتے ہیں انکو چاہیئے کہ جوارشات (ہاضمے کی خوش ذائقہ ادویات) استعمال کریں۔[1]

حکیم محمد حسین لکھتے ہیں:

مصلح اس کا خوب گھلا کر پکانا اور ساتھ ادویہ گرم خوشبو اور سرکہ کے کھلانا ہے۔[2]

---

[1] (خزائن الادویہ، ج ۱، ص ۶۳۲، ۶۳۳)

[2] (مخزن الادویہ: ج ۲، ص ۱۳۴)

اب ہم بتانا چاہتے ہیں علماء کرام اور عوام الناس کو کہ علماء اہل فن نے احناف کو سات طبقوں میں تقسیم کیا ہے اور ان میں سے صرف پہلے چھ طبقوں کے علماء کا قول مقبول اور ان کی اتباع جائز قرار دی ہے۔ مگر ساتویں طبقے کا قول بخلاف سابقہ چھ طبقوں کے مردود اور ان کی اتباع کو ناجائز قرار دے کر سبب ہلاکت وتباہی ثابت کیا ہے۔

جیسے کہ علامہ ابن عابدین نے مجموعۃ الرسائل جلد اول میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے:

ان الفقهاء على سبع طبقات، الْأُولَى: طَبَقَةُ الْمُجْتَهِدِينَ فِي الشَّرْعِ كَالْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ - وَمَنْ سَلَكَ مَسْلَكَهُمْ فِي تَأْسِيسِ قَوَاعِدِ الْأُصُولِ، وَبِهِ يَمْتَازُونَ عَنْ غَيْرِهِ۔

الثَّانِيَةُ: طَبَقَةُ الْمُجْتَهِدِينَ فِي الْمَذْهَبِ كَأَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ وَسَائِرِ أَصْحَابِ أَبِي حَنِيفَةَ، الْقَادِرِينَ عَلَى اسْتِخْرَاجِ الْأَحْكَامِ مِنْ الْأَدِلَّةِ عَلَى مُقْتَضَى الْقَوَاعِدِ الَّتِي قَرَّرَهَا أُسْتَاذُهُمْ أَبُو حَنِيفَةَ فِي الْأَحْكَامِ وَإِنْ خَالَفُوهُ فِي بَعْضِ أَحْكَامِ الْفُرُوعِ، لَكِنْ يُقَلِّدُونَهُ فِي قَوَاعِدِ الْأُصُولِ، وَبِهِ يَمْتَازُونَ عَنْ الْمُعَارِضِينَ فِي الْمَذْهَبِ كَالشَّافِعِيِّ وَغَيْرِهِ الْمُخَالِفِينَ لَهُ فِي الْأَحْكَامِ غَيْرِ مُقَلِّدِينَ لَهُ فِي الْأُصُولِ۔

الثَّالِثَةُ: طَبَقَةُ الْمُجْتَهِدِينَ فِي الْمَسَائِلِ الَّتِي لَا نَصَّ فِيهَا عَنْ صَاحِبِ الْمَذْهَبِ كَالْخَصَّافِ وَأَبِي جَعْفَرٍ الطَّحَاوِيِّ وَأَبِي الْحَسَنِ الْكَرْخِيِّ وَشَمْسِ الْأَئِمَّةِ الْحَلْوَانِيِّ وَشَمْسِ الْأَئِمَّةِ السَّرْخَسِيِّ وَفَخْرِ الْإِسْلَامِ الْبَزْدَوِيِّ وَفَخْرِ الدِّينِ قَاضِي خَانْ وَأَمْثَالِهِمْ، فَإِنَّهُمْ لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِنْ الْمُخَالَفَةِ لَا فِي الْأُصُولِ وَلَا فِي الْفُرُوعِ لَكِنَّهُمْ يَسْتَنْبِطُونَ الْأَحْكَامَ فِي الْمَسَائِلِ الَّتِي لَا نَصَّ فِيهَا عَلَى حَسَبِ الْأُصُولِ وَالْقَوَاعِدِ۔

الرَّابِعَةُ: طَبَقَةُ أَصْحَابِ التَّخْرِيجِ مِنْ الْمُقَلِّدِينَ كَالرَّازِيِّ وَأَضْرَابِهِ، فَإِنَّهُمْ لَا يَقْدِرُونَ عَلَى الِاجْتِهَادِ أَصْلًا لَكِنَّهُمْ لِإِحَاطَتِهِمْ بِالْأُصُولِ وَضَبْطِهِمْ لِلْمَآخِذِ يَقْدِرُونَ عَلَى تَفْصِيلِ قَوْلٍ مُجْمَلٍ ذِي وَجْهَيْنِ، وَحُكْمٍ مُبْهَمٍ مُحْتَمِلٍ لِأَمْرَيْنِ، مَنْقُولٍ عَنْ صَاحِبِ الْمَذْهَبِ أَوْ أَحَدٍ مِنْ أَصْحَابِهِ بِرَأْيِهِمْ وَنَظَرِهِمْ فِي الْأُصُولِ وَالْمُقَايَسَةِ عَلَى أَمْثَالِهِ وَنَظَائِرِهِ مِنْ الْفُرُوعِ. وَمَا فِي الْهِدَايَةِ مِنْ قَوْلِهِ كَذَا فِي تَخْرِيجِ الْكَرْخِيِّ وَتَخْرِيجِ الرَّازِيِّ مِنْ هَذَا الْقَبِيلِ۔

الْخَامِسَةُ: طَبَقَةُ أَصْحَابِ التَّرْجِيحِ مِنْ الْمُقَلِّدِينَ كَأَبِي الْحَسَنِ الْقُدُورِيِّ، وَصَاحِبِ الْهِدَايَةِ وَأَمْثَالِهِمْ، وَشَأْنُهُمْ تَفْضِيلُ بَعْضِ الرِّوَايَاتِ عَلَى بَعْضٍ، كَقَوْلِهِمْ هَذَا أَوْلَى، وَهَذَا أَصَحُّ رِوَايَةً، وَهَذَا أَوْفَقُ لِلنَّاسِ۔

وَالسَّادِسَةُ: طَبَقَةُ الْمُقَلِّدِينَ الْقَادِرِينَ عَلَى التَّمْيِيزِ بَيْنَ الْأَقْوَى وَالْقَوِيِّ وَالضَّعِيفِ وَظَاهِرِ الْمَذْهَبِ وَالرِّوَايَةِ النَّادِرَةِ، كَأَصْحَابِ الْمُتُونِ الْمُعْتَبَرَةِ مِنْ الْمُتَأَخِّرِينَ، مِثْلُ صَاحِبِ الْكَنْزِ، وَصَاحِبِ الْمُخْتَارِ، وَصَاحِبِ الْوِقَايَةِ، وَصَاحِبِ الْمَجْمَعِ، وَشَأْنُهُمْ أَنْ لَا يَنْقُلُوا الْأَقْوَالَ الْمَرْدُودَةَ وَالرِّوَايَاتِ الضَّعِيفَةَ۔

وَالسَّابِعَةُ: طَبَقَةُ الْمُقَلِّدِينَ الَّذِينَ لَا يَقْدِرُونَ عَلَى مَا ذُكِرَ، وَلَا يُفَرِّقُونَ بَيْنَ الْغَثِّ وَالسَّمِينِ ولا يميزون الشمال من اليمين بل يجمعو مايجدون كحاطب ليل فالويل لمن قلدهم كل الويل۔

مسائل متفرقہ کے بیان میں

ترجمہ: فقہاء کے سات طبقے ہیں:

(۱) مجتہدین فی الشرع کا طبقہ ہے۔ جیسے چار ائمہ ہیں اور ہر وہ شخص جو کہ قواعد الاصول کے بنیاد رکھنے اور چاروں دلائل سے فرعی احکام کے نکالنے میں ان کے طریقہ پر چل پڑے، اور اصول و فروع میں کسی کی تقلید نہ کرے۔

(۲) مذہب میں مجتہدین کا طبقہ جیسے امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے دیگر وہ اصحاب کہ ان کے استاذ نے جن قواعد کو متعین فرمایا ان کے مطابق بیان شدہ دلائل سے احکام نکالنے پر قادر ہوں کیونکہ انہوں نے اگرچہ بعض فروعی احکام میں ان کی مخالفت کی ہے مگر اصول قواعد میں ان کی تقلید کرتے ہیں۔

(۳) ان مسائل میں اجتہاد کرنے والا طبقہ جن مسائل کے بارے میں صاحب مذہب سے کوئی روایت نہ ہو جیسے خصاف اور ابی جعفر الطحاوی اور ابی الحسن الکرخی، شمس الائمہ الحلوانی، شمس الائمہ السرخی، فخر الاسلام البزدوی، اور فخر الدین قاضی خان وغیرہ مگر اس طبقہ والے علماء ان مسائل کے بارے میں احکام مستنبط کرتے ہیں جن میں صاحب مذہب سے تصریح نہ ہو۔ ان اصولوں کے طابق جن کو اس نے متعین فرمایا۔ اور ان قواعد کے مقتضٰی کے موافق جن سے اس نے بیان فرمایا۔

(۴) مقلدین میں سے اصحاب تخریج کا طبقہ ہے جیسے امام ابو بکر جصاص رازی اور ان کے امثال کیونکہ اس طبقہ والے بالکل اجتہاد پر قادر نہیں مگر ان کے اصول پر احاطہ کی وجہ سے اور اصل دلائل کے ضبط کی وجہ سے یہ ایک قول مجمل جو کہ دو وجہیں رکھتا ہو یا وہ حکم جو دو امروں کا احتمال رکھتا ہو جو صاحب مذہب سے منقول ہو کی تفصیل پر قدرت رکھتے ہیں۔

(۵) مقلدین میں سے اصحاب ترجیح کا طبقہ ہے ابو الحسن قدوری، صاحب ہدایہ اور ان جیسے علماء ان کی شان بعض روایات کو بعض پر ترجیح دینا ہے ان کے اس قول کے ساتھ کہ یہ اولیٰ ہے اور یہ روایت کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے اور یہ زیادہ واضح ہے اور یہ قیاس سے زیادہ موافق ہے۔ اور یہ لوگوں کے لئے زیادہ ارفق ہے۔

(۶) ان مقلدین کا طبقہ ہے جو اقوی، قوی، ضعیف، ظاہر الروایۃ، ظاہر المذہب اور روایت نادرۃ میں فرق کرنے پر قادر ہوں، جیسے معتبر متون والے علماء مثلاً صاحب کنز صاحب مختار، صاحب الوقایہ اور صاحب المجمع ان کا حال یہ ہے کہ اپنی کتابوں میں مردود اقوال اور روایات ضعیفہ نقل نہیں کرتے۔

(۷) ان مقلدین کا طبقہ جو کہ مذکورہ کام پر قدرت نہیں رکھتے اور وہ فرق نہیں کر سکرتے ردّی، بیکار قیمتی بات کے درمیان اور دائیں کو بائیں سے الگ نہیں کر سکتے بلکہ جو کچھ پاتے ہیں اس کو جمع کرتے ہیں۔ جیسے رات کے وقت لکڑیاں جمع کرنے والا ان کی پیروی اور تابعداری کرنے والوں کے لئے تباہی ہے مکمل تباہی کے ساتھ۔[1]

---

[1] (الدر المختار و حاشیہ ابن عابدین (رد المحتار) ج ۱، ص ۷۷)

جاننا چاہیئے کہ بعض علماء پہلے طبقہ کو جو مجتہدین مطلق کا طبقہ ہے شمار نہیں کرتے اور باقی مقلدین کے چھ طبقے بیان کرتے ہیں۔ اور بعض ساتویں طبقے کو جن کا قول معتبر نہیں ان کو بھی شمار نہیں کرتے۔ بلکہ ان کو مقلدین کا طبقہ شمار کرتے ہیں۔ جن کا قول معتبر ہے۔ اور طبقات الفقہا کو پانچ میں منحصر کرتے ہیں۔ مگر درحقیقت کوئی اختلاف نہیں سب بات ایک ہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مولانا عبد الحی لکھنوی نے طبقات الفقہاء پر بحث کرتے ہوئے علماء کو پانچ طبقوں میں منحصر کیا ہے اور اصحاب المتون والے طبقے کے متعلق لکھا ہے:

وھذہ الطبقۃ ھی ادنیٰ طبقات المتفقھین و اما الذین ھم دون ذٰلک فانھم کانوا ناقصین عاملین یلزمھم تقلید علماء عصرھم ولا یحل لھم ان یفتوا الا بطریق الحکایۃ کذا ذکرہ ایضاً۔

ترجمہ: یہ طبقہ فقہاء کے طبقات میں سے آخری طبقہ ہے اور جو ان میں سے نیچے اور ادنیٰ طبقہ ہے تو یہ ناقصین اور عوام ہیں، ان پر اپنے زمانے کے علماء کی تقلید کرنا لازم ہے اور ان کے لئے فتویٰ دینا جائز نہیں مگر بطریق حکایت اور نقل کے طریقے سے۔[1]

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو عمدۃ الرعایۃ ص ۸، مقدمہ رد المختار ج ا ص ۵۷، الفوائد البھیہ فی تراجم الحنفیہ ص ۲ طبقات الفقہاء ص ۵۔

مولانا عبد الحی لکھنوی نے عمدۃ الرعایۃ میں اپنی تفصیل تحقیق کے آخر میں لکھا ہے:

فالویل لھم ولمن قلدھم کال الویل۔

یعنی اس ساتویں طبقے کے علماء کے لئے اور ان کی تابعداری کرنے والوں کے لئے ہلاکت اور تباہی ہے مکمل ہلاکت وتباہی سے۔

تفصیل مذکورہ سے آپ ضرور اس نتیجہ پر پہنچے ہوں گے کہ فقہاء کرام میں سے ساتویں طبقہ والوں کے لئے اپنی طرف سے فتویٰ جاری کرنا جائز نہیں جب تک سابقہ چھ طبقوں میں سے کسی کا قول بطریق نقل وحکایت نہ ہو۔ ورنہ یہ بھی ہلاک اور تباہ ہیں۔ سوچنے کا مقام ہے کہ جب ساتویں طبقے کے فقہاء کا یہ حال ہے تو غیر فقیہ اور ساتویں طبقے سے بھی نیچے طبقوں والوں کے لئے از خود فتویٰ دینا اور اپنے آپ کو مفتی مجتہد ظاہر کرنا اور ان کی تقلید اور تابعداری کرنا کب جائز اور روا ہو گا۔ بلکہ مذہب اور دین کی کتابیں اس پر شاہد ہیں کہ نہ ان کے اور نہ ان کے قول کا کائی اعتبار ہے جیسا کہ رسائل ابن عابدین ج ا میں ہے ولا عبرۃ بغیر الفقہآء ص ۳۳۵، ص ۳۳۴، ۱۶۱ا اور شامی ص ۳۲۱، ۳۳۹، اور بحر الرائق ج ا ص ۳۵۰، ج۵، ص ۱۲۰ اور ص ۱۴۰ وغیرہ۔

---

[1] (نافع الکبیر، ص ۴)

علامہ ابن عابدین اپنے رسائل میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

لا یجوز لنا تقلید البزازی و من تبعه فی ذلک حیث لم نر لهم سلف او مستنداً بل رأینا صریح النقول فی المذهب و غیره مخالفة لکلامهم۔

ہمارے لئے بزازیہ اور ان کے تابعداروں کی اتباع و تقلید جائز نہیں اس لئے کہ ہم ان کا سلف اور مقتداء نہیں دیکھتے بلکہ مذہب وغیرہ میں صریح نقلیں ان کے خلاف دیکھتے ہیں۔[1]

اس کے علاوہ او جھڑی کو ناجائز قرار دینے سے نام نہاد مفتیوں کی مراد کیا ہے؟ اگر مراد "حرام" ہو تو دلیل محرم پیش کرنا لازمی ہے اور اگر مراد "مکروہ" ہو تو اس کی دلیل پیش کرنا لازم ہے۔ کیونکہ حرمت اور کراہت احکام شرعیہ ہیں۔ ہر حکم شرعی کے لئے دلیل شرعی پیش کرنا ضروری ہوتا ہے اس لئے کہ دعوی بلا دلیل مسموع نہیں۔

کمافی کتب المذهب (ردالمختار)۔

علامہ شامی نے لکھا ہے:

بان الکراهة لابدلها من دلیل۔[2]

الکراهة اذ لابدلها من دلیل خاص کماذکره صاحب البحر۔[3]

مولانا عبد الحئ لکھنوی التعلیق الممجد علی موطا امام محمدؒ میں لکھتے ہیں:

أن الكراهة أمر زائد لا يثبت إلاَّ بدليل خاص يدل على النهي، و أما مجرد عدم فعله صلّى الله عليه و سلّم فلا يدل إلاَّ على أنه ليس للعيد سنة قبلها و لا بعدها لا على أنه مكروه، و كونه حريصاً على الصلاة لا يستلزم أن يفعل بنفسه كل فرد من أفرادها، في كل وقت من أوقاتها، بل كفى في ذلك قوله: "الصلاة خير موضوع" مع عدم إرشاد النهي. و نظيره ما ورد أنه صلّى الله عليه و سلّم كان لا يطعم شيئاً يوم الأَضحى إلى أن يضحِّي فيأكل من أضحيته، و مع ذلك صرَّحوا بأن الأكل في ذلك اليوم قبل الغدوّ إلى المصلّى ليس بمكروه، إذ لا بد للكراهة من دليل خاص، و إذ ليس فليس۔[4]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

قال النووي: و المذهبان فاسدان لأن الكراهة إنما تثبت بنهي الشرع، و لم يثبت فيه نهي۔[5]

علامہ جلال الدین سیوطیؒ الحاوی للفتاویٰ میں لکھتے ہیں:

فان الاثبات و النفی کلاهما حکم شرعی یحتاج الی دلیل او نقل۔[1]

---

[1] (رسائل ابن عابدین، ج ۱ ص ۳۳۵)

[2] (ردالمحتار، ج۵، ص ۲۶۳، ج۵ ص ۳۲۹، ج ۱ ص ۹۱)

[3] (ج ۱ ص ۶۱۴)

[4] (التعلیق الممجد ج ۱ ص ۲۱۱ باب ۶۸ صلوة التطوع قبل العید او بعده)

[5] (التعلیق الممجد ج ۲ ص ۱۶۷ باب الصوم فی رؤیة الهلال و الافطار لرؤیته)

انور شاہ کشمیری دیوبندی لکھتے ہیں:

والذی یظھر ان الوجوب والحرمۃ یتبغان الامر والنھی دون النظر المعنوی فلا یجب الشیء ولا یحرم الا بالأمر والنھی۔[2]

وبالجملۃ: المسائل انما توخذ من الامر والنھی لا من اذواق الناس وان ”للناس فیما یعشقون مذاھب۔[3]

مذکورہ کتب کی تصریحات سے روز روشن کی طرح یہ واضح ہوا کہ جب تک نہی تحریمی یا تنزیہی نہ ہو ت وہ چیز بدعت، حرام یا مکروہ نہیں ہو سکتی۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر ۷)

ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت (حل) ہے نہ کہ بدعت۔

وَاحْتَجَّ بِهَذَا الْحَدِيثِ (سعد بن ابی وقاص) مَنْ قَالَ: أَصْلُ الْأَشْيَاءِ الْإِبَاحَةُ قَبْلَ وُرُودِ الشَّرْعِ حَتَّى يَقُومَ دَلِيلُ الْحَظْرِ۔

یعنی جب تک منع کی دلیل موجود نہ ہو تو اشیاء میں اصل اباحت ہے۔[4]

امام نوویؒ لکھتے ہیں:

اعلم ان مذھب اھل السنۃ انہ لا یثبت بالعقل ثواب ولا عقاب ولا ایجاب ولا تحریم ولا غیرھا من انواع التکلیف ولا یثبت ھذہ کلھا ولا غیرھا الا بالشرع۔[5]

شامی میں ہے:

ولیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالٰی باثبات الحرمۃ او الکراھۃ اللذین لا بدلھما من دلیل بل فی القول بالاباحۃ التی ھی الاصل۔۔۔الخ۔

---

[1] (الحاوی للفتاویٰ، ص ۲۳۹)

[2] (فیض الباری شرح صحیح بخاری، ج ۲ ص ۵۰)

[3] (ج ۲ ص ۱۸۴)

[4] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ج ۱ ص ۲۳۸)

[5] (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۷۶)

یعنی اہل سنت (اہل حق) کا مذہب یہ ہے کہ ثواب یا عذاب، وجوب یا حرمت وغیرہ اقسام تکلیف سے ہیں اور یہ تمام شرع کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتے۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے میں حرمت اور کراہت ثابت کرنے میں احتیاط نہیں کیونکہ ان کے لئے دلیل ضروری ہے۔ بلکہ اباحت کے قول میں ہے جو کہ اصل ہے۔[1]

وَ الْعَمَلَ بِالْأَصْلِ وَهُوَ الْحِلُّ، وَلَا يَجُوزُ تَرْجِيحُ الْحُرْمَةِ بِالِاحْتِيَاطِ۔

عمل، اصل پر ہے جو کہ حل (حلال ہونا) ہے۔ اور احتیاط کی وجہ سے حرمت کو ترجیح دینا جائز نہیں۔[2]

والاباحت اصل۔[3]

ہم ناظرین کی خدمت میں بصد احترام عرض گزار ہیں کہ وہ مذکورہ حوالہ جات کو غور سے بار بار دہرائیں اور سوچیں کہ جب ساتویں طبقے کے فقہاء کا قول (جبکہ ان سے پہلے چھ طبقوں والوں سے منقول نہ ہو) قابل اتباع نہیں بلکہ خود ان کے لئے اور ان کی تابعداری کرنے والوں کے لئے بھی ہلاکت اور تباہی ہی تباہی ہے اور جن کے لئے کوئی سلف، قول و فعل اور طور وطریقہ میں نہیں ہوتا ان کی اتباع اور تقلید جائز نہیں۔ ان مفتیان کے کہنے سے کوئی چیز حرام یا مکروہ نہیں ہوسکتی جب تک دلیل نہ ہو۔ باقی ان کا فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ مندرجہ بالا تحقیق کو مدنظر رکھتے ہوئے سوچیں کہ ان تحریکوں کے بنانے والوں اور ان کی تابعداری کرنے والوں کا کیا حکم ہے؟ اس نازک اور پرفتن دور میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم فرقہ واریت کو چھوڑ کر صرف اور صرف اسلام اور مذہب کی تابعداری کرتے ہوئے اس کی خدمت کریں۔ بلکہ قرآن و سنت اور مذہب کو سمجھیں۔ قرآن و سنت اور مذہب کی کتابوں میں کہاں لکھا ہے کہ اوجھڑی کھانا حرام، مکروہ اور منع ہے۔

(۱۳۴) مسئلہ نمبر ایک سو چونتیس: فتویٰ دیتے وقت احتیاط سے کام لینے کے بیان میں

مفتی کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ وہ فتویٰ دیتے وقت احتیاط سے کام لے جس مسئلہ کے بارے میں اسے علم نہ ہو اس کے بارے میں فتویٰ دینے سے گریز کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أُفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ۔

یعنی جس نے بغیر علم کے فتویٰ دیا اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔[4]

---

[1] (ردالمحتار، ج۵ ص ۳۲۶)

[2] (عنایہ بر ھدایہ ج ۱ ص ۱۱۶ فصل فی الاسار وغیرھا)

[3] (ھدایہ ج ۱ ص ۴۰۷)

[4] (ابو داؤد، کتاب العلم)

مفتی کے لئے قرآن و سنت کا ماہر عالم ہونا شرط ہے

امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا تَجُوزُ الْفُتْيَا إِلَّا لِرَجُلٍ عَالِمٍ بِالْكِتَابِ وَ السُّنَّةِ۔

یعنی قران و سنت کے عالم کے علاوہ کسی کو فتویٰ دینے کی اجازت نہیں ہے۔[1]

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے:

مَنْ أَفْتَى النَّاسَ وَ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِلْفَتْوَى فَهُوَ آثِمٌ عَاصٍ، وَ مَنْ أَقَرَّهُ مَنْ وُلَاةِ الْأُمُورِ عَلَى ذَلِكَ فَهُوَ آثِمٌ أَيْضًا۔

یعنی جو شخص لوگوں کو فتویٰ دینے لگے اور وہ فتویٰ کے اہل نہ ہو وہ گناہ گار و نافرمان ہے اور جو صاحبِ اختیار شخص اس کو اس منصب پر مقرر رکھے وہ بھی گناہگار ہو گا۔[2]

حضرت عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے:

إِنَّ كُلَّ مَنْ أَفْتَى النَّاسَ فِي كُلِّ مَا يَسْأَلُونَهُ عَنْهُ لَمَجْنُونٌ۔

یعنی جو شخص ہر پوچھی گئی بات کا جواب دینا ضروری سمجھے وہ پاگل ہے۔[3]

سفیان بن عینیہ کا مشہور قول ہے:

او عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ وَ سَحْنُونٍ أَجْسَرُ النَّاسِ عَلَى الْفُتْيَا أَقَلُّهُمْ عِلْمًا۔

یعنی لوگوں میں فتویٰ دینے کی سب سے زیادہ جسارت وہ شخص کرتا ہے جو ان میں سب سے کم علم رکھتا ہو۔[4]

قد سئل الإمام مالک رحمه الله عن أربعين مسألة فأجاب عن ست منها، وقال في الباقية: لا أدري، فقال له السائل: أنا جئت من كذا و كذا، و سافرت و أتعبت راحلتي، وتقول: لا أدري، قال: اركب راحلتک، و اذهب إلى البلد الذي جئت منه، و قل: سألت مالكا فقال: لا أدري۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ایک شخص نے ان سے چالیس مسائل دریافت کیے تو حضرت امام مالکؒ نے ان میں سے چھ کا جواب دیا اور باقی کے بارے میں آپؒ نے فرمایا ”لا ادری“ یعنی میں نہیں جانتا۔ وہ بولا بہت دور کے

---

[1] (اعلام الموقعین، ج ۲ ص ۳۵۲)

[2] (اعلام الموقعین، ج ۴ ص ۱۶۶)

[3] (اعلام الموقعین عن رب العالمین ج ۱ ص ۲۸)

[4] (الزهد و الرقائق لابن المبارک لنعیم بن حماد، باب صفة النار، ص ۱۲۵، ج ۲)

علاقے طے کرکے آپ کے پاس پہنچاہوں تو آپ نے فرمایا: ارجع الیٰ بلدک وقل سألت مالکافقال لاادرییعنی۔ اپنے شہر میں واپس جاکر کہو میں نے امام مالکؒ سے مسئلہ پوچھا تو اس نے کہا "لاادری"۔ سبحان اللہ کس قدر خوفِ خدا ہے۔[1]

وکان عمررضی اللہ عنہ ان سئل عمایشک فیہ یقول لاادری نصف العلم۔[2]

حاصل یہ ہے کہ بغیر سند شرعی کے فتویٰ دینا حرام قطعی ہے۔

کماقال واماتباع الھویٰ فی الحکم والفتوٰی حرام اجماعاًواماالحکم والفتویٰ بالموجوح وخلاف الاجماع۔[3]

اس سے معلوم ہوا افتاء کا منصب جس قدر عظیم ہے اتنا ہی یہ اپنے اندر نزاکت بھی رکھتا ہے لہٰذا مفتی کو فتویٰ جاری کرنے میں انتہائی احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے عرف کو جانتا ہو اس لئے کہ اگر ایک طرف ظاہر الراویہ اور دوسری طرف عرف اس کے خلاف ہو تو مفتی عرف کو چھوڑ کر ظاہر الروایہ پر فتویٰ دینے کا مجاز نہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وفی القنیۃ لیس للمفتی ولاقاضی ان یحکماعلی ظاہر المذھب ویترکاالعرف وھذاصریح فیماقلنا ان المفتی لایفتی بخلاف عرف زمانہ۔

یعنی جو اپنے زمانے کے عرف کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔[4]

۵۰۰ روپے نقد انعام اس کے نام جو اوجھڑی کی حرمت ثابت کرے یا یہ ثابت کردے کہ متون نے اس کو مکروہ تحریمی لکھاہے۔ ھَاتُوا بُرْھَانَکُمْ إِنْ کُنتُمْ صَادِقِینَ (البقرۃ ۱۱۱) لاؤ اپنی دلیل اگر سچے ہو۔

واللہ ورسولہ ﷺ اعلم

(۱۳۵) مسئلہ نمبر ایک سو پینتیس: گوشت اور چرم (کھال) کے مسائل

مسئلہ: مستحب یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کرے، ایک حصہ عام مساکین کے لیے دوسرا حصہ اعزہ واقارب کے لیے اور تیسرا اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے، البتہ اگر سارا گوشت خود رکھنا چاہے تو بھی جائز ہے۔

مسئلہ: قربانی کا گوشت ذمی کافر کو بھی دے سکتے ہیں۔

[1] (شرح ثلاثۃ الاصول لصالح الفوزان، باب الدلیل من السنۃ، ج ۱ ص ۲۴۰)

[2] (المتانۃ ص ۹۱)

[3] (المتانۃ ص ۸۵)

[4] (رسم المفتی ص ۴۰)

فی الهندية: ويستحب أن يأكل من أضحيته ويطعم منها غيره والأفضل أن يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضيافة لأقاربه وأصدقائه ويدخر الثلث ويطعم الغني والفقير جميعا كذا في البدائع ويهب منها ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي كذا في الغياثية ولو تصدق بالكل جاز ولو حبس الكل لنفسه جاز وله أن يدخر الكل لنفسه فوق ثلاثة أيام إلا أن إطعامها والتصدق بها أفضل إلا أن يكون الرجل ذا عيال وغير موسع الحال فإن الأفضل له حينئذ أن يدعه لعياله ويوسع عليهم به كذا في البدائع۔[1]

مسئلہ: قصاب کی اجرت میں اور زکوۃ میں گوشت وغیرہ کا کوئی جزء دینا جائز نہیں۔

عن ابن جريج قال: أخبرني الحسن بن مسلم وعبد الكريم الجزري أن مجاهدا أخبرهما أن عبد الرحمن بن أبي ليلى أخبره أن عليا رضي الله عنه أخبره: أن النبي صلى الله عليه وسلم أمره أن يقوم على بدنه وأن يقسم بدنه كلها لحومها وجلودها وجلالها ولا يعطي في جزارتها شيئا۔[2]

عن علي قال امرني رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اقوم على بدنه وان اتصدق بلحمها وجلودها واجلتها وأن لا اعطى الجزار منها قال نحن نعطيه من عندنا۔[3]

في الهندية: ولا يحل بيع شحمها وأطرافها ورأسها وصوفها ووبرها وشعرها ولبنها الذي يحلبه منها بعد ذبحها بشيء لا يمكن الانتفاع به إلا باستهلاک عينه من الدراهم والدنانير والمأكولات والمشروبات ولا أن يعطي أجر الجزار والذابح منها۔[4]

مسئلہ: اپنی قربانی کا گوشت بیچنا جائز نہیں، اگر بیچ دیا تو اس رقم کا استعمال حرام ہے، ساری رقم کسی مسکین کو دینا ضروری ہے۔ البتہ کسی کو اگر کسی اور نے اپنی قربانی کا گوشت دیا ہے اور اس نے وہ گوشت بیچ دیا تو اس کے لیے وہ گوشت بیچنا اور رقم کا استعمال جائز ہے۔[5]

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: (قَوْلُهُ فَإِنْ بِيعَ اللَّحْمُ أَوْ الْجِلْدُ بِهِ إلَخْ) أَفَادَ أَنَّهُ لَيْسَ لَهُ بَيْعُهُمَا بِمُسْتَهْلَکٍ وَأَنَّ لَهُ بَيْعُ الْجِلْدِ بِمَا تَبْقَى عَيْنُهُ، وَسَكَتَ عَنْ بَيْعِ اللَّحْمِ بِهِ لِلْخِلَافِ فِيهِ۔ فَفِي الْخُلَاصَةِ وَغَيْرِهَا: لَوْ أَرَادَ بَيْعَ اللَّحْمِ لِيَتَصَدَّقَ بِثَمَنِهِ لَيْسَ لَهُ ذَلِکَ، وَلَيْسَ لَهُ فِيهِ إلَّا أَنْ يُطْعِمَ أَوْ يَأْكُلَ اهـ وَالصَّحِيحُ كَمَا فِي الْهِدَايَةِ وَشُرُوحِهَا أَنَّهُمَا سَوَاءٌ فِي جَوَازِ بَيْعِهِمَا بِمَا يَنْتَفِعُ بِعَيْنِهِ دُونَ مَا يَسْتَهْلِکُ، وَأَيَّدَهُ فِي الْكِفَايَةِ بِمَا رَوَى ابْنُ سِمَاعَةَ عَنْ مُحَمَّدٍ: لَوْ اشْتَرَى بِاللَّحْمِ ثَوْبًا فَلَا بَأْسَ بِلُبْسِهِ اهـ۔[6]

---

[1] (الهندية، ج۵، ص ۳۰۰، ط: رشيديه)
[2] (صحيح البخارى، ج ۱، ص ۲۳۲، ط: قديمى)
[3] (صحيح مسلم، ج ۱، ص ۴۲۳، ط: قديمى)
[4] (الهندية، ج۵، ص ۳۰۱، ط: رشيديه)
[5] (احسن الفتاوىٰ، ج۷، ص ۴۸۶، ط: سعيد)
[6] (الشامية، ج ۶، ص ۳۲۸، ط: سعيد)

مسئلہ: اگر نوکر یا ملازم کا کھانا اس کی تنخواہ کا حصہ ہو یعنی اس کا کھانا بھی تنخواہ میں شمار کیا جاتا ہو تو ایسے ملازم یا نوکر کو قربانی کا گوشت کھانے میں دینا جائز نہیں، البتہ اگر یہ صورت اختیار کی جائے کہ اس کو ان دنوں کے کھانے کی قیمت دے دی جائے تو پھر کھلانا جائز ہوگا۔ البتہ جن کا کھانا اجرت اور تنخواہ کا حصہ نہیں ان کو کھلانا جائز ہے۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

۔۔۔۔۔ صحیح دلیل یہ ہے کہ کھانا نوکر کی اجرت کا جزء ہے اور قربانی کا گوشت اجرت میں دینا جائز نہیں۔ نوکر کو گوشت کھلانے کا حیلہ یہ اختیار کیا جاسکتا ہے کہ اس کو ان دنوں کے کھانے کی قیمت دے دی جائے۔[1]

مسئلہ: میت کی وصیت پر تہائی مال سے قربانی کی تو پورا گوشت پوست مساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قَوْلُهُ وَعَنْ مَيِّتٍ) أَيْ لَوْ ضَحَّى عَنْ مَيِّتٍ وَارِثُهُ بِأَمْرِهِ أَلْزَمَهُ بِالتَّصَدُّقِ بِهَا وَعَدَمِ الْأَكْلِ مِنْهَا۔[2]

مسئلہ: شرکاء پر واجب ہے کہ قربانی کا گوشت تول کر تقسیم کریں، اندازہ سے تقسیم کرنا جائز نہیں، البتہ اگر سری یا پائے، کلے یا کھال کے ٹکڑے کرکے ہر حصہ پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دیا تو وزن کرنا ضروری نہیں اندازہ سے بھی تقسیم کرسکتے ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وَيُقْسَمُ اللَّحْمُ وَزْنًا لَا جُزَافًا إلَّا إذَا ضَمَّ مَعَهُ الْأَكَارِعَ أَوْ الْجِلْدَ صَرْفًا لِلْجِنْسِ لِخِلَافِ جِنْسِهِ۔[3]

مسئلہ: اگر تمام شرکاء ایک گھر کے افراد ہوں جن کا کھانا پینا مشترک ہو تو پھر گوشت کی تقسیم ضروری نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وَيُقْسَمُ اللَّحْمُ وَزْنًا لَا جُزَافًا۔

و قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قَوْلُهُ وَيُقْسَمُ اللَّحْمُ) اُنْظُرْ هَلْ هَذِهِ الْقِسْمَةُ مُتَعَيِّنَةٌ أَوْ لَا، حَتَّى لَوْ اشْتَرَى لِنَفْسِهِ وَلِزَوْجَتِهِ وَأَوْلَادِهِ الْكِبَارِ بَدَنَةً وَلَمْ يَقْسِمُوهَا تُجْزِيهِمْ أَوْ لَا، وَالظَّاهِرُ أَنَّهَا لَا تُشْتَرَطُ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهَا الْإِرَاقَةُ وَقَدْ حَصَلَتْ۔ وَفِي فَتَاوَى الْخُلَاصَةِ وَالْفَيْضِ: تَعْلِيقُ الْقِسْمَةِ عَلَى إرَادَتِهِمْ، وَهُوَ يُؤَيِّدُ مَا سَبَقَ غَيْرَ أَنَّهُ إذَا كَانَ فِيهِمْ فَقِيرٌ وَالْبَاقِي أَغْنِيَاءُ يَتَعَيَّنُ عَلَيْهِ أَخْذُ نَصِيبِهِ لِيَتَصَدَّقَ بِهِ اهـ ط۔ وَحَاصِلُهُ أَنَّ الْمُرَادَ بَيَانُ شَرْطِ الْقِسْمَةِ إنْ فُعِلَتْ لَا أَنَّهَا شَرْطٌ، لَكِنْ فِي اسْتِثْنَائِهِ الْفَقِيرَ نَظَرٌ إذْ لَا يَتَعَيَّنُ عَلَيْهِ التَّصَدُّقُ كَمَا يَأْتِي، نَعَمْ النَّاذِرُ يَتَعَيَّنُ عَلَيْهِ فَافْهَمْ۔[4]

---

[1] (احسن الفتاوی، ج۷، ص ۴۹۴، ط:سعید)

[2] (الشامیہ، ج۶، ص ۳۳۵، ط:سعید)

[3] (الشامیۃ، ج۶، ص۳۱۷، ۳۱۸، ط:سعید)

[4] (الشامیۃ، ج۶، ص۳۱۷، ط:سعید)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

اس صورت میں تقسیم ضروری نہیں کیونکہ یہ اباحت ہے، تملیک وتملک کے معنی اس میں نہیں۔[1]

مسئلہ: اگر تمام شرکاء باہمی رضامندی سے تقسیم سے پہلے مشترک طور پر سارا گوشت یا اس کا کوئی حصہ صدقہ کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں۔[2]

و قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: (قَوْلُهُ وَيُقْسَمُ اللَّحْمُ) اُنْظُرْ هَلْ هَذِهِ الْقِسْمَةُ مُتَعَيِّنَةٌ أَوْ لَا ، حَتَّى لَوْ اشْتَرَى لِنَفْسِهِ وَلِزَوْجَتِهِ وَأَوْلَادِهِ الْكِبَارِ بَدَنَةً وَلَمْ يَقْسِمُوهَا تُجْزِيهِمْ أَوْ لَا ، وَالظَّاهِرُ أَنَّهَا لَا تُشْتَرَطُ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهَا الْإِرَاقَةُ وَقَدْ حَصَلَتْ۔[3]

مسئلہ: قربانی کی کھال میں مالک کو اختیار ہے، چاہے صدقہ کردے یعنی کسی مسکین یا مالدار کو دے دے یا اپنے استعمال میں لے آئے یعنی اس سے مصلی، مشکیزہ، ڈول دسترخوان، جوتے، موزے وغیرہ بنائے یا اس کے عوض ایسی چیز خریدے جسے استعمال کے لیے خرچ نہیں کرنا پڑتا، بلکہ باقی رکھتے ہوئے اس سے نفع اٹھایا جاسکتا ہو مثلاً کتاب، قلم، کپڑا، برتن وغیرہ خریدنے کے بعد یہ چیزیں بھی بحکم کھال اور گوشت کے ہو جاتی ہیں، چاہے خود استعمال کرے چاہے بیچ کر اس کی رقم مساکین پر خرچ کر دے۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: (وَيَتَصَدَّقُ بِجِلْدِهَا أَوْ يَعْمَلُ مِنْهُ نَحْوَ غِرْبَالٍ وَجِرَابٍ) وَقِرْبَةٍ وَسُفْرَةٍ وَدَلْوٍ (أَوْ يُبَدِّلُهُ بِمَا يَنْتَفِعُ بِهِ بَاقِيًا) كَمَا مَرَّ (لَا بِمُسْتَهْلَكٍ كَخَلٍّ وَلَحْمٍ وَنَحْوِهِ) كَدَرَاهِمَ (فَإِنْ) (بِيعَ اللَّحْمُ أَوْ الْجِلْدُ بِهِ) أَيْ بِمُسْتَهْلَكٍ (أَوْ بِدَرَاهِمَ) (تَصَدَّقَ بِثَمَنِهِ)۔

و قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: (قَوْلُهُ بِمَا يُنْتَفَعُ بِهِ بَاقِيًا) لِقِيَامِهِ مَقَامَ الْمُبْدَلِ فَكَأَنَّ الْجِلْدَ قَائِمٌ مَعْنًى بِخِلَافِ الْمُسْتَهْلَكِ۔۔۔۔ (قَوْلُهُ فَإِنْ بِيعَ اللَّحْمُ أَوْ الْجِلْدُ بِهِ إلَخْ) أَفَادَ أَنَّهُ لَيْسَ لَهُ بَيْعُهُمَا بِمُسْتَهْلَكٍ وَأَنَّ لَهُ بَيْعَ الْجِلْدِ بِمَا تَبْقَى عَيْنُهُ۔[4]

و مثله فی اعلاء السنن، ج ۱۷، ص ۲۹۵، ط: ادارۃ القرآن۔

مسئلہ: گوشت کی طرح کھال میں بھی سب شرکاء شریک ہوتے ہیں، لہٰذا دوسروں کے حصے ان کی رضامندی سے خود رکھے یا ان کو دے۔

فی البزازیة: و ذکر بکر رحمه الله تعالیٰ ان الجلد کاللحم لیس له بیعه و التصدق بثمنه۔[1]

---

[1] (احسن الفتاویٰ، ج ۷، ص ۵۰۰، ط: سعید)

[2] (احسن الفتاویٰ، ج ۷، ص ۵۰۷، ط: سعید)

[3] (الشامیة، ج ۶، ص ۳۱۷، ط: سعید)

[4] (الشامیة، ج ۶، ص ۳۲۸، ط: سعید)

مسئلہ: کھال اتارنے میں بے احتیاطی کی وجہ سے کھال میں سوراخ کر کے اسے بے کار اور کم قیمت بنانا جائز نہیں۔

کفایت المفتی میں ہے:

اصل حکم کے لحاظ سے حصہ دار چمڑے کو کاٹ کر بھی حصہ لے سکتے ہیں، لیکن کاٹنے سے چمڑے کی قیمت کم ہو جاتی ہے اور خود چمڑے کو کام میں لانا مقصود نہ ہو تو اس صورت میں کاٹنے سے فقراء کا نقصان متصور ہے، لہٰذا کاٹ کر تقسیم نہیں کرنا چاہیئے۔[2]

مسئلہ: کھال اتارنے سے پہلے کھال بیچنا جائز نہیں۔

فی الهندية: ولو باع الجلد والكرش قبل الذبح لا يجوز فإن ذبح بعد ذلک ونزع الجلد والكرش وسلم لا ينقلب العقد جائزا كذا في الذخيرة۔[3]

مسئلہ: زکوٰۃ، صدقہ، فطر اور قربانی کی کھال کی رقم، مسجد، مدرسہ، شفاخانہ یا کسی بھی قسم کے رفاحی ادارے کی تعمیر میں لگانا جائز نہیں، کیونکہ ان تمام چیزوں کا فقیر کی ملکیت میں دینا ضروری ہے اور یہاں تملیک فقیر نہیں پائی جاتی۔ البتہ مدرسہ میں پڑھنے والے مستحقین زکوٰۃ طلبہ کے طعام وغیرہ پر خرچ کی جاسکتی ہے۔[4]

فی الهندية: ولا يجوز أن يبني بالزكاة المسجد وكذا القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكري الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليک فيه۔[5]

مسئلہ: کھال کے بہترین مصارف یہ ہیں:

(الف) رشتہ دار نیک مسکین (ب) مجاہدین اسلام (ج) دینی مدارس کے طلبہ

فی الهندية: الباب السابع في المصارف منها الفقير وهو من له أدنى شيء وهو ما دون النصاب أو قدر نصاب غير نام وهو مستغرق في الحاجة فلا يخرجه عن الفقير ملک نصب كثيرة غير نامية إذا كانت مستغرقة بالحاجة كذا في فتح القدير التصدق على الفقير العالم أفضل من التصدق على الجاهل كذا في الزاهدي۔[6]

---

[1](البزازیۃعلی ہامش الھندیہ، ج۶، ص۲۹۴، ط: رشیدیہ)

[2](کفایت المفتی، ج۸، ص۲۲۱، ط: دارالاشاعت)

[3](الھندیۃ، ج۳، ص۱۲۹، ط: رشیدیہ)

[4](احسن الفتاویٰ، ج۷، ص۲۹۵)

[5](الھندیۃ، ج۱، ص۱۸۸، ط: رشیدیہ)

[6](الھندیۃ، ج۱، ص۱۸۷، ط: رشیدیہ)

مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

مدارس اسلامیہ کے غریب ونادار طلبہ ان کھالوں کا بہترین مصرف ہیں کہ اس میں صدقہ کا ثواب بھی ہے اور احیائے علم دین کی خدمت بھی۔[1]

(قربانی کے فضائل ومسائل، ص ۵۷ تا ۶۳)

(۱۳۶)مسئلہ نمبر ایک سو چھتیس: عاشورہ کے دن حلیم (گونگڑی) اور دلیہ پکانے کا ثبوت

بعض اہل ھواء بدمذہب خوارج وہابیہ خبیثہ عاشورہ کے دن حلیم پکانے کو، اور جو ہمارے صوبہ سرحد میں لوگ گونگڑی (جسے اردو میں کھچڑا کہتے ہیں) پکاتے ہیں، اس کو حرام اور بدعت کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ سنت ہے۔

تفسیر روح البیان میں لکھا ہے:

واعلم ان نوحا علیه السّلام هبط بمن معه فی السّفینة یوم عاشورا وامر من معه بصیامه شکراً للّٰہ تعالیٰ وکان قد فرغت ازوادهم فجاء هٰذا بکف حنطة وهذا بکف عدس وهذا بکف حمص الیٰ ان بلغت الیٰ سبعة حبوب فطبخها نوح علیه السّلام لهم فافطروا علیها وشبعوا جمیعا ببرکات نوح علیه السلام وکان اوّل طعام طبخ علیٰ وجه الارض بعد الطوفان هذا فاتخذه الناس سنة یوم عاشورا وفیه اجرٌ عظیم لمن یفعل ویطعم الفقراء والمساکین۔[2]

فیوض الرحمان ترجمہ روح البیان میں لکھا ہے: "مروی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام دسویں محرم میں اپنے ساتھیوں سمیت کشتی سے اترے تو آپ نے اس دن شکر کا روزہ رکھا اور اپنے تمام ساتھیوں کو بھی روزے کا حکم دیا۔ چھ ماہ کے طویل عرصے میں خرچ ختم ہو چکا تھا۔ آپ نے آج کے روز افطار کے لئے ساتھیوں کو حکم فرمایا کہ جو شے بھی ملے لاؤ، تاکہ اسی سے افطار کریں۔ کوئی گندم، کوئی مسور اور کوئی چنے لایا۔ یہاں تک کہ کل سات دانے ہوئے۔ آپ نے انہیں پانی میں ابال کر ساتھیوں سمیت روزہ افطار کیا۔ نوح علیہ السلام کی برکت سے اس تھوڑے سے طعام سے سب سیر ہو گئے۔

اہلسنت اسی عاشورا کے روز طعام پکا کر غرباء ومساکین کو کھلاتے ہیں۔ اس پر وہابی طعن وتشنیع کرتے ہیں۔

صاحب روح البیان مذکورہ بالا واقعہ لکھ کر تحریر فرماتے ہیں:

اسی وجہ سے لوگ (اہلسنت) عاشوراء کے دن طعام پکا کر غرباء ومساکین کو کھلاتے ہیں۔ ان کی سند یہی نوح علیہ السلام کا فعل ہے۔"[3]

---

[1](جواهر الفقه، ج۶، ص ۲۷۴، ط: دار العلوم)

[2](تفسیر روح البیان ج۴ ص ۱۴۲)

[3](فیوض الرّحمان اردو ترجمه تفسیر روح البیان، ج ۱۱ ص ۱۲۴)

ثم ان نوح علیه السّلام اخرج ما بقی معه من افراد فجمع سبعة اصناف من الحبوب وهيی البسلة والعدس والفول والقمح والشعير والارز فخلط بعضها بعضاً وطبخها فی ذالک اليوم فصارت الحبوب من ذالک سنة نوح علیه السلام وهی مستحبة۔[1]

نزہۃ المجالس میں لکھا ہے:

اجمعو ما معکم من افراد فجاء هذا بکف زرة وهذا بکف شعير وهذا بکف حنطة وهذا بباقلا وهذا بعدس فقال اطبخوه جميعا من ذالک اليوم اتخذ المسلمون طعام الحبوب۔[2]

(۱۳۷) مسئلہ نمبر ایک سو سینتیس: فضیلتِ عاشورہ

بخاری شریف

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُمَا قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ فَرَأَى الْيَهُودَ تَصُومُ يَوْمَ عَاشُورَاءَ فَقَالَ مَا هَذَا قَالُوا هَذَا يَوْمٌ صَالِحٌ هَذَا يَوْمٌ نَجَّى اللّٰہُ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ عَدُوِّهِمْ فَصَامَهُ مُوسَى قَالَ فَأَنَا أَحَقُّ بِمُوسَى مِنْكُمْ فَصَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہود کو دیکھا کہ عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے استفسار فرمایا یہ روزہ کیسا ہے؟ تو ان لوگوں نے عرض کیا کہ بہتر دن ہے۔ اسی دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمنوں سے نجات دلائی تھی۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا تھا۔ آپ نے فرمایا ہم تمہارے اعتبار سے موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ حقدار ہیں۔ چنانچہ آپ نے روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی اُس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔[3]

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ كَانَ يَوْمُ عَاشُورَاءَ تَعُدُّهُ الْيَهُودُ عِيدًا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصُومُوهُ أَنْتُمْ۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ یہودی عاشورہ کے دن کو عید سمجھتے تھے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا تم بھی اس دن روزہ رکھو۔[4]

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُمَا قَالَ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرَّى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهُ عَلَى غَيْرِهِ إِلَّا هَذَا الْيَوْمَ يَوْمَ عَاشُورَاءَ۔

---

[1] (بدائع الظهور ص ٦٤)

[2] (نزهة المجالس ج ۱ ص ۱۴٦)

[3] (صحیح بخاری، کتاب الصوم، ج ۱، ص ۲۰۸ (مترجم))

[4] (صحیح البخاری، ج ۱، ص ۲۰۸ (مترجم))

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کسی دن کو عاشورا کے دن سے افضل سمجھ کر روزہ نہیں رکھتے تھے۔

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِنْ أَسْلَمَ أَنْ أَذِّنْ فِي النَّاسِ أَنَّ مَنْ كَانَ أَكَلَ فَلْيَصُمْ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ أَكَلَ فَلْيَصُمْ فَإِنَّ الْيَوْمَ يَوْمُ عَاشُورَاءَ۔

حضرت سلمہ بن اکواع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ایک شخص کو ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں اعلان کر دو کہ جس شخص نے کچھ کھالیا ہے وہ باقی دن تک کچھ نہ کھائے۔ اور جس نے نہیں کھایا ہے وہ روزہ رکھے اس لئے کہ آج عاشورہ کا دن ہے۔[1]

(۱۳۸) مسئلہ نمبر ایک سو اڑتیس: عظمتِ عاشورہ

ماثبت بالسنۃ

وروی ابو الشیخ فی التواب انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ان نوحًا ھبط من السفینۃ علی الجودی یوم عاشوراء۔ فصام نوح وامر من معہ بصیام شکرًا اللہ وفی یوم عاشورا تاب اللہ علی آدم، وعلی اھل المدینۃ یونس وفیہ ففلق البحر لبنی اسرائیل کذا ابراھیم وابن مریم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم من وسع علی عیالہٖ یوم عاشوراء لم یزل فی وسعۃ سائر السنۃ۔[2]

ابو الشیخ نے کتاب الثواب میں روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام عاشورہ کے دن اپنی کشتی سے جودی پہاڑ پر اترے اور روزہ رکھا اور ساتھیوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے روزہ رکھنے کا حکم دیا خدا نے اسی عاشورہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی اور حضرت یونس علیہ السلام کے شہر والوں کی اور اسی دن بنی اسرائیل کے لئے دریا پھاڑا گیا۔ اور اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

جس نے عاشوراء کے روز اپنے اہل و عیال کو کشائش دی وہ سال بھر ہمیشہ فراخی میں رہے گا۔

غنیۃ الطالبین

انما سمی عاشورا، لان اللہ تعالیٰ الکرم فیہ عشرۃ من الانبیاء علیھم السلام بعشر کرامات (احدھا) انہ عز وجل تاب علی آدم علیہ السلام فیہ (والثانیۃ) رفع اللہ عز وجل ادریس علیہ السلام فیہ مکانًا علیًا (والثالثۃ) واستوت سفینۃ

---

[1] (صحیح البخاری، کتاب الصوم، ج ۱، ص ۷۰۸)

[2] (ماثبت بالسنۃ، ص ۱۹، تصنیف لطیف امام المحدثین شاہ عبدالحق محدث دھلوی)

نوح علیہ السلام فیہ علی الجودی، (والرابعة) ولد ابراھیم علیہ السلام فیہ واتخذہ اللہ تعالیٰ خلیلا وانجاہ من نار نمرود فیہ (والخامسہ) تاب اللہ عز و جل علی داؤد علیہ السلام فیہ ورد الملک علی سلیمان علیہ السلام فیہ (والسادسہ) کشف اللہ ضرّ ایوب علیہ السلام فیہ (والسابعہ) نجی اللہ عز وجل موسیٰ علیہ السلام من البحر واغرق فرعون فی البحر فیہ، (والثامنہ) نجی اللہ عز وجل اللہ یونس علیہ السلام من بطن الحوت (والتاسعہ) رفع اللہ عز وجل عیسیٰ علیہ السلام الی السماء فیہ۔

اس کا نام عاشورہ اس واسطے رکھا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس دن دس پیغمبروں کو بزرگی عطا فرمائی دس کرامتوں کے ساتھ۔ ایک یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی اس دن۔ اور دوسری یہ کہ اُٹھالیا اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو مکانِ بلند میں اسی روز۔ اور تیسری یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی نے اسی دن جودی پہاڑ پر قرار پکڑا۔ اور چوتھی یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی دن پیدا ہوئے اور بنایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دوست اور نجات دی نارِ نمرود سے، پانچویں یہ کہ اس دن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی اور اسی دن حضرت سلیمان علیہ السلام کو پھر ملک واپس دیا، چھٹی یہ کہ اسی دن اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی مصیبت دور فرمائی، اور ساتویں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دریا سے نجات دی اور فرعون کو مع قوم کے غرق کیا، آٹھویں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نجات دی یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے اسی روز، اور نہم یہ کہ اٹھالیا اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف۔ [1]

(۱۳۹) مسئلہ نمبر ایک سو انتالیس: عاشورہ کے دسویں دن کی برکتیں

نزھۃ المجالس

لأن اللہ أکرم فیہ جماعۃ من الأنبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اصطفی آدم ورفع إدریس واستوت سفینۃ نوح علی الجودي یوم عاشوراء واتخذ اللہ إبراھیم خلیلا یوم عاشوراء، وغفر اللہ لداود یوم عاشوراء، ورد اللہ علی سلیمان ملکہ فیہ وتزوج النبي صلی اللہ علیہ وسلم خدیجۃ وخلق اللہ السموات والأرض والقلم وآدم وحواء کل ذلک یوم عاشوراء۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جماعت سے اکرام کیا انبیاء علیہم السلام کا، چُنا آدم علیہ السلام کو اور اٹھایا ادریس کو، اور ٹھہرایا سفینۂ نوح کو جودی پہاڑ پر دن عاشورہ کے، اور ابراہیم خلیل اللہ کو اللہ تعالیٰ نے بچایا آگ سے دن دسویں کو۔ اور بخشش فرمائی داوٗد کی دن دسویں کو اور ملک واپس دیا سلیمان کو دن دسویں اور نکاح ہوا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ

[1] (غنیۃ الطالبین، ص ۶۲۱، مطبوعہ دھلی)

واصحابہ وسلم کا ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے دن دسویں اور پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور قلم کو اور آدم وحوا علیہم السلام کو دن دسویں کو۔[1]

(۱۴۰)مسئلہ نمبر ایک سو چالیس: عاشورہ کے دن حلیم (گونگڑی) اور دلیہ پکانا مستحب ہے اور مستحب کو قبیح جاننا کفر ہے

علماء دیوبند کے مشہور عالم شیخ الحدیث مولوی انور شاہ کشمیری "اکفار الملحدین فی ضروریات الدین" میں لکھتے ہیں:

فقدیکون استحباب شیء او اباحتہ ضروریاًیکفر جاحدہ۔[2]

مولوی محمد ادریس میرٹھی، استاذِ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، مترجم "اکفار الملحدین" لکھتے ہیں:

"مستحب یا مباح ہونے پر ایمان لانا یقیناً فرض اور داخلِ ایمان ہے۔ اور بطور عناد ان کا انکار کرنا موجبِ کفر ہے۔ مثلاً مسواک کرنا تو مستحب ہے مگر اس کے مستحب ہونے پر ایمان لانا فرض ہے۔ جو شخص مسواک کے مستحب ہونے سے انکار کرتا ہے، وہ کافر ہے"۔[3]

اسی وجہ سے صاحب عصام نے فرمایا:

واستقباح ماجعل اللہ مندوباً ایضاً کفر۔

یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مندوب کیا ہو اس کو برا کہنا بھی کفر ہے۔[4]

(۱۴۱)مسئلہ نمبر ایک سو اکتالیس: غیر عالم کا وعظ کہنا

وعظ گوئی اور تذکیر دین کا عظیم الشان رکن ہے، جو شخص قرآن وحدیث کا عالم نہ ہو وہ اس منصب کا اہل نہیں۔

حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا فرمان ہے:

إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ۔

جب نااہلوں کو کام سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔[1]

---

[1] (نزھۃ المجالس، ج ۱، ص ۱۷۴، مطبوعہ مصر)

[2] ("اکفار الملحدین فی ضروریات الدین" ص ۳)

[3] (ترجمہ اکفار الملحدین، ص ۶۴)

[4] (حاشیہ بیضاوی ص ۴۸)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

الْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ يَحْتَاجُ إلَى خَمْسَةِ أَشْيَاءَ ,أَوَّلُهَا: الْعِلْمُ لِأَنَّ الْجَاهِلَ لَا يُحْسِنُ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ۔

امر بالمعروف (وعظ گوئی) کے لئے پانچ شرطیں ہیں جن میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ عالم ہو اس لئے کہ جاہل اچھے طریقہ سے امر بالمعروف نہیں کر سکتا۔[2]

روح المعانی میں ہے:

قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي (یوسف ۱۰۸)

ترجمہ: تم فرماؤ یہ میری راہ ہے میں اللہ کی طرف علم کے ساتھ اور حجت کے ساتھ بلاتا ہوں میں اور جو میری تابعداری کرتے ہیں وہ بھی علم اور بصیرت کے ساتھ دعوت دیں گے۔(تو دعوت الی اللہ بصیرت کے ساتھ دینی چاہیئے یعنی علم کے ساتھ)۔

وفي الآية إشارة إلى أنه ينبغي للداعي إلى الله تعالى أن يكون عارفا بطريق الإيصال إليه سبحانه عالما بما يجب له تعالى وما يجوز وما يمتنع عليه جل شأنه، والدعاة إلى الله تعالى اليوم من هؤلاء الذين نصبوا أنفسهم إلى الإرشاد بزعمهم أجهل من حمار الحكيم توما، وهم لعمري في ضلالة مدلهمة ومهامه يحار فيها الخريت وهم يحسبون أنهم يحسنون صنعا ولبئس ما كانوا يصنعون۔[3]

اس آیت مبارکہ میں اشارہ ہے کہ دعوت دینے والا عارف ہونا چاہیئے۔ یعنی وہ رب تک پہنچانے کا راستہ جانتا ہو، اور دعوت دینے والا عالم ہو ان چیزوں کا جو اللہ تعالیٰ نے واجب کی ہیں اور جو جائز کی ہیں اور جو منع کی ہیں۔ شیخ محمد آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ آج کل دعوت دینے والے جنھوں نے اپنے گمان میں اپنے آپ کو ارشاد کی طرف منسوب کیا ہے، یہ مضبوط گدھے سے بھی زیادہ جاہل ہیں، اور وہ گمان کرتے ہیں کہ اچھے کام میں لگے ہیں، بہت برا ہے وہ جو کر رہے ہیں۔

درمختار میں ہے:

التذكير على المنابر للوعظ والاتعاظ سنة الانبياء والمرسلين۔

منبر پر بیٹھ کر نصیحت کرنا متأثر کرنے کے لئے اور متاثر ہونے کے لئے انبیاء ومرسلین کا طریقہ ہے(اور ان کے بعد ان کے وارثین علماءِ امت کا منصب ہے)۔[4]

---

[1] (بخاری شریف ج ۱ ص ۱٤ پ ۱)

[2] (فتاویٰ عالمگیری ج٦ ص ۲۳۵ کتاب الکراهیة الباب السابع عشر)

[3] (روح المعانی، ج۷، ص۷۸، الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت)

[4] (درمختار مع الشامی ج۵ ص ۳۷۲ قبیل باب احیاء الاموات)

محبوبِ سبحانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں:

وَیحک کن عاقلاً لا تزاحم القوم بجھلک بعدما خرجت من الکتاب صعدت تتکلم علی الناس ھذا امر یحتاج الی إحکام الظاھر و إحکام الباطن ثم الغنی عن الکل۔

یعنی تجھ پر افسوس! سمجھدار بن! اپنی جہالت لے کر حکمائے امت کے سامنے صف میں مت آ۔ تو مدرسہ سے نکلتے ہی (منبر پر) چڑھ بیٹھا کہ لگا لوگوں کو وعظ کہنے، اس (وعظ گوئی) کے لئے اول ضرورت ہے ظاہری اور باطنی مضبوطی کی (کہ اعمال و عقائد دونوں موافق شرع ہوں) اس کے بعد سب سے مستغنی ہونے کی۔[1]

اور فرماتے ہیں:

أعمی کیف تداوی اعین الناس؟ اخرس کیف تعلم الناس؟ جاھل کیف تقیم الدین؟ من لیس بحاجب کیف یقیم الناس الی باب الملک۔

تو خود اندھا ہے پھر لوگوں کے آنکھ کا علاج کیونکر کرے گا؟ تو گونگا ہے پھر لوگوں کو تعلیم کس طرح دے گا؟ اور جاہل ہے پھر دین کو کس طرح درست کر سکے گا؟ جو شخص دربان نہ ہو وہ لوگوں کو شاہی دروازہ تک کیونکر پیش کر سکتا ہے؟۔[2]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فالتذکیر رکن عظیم: الخ۔

یعنی وعظ گوئی دین میں رکن عظیم ہے۔

خدا تعالیٰ نے اپنے رسول مقبول ﷺ سے فرمایا:

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ (الغاشیة ۲۱)

آپ سمجھاتے رہیئے آپ کا کام سمجھانا ہے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

وَ ذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللهِ (إبراھیم ۵)

ان کو گزشتہ واقعات یاد دلایا کرو۔

تو نص قرانی سے ثابت ہوا کہ تذکیر اور وعظ گوئی عظیم الشان رکن ہے۔

---

[1] (فتح ربانی ص ٤٣٨ مجلس نمبر: ۵۹)

[2] (فتح ربانی ص ٤٧٨ مجلس نمبر ٦١)

اور فرماتے ہیں:

فاما المذکر فلا بد ان یکون مکلفاً عدلا محدثا مفسراً عالماً بجملة کافیة من اخبار السلف الصالحین و سیرتهم و نعنی بالمحدث المشتغل بکتب الحدیث و کذلک بالمفسر المشتغل بشرح غریب کتاب اللہ و توجیه مشکله و بما روی عن السلف فی تفسیره۔

یعنی واعظ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مکلف یعنی مسلمان عاقل بالغ اور متقی و عادل ہو، قرآن و حدیث کے علوم کا ماہر ہو۔

القصاص والمذکرین میں ہے:

و السادس ان عموم القصاص لا یتحرون الصواب و لا یحترزون من الخطا لقلة علمهم و تقواهم فلهذا کره القصص من کرهه۔

عام بیان کرنے والے علم اور تقویٰ کم ہونے کی وجہ سے حق کو تلاش نہیں کرتے اور نہ ہی اپنے آپ کو خطاء سے بچاتے ہیں، اسی لئے علماء کرام نے ایسے بیان کرنے والے کے بیان کو مکروہ کہا ہے۔

فاما اذا وعظ العالم و قص من یعرف الصحیح من الفاسد فلا کراهة۔

پس جب عالم بیان کرتا ہے تو صحیح کو فاسد سے جدا کر سکتا ہے اس کا بیان مکروہ نہیں ہے۔[1]

القصاص والمذکرین میں ایک دوسرے مقام پر مزید لکھتے ہیں:

لا ینبغی ان یقص علی الناس الا العالم المتقن۔

یعنی نہیں ہے مناسب کہ لوگوں کو تقریر اور بیان کرے مگر جو اچھا عالم دین ہو۔ یعنی جو اچھا عالم ہو تو وہ بیان کرے۔[2]

احیاء علوم الدین میں ہے:

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شیطان کے انسان میں داخل ہونے کے راستے بیان کئے ہیں تو شیطان کا انسان میں داخل ہونے کا ایک راستہ عامی یعنی جاہل شخص کا تبلیغ کرنا اور عامی کا علم کے باب میں بولنا شیطان کا انسان میں داخل ہونے کا ایک راستہ ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے بعد فرماتے ہیں:

فإن هذا وسواس یجده عوام الناس دون العلماء وإنما حق العوام أن یؤمنوا ویسلموا ویشتغلوا بعبادتهم و معایشهم ویترکوا العلم للعلماء۔

---

[1] (القصاص و المذکرین، ج ۱، ص ۱۶۱)

[2] (القصاص و المذکرین، ج ۱، ص ۱۸۱)

کہ یہ وساوس عوام الناس میں پیدا ہوتے ہیں علماء کرام میں نہیں پیدا ہوتے عوام کا حق یہ ہے کہ وہ ایمان اور اسلام لائیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور دنیاوی معاش میں مشغول رہیں اور علم علماء کے لئے چھوڑ دیں۔

فالعامی لو یزنی و یسرق کان خیرا لہ من أن یتکلم فی العلم فإنہ من تکلم فی اللہ و فی دینہ من غیر إتقان العلم وقع فی الکفر من حیث لا یدری کمن یرکب لجۃ البحر و ھو لا یعرف السباحۃ۔

پس عامی جاہل شخص اگر زنا کرے یا چوری کرے یہ اُس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ میں کلام کرے اس لئے کہ جو مضبوط علم نہیں رکھتا جب وہ علم کلام اور ایمانیات میں کلام کرتا ہے تو وہ کفر میں واقع ہو جائے گا۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کہ کسی کو بحر میں تیرنا نہیں آتا اور کسی نے اس سے کہا کہ بحر میں موتی ہیں تو یہ شخص اگر بحر میں چھلانگ لگاتا ہے تو ہلاک ہو جائے گا موتی کو نہیں پائے گا۔ اسی طرح تبلیغ بھی ہے کہ تبلیغ کرنے میں بہت ثواب ہے لیکن اس کے لئے علم ضروری ہے، اگر علم نہ ہو اور تبلیغ شروع کی تو ثواب کیا ہو سکتا ہے کہ وہ موجودہ ایمان بھی ختم ہو جائے گا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو فرمایا کہ عامی جاہل شخص کو زنا اور چوری تبلیغ کرنے سے بہتر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ زناکار جو زنا کرتا ہے اور چور جو چوری کرتا ہے تو وہ اسے گناہ سمجھتا ہے اور کبھی اس سے توبہ بھی کرتا ہے لیکن جاہل تبلیغی اپنی اس تبلیغ کو گناہ نہیں سمجھتا بلکہ ثواب کا کام سمجھتا ہے بلکہ اپنے آپ کو جنت کا ٹھیکیدار سمجھتا ہے۔ جاہل عامی کا علم میں کلام کرنا قطعی حرام نہیں بلکہ کراہت میں شامل ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران ۱۰۴)

ترجمہ: اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیئے کہ بھلائی کی طرف بلائے اور اچھی بات کا حکم دے اور بُرائی سے منع کرے اور یہی لوگ کامیابی پانے والے ہیں۔

مِنْكُمْ میں راجح تفسیر یہی ہے کہ مِنْ تبعیضیہ ہے مِنْ تبیینہ نہیں ہے تو پھر آیت کا معنی یہ بنے گا کہ تم میں سے بعض ایسے ہونے چاہیئیں کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور ان بعض سے علماء کرام مراد ہیں۔ چند تائیدات پیش کرتا ہوں کہ مِنْ سے مِنْ تبعیضیہ مراد ہے۔

---

[1] (احیاء علوم الدین، ج ۴، ص ۳۵)

تفسیر القرطبی میں ہے:

قد مضی القول فی الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر فی هذه السورة۔ و "من" فی قوله "منکم" للتبعیض، ومعناه أن الآمرین یجب أن یکونوا علماء ولیس کل الناس علماء۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ میں مِنْ تبعیضیہ ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے اور بعض سے مراد علماء کرام ہیں اور تمام لوگ علماء نہیں ہیں، تو کس طرح تمام لوگ تبلیغ پر مأمور ہو سکتے ہیں؟

وقیل: لبیان الجنس، والمعنی لتکونوا کلکم کذلک۔

اور کسی نے کہا کہ جنس کے لئے ہے تو پھر معنی یہ ہوگا کہ تمام لوگ تبلیغ پر مأمور ہیں۔

قلت: القول الأول أصح، فإنه یدل علی أن الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر فرض علی الکفایة۔

تو میں یہ کہتا ہوں کہ پہلے والا قول اصح ہے اس لئے کہ پہلے والا قول امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کفایہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔[1]

تفسیر السعدی میں ہے:

ویدخل في ذلک العلماء المعلمون للدین، والوعاظ الذین یدعون أهل الأدیان إلی الدخول في دین الإسلام، ویدعون المنحرفین إلی الاستقامة، والمجاهدون في سبیل الله، والمتصدون لتفقد أحوال الناس وإلزامهم بالشرع کالصلوات الخمس والزکاة والصوم والحج وغیر ذلک من شرائع الإسلام، وکتفقد المکاییل والموازین وتفقد أهل الأسواق ومنعهم من الغش والمعاملات الباطلة۔

کہ اس مذکورہ آیت میں علماء کرام اور دین کے معلمین، اور وہ مقررین جو دیگر ادیان والوں کو دین اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں اور منحرفین کو استقامت کی طرف بلاتے ہیں اور مجاہدین فی سبیل اللہ الخ یہ سب مذکورہ آیت میں داخل ہیں۔

وکل هذه الأمور من فروض الکفایات کما تدل علیه الآیة الکریمة في قوله {ولتکن منکم أمة} إلخ أي: لتکن منکم جماعة یحصل المقصود بهم في هذه الأشیاء المذکورة، ومن المعلوم المتقرر أن الأمر بالشيء أمر به وبما لا یتم إلا به فکل ما تتوقف هذه الأشیاء علیه فهو مأمور به، کالاستعداد للجهاد بأنواع العدد التي یحصل بها نکایة الأعداء وعز الإسلام، وتعلم العلم الذي یحصل به الدعوة إلی الخیر وسائلها ومقاصدها، وبناء المدارس للإرشاد والعلم۔

مذکورہ تمام امور فرض کفایہ میں شامل ہیں جیسے کہ ولتکن منکم امة الخ کی آیت اس پر دال ہے جہاد کے لئے مختلف قسم کے اسلحہ بنانا جس کے ذریعے دشمن کو شکست دے سکیں اور اسلام کی سربلند ہوں اسی طرح علم حاصل کرنا جس کے ذریعے

---

[1] (تفسیر القرطبی، ج۴، ص ۱۶۵)

دشمن کو شکست دے سکیں اور اسلام کی سربلندی ہو۔ اسی طرح علم حاصل کرنا جس کے ذریعے خیر کی طرف دعوت دیں اور اسی طرح علم حاصل کرنے کے وسائل اور مقاصد اور مدارس کی بناء ارشاد کے لئے خانقاہیں جن میں علم تصوف ہوتا ہے اور مدارس جن میں علم ظاہر حاصل ہوتا ہے، یہ تمام مذکورہ آیت کے تحت داخل ہیں۔[1]

اس عبارت کو اس لئے پیش کیا کہ مدارس، خانقاہوں اور جہادی تربیتی مراکز یہ سب خیر کی طرف دعوت میں شامل ہیں۔

زاد المسیر فی علم التفسیر میں ہے:

قولہ تعالیٰ کنتم خیت أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر قال ويجوز أن يكون أمر منهم فرقة لأن الدعاة ينبغي أن يكونوا علماء بما يدعون إليه۔

زاد المسیر کے مصنف فرماتے ہیں کہ جائز ہے کہ اس سے ایک گروہ مراد ہو اس لئے مناسب ہے کہ دعوت دینے والے علماء کرام ہوں۔

وليس الخلق كلهم علماء والعلم ينوب بعض الناس فيه عن بعض كالجهاد۔[2]

اسی طرح فتح القدیر للشوکانی میں ہے:

ولتكن منكم ومن فى قوله منكم للتبعيض وقيل لبيان الجنس ورجح الاول بأن الامر بالمعروف والنهى عن المنكر من فروض الكفايات يختص باهل العلم الذين يعرفون كون ما يامرون به معروفا وينهون عنه منكرا قال القرطبى: الاول اصح فانه يدل على ان الامر بالمعروف والنهى عن المنكر فرض على الكفاية۔[3]

تفسیر الکشاف مع الحواشی میں ہے:

من للتبعيض لان الامر بالمعروف والنهى عن المنكر من فروض الكفايات ولانه لا يصلح له الامن علم المعروف والمنكر فان الجاهل وبما نهى عن معروف وامر بمنكر۔[4]

حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہُ العزیز سے اسی طرح کا ایک سوال کیا گیا کہ:

"کیا واعظ کا عالم ہونا ضروری ہے"؟

آپ نے فرمایا:

غیر عالم کو وعظ کہنا حرام ہے۔

---

[1] (تفسیر السعدی، ج ۱، ص ۱۴۲)

[2] (زاد المسیر فی علم التفسیر، ج ۱، ص ۳۹۱)

[3] (فتح القدیر للشوکانی، ج ۲، ص ۸)

[4] (تفسیر الکشاف مع الحواشی، ج ۱، ص ۳۹۲)

پھر سوال کیا گیا:

"عالم کی کیا تعریف ہے"؟

آپ نے فرمایا:

عالم کی تعریف یہ ہے کہ:

"عقائد سے پورے طور پر آگاہ ہو اور مستقل ہو اور اپنی ضروریات کو کتاب سے نکال سکے بغیر کسی کی مدد کے"۔

پھر سوال ہوا:

کتب بینی ہی سے علم حاصل ہوتا ہے؟

فرمایا اعلیٰ حضرت نے:

یہی نہیں بلکہ علم افواہ رجال سے بھی حاصل ہوتا ہے۔[1]

امام احمد رضاخان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں : ”جاہِل اُردو خواں اگر اپنی طرف سے کچھ نہ کہے بلکہ عالِم کی تصنیف پڑھ کر سنائے تو اِس میں حَرَج نہیں“۔[2]

امام احمد رضاخان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ”جاہِل اُردو خواں اگر اپنی طرف سے کچھ نہ کہے بلکہ عالِم کی تصنیف پڑھ کر سنائے تو اِس میں حَرَج نہیں“۔

مزید فرماتے ہیں: جاہل خود بیان کرنے بیٹھے تو اُسے وعظ کہنا حرام ہے اور اُس کا وعظ سننا حرام ہے اور مسلمانوں کو حق ہے بلکہ مسلمانوں پر حق ہے کہ اُسے منبر سے اُتار دیں کہ اِس میں نَہْیِ مُنکَر (یعنی بُرائی سے منع کرنا) ہے اور نَہْیِ مُنکَر واجِب۔

اسی طرح کا ایک سوال فقیہہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمۃ سے ہوا:

چنانچہ! حضور فقیہہ ملت فرماتے ہیں کہ:

اگر مستند (سند یافتہ) عالم نہ ہو مگر دینی معلومات اور احکام شرعیہ سے واقفیت رکھتا ہو تو اس کو تقریر کرنا جائز ہے اور اگر نام کا مستند عالم ہو مگر دینی معلومات اور احکام شرعیہ سے واقفیت نہ رکھتا ہو اسے تقریر کرنا جائز نہیں۔[3]

---

[1] (احکام شریعت حصہ دوم صفحہ نمبر 252/251 مطبوعہ مکتبہ جام نور دھلی)

[2] (فتاوٰی رضویہ ج۲۳ ص ۴۰۹)

[3] (فتاوٰی فیض الرسول جلد دوم صفحہ نمبر 533)

سلفِ صالحین، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے صحیح حالات اور ان کی صحیح سیرت کا علم رکھتا ہو، محدث سے مراد یہ ہے کہ کتبِ حدیث یعنی صحاح ستہ (بخاری و مسلم، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ) وغیرہ سے شغل رکھتا ہو، صحیح ضعیف اور موضوع احادیث میں امتیاز کر سکتا ہو اور یہ علوم کامل استاد سے حاصل کئے ہوں، اور مفسر سے یہ مراد ہے کہ قرآن کی تفسیر آیات مشکلہ کی توجیہ اور تاویل سے واقف ہو۔[1]

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:

لَا یَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَا أَتَاهُمُ الْعِلْمُ مِنْ قِبَلِ أَكَابِرِهِمْ فَإِذَا أَتَاهُمْ مِنْ قِبَلِ أَصَاغِرِهِمْ هَلَكُوا۔

یعنی جب تک لوگوں کے سامنے کاملین کا علم رہے گا وہ دین میں ترقی کرتے رہیں گے، اور جب ناواقفوں کا علم شروع ہو گا تو برباد ہو جائیں گے۔[2]

حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن امام ربیعہ کو بہت رونا آیا وجہ دریافت کی تو فرمایا: اس لئے رو رہا ہوں کہ دین کی باتیں جاہلوں سے پوچھی جا رہی ہیں اور یہی گمراہی کی علامت ہے۔[3]

(۱۴۲) مسئلہ نمبر ایک سو بیالیس: نفس کی تعریف اور اقسام قرآن پاک کی روشنی میں

حقیقت نفس

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:

أن النفس بطبعها كثيرة الميل إلى الشهوات۔

نفس اپنی طبیعت کے اعتبار سے شہوات کی طرف کثرت سے مائل ہونے والا ہے۔[4]

اور علامہ ابو حفص کا قول نقل کرتے ہیں:

النفس ظلمة كلها و سراجها التوفيق۔

نفس اپنی ذات کے اعتبار سے سراپا ظلمت ہے اور اس کا چراغ اور نور توفیق الٰہی ہے۔[5]

---

[1] (القول الجمیل مع شرح شفاء العلیل ص ۱۳۸، تا ص ۱۴۰ فصل نمبر ۱۰)

[2] (جامع بیان العلم ج ۱ ص ۱۵۹، ترجمان السنہ ج ۱ ص ۴۴ حاشیہ نمبر ۲)

[3] (الاعتصام ج ۱ ص ۱۴۹)

[4] (روح المعانی، ج ۱۳، ص ۷۸)

[5] (روح المعانی، ج ۱۳، ص ۷۸)

شارح مشکوٰۃ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

الرُّوحُ لَطِيفٌ رُوحَانِيٌّ، وَالْجَسَدُ كَثِيفٌ ظُلْمَانِيٌّ، وَالنَّفْسُ مُتَوَسِّطَةٌ بَيْنَهُمَا فَهِيَ بِالْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ تَكُوْنُ لَطِيْفَةً وبِالْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ تَكُوْنُ لَطِيْفَةً وبِالْأَعْمَالِ السَّيِّئَةِ تكون كثيفةً۔

جسم کثیف ہے اور روح لطیف ہے اور نفس ان دونوں کے درمیان ہے پس اعمال صالحہ سے لطیف اور نافرمانیوں سے کثیف ہو جاتا ہے، یعنی اس میں لطافت روحانی اور کثافت جسمانی دونوں قبول کرنے کی صلاحیت ہے۔[1]

تعریفِ نفس

النفس ھی الجوھر البخاری اللطیف الحامل لقوۃ الحیاۃ والحس والحرکۃ الارادیۃ وسماھا الحکماء بالروح الحیوانیۃ فھو جوھر مشرق للبدن فعند الموت ینقطع ضوءہ عن ظاھر البدن وباطنہ واما فی وقت النوم فینقطع عن ظاھر البدن دون باطنہ فثبت ان النوم والموت من جنس واحد لان الموت ھو الانقطاع الکلی والنوم ھو الانقطاع الناقص فثبت ان القادر الحکیم دبر تعلق جوھر النفس بالبدن علی ثلاثۃ اضربٍ الاول ان بلغ ضوء النفس الی جمیع اجزاء البدن ظاھرہ وباطنہ فھو الیقظۃ وان انقطع ضوءھا عن ظاھرہ دون باطنہ فھو النوم او بالکلیۃ فھو الموت۔

”نفس ایک لطیف بخاری جوہر ہے جو قوت حیات احساس و شعور اور حرکت ارادی کا حامل ہے، اسے حکماء نے روحِ حیوانی کا نام دیا ہے، یہ بدن کو حیات سے منور کرتا ہے، موت کے وقت اس کا یہ نور بدن کے ظاہر و باطن سے منقطع ہو جاتا ہے اور نیند کی حالت میں اس کا یہ نور ظاہر بدن سے منقطع ہوتا ہے نہ کہ باطن سے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نیند اور موت کی جنس ایک ہی ہے اس لئے کہ موت کلی انقطاع بدن کے ساتھ تین طریقوں سے تدبیر دی ہے:

(۱) نفس کی روشنی بدن کے تمام ظاہری اور باطنی اجزاء میں پہنچے یہ بیداری کی حالت ہے۔

(۲) ظاہر سے منقطع ہو اور باطن سے منقطع نہ ہو، یہ نیند کی حالت ہے۔

(۳) بالکلیہ تعلق ختم ہو جائے، یہ موت ہے۔“[2]

اور دیوبندیوں کا حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی لکھتا ہے:

النفس ھی المرغوبات الطبعیۃ غیر شریعۃ۔

نفس مرغوبات طبعیہ غیر شریعہ کا نام ہے۔

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح، ج ۱، ص ۲۴۵)

[2] (التبیان فی دقائق السلوک والاحسان، صفحہ ۱۸۰)

قرآن پاک میں نفس کی پانچ اقسام بیان کی گئی ہیں:

۱۔ امارہ ۲۔ لوامہ ۳۔ مطمئنہ

۴۔ راضیہ ۵۔ مرضیہ

نفس امارہ بالسوء

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں:

نفس امارہ یعنی کثیر الامر، برائی کی طرف بہت حکم کرنے والا۔ السوء پر الف لام جنس کا ہے پس قیامت تک جتنی قسمیں برائی کی پیدا ہوں گی اس میں داخل ہیں (کیونکہ جنس وہ کلی ہے جو انواع مختلف الحقائق پر مشتمل ہو)۔

إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ (یوسف ۵۳)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں ماَ مصدریہ ظرفیہ زمانیہ ہے۔

ای فِیْ وَقْتِ رَحْمَۃِ رَبِّیْ۔

مطلب یہ ہے کہ نفس کی ذاتی خاصیت یہی ہے کہ وہ برائی کا کثرت سے حکم دینے والا ہے لیکن جن حضرات پر اللہ تعالیٰ کی رحمت خاصہ کا سایہ ہوتا ہے وہ مستثنیٰ ہیں چنانچہ انبیاء علیہم السلام کے نفوس اس سے مستثنیٰ ہیں اور وہ معصوم ہیں۔ (از بیان القرآن)

اولیائے کرام کے تحفظ کا سبب

چونکہ اولیاء اللہ پر بھی حق تعالیٰ کی رحمت کا خاص سایہ ہوتا ہے اس لئے وہ نفس کے شرور سے محفوظ رہتے ہیں اور احیاناً صدور خطاء پر ان کو فوراً توبہ کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔ نفس امارہ کی اصلاح کا صحبت اہل اللہ سے خاص تعلق ہے۔

ارشاد امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جو اہل علم حضرات اللہ والوں سے اپنے نفس کی اصلاح نہیں کراتے ان کا نفس حُبِّ جاہ سے پھول کر کپا ہو جاتا ہے۔

تھانوی صاحب اپنے مواعظ اکثر اکبر الہٰ آبادی کا یہ شعر نہایت وجد سے پڑھا کرتے تھے:

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا ۔۔۔ دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

نفس لوامہ

نفس لوامہ وہ نفس ہے جس کو اپنی خطاؤں پر ندامت اور خود کو ملامت کی توفیق ہو جائے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ نفس امارہ نفس مطمئنہ نہیں ہوتا جب تک کہ وہ نادم ہو کر پہلے لوامہ نہ ہو۔ صوفیاء کرام کا ارشاد ہے کہ نفس لوامہ نفس امارہ کے اوپر ہے اور نفس مطمئنہ سے نیچے ہے اور لوامہ کا نام تائبہ بھی ہے کہ وہ ندامت اور اپنی ملامت کے نور سے اس قابل ہے کہ اب وہ آگے ترقی کر کے نفس مطمئنہ ہو سکتا ہے۔ پس نفس امارہ کا نفس لوامہ ہونا گویا حق تعالیٰ شانہ کی طرف رجوع اور انابت اور حق تعالیٰ کی محبوبیت کا نقطۂ آغاز ہے، لیکن حق تعالیٰ نے اس ابتدائی درجہ انابت کی بھی اس درجہ قدر فرمائی کہ اس کی قسم اٹھائی:

وَلَاأُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (القیامۃ ۲)

اور اس جان کی قسم جو اپنے اُوپر بہت ملامت کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت شکور ہیں۔

جس کی شرح حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ فرمائی ہے:

الَّذِي يُعْطِي الْأَجْرَ الْجَزِيلَ عَلَى الْعَمَلِ الْقَلِيلِ۔

شکور وہ ہے جو تھوڑے عمل پر کثیر جزاء عطا فرمائے۔[1]

اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں سے ایک شکور بھی ہے۔

نفس لوامہ وہ ہے جو ندامت کے نور قلب سے منور ہو اور جب بھی اس سے خطاء ہوتی ہے تو اپنے اوپر ملامت کرتا ہے اور آہ وزاری اور استغفار و توبہ سے تدارک کرتا ہے۔

اور نفس مطمئنہ وہ نفس ہے جو اخلاق رذیلہ سے تزکیہ اور تصفیہ پا کر اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہو اور گناہوں کے تقاضوں کی کشمکش سے نجات پا کر سکون و اطمینان کی سانس لے۔ برعکس لوامہ میں نفس اور روح میں جنگ جاری رہتی ہے، جیسا کہ خواجہ صاحب فرماتے ہیں:

ہے شوق وضبط شوق میں دن رات کشمکش　　　دل مجھ کو میں ہوں دل کو پریشاں کیے ہوئے

صاحب تفسیر مظہری تحریر فرماتے ہیں کہ:

نفس امارہ، نفس مطمئنہ اس وقت ہوتا ہے جب اخلاق رذیلہ غصہ، کبر، شہوت کو مغلوب کیا جائے اور اخلاق حمیدہ سے متصف ہو جائے۔

---

[1] (مرقاۃ، ج۵)

کما ان الکلب لا یمکن طهارته الا بوقوعه فی الملح وفنائه فیها وبقائه بصفات الملح حتی یصیر حلالا طیبا۔

جیسا کہ کتا پاک نہیں ہو سکتا جب تک کہ نمک کی کان میں نہ گرے اور پھر مر کر فنا ہو کر نمک نہ ہو جائے اور جب نمک بن جائے گا پھر حلال وطیب ہو جائے گا۔[1]

اسی کو مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

نفس خود را کش جہانے زندہ کن　　　خواجہ کشتہ است او را بندہ کن

ترجمہ: اپنے نفس کو مغلوب اور کشتہ کرو، اس فنائے نفس سے تم فناء نہ ہو گے بلکہ اس فنائے نفس کی بدولت ایسی حیات قلبی عطاء ہو گی جس کی برکت سے ایک جہان تمہارے فیضان صحبت سے حیات ایمانی سے مشرف ہو گا۔ اس نفس غلام نے اپنے آقا یعنی روح کو غلام بنا رکھا ہے اس کو اپنی حقیقت پر لانے کی ہمت کرو یعنی اس کو غلام بناؤ۔

وہ دل جو تیری خاطر فریاد کر رہا ہے　　　اجڑے ہوئے دلوں کو آباد کر رہا ہے

ویرانۂ حیات کی تعمیر کر گئی　　　روئیداد زندگی کسی خانہ خراب کی

تیرے ہاتھ سے زیر تعمیر ہوں میں　　　مبارک مجھے میری ویرانیاں ہیں

نفس لوامہ

جب اپنی خطاؤں پر ندامت سے توبہ کرتا ہے تو مؤمن گنہگار کے استغفار و توبہ اور اس کے آہ و نالوں کا کیا مقام ہے۔

علامہ آلوسی سورۃ القدر کی تفسیر میں یہ حدیث قدسی تحریر فرماتے ہیں:

لأنین المذنبین أحب إلی من زجل المسبحین۔

اس حدیث قدسی میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ گنہگاروں کے آہ و نالے اور ان کا گریہ مجھے تسبیح کی آوازوں سے زیادہ محبوب ہے۔[2]

اے جلیل اشک گنہگار کے اک قطرہ کو　　　ہے فضیلت تری تسبیح کے سودانوں پر

جب فلک نے مجھ کو محروم گلستاں کر دیا　　　اشک ہائے خوں نے مجھ کو گل بداماں کر دیا

---

[1] (تفسیر مظہری، ج۱۰، ص ۲۶۱)

[2] (تفسیر آلوسی، ج۲۳، ص ۶۵)

تفسیر نفس مطمئنہ

علامہ قرطبی نے ج ۲۰، ص ۵۷ پر اس کی تین تفسیریں کی ہیں:

اول تفسیر

الأمنة من عذاب اللہ۔

نفس مطمئنہ وہ نفس ہے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے امن میں ہو۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ گناہوں سے قلب میں عذاب اور بے چینی رہتی ہے۔ جیسا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ارشاد گرامی ہے:

گر گرفتار صفات بد شدی ہم تو دوزخ ہم عذاب سرمدی

اگر تم کسی گناہ کی عادت میں مبتلا ہو تو سمجھ لو کہ تمہاری ذات خود جہنم ہے۔

اور ہر نافرمانی کا اثر یہی ہوتا ہے کہ دل پر عذاب اور کلفت کی مار ہوتی ہے، اور یہ دنیا ہی میں دوزخ والی زندگی گزارتا ہے۔ بادشاہ جب کسی ملک پر حملہ کرتا ہے تو بادشاہ کو گرفتار کرتا ہے چھوٹوں کو پکڑنا اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے، پس احکم الحاکمین اپنے نافرمانوں کے اس حصہ سے عذاب کا آغاز فرماتے ہیں جو جسم کے تمام اعضاء کا بادشاہ ہے، یعنی قلب کو بے چین اور پریشان رکھتے ہیں۔ چنانچہ مثال کے لئے ایک واقعہ ہے کہ ایک عشق مجازی کے مریض اور غیر اللہ سے دل لگانے والے نے بیان کیا کہ ہر وقت دل پریشان رہتا ہے، نیند بھی نہیں آتی، ہر وقت اسی مردار کا خیال ستاتا ہے۔

احقر نے ان کو اپنا یہ شعر سنایا جو عشق مجازی کے انجام کا ترجمان ہے:

ہتھوڑے دل پہ ہیں مغز دماغ میں کھونٹے بتاؤ عشق مجازی کے مزے کیا لوٹے

اس عارضی صورت سے دل لگانا سخت حماقت ہے۔

احقر کا اسی مضمون پر یہ شعر ہے:

ان کے عارض کو لغت میں دیکھو کہیں مطلب نہ عارضی نکلے

چہرہ کا جغرافیہ ایک دن بدل جاتا ہے، جس کے ساتھ اہل محبت کی تاریخ بھی بدل جاتی ہے۔

احقر کا ایک عجیب شعر اس حقیقت کا ترجمان ہے:

ادھر جغرافیہ بدلا، ادھر تاریخ بھی بدلی نہ ان کی ہسٹری باقی، نہ میری ہسٹری باقی

دوسری تفسیر

النفس المطمئنۃ ای العارفۃ التي لا تصبر عنه طرفۃ عین۔

نفس مطمئنہ وہ نفس ہے کہ جس کو حق تعالیٰ کی معرفت کا وہ مقام عالی عطاء ہو، جس سے حق تعالیٰ کے ساتھ ایسی شدید محبت (جو کہ لوازم معرفت سے ہے) ہو جائے کہ بدون ان کی یاد کے ایک پل کو چین نہ آئے۔[1]

ملا علی قاری حق تعالیٰ کے عاشقین کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں:

الذین لا لذۃ لھم إلا بذکرہ۔

جن کو کائنات میں ذکر اللہ کے بغیر چین حاصل نہ ہو۔[2]

ترے غم کے سوا ممکن نہیں تھا　　　گزرتے دن مری جان حزیں کے

(اخترؔ)

کوئی مزہ مزہ نہیں کوئی خوشی خوشی نہیں　　　تیرے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں

(مجذوبؔ)

تیسری تفسیر

اَلنَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ بِذِکْرِ اللّٰہِ تعالیٰ وَ طَاعَتِہٖ۔

نفس مطمئنہ وہ نفس ہے جس کو صرف اللہ تعالیٰ کی یاد اور اطاعت ہی سے چین ملتا ہو۔

ترا ذکر ہے مری زندگی ترا بھولنا مری موت ہے

اطمینان کی لغوی تحقیق

علامہ امام راغب اصفہانی نے اپنی کتاب المفردات میں لکھا ہے کہ اطمینان نام ہے سکون و ثبات اور استقرار بعد الاضطراب کا۔

یعنی نفس امارہ اور لوامہ میں جو بے سکونی اور پریشانی تھی وہ چین اور سکون سے بدل گئی۔ جس طرح قطب نما کی سوئی جب قطب شمالی سے منحرف ہوتی ہے تو بے چین اور متحرک رہتی ہے اور جب رخ صحیح قطب شمالی کی طرف ہو جاتا ہے تو ٹھہر جاتی ہے، اسی کا نام استقرار بعد الاضطراب ہے۔

---

[1] (تفسیر القرطبي، ج٢٠، ص٥٢)

[2] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج٨، ص٥)

نفس مطمئنہ کی ایک عارفانہ تفسیر از تفسیر مظہری

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کو شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وقت کا امام بیہقی فرمایا کرتے تھے اور جو مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ بھی ہیں، اپنی تفسیر مظہری میں نفس مطمئنہ کی تعریف یوں فرماتے ہیں:

النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ فی ذکر اللہ تعالی و طاعتہ۔

یعنی نفس مطمئنہ وہ ہے جو ذکر اللہ میں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اطمینان پائے۔[1]

کما تطمئن السمکۃ فی الماء۔

جیسا کہ مچھلیاں پانی میں اطمینان پاتی ہیں، نہ کہ پانی سے یا پانی کے ساتھ۔[2]

مثلاً اگر کسی مچھلی کا تمام جسم پانی میں ہو صرف سر یا صرف ایک اعشاریہ حصہ جسم کا پانی سے کھلا رہے تو اس کو موت معلوم ہو گی اور اس کی حیات خطرہ میں ہو گی۔ اسی طرح سر سے پیر تک مؤمن جب ذکر اللہ کے نور میں غرق ہو گا تو حیات حقیقی اور حیات ایمانی اور حیات روحانی سے مشرف ہو گا۔ اگر ایک عضو بھی ذکر سے غافل یا ایک عضو بھی نافرمانی میں مبتلا ہے تو اس کی حیات ایمانی خطرہ میں ہو گی۔

صاحب تفسیر مظہری أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (الرعد ۲۸) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بِذِكْرِ اللَّهِ معنی میں فِيْ ذِكْرِ اللَّهِ کے ہے یعنی اتنی کثرت سے ذکر کرے کہ ذکر میں غرق ہو جائے۔ اور کثرت ذکر متعدد آیات سے منصوص ہے، وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (الأنفال ۴۵) وغیرھا۔

اور قلیل ذکر کو منافقین کی علامت قرار دیا گیا:

وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا (النساء ۱۴۲)

اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا صاحب نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہے کہ منافقین کے رجسٹر سے اس کا نام خارج ہو جائے تو وہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔

اسی لیے مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ والے دریائے جلال کی گہرائیوں میں رہنے والی مچھلیاں ہیں۔

---

[1] (التفسیر المظهری، ج۱۰، ص ۲۶۱)

[2] (التفسیر المظهری، ج۱۰، ص ۲۶۱)

ماہیان قعر دریائے جلال

جو مچھلیاں تھوڑے پانی میں رہتی ہیں وہ گرمیوں میں جب سورج کی شعاعوں سے پانی شدید گرم ہو جاتا ہے تو بے ہوش ہو جاتی ہیں اور لوگ ان کو شکار کر کے کھا جاتے ہیں اسی طرح جو لوگ ذکر کم کرتے ہیں اور ان کا دریائے نور گہرا نہیں ہوتا ان کو معاشرے کے زہریلے اثرات تباہ کر دیتے ہیں۔ اور جو مچھلیاں گہرے پانی میں رہتی ہیں تو آفتاب کی گرمی سے جب اوپر کا پانی گرم ہو جاتا ہے تو دریا کی گہرائی کے ٹھنڈے پانی میں پناہ لے لیتی ہیں، یہی حال ان سالکین کا ہے جو کہ قلبًا قلبًا سراپا اللہ تعالیٰ پر فدا ہیں۔ ان کے سینہ میں دریائے نور بہت گہرا ہوتا ہے، ہر وقت وہ اس کی ٹھنڈک میں پر سکون ہیں۔

وہ گرمیٔ ہجراں وہ تری یاد کی خنکی　　جیسے کہ کہیں دھوپ میں سایہ نظر آئے

اور کیا خوب کسی شاعر نے کہا ہے:

شاہوں کے سروں میں تاج گراں سے درد سا اکثر رہتا ہے
اور اہل صفا کے سینوں میں اک نور کا دریا بہتا ہے

نفس مطمئنہ کو وہ راحت قلب میں عطاء ہوتی ہے جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت ہیچ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے قلوب کو یہ نعمت عطاء فرماتے ہیں۔

جیسا کہ روح المعانی میں ہے:

فَإِنَّ السَّكِيْنَةَ لَا تَنْزِلُ إِلَّا عَلٰى قُلُوْبِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ۔

پس تحقیق کہ سکینہ نازل ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے قلوب پر۔

سکینہ کی تعریف

السكينة بنور يستقر في القلب وبه يثبت على التوجه إلى الحق ويتخلص عن الطيش۔

سکینہ ایک نور ہے۔ جو دل میں مستقل ہو جاتا ہے اور اس نور کی برکت سے ہر وقت حق تعالیٰ کی طرف توجہ قائم رہتی ہے، اور جمعیت قلب عطاء ہوتی ہے۔[1]

(بحوالۂ کشکول معرفت، ص ۵۲۰)

[1] (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، المعروف بتفسير الألوسي، ج ۱۰، ص ۳۶۷)

نفس اور اس کی اقسام:

مفتاح السلوک میں لکھا ہے:

نفس جسم انسانی کے اندر ایک قوت ہے۔ حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: علماء کے درمیان یہ بحث بھی رہی ہے کہ روح اور نفس ایک شی کے دو نام ہیں یا یہ دو جدا جدا چیزیں ہیں۔ اور حافظ ابن قیم نے اس اختلاف کو اس طرح لکھا ہے کہ نفس اور روح کے متعلق علماء کی دو رائے ہیں: ایک یہ کہ دونوں ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں، اور دوسری رائے یہ ہے کہ دو جدا جدا حقیقتیں ہیں۔ روح جوہر لطیف ہے، روح ایک سوار ہے اور بدن اس کی سواری، بدن میں روح کا سریان ایسا ہے جیسے گلاب کے پھول میں پانی یا درخت زیتون میں تیل اور روح فنا بھی نہیں ہوتی۔ ابن زید روح اور نفس کو ایک ہی چیز تسلیم کرتے ہیں۔ ابن حبیب کا گمان ہے کہ روح اور نفس دو جدا چیزیں ہیں۔

مزید تحقیق کتاب الروح ابن قیم اور مولانا حفظ الرحمن صاحب کی کتاب فلسفہ اخلاق میں دیکھیں۔

اب ہم یہاں نفس کی اقسام کا ذکر کرتے ہیں:

نفس امارہ، لوامہ، مطمئنہ ان تینوں کا قرآن پاک میں ذکر ہے۔

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ (یوسف ۵۳)

بیشک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہے۔

وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (القیامۃ ۲)

اور میں قسم کھاتا ہوں نفس لوامہ کی۔

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ (۲۷) ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً (۲۸) فَادْخُلِي فِي عِبَادِي (۲۹) وَادْخُلِي جَنَّتِي (الفجر ۳۰)

اے نفس مطمئن واپس چلو اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی، پس شامل ہو جاؤ میرے خاص بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں۔

امارہ: نفس امارہ کفار، سرکش اور بدبختوں کا ہوتا ہے۔ عالم سفلی کی طرف جھکا ہوا ہوتا ہے۔ نفس امارہ برائی کی ترغیب دیتا ہے۔ بدی کی راہوں کی طرف لے جاتا ہے۔ گناہ و بدکاری پر بار بار حکم کرتا رہتا ہے اور بدکار اس کی بات مانتے رہتے ہیں۔

لوامہ: نفس لوامہ یہ مؤمنین اور ایمانداروں کا ہوتا ہے، ہر وقت اپنی کوتاہیوں اور غفلتوں پر اپنے آپ کو ملامت کرتا رہتا ہے، گناہ کو گناہ سمجھتا ہے، گناہ کرے تو اس کو رنج و پریشانی ہوتی ہے۔ ادھر غفلت سے کوئی لغزش ہوئی، ادھر توبہ و ندامت کی بھی توفیق ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اس نفس لوامہ کی قسم کھاتا ہوں۔

مطمئنہ: نفس مطمئنہ اطمینان یافتہ، یہ اللہ کے مقبول و محبوب برگزیدہ بندوں کا ہوتا ہے۔ شریعت کی پیروی اور عبادت و معرفت سے اس کو چین اور سکون حاصل ہوتا ہے اور عالم علوی کی طرف مائل رہتا ہے۔ تخیلات سے یہ متزلزل و منتشر نہیں ہوتا۔ یقین و معرفت اور شہود کی اعلیٰ منزل پر فائز ہوتا ہے۔[1]

(۱۴۳) مسئلہ نمبر ایک سو تینتالیس: بوقت جماعت سنت فجر پڑھنا

فقہی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص فجر کے وقت مسجد میں جب آئے جبکہ جماعت ہورہی ہو اور ابھی اس نے سنت فجر نہ پڑھی ہوں تو اسے چاہئیے کہ جماعت سے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہو کر سنت فجر پڑھ لے بشرطیکہ جماعت مل جانے کی قوی امید ہو اگر التحیات بھی مل سکے تب بھی سنت فجر پڑھ لے مگر وہابی غیر مقلد اس کے سخت خلاف ہیں اور اسی مسئلہ کی وجہ سے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے موقعہ پر سنت فجر چھوڑ دے اور جماعت میں شرکت کرے ہم نہایت دیانتداری سے اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں مذہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلد وہابیوں کے سوالات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

(۱) طحاوی شریف نے حضرت عبد اللہ ابن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

عن ابیه حین دعاهم سعید ابن العاص دعا ابا موسی و حذیفة و عبد اللہ ابن مسعود قبل ان یصلی الغداة ثم خرجوا من عنده و قد اقیمت الصلوة فجلس عبد اللہ الی اسطوانة من المسجد فصلی الرکعتین ثم دخل فی الصلوة۔

ترجمہ: وہ اپنے والد حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ جب انہیں سعید ابن عاص رضی اللہ عنہ نے بلایا اس نے حضرت ابو موسیٰ حضرت حذیفہ اور عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم کو بلایا نماز فجر پڑھنے سے پہلے یہ حضرات سعید ابن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس سے واپس ہوئے حالانکہ فجر کی تکبیر ہوچکی تھی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک ستون کے پاس بیٹھ گئے پھر وہاں دو رکعتیں پڑھیں پھر نماز میں شامل ہوئے۔[2]

---

[1] (بحوالہ رسائل خمسہ ص ۳۲۶ تا ۳۲۷)

[2] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد و الامام فی صلوة الفجر و لم یکن رکع ایرکع او لا یرکع ج ۱ ص ۳۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

دیکھو حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو فقیہہ صحابی ہیں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں جماعت فجر ہوتے ہوئے سنت فجر پڑھیں پھر جماعت میں شامل ہوئے اور اس پر نہ تو ان دونوں صحابیوں نے کچھ اعتراض کیا نہ کسی اور نمازی نے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کا عام طریقہ یہ ہی تھا کہ بوقت جماعت فجر سنت فجر پڑھتے پھر جماعت میں شامل ہوتے تھے۔ اور صحابہ کرام بغیر حضور کے حکم کے ایسا نہ کر سکتے تھے۔ غرضیکہ یہ فعل سنت صحابہ ہے۔

(۲) اسی طحاوی نے حضرت ابو مجلز سے روایت کی:

قال دخلت المسجد فی صلوۃ الغداۃ مع ابن عمر و ابن عباس و الامام یصلی فاما ابن عمر فدخل فی الصف و اما ابن عباس فصلی رکعتین ثم دخل مع الامام فلما سلم الامام قعد ابن عمر مکانہ حتی طلعت الشمس فرکع رکعتین۔

ترجمہ: وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ مسجد میں گیا۔ حالانکہ امام نماز پڑھا رہا تھا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تو صف میں داخل ہو گئے۔ لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہمانے اولاً دو سنتیں پڑھیں پھر امام کے ساتھ نماز میں داخل ہوئے پھر جب امام نے سلام پھیرا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما وہاں ہی بیٹھے رہے جو سورج نکل آیا تو دو رکعتہ نفل پڑھیں۔[1]

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہمانے جو بڑے فقیہہ صحابی اور حضور ﷺ کے اہل بیت اطہار میں سے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ و تمام صحابہ کی موجودگی میں جماعت فجر کے وقت دو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شرکت فرمائی اور کسی نے آپ پر اعتراض نہ کیا۔

(۳) اس طحاوی نے حضرات ابو عثمان انصاری سے روایت کی:

قال جاء عبد اللہ ابن عباس و الامام فی صلوۃ الغداۃ و لم یکن صلی الرکعتین فصلی ابن عباس الرکعتین خلف الامام ثم دخل معھم۔

ترجمہ: کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما مسجد میں اس حال میں آئے کہ امام فجر میں تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہمانے ابھی سنت فجر نہ پڑھی تھیں۔ تو آپ نے امام کے پیچھے (دور) دو رکعتیں پڑھیں پھر ان سب کے ساتھ شامل ہوئے۔[2]

---

[1] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد و الامام فی صلوۃ الفجر و لم یکن رکع ایرکع او لا یرکع ج ۱ ص ۳۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد و الامام فی صلوۃ الفجر و لم یکن رکع ایرکع او لا یرکع ج ۱ ص ۳۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۴) طحاوی شریف نے حضرت محمد ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

قال خرج ابن عمر من بیته فاقیمت صلوۃ الصبح فرکع رکعتین قبل ان یدخل المسجد وھو فی الطریق ثم دخل المسجد فصلی الصبح مع الناس۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے گھر سے نکلے ادھر نماز صبح کی تکبیر ہوئی تو آپ نے مسجد میں آنے سے پہلے ہی دو سنتیں پڑھیں حالانکہ آپ راستہ میں تھے پھر مسجد میں آئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔[1]

(۵) طحاوی شریف نے حضرت ابی عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

عن ابی الدرداء انه کان یدخل المسجد والناس صفوف فی صلوۃ الفجر فیصلی الرکعتین فی ناحیۃ المسجد ثم یدخل مع القوم فی الصلوۃ۔

ترجمہ: کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لاتے تھے حالانکہ لوگ نماز فجر میں صف بستہ ہوتے تھے تو آپ مسجد کے ایک گوشہ میں دو رکعتیں پڑھ لیتے تھے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے۔[2]

(٦) طحاوی شریف نے حضرت ابو عثمان ہندی سے روایت کی:

قال کنا ناتی عمر ابن الخطاب قبل ان نصلی الرکعتین قبل الصبح وھو فی الصلوۃ فنصلی رکعتین فی اخر المسجد ثم ندخل مع القوم فی صلوتھم۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس سنت فجر پڑھنے سے پہلے آتے تھے۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز میں ہوتے تھے تو ہم مسجد کے کنارے پر سنت فجر پڑھ لیتے تھے، پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاتے تھے۔[3]

(۷) طحاوی شریف نے حضرت یونس سے روایت کی:

قال کان الحسن یقول یصلیھما فی ناحیته المسجد ثم یدخل مع القوم فی صلوتھم۔

ترجمہ: کہ امام حسن فرماتے تھے کہ سنت فجر مسجد کے ایک گوشہ میں پڑھ لے پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاوے۔[4]

---

[1] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع او لا یرکع ج ۱ ص ۳۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
[2] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع او لا یرکع ج ۱ ص ۳۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
[3] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع او لا یرکع ج ۱ ص ۳۷٦ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
[4] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع او لا یرکع ج ۱ ص ۳۷٦ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۸) طحاوی شریف نے حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

يقول ايقظت ابن عمر لصلوة الفجر وقد اقيمت الصلوة فقام فصلى الركعتين۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو نماز فجر کے لئے بیدار کیا۔ حالانکہ فجر کی تکبیر ہو رہی تھی تو آپ نے پہلے سنت فجر پڑھیں۔[1]

(۹) طحاوی شریف نے حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی:

كان مسروق يجئى الى القوم وهم فى الصلوة ولم يكن ركع ركعتى الفجر فيصلى الركعتين فى المسجد ثم يدخل مع القوم فى صلوتهم۔

ترجمہ: حضرت مسروق قوم کے پاس آتے تھے جب کہ وہ نماز فجر میں مشغول ہوتے اور مسروق نے سنت فجر نہ پڑھی ہوتیں تو آپ مسجد میں پہلے دو سنتیں پڑھ لیتے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے تھے۔[2]

(۱۰) طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

انه دخل المسجد والامام فى الصلوة فصلى ركعتى الفجر۔

ترجمہ: کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے حالانکہ امام نماز میں تھا آپ نے پہلے دو سنت فجر پڑھیں۔[3]

یہ دس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں ورنہ اس کے متعلق بہت روایات ہیں اگر شوق ہو تو طحاوی شریف کا مطالعہ فرماویں۔

عقل کا تقاضا: بھی یہی ہے کہ ایسی حالت میں سنت فجر پہلے پڑھے پھر جماعت میں شریک ہو کیونکہ تمام موکدہ سنتوں میں سنت فجر کی زیادہ تاکید ہے، حتیٰ کہ مسلم و بخاری ابوداؤد ترمذی اور نسائی شریف نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی:

(۱۱ تا ۱۵) لم يكن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وآله واصحابه وسلم على شيئى من النوافل اشد تعاهداً منه على ركعتى الفجر۔

ترجمہ: حضور ﷺ جتنی نگہبانی و پابندی سنت فجر کی فرماتے تھے اتنی کسی سنت کی نہ فرماتے تھے۔[1]

---

[1](شرح معانی الآثار باب الرجل يدخل المسجد والامام فى صلوة الفجر ولم يكن ركع ايركع اولا يركع ج ا ص ۳۷۵ مطبوعه دار الكتب العلميه بيروت)
[2](شرح معانی الآثار باب الرجل يدخل المسجد والامام فى صلوة الفجر ولم يكن ركع ايركع اولا يركع ج ا ص ۳۷۶ مطبوعه دار الكتب العلميه بيروت)
[3](شرح معانی الآثار باب الرجل يدخل المسجد والامام فى صلوة الفجر ولم يكن ركع ايركع اولا يركع ج ا ص ۳۷۴ مطبوعه دار الكتب العلميه بيروت)

احمد، طحاوی، ابو داؤد شریف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم لاتدعوا رکعتی الفجر وان طرو تکم الخیل۔

ترجمہ: فرمایا نبی ﷺ نے کہ سنت فجر نہ چھوڑو اگرچہ تمہیں دشمن کا لشکر بھگا رہا ہو۔[2]

غرضیکہ سنت فجر کی بہت تاکید ہے اور اگر سنت فجر رہ جائیں فرض پڑھ لئے جاویں تو ان کی قضا نہیں ہوتی سنت ظہر تو فرض ظہر کے بعد بھی پڑھ لئے جاتے ہیں ادھر جماعت بھی واجب ہے اگر یہ شخص سنت فجر کی وجہ سے جماعت چھوڑ دے تو واجب کا تارک ہوا اور اگر جماعت کی وجہ سے سنت فجر چھوڑ دے تو اتنی اہم سنت موکدہ کا تارک ہوا۔ لہٰذا ان میں سے کسی کو نہ چھوڑے اگر جماعت مل سکے تو پہلے سنت فجر پڑھ لے۔ پھر جماعت میں شامل ہو جاوے دو عبادتیں کرنا بہتر ہے ایک کو چھوڑنا بہتر نہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ جہاں جماعت ہو رہی ہو وہاں ہی سنت فجر پڑھنا منع ہے کہ اس میں جماعت کی مخالفت اور اس سے منہ پھیرنا ہے۔ لہٰذا ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں جماعت میں شامل نہ معلوم ہو مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں۔

ظہر کی پہلی سنتیں موکدہ ہیں مگر بعد فرض پڑھی جا سکتی ہیں اور سنت عصر و عشاء موکدہ نہیں غیر موکدہ ہیں، اس لئے انہیں بوقت جماعت نہیں پڑھ سکے سنت فجر موکدہ بھی ہیں اور بعد فرض پڑھی بھی نہیں جاتیں اس لئے اگر جماعت مل جانے کی امید ہو تو پڑھ لے لیکن اگر جماعت نہ مل سکے تو پھر سنت فجر چھوڑ دے کہ جماعت واجب ہے۔ واجب سنت سے زیادہ اہم ہے۔

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک اس مسئلہ پر ہم جس قدر اعتراضات معلوم کر سکے ہیں وہ مع جوابات نہایت دیانتداری سے عرض کئے دیتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱:

طحاوی وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم قال اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ۔

---

[1] (صحیح مسلم باب استحباب رکعتی ج ۱ ص ۵۰۱ رقم الحدیث ۷۲۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن النسائی ج ۳ ص ۲۵۲ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۹ رقم الحدیث ۱۲۵۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2] (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۰ رقم الحدیث ۱۲۵۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ترجمہ: آپ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو فرض کے سوا کوئی نماز نہیں۔[1]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر سنتیں پڑھنا، اس حدیث کے تصریح خلاف ہے۔ کیونکہ تکبیر ہو چکنے کے بعد صرف فرض نماز ہی پڑھی جانی چاہئیے۔

جواب:

اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر اپنے گھر میں یا مسجد کے علاوہ دوسری جگہ سنتیں پڑھ لے اگر وہ جگہ مسجد کے بالکل متصل ہو جہاں تک امام کی قرات کی آواز جار ہی ہو اور جماعت وہاں سے نظر آرہی ہو تو جو تم جواب دوگے۔ وہ ہی ہمارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی نے سنت فجر یا دوسرے فرض جماعت سے پہلے شروع کر دیئے ہوں اور درمیان میں فجر کی جماعت کھڑی ہو جاوے۔ تو تم بھی اس نماز کا توڑنا واجب نہیں کہتے۔ بلکہ جائز ہے کہ یہ نماز پوری کر کے جماعت میں شریک ہو، حالانکہ اس حدیث میں کچھ تفصیل نہیں، لہذا یہ حدیث گویا مجمل ہے۔ جس پر بغیر تفصیل عمل ناممکن ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث مرفوع صحیح نہیں، صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا فرمان ہے جیسا کہ اسی جگہ طحاوی شریف نے بہت تحقیق سے بیان فرمایا۔ اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں کہ فقہاء صحابہ جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھ کر جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ لہذا ان کا عمل و قول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول پر ترجیح پاوے گا۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث پر ہر شخص عمل نہیں کر سکتا کیونکہ صاحب ترتیب جس پر ترتیب نماز فرض ہے اگر اس کی عشاء قضاء ہو گئی اور جماعت فجر قائم ہو جاوے تو وہ اولاً عشاء قضاء کرے، پھر جماعت میں شرکت کرے ورنہ ترتیب کے خلاف ہو گا۔

پانچویں یہ کہ اگر یہ حدیث مرفوع درست ہو تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ تکبیر فجر کے وقت جماعت کی جگہ یعنی صف سے متصل سنت فجر نہ پڑھے بلکہ مسجد کے گوشہ میں جماعت سے علیحدہ پڑھے تاکہ مذکورہ بالا خرابیاں لازم نہ آویں حنفی یہ ہی کہتے ہیں کہ جماعت سے متصل سنت فجر ہرگز نہ پڑھے۔

چھٹے یہ کہ بیہقی شریف میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے:

اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ الا رکعتی الفجر۔

ترجمہ: جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو سوائے فرض کوئی نماز جائز نہیں۔ بجز سنت فجر کے۔[1]

---

[1](صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۹۳ رقم الحدیث ۷۱۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس صورت میں آپ کا اعتراض جڑ سے کٹ گیا، بیہقی کی یہ روایت اگر ضعیف بھی ہو تو بھی عمل صحابہ کی وجہ سے قوی ہو جاوے گی۔ عمل صحابہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے وہاں ملاحظہ فرماؤ۔

ساتویں یہ کہ آپ کی پیش کردہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ تکبیر نماز کے بعد کوئی نفل جائز نہیں یعنی یہ درست نہیں کہ جماعت ہو رہی ہو اور دوسرا آدمی اس جگہ نفلیں پڑھے جاوے۔ سنت فجر نفل نہیں۔ بلکہ موکدہ سنت ہے یہ تاویل اس لئے ہے تاکہ احادیث میں تعارض نہ رہے۔

اعتراض نمبر ۲:

طحاوی شریف نے حضرت مالک ابن بحینہ سے روایت کی:

قال اقیمت صلوۃ الفجر فاتی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہ و سلم علی رجل یصلی رکعتی الفجر فقام علیہ و لاث بہ الناس فقال اتصلیہا اربعاً ثلث مرات۔

ترجمہ: کہ ایک دن فجر کی تکبیر کہی گئی پس حضور ﷺ ایک شخص پر گزرے جو سنت فجر پڑھ رہا تھا اس پر کھڑے ہو گئے اور لوگوں نے بھی اسے گھیر لیا فرمایا کہ کیا تو فجر کے فرض چار پڑھتا ہے یہ تین بار فرمایا۔[2]

اس حدیث میں سنت فجر کا صراحۃً ذکر ہو گیا جس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی معلوم ہوا کہ تکبیر فجر کے وقت سنت فجر سخت منع ہے۔

جواب:

یہ صاحب مالک ابن بحینہ کے صاحبزادے عبد اللہ تھے اور وہاں ہی سنت فجر پڑھ رہے تھے۔ جہاں جماعت ہو رہی تھی، یعنی صف سے متصل یہ واقعی مکروہ ہے اسی پر حضور ﷺ نے عتاب فرمایا۔

چنانچہ اسی طحاوی شریف میں اسی حدیث سے کچھ آگے یہ حدیث مفصل طور پر اس طرح مذکور ہے:

عن محمد ابن عبدالرحمن ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہ و سلم مر بعبد اللہ ابن مالک ابن بحینۃ و ھو منتصب ثمہ بین یدی نداء الصبح فقال لا تجعلوا ھذہ الصلوۃ کصلوۃ قبل الظھر و بعدھا و اجعلوا بینھما فصلاً۔

---

[1] (سنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۴۸۳ رقم الحدیث ۴۳۲۶ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

[2] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع او لا یرکع ج ۱ ص ۳۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: محمد ابن عبد الرحمان سے روایت ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام عبد اللہ ابن مالک ابن بحینہ پر گزرے حالانکہ وہ وہاں ہی کھڑے ہوئے تھے تکبیر فجر کے بالکل سامنے تو حضور نے فرمایا کہ اس سنت فجر کو ظہر کی پہلی پچھلی سنتوں کی طرح نہ بناؤ سنت فجر اور فرض فجر میں فاصلہ کرو۔[1]

اس حدیث نے آپ کی پیش کردہ حدیث کو بالکل واضح کر دیا کہ اگر سنت فجر جماعت سے دور پڑھی جاوے تو بلا کراہت جائز ہے جماعت سے متصل پڑھنا منع ہے یہ ہی ہم کہتے ہیں۔ لہٰذا آپ کا اعتراض اصل سے ہی غلط ہے۔

اعتراض نمبر ۳:

جماعت فجر کے وقت چونکہ امام کی تلاوت کی آواز اس شخص کے کان میں بھی آوے گی۔ اس لئے اس وقت سنت فجر نہ پڑھنا چاہیئے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو لہٰذا سنت فجر جماعت کے وقت پڑھنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔

جواب:

اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ ہم کو سخت تعجب ہے کہ یہاں تو آپ سنت فجر اس لئے منع فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہنا فرض ہے اور خود آپ ہی امام کے پیچھے مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض کہتے ہیں کیا قراۃ خلف الامام میں آپ کو یہ آیت یاد نہ رہی۔

دوسرے یہ کہ یہ اعتراض خود تم پر بھی پڑتا ہے تم کہتے ہو کہ مسجد کے باہر سنت فجر پڑھ سکتے ہیں اگرچہ وہ جگہ مسجد سے بالکل متصل ہو۔ جہاں قرآن شریف پڑھنے کی آواز پہنچ رہی ہو۔

تیسرے یہ ہے قرآن پاک کا سننا اور تلاوت کے وقت خاموش رہنا فرض کفایہ ہے۔ فرض عین نہیں۔ مقتدیوں کا سننا اور خاموش رہنا کافی ہے، اگر فرض عین ہوتا تو بہت مشکل درپیش آتی۔ ایک شخص کی تلاوت پر جہاں تک اس کی آواز پہنچتی ہو وہاں تک طعام کلام اور دنیاوی کاروبار بند ہو جاتے آج سائنس کا زور ہے ریڈیو پر تلاوت قرآن ہوتی ہے جس کی آواز ساری دنیا میں پہنچتی ہے۔ اگر سننا خاموش رہنا فرض عین ہو تو مصیبت آجاوے بہر حال یہ اعتراض محض لغو ہے۔

---

[1] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد و الامام فی صلوۃ الفجر و لم یکن رکع ایرکع او لا یرکع ج ۱ ص ۲۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اعتراض نمبر ۴:

جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھنے میں جماعت کی مخالفت ہے کہ لوگ قیام میں ہیں یہ رکوع یا سجدہ میں، لوگ سجدہ میں ہیں یہ التحیات میں اور مخالفت جماعت سخت بری چیز ہے۔

جواب:

یہ مخالفت جب ہوگی جبکہ جماعت سے متصل سنت فجر پڑھی جاویں اسے ہم بھی سخت مکروہ کہتے ہیں۔ اگر جماعت سے دور مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں پڑھے تو مخالفت بالکل نہیں بلکہ بوقت ضرورت یہ مخالفت بھی جائز ہوتی ہے دیکھو جس مقتدی کا وضو ٹوٹ جاوے اور وہ وضو کر کے واپس آئے۔ اسی اثناء میں دو ایک رکعت ہو چکیں تو اپنی جگہ پہنچ کر یہ شخص پہلے اپنی فوت شدہ رکعتیں پڑھے گا۔ پھر جماعت کے ساتھ شامل ہوگا۔ ان رکعتوں کے ادا کرنے میں ظاہر ہے کہ جماعت کی مخالفت ہوگی مگر ضرورتاً جائز ہے۔ سنت فجر بھی ضروری ہیں کہ اگر جماعت سے دور رہ کر ادا کرلی جاویں تو کوئی حرج نہیں۔[1]

(۱۴۴) مسئلہ نمبر ایک سو چوالیس: سنت قبلیہ اور بعدیہ کی حکمت

فقہاءِ کرام نے سنتِ قبلیہ اور بعدیہ کی الگ الگ حکمت بیان کی ہے، مثلاً سنتِ قبلیہ کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ سنتِ قبلیہ پڑھنے سے شیطان کی اس شخص کے بارے میں نماز چھوڑنے کی طمع اور امید ختم ہو جاتی ہے، جب کہ سنتِ بعدیہ کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ نماز میں جو کمی کوتاہی رہ جائے سنتِ بعدیہ سے اس کی تلافی ہو جائے، لہٰذا سنتِ بعدیہ کو فرض نماز سے پہلے پڑھنے کی صورت میں مقصود حکمت بھی فوت ہو جائے گی۔[2]

الدر المختار و حاشیۃ ابن عابدین میں ہے:

(وسنّ) مؤكدًا (أربع قبل الظهر و) أربع قبل (الجمعة و) أربع (بعدها بتسليمة) فلو بتسليمتين لم تنب عن السنة، ولذا لو نذرها لا يخرج عنه بتسليمتين، وبعكسه يخرج (وركعتان قبل الصبح وبعد الظهر والمغرب والعشاء) شرعت البعدية لجبر النقصان، والقبلية لقطع طمع الشيطان۔

(قوله: لجبر النقصان) أي ليقوم في الآخرة مقام ما ترك منها لعذر كنسيان، وعليه يحمل الخبر الصحيح أن فريضة الصلاة والزكاة وغيرهما إذا لم تتم تكمل بالتطوع، وأوله البيهقي بأن المكمل بالتطوع هو ما نقص من سننها

---

[1] (سعید الحق فی تخریج جاء الحق)

[2] (الدر المختار و حاشیۃ ابن عابدین، رد المحتار، ج ۲، ص ۱۲)

المطلوبة فيها: أي فلا يقوم مقام الفرض الحديث الصحيح «صلاة لم يتمها زيد عليها من سبحتها حتى تتم» فجعل التتميم من السبحة أي النافلة لفريضة صليت ناقصة لا لمتروكة من أصلها. وظاهر كلام الغزالي الاحتساب مطلقًا، وجرى عليه ابن العربي وغيره لحديث أحمد الظاهر في ذلك اهـ من تحفة ابن حجر ملخصا. وذكر نحوه في الضياء عن السراج، وسيذكر في الباب الآتي أنها في حقه صلى الله عليه وسلم لزيادة الدرجات. (قوله: لقطع طمع الشيطان) بأن يقول إنه لم يترک ما ليس بفرض فكيف يترک ما هو فرض ط."

العلامہ الشیخ محمد عابد السندھی المدنی الحنفی مسند امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی میں لکھتے ہیں:

قال ابن دقيق العيد[1]: وفي تقديم السنن على الفرائض وتأخيرها معنى لطيف مناسب، أما في التقديم فلأن الإنسان يشتغل في أمور الدنيا وأسبابها، فتتكيف النفس من ذلك بحالة بعيدة عن حضور القلب في العبادة والخشوع فيها الذي هو روحها، فإذا قدمت السنن على الفرائض تأنست النفس بالعبادة، وتكيفت بحالة تقرب من الخشوع، فيدخل في الفرائض على حالة حسنة لم تكن تحصل له لو لم يقدم السنة؛ فإن النفس مجبولة على التكييف بما هي فيه، لا سيما إذا كثر وطال، وورود الحالة المنافية لما قبلها قد يمحو أثر الحالة السابقة أو يضعفه، فأما السنن المتأخرة فلما ورد أن النوافل جابرة لنقصان الفرائض، فإذا وقع الفرض ناسب أن يكون بعده ما يجبر خللاً فيه إن وقع، انتهى۔

وقال في الدر المختار[2]: وشرعت القبلية لقطع طمع الشيطان، والبعدية لجبر النقصان، انتهى۔ ويعنىء بقطع طمع الشيطان ما أشار إليه في "السراج الوهاج": أن الشيطان يقول: يا ويلاه! من لم يطعني في ترک ما لا يكتب عليه، فكيف يطيعني في ترک ما كتب عليه، انتهى۔

وأخرج أبو داؤد وغيره من حديث أبي هريرة[3]: قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم يقول: "إن أول ما يحاسب به العبد يوم القيامة من عمله صلاته، فإذا صلحت فقد أفلح وأنجح، وإن فسدت خاب وخسر، فإن انتقص من فريضته شيء قال الرب تبارک وتعالیٰ: انظروا هل العبدي من تطوع؟ فيكمل به ما انتقص من الفريضة، ثم يكون سائر عمله على ذلک"، فافهم۔[4]

وفی الخلاصۃ الفتاویٰ:

من ترک السنة بعذر فهو معذور ولو ترک بغير عذر تهاونا لا يقبل فرضه ويسئل عن تركها۔[5]

---

[1] (إحكام الأحكام، ج ۱، ص ۲۷۹)

[2] (الدر المختار، ج ۲، ص ۱۴)

[3] (سنن ابی داؤد، ص ۸۶۴، سنن النسائی، ص ۴۶۷، سن الترمذی، ص ۴۱۳)

[4] (المواهب اللطيفة شرح مسند الإمام أبی حنيفة، ج ۳، ص ۳۰۹، ۳۱۰، دار النوادر)

[5] (الخلاصة الفتاوی، ج ۱، ص ۶۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

(۱۴۵)مسئلہ نمبر ایک سو پینتالیس: التطوع قبل المكتوبة يجوز ما بدا له

قال محمد رحمه الله في الجامع الصغير: رجل دخل في مسجد قد صلى فيه، فلا بأس بأن يتطوع قبل المكتوبة ما بدا له في الوقت، يريد بهذا إذا كان الوقت متسعا، وإذا ضاق، تركه، من مشايخنا من قال: أراد بقول "لا بأس بأن يتطوع قبل المكتوبة" التطوع قبل العصر والعشاء دون الفجر والظهر؛ لأن سنة الفجر واجبة، وفي ترك سنة الظهر وعيد، قال عليه السلام: "من ترك الأربع قبل الظهر لم تنله شفاعتي" ومنهم من قال: لا بل أراد الكل۔[1]

وفي الكافي وقالوا: لو كان العالم مرجعا للفتوى، له ترك سائر السنن لحاجة الناس إليه، إلا سنة الفجر۔[2]

(۱۴۶)مسئلہ نمبر ایک سو چھیالیس: سنن، نوافل اور مستحبات کو سُستی اور کاہلی کی وجہ سے چھوڑنے کی مذمت

الامام الشیخ عبد الوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفیٰ ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

وکان الجنید رضی اللہ تعالی یقول: طریق الفقہاء ھی أساس طریقنا التی بنیت علیہ ولکن زاد الصوفیۃ علی الفقہاء کثرۃ مراعاۃ العمل بالشریعۃ وعدم التساھل فی ترک العمل بشیء منھا ای طریقھم ترک الرخص والتاویلات والاخذ بالعزائم والتمسک بالمندوب کالواجب واجتناب المکروہ وخلاف الاولی کالحرام۔

ترجمہ: حضرت جنید رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ فقہاء کا طریقہ یہی ہمارے طریقہ کی بنیاد ہے اور ہمارا طریقہ اسی پر بناء ہے لیکن صوفیاء نے فقہاء جو فضیلت حاصل کی وہ کثرت سے شریعت پر عمل کرنے کی وجہ سے کیونکہ صوفیاء ان میں سے کسی عمل میں سستی اختیار نہیں کرتے یعنی ان کا طریقہ رخصت کو چھوڑنا اور تاویلات کو ترک کرنا اور عزیمت پر عمل کرنا ہے اور مندوب کو لازم پکڑنا اور مستحب پر عمل کرنا ان کیلئے واجب کی طرح ہے اور مکروہ اور خلاف اولیٰ سے بچنا ان کے طریقے میں ایسے ہے جیسے کہ حرام سے بچنا۔[3]

الامام الشیخ عبد الوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفیٰ ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

وکان سیدی علی الخواص رضی اللہ عنہ یقول: الحق تعالی یمقت علی ترک الادب وعلی خلاف الاولی فضلا عن المکروہ والحرام۔

---

[1] (الفتاوی التاتارخانیة، ج۲، ص۳۰۷، الفصل فی مسائل التطوع، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، لاھور)

[2] (الفتاوی التاتارخانیة، ج۲، ص۳۰۷، الفصل فی مسائل التطوع، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، لاھور)

[3] (الاجوبۃ المرضیہ عن ائمۃ الفقھاء والصوفیۃ ص۱۲۷)

ترجمہ: اورسیدی علی الخواص رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ جل شانہٗ ناراض ہوتا ہے اور جلال میں آتا ہے ادب کے چھوڑنے پر اور خلاف اولیٰ کام کرنے پر چہ جائیکہ کوئی مکروہ یا حرام کام کرے (یعنی اس پر تو اور بھی جلال میں آتا ہے اور ناراض ہوتا ہے) یعنی مستحب چھوڑنے پر جب قہر فرماتا ہے تو مکروہ اور حرام کے کرنے پر تو بطریق اولیٰ قہر فرماتا ہے۔[1]

الامام الشیخ عبدالوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفیٰ ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

وسمعت سیدی علیا المرصفی رحمه الله تعالی یقول: لایصح لمرید قدم فی الارادة حتی یترک المباحات جملة ویجعل مکان مباح ترکه فعل مأمور شرعیٔ من مندوب او اولی حتی یجتنب المباح کانه خلاف الاولی ویجتنب خلاف الاولی کانه منهی عنه کراهة تنزیه وحتی یجتنب الحرام کانه کفر وحتی یفعل المندوب کانه واجب ویفعل الاولی کانه مندوب کل ذالک تعظیما لامر الله تعالی ونهیه۔

ترجمہ: اور میں نے سیدی علی مرصفی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مرید کیلئے جب طریقت میں قدم رکھے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ تمام کے تمام مباحات کو چھوڑ دے اور ہر وہ مباح جس کو اس نے چھوڑا ہے اس کی جگہ پر وہ مامور شرعی کام کرے جس کا تعلق مستحب یا اولیٰ سے ہو یہاں تک کہ یہ مباح سے اس طرح سے بچے جیسے کہ خلاف اولیٰ سے بچتا ہے اور خلاف اولیٰ سے اس طرح بچے گویا کہ اس کو اس سے منع کیا گیا ہو کراہت تنزیہی کی طرح اور یہاں تک مکروہ سے اسطرح بچے گویا کہ یہ حرام ہے اور حرام سے اس طرح بچے گویا کہ یہ کفر ہے اور یہاں تک کہ مستحب پر ایسا عمل کرے گویا کہ یہ واجب ہے اور اولیٰ کام کو اس طرح کرے گویا کہ یہ مستحب ہے یہ سب کچھ کرنا اس میں اللہ تعالیٰ کے امر اور نہی کی تعظیم ہے۔[2]

شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال عبدالله بن المبارک رضی الله تعالی عنه من تهاون بالآداب عوقب بحرمان السنة ومن تهاون بالسنة عوقب بحرمان الواجبات ومن تهاون بالواجبات عوقب بحرمان الفرائض ومن تهاون بالفرائض عوقب بحرمان المعرفة او کما قال۔

---

[1] (الاجوبة المرضیه عن ائمة الفقهاء والصوفیة ص ۱۸۸)
[2] (الاجوبة المرضیه عن ائمة الفقهاء والصوفیة ص ۱۹۰)

یعنی فرمایا عبد اللہ ابن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس نے مستحبات میں سستی کی اسے سنت سے محرومی کی سزا ملے گی۔ اور جس نے سنت میں سستی کی اسے واجبات سے محرومی کی سزا ملے گی اور جس نے واجبات میں سستی کی اسے فرائض سے محرومی کی سزا ملے گی، اور جس نے فرائض میں سستی کی اسے معرفت خداوندی سے محرومی کی سزا ملے گی۔[1]

شرح ملا علی القاری علی آداب المریدین للشیخ ابی النجیم السھروردي میں مزید بحرمان المعرفۃ کے بعد وسوۃ الخاتمۃ کا لفظ آیا ہے۔ یعنی خاتمہ بالایمان نصیب نہ ہونے کا خطرہ ہے۔

اور فتاویٰ التاتارخانیہ میں شیخ امام فرید الدین لکھتے ہیں:

وفي الکبریٰ: روی عن النبي علیه السلام أنه قال: "من تهاون بالآداب حرم السنن، ومن تهاون بالسنن حرم الفرائض، ومن تهاون بالفرائض حرم الآخرة"۔[2]

(۱۴۷) مسئلہ نمبر ایک سو سینتالیس: سادات کرام کا احترام نہ کرنا اور ان سے خدمت لینا آداب کے خلاف ہے

علامہ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "البحر المورود" میں طریقت کے آداب بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر فرماتے ہیں:

فأما اولاد فاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنهم فإنهم بضعة من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ولا ینبغي لمسلم ان یدخل بضعة من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تحت أمره وتصریفه وخدمته کما یفعل بالمریدین من احاد الناس ومن فعل ذلک من الفقراء فهو دلیل علی جهله بالواجب فضلا عن الآداب فإن اللہ تعالیٰ جعل مرتبة الشرف أعلی منا اختصاصا إلیها لا بعمل عملوه ولا بخیر قدموه بل سابق عنایة من اللہ عز وجل لهم۔ وتأمل قوله تعالی: إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (الأحزاب ۳۳) یظهر لک ما قلناه، فإنه لا رجس ارجس من المعاصی، فذنوبهم انما هی ذنوب فی الصورة لا فی المعنی، لعدم مؤاخذة الحق تعالیٰ لهم بها، فأی شیخ یدعی هذا القدم له، ولو توقفت المغفرة لذنوبهم علی توبتهم، لم یکن لهم مزیة ولا اختصاص علی غیرهم، فافهم۔

بہر حال اولادِ فاطمہ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا جزء ہیں جیسا کہ روایت میں آیا ہے۔ اور مناسب نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ٹکڑے کو اپنے امر اور تصرف کے تحت داخل کیا جائے جیسا کہ عام

---

[1] (تفسیر عزیزی، قطب الارشاد صفحہ ۱۴، مکتبہ قاسمیہ)
[2] (الفتاوی التاتارخانیة، ج ۲، کتاب الصلاۃ، مسائل التطوع، ص ۳۰۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، لاھور)

مریدین کے ساتھ کیا جاتا ہے اور جو فقراء کے ساتھ ایسا کرے وہ اس کے ادب سے بڑھ کر لازم امر سے ناواقف ہونے کی دلیل ہے۔بے شک اللہ تعالیٰ نے شرفاء کو ہم میں سے سب سے بلند درجہ عطا کیا جو اختصاصِ الٰہی ہے نہ کہ ان کے کسی عمل کی وجہ سے ہے اور نہ ان کی کسی سابقہ نیکی کی وجہ سے ہے بلکہ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے۔

اور غور کرو اللہ تعالیٰ کے فرمان: إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (الأحزاب ۳۳) میں تو جو ہم نے کہا ہے وہ آپ کے لئے ظاہر ہو جائے گا۔کیونکہ گناہوں سے بڑی کوئی نجاست نہیں سو ان کے گناہ صرف صورتاً ہیں نہ کہ معناً کیونکہ حق تعالیٰ ان کا ان کے گناہوں پر مواخذہ نہیں فرمائے گا۔تو کون ایسا شخص ہے جو اس مقام کا اپنے لئے دعویٰ کر سکے؟ اور اگر ان کے گناہوں کی مغفرت ان کی توبہ پر ہی منحصر ہے تو اس میں ان کی کوئی خصوصیت نہیں اور نہ ان کا غیر پر کوئی اختصاص ہو گا، اس کو سمجھو۔[1]

حدیث پاک "فاطمة بضعة مني يريبني ما رابها ويؤذيني ما آذاها" کی روشنی میں آپ نے علماء کا قول نقل کیا:

قال العلماء: ولأولادها كلهم هذا الحكم إلى يوم القيامة، فعلم أن من أقبح الخصال أن يسترى الواحد على شريفة، أو يتزوج عليها، أو يؤذيها بسوء خلقه، أو بخله، أو يخالفها في شيء تطلبه منه من المباحات۔

سیدہ پاک کی قیامت تک کی ساری اولاد اسی حکم میں شامل ہے۔تو اس سے معلوم ہوا کہ بدترین عمل یہ ہے کہ کسی شریفہ (سیدہ) سے بناوٹی مروت کرنا، یا شریفہ (سیدہ) پر دوسری شادی کرنا یا اسے بداخلاقی کے ذریعے یا بخل سے اسے ضرر دینا، یا مباح امور میں اگر وہ کوئی مطالبہ کرے تو اس کی مخالفت کرنا۔[2]

اس سے معلوم ہوا کہ سادات کرام کا بہت خیال رکھنا چاہیئے، اور یہ مشائخ کرام کے لئے ایک امتحان ہے۔سیدی و مرشدی اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام خراسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سادات کرام کا بے حد خیال رکھا کرتے تھے، کبھی سادات کرام سے ہاتھ دھلوانے کے لئے ہاتھوں پر پانی نہ ڈلوایا۔میں نے خود دیکھا کہ سید نور علی شاہ باچا صاحب مبارک جب مبارک صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس حاضر ہوا کرتے اور مبارک صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دست بوسی کیا کرتے تھے تو اس کے بعد مبارک صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ان کے ہاتھ چوما کرتے، اس وجہ سے کہ وہ (سید نور علی باچا صاحب مبارک) سید تھے۔

اسی طرح مولانا محمد ہاشم سمنگانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک چرسی سید کا بھی احترام کیا۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

من مات على حب آل محمد مات شهيدا۔

---

[1] (البحر المورود في المواثيق والعهود، المؤلف: ابو المواهب عبدالوهاب الشعراني، ص ۱۱۲، دار الكتب العلميه، بيروت، لبنان، الطبعة الثانية ۲۰۱۱ء)

[2] (البحر المورود في المواثيق والعهود، المؤلف: ابو المواهب عبدالوهاب الشعراني، ص ۱۴۴، دار الكتب العلميه، بيروت، لبنان، الطبعة الثانية ۲۰۱۱ء)

جس کا خاتمہ محبتِ اہل بیت پر ہو گا، وہ شہید ہو گا۔

الا ومن مات علی حب آل محمد مات مغفورا لہ۔

خبر دار! جس کا خاتمہ محبتِ اہلِ بیت پر ہو گا وہ مغفور ہو کر مرے گا۔

الا ومن مات علی حب آل محمد مات تائبا۔

خبر دار! جس کا خاتمہ محبت اہلِ بیت پر ہو گا، وہ مقبول التوبہ ہو کر مرے گا۔

الا ومن مات علی حب آل محمد مات مومنا مستکمل الایمان۔

خبر دار! جس کا خاتمہ محبت اہل بیت پر ہو گا اس کی موت بحالت کامل ایمان ہو گی۔

وعنہ علیہ السلام حرمت الجنۃ علی من ظلم اھل بیتی واذانی فی عترتی۔

جنت اس پر حرام کی گئی ہے جس نے میرے اہل بیت پر ظلم کیا اور میری عترت کو ایذاء دے کر مجھے ایذاء پہنچائی۔

الا ومن مات علی بغض آل محمد مات کافرا۔

خبر دار! جو آل محمد سے بغض رکھتے ہوئے مرا وہ بحالت کفر مرے گا۔

الا ومن مات علی بغض آل محمد لم یشم رائحۃ الجنۃ۔

خبر دار! جو شخص آل محمد سے بغض رکھتے ہوئے مرا وہ جنت کی ہوا نہ سونگھے گا۔

یہ احادیث مبارکہ تفسیر روح البیان میں ذکر کی گئی ہیں۔ اسی طرح اور تفاسیر میں بھی ہے، لہٰذا سادات کرام کا احترام کرنا یہ حضرت فاطمۃ الزھرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا احترام ہے، اور سیدہ فاطمۃ الزھرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا احترام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا احترام ہے، اور سادات کرام سے بغض رکھنا دراصل سیدہ فاطمۃ الزھرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بغض رکھنا ہے، کہ جب تک نماز میں سادات کرام پر درود نہ پڑھا جائے اس وقت تک نماز مکمل نہیں ہوتی۔ اور سادات کرام سے بغض رکھنے والا پکا یزیدی ہے۔

(۱۴۸) مسئلہ نمبر ایک سو اڑتالیس: مسئلۃ النادرۃ

مایقول العلماء الجھابذۃ فیمن قطع ذکرہ فقال لہ الطبیب والمعالج إنی أعالجک وأتِ بذکر فقال اب زوجۃ المقطوع الذکر للطبیب اقطع ذکری واوصل بذکر ختنی فقطع الطبیب ذکر اب الزوجۃ والحقہ بمحل القطع من زوجۃ ابنۃ افیجوز لھذا الرجل وطی زوجۃ بھذا الذکر وایضًا اتجوز صلوتہ مع ان ما ابین من الحی میتۃ۔[1]

[1] (الدر المختار، ص ۱۳۸، بیروت)

الجواب: ان هذا الفعل حرام شنیع لان الانتفاع باجزاء الانسان غیر جائز کما هو مشروح فی الکتب الفقهیة متنًا و شرحًا و مع هذا لو فعل هذا الفعل فصلوٰته جائزة و الوطی حلال و لو کره طبعًا لو شق النزع بعد الاتصال و هذه الجزئیة من المسئلة و ان لم تذکر صراحة لکن تستفاد من قول صاحب رد المحتار و هو هذا و فی مفسدات الصلوٰة من خزانة الفتاوی کسر عظمه فوصل بعظم الکلب و لا ینزع الا بتعذر جازت الصلوٰة، اه۔[1]

قال فی رد المحتار: قلت و الجواب عن الاشکال ان اعادة الاذن و ثباتها۔

انما تکون غالبًا بعود الحیات الیها فلا یصدق انما مما بین من الحی لانها بعود الحیاة الیها صارت کانها لم تبن و لو فرضت شخصامات ثم اعیدت حیاته معجزة او کرامة لعاد طاهلً، اه۔[2]

اقول ینبغی ان تسألو ابعد هذا عن العلماء الراسخین لعل عندهم احسن مما عندی۔

(الملتقط، ص ۲۰۶)

(۱۴۹) مسئلہ نمبر ایک سو انچاس: علماء کرام کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، اگرچہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہوں

ویجوز اعطاء الزکوٰة للعلماء و ان کانوا اغنیاء لانهم استحقوا بمال بیت المال و الزکوٰة لاستحقاق العلوم و العلماء لقول علیه الصلوٰة اعطاء الزکوٰة للعلماء افضل و ان جاؤ و اعلی فرسن و سرجهم من ذهب و فضة۔

الذهب الی الفضة بالقیمة حتی یتم النصاب عند ابی حنیفة رحمة اللہ تعالیٰ علیه قوله لا یجوز دفع الرفع الی من یملک نصابًا الا لطالب العلم و الغازی و منقطع الحاج لقوله علیه الصلوٰة و السلام یجوز دفع الی طالب العلم و لو کان نفقة ثلاث مائة الف دینار منیة المریدین من عینه و لقوله علیه الصلوٰة و السلام یجوز الزکوٰة لطالب العلم و لو کان نفقة له اربعین سنة کذا ذکر فی شرح المختصر علی المبسوط۔[3]

و فی خزانة العلماء عن حسب المفتین و عزاه الی المبسوط ان الزکوٰة لا یجوز لغنی الا لطالب العلم لقوله علیه الصلوٰة و السلام یجوز دفع الزکوٰة لطالب العلم و لو کان له نفقة اربعین سنة، انتهیٰ۔[4]

یقول الامام العلامة محمد عابد السندي فی المواهب اللطیفة شرح مسند الإمام أبي حنیفة:

قلت: ولهذا أجازت الحنفیة دفع الزکاة إلی العالم الغني ولو کانت عنده نصب إذا فرغ نفسه للإفادة و الإستفادة، لعجزه عن الکسب، کما ذکره الشیخ عبد المنعم القلعي في "حل الزمر شرح الکنز"۔[5]

---

[1] (ردالمحتار، ج ۱، ص ۲۲۰، بیروت)
[2] (ردالمحتار، ص ۱۳۸)
[3] (احل المشکلات، ص ۲۳۰، پشاور)
[4] (فتویٰ نور الهدیٰ، ص ۷۳)
[5] (المواهب اللطیفة شرح مسند الإمام أبي حنیفة، ج ۵، ص ۴۰۸، دار النوادر)

(۱۵۰)مسئلہ نمبر ایک سو پچاس: اقامۃ الثانی لجماعۃ الثانی

قولہ ترک واحد منھما ای واحد کان فان الاذان و الاقامۃ جعلا من شعائر الاسلام لجماعات المساجد فیکرہ فیھا ترک کل منھما فان دخل مع رفقاء فی مسجد قد صلی فیہ باذان و اقامۃ و صلی مع الجماعۃ لم یؤذن و لا بأس بالاقامۃ بل ھو الافضل بناء علی ان تکرار الاذان فی وقت واحد مشوش و الاقامۃ للحاضرین و ھم فی الجماعۃ الثانیۃ غیر الاولین فینبغی لھم الاقامۃ۔[1]

(۱۵۱)مسئلہ نمبر ایک سو اکیاون: بغیر گواہوں کے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کو گواہ بنا کر نکاح کرنا کفر نہیں ہے

المضمرات و المشکلات اور المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ میں ہے:

من "المضمرات" من "فتاویٰ الحجۃ": "إذا تزوج إمراۃ بشھادۃ اللہ ورسولہ لا یصح النکاح بحکم اللہ ورسولہ، وحکي عن أبي القاسم رحمہ اللہ (أنہ) قال: ھذا کفر محض؛ لأنہ یعتقد أن النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم یعلم الغیب، والصحیح أنہ لا یکفر؛ لأن الأنبیاء علیھم السلام یعلمون الغیب ویعرض علیھم الأشیاء فلایکون کفرًا"۔[2]

فتاویٰ التاتارخانیہ میں ہے:

تزوج امراۃ بشھادۃ اللہ ورسولہ لا یجوز؛ وعن الشیخ الإمام أبی القاسم الصفار أنہ قال: یکفر من فعل ھذا؛ لأنہ اعتقد أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم عالم الغیب، وفی الحجۃ: ذکر في الملتقط أنہ لا یکفر لأن الأشیاء تعرض علی روح النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم، وأن الرسل یعرفون بعض الغیب قال اللہ تعالیٰ: [عالم الغیب فلایظھر علی غیبہ أحدا۔إلا من ارتضی من رسول]۔[3]

فتاویٰ شامی میں ہے:

وفي رد المحتار: (قولہ قیل یکفر) لأنہ اعتقد أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم عالم الغیب قال في التاتارخانیۃ وفي الحجۃ ذکر في الملتقط أنہ لا یکفر لأن الأشیاء تعرض علی روح النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہٖ وسلم وأن الرسل یعرفون بعض الغیب قال اللہ تعالی: عالم الغیب فلایظھر علی غیبہ أحدًا، إلا من ارتضی من رسول، اہ۔قلت: بل ذکروا فی کتب العقائد أن من جملۃ کرامات الاولیاء الاطلاع علی بعض المغیبات ورد علی

[1] (شرح الوقایۃ مع حاشیۃ عمدۃ الرعایۃ، ج ۱، ص ۱۵۵، حاشیۃ ۴، مکتبہ امدادیہ، ملتان)

[2] (المضمرات والمشکلات، ج۳، ص ۱۱۵، المتانۃ في مرمۃ الخزانۃ، ج ۲، ص ۲۷۶، دار الکتب، محلہ جنگی، پشاور)

[3] (الفتاوی التاتارخانیۃ، ج۴، ۳۹ کتاب النکاح، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، لاھور)

المعتزلة المستدلين بهذه الآية على نفيها بأن المراد الإظهار بلا واسطة والمراد من الرسول الملک أي لا يظهر على غيبه بلا واسطة إلا الملک أما النبي والأولياء فيظهرهم عليه بواسطة الملک أو غيره، وقد بسطنا الكلام على هذه المسئلة فى رسالتنا المسماة سل الحسام الهندي لنصرة سيدنا خالد النقشبندى فراجعها فان فيها فوائد النفيسة، والله تعالىٰ أعلم۔[1]

المحیط البرہانی میں ہے:

وفي "فتاوى الحجة" إذا تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله لا يصح النكاح (لحكم) الله ورسوله۔ وحكى عن أبي القاسم أنه قال، هذا كفر محض۔ (لأنه) يعتقد أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم يعلم الغيب، والصحيح أنه لا يكفر، لأن الأنبياء عليهم السلام يعلمون ما كشف لهم من الغيب وتعرض عليهم الأشياء فلا يكون كفرًا۔[2]

ملتقط میں اسی مسئلہ کو صفحہ نمبر ۱۱۶ میں اس طریقہ سے ذکر فرمایا گیا ہے:

وإذا زوجت المرأة نفسها بمهر مسمى وبشهادة الله ورسوله لا يصح النكاح ولا يكفر في الحديث المرفوع۔[3]

ملتقط کی دوسری عبارت ہے:

وقالوا، في من تزوج في السر وقال: (خدا ورسول را گواه نهادم) يكفر، لأنه اعتقد أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم يعلم الغيب۔[4]

دونوں عبارتوں کے درمیان تطبیق

عمدۃ الرعایہ میں ہے:

أنّ كلّ ما صورته بلفظ: قيل أو قالوا وإن كان مقروناً بالأصحّ ونحوه فإنّه مرجوحٌ بالنسبة إلى ما ليس كذلک. انتهى۔[5]

النہایۃ میں ہے:

لأن لفظ قالوا إنما يستعملون في ما فيه اختلاف۔[6]

---

[1] (ردالمحتار على الدر المختار، ج۲، ص۳۰۰، مکتبہ حقانیہ، محلہ جنگی، پشاور)

[2] (المحيط البرهاني، ج۳، ص۲۹۶، جامع المضمرات والمشكلات في شرح مختصر الامام القدوري، ج۳، ص۵۱۱، مکتبہ دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[3] (المتقط، ص۱۱۶)

[4] (الملتقط في الفتاوىٰ الحنفية، كتاب السير، ص۲۴۴)

[5] (عمدة الرعاية، ص۱۷)

[6] (النهاية البناية، ص۱۰۸، ايضًا ج۲، ص۴۹۳)

غنیۃ المتملی میں ہے:

قالوا اشارۃ إلی عدم استحسانه له وإلی أنه غیر مروی عن الائمة۔[1]

[1] (غنیۃ المتملی، ص ۴۲۲)